ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

کتاب مستطاب

سیرۃ النبی ﷺ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حصہ اول

مجلد اول - از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات - مع مقدمہ مشتمل بر نقد فن سیرۃ

و تاریخ عرب قبل ظہور بعثت

تالیف

حجۃ الملۃ والدین شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

باہتمام مسعود علی ندوی

در مطبع معارف شہر اعظم گڈھ مطبوع گردید

طبع ؍ قیمت ؍

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

کتاب مستطاب

سِیرۃُ النّبی ﷺ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

حصہ اوّل

مجلد اوّل - از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات - مع مقدمہ مشتمل بر نقد فن سیرۃ

و تاریخ عرب قبل ظہور بعثت

تالیف

حجۃ الملۃ والدین شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

باہتمام مسعود علی ندوی

در مطبع معارف شہر اعظم گڈھ مطبوع گردید

طبع دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

سیرۃ نبوی جلد اول طبع اول کو شائع ہوئے آج چار برس ہوئے، اس اثنا مین خداوند تبارک و تعالیٰ نے اوسکو جو مقبولیت عطا فرمائی وہ ہم خاکسارانِ دار المصنفین کے لیے فخر و نازش کا سرمایہ ہے، نہ صرف یہ کہ عام قدر دانون نے اسکو جان و دل سے خریدا، اور امرا اور والیانِ ممالک نے اسکی خدمت کو سعادت دارین سمجھا بلکہ خواص اور علما کے طبقہ نے بھی اسکی قدر شناسی کی،

ہندوستان مین اہل علم کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جسنے اپنے اپنے فن کی میزانِ نقد مین سیرت کے مضامین و تحقیقات کو نہ تولا، حفاظ نے اسکی آیات قرآنی کو پڑھا، محدثین نے اس کی حدیثین جانچین، ادیبون نے اسکے عربی اشعار اور ترجمون پر نقد کیا، علمائے انساب نے اسما کی تنقیح کی، منجمون اور حساب دانون نے اسکے زائچون اور تاریخون پر نظر ثانی کی، اہل تاریخ و سیر نے واقعات کی جانچ پرتال کی، اور ہم ممنون ہین کہ نہایت خلوص و محبت سے اونھون نے اپنے نتائج افکار سے ہمکو مطلع کیا، اور ہم نے اون سے فائدہ اُٹھایا۔

طبع اول مین جیسا کہ خاتمہ مین ہم نے اقرار کیا تھا چھاپہ کے اغلاط اور سہو کے چند مسامحات رہ گئے تھے، اس طبع مین جہان تک امکان انسانی ہے تصحیح کی انتہائی کوشش کی گئی ہے اور یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ اغلاط اور مسامحات سے پاک ہوگا، جو لوگ سیرۃ پر نقد کرنا چاہتے ہون اونکو یہی نسخہ پیش نظر رکھنا چاہیے،

طبع اول بڑی تقطیع پر شائع ہوئی تھی لوگون کا اصرار تھا کہ طبع ثانی کتابی تقطیع پر شائع ہو، تاکہ وہ بآسانی ہر وقت استعمال مین آسکے، یہ اونکی تعمیل ہے، انشاء اللہ ہر جلد کے طبع اول کی بڑی تقطیع کے بعد طبع ثانی چھوٹی تقطیع پر شائع ہوتی رہیگی،

سید سلیمان ندوی

۲۸- ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اوّل

سیرۃ نبوی، جس کے غلغلہ سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہی، آج ۷ سال کے بعد اُس کی پہلی جلد شایقین کے ہاتھ مین جاتی ہے، مین اپنا دل اِس وقت مسرّت آمیز اطمینان سے لبریز پاتا ہون، کہ اُستاد مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ مین جو فرض میرے سپرد کیا تھا، الحمدللہ کہ اُس کے ایک حصہ سے آج سبکدوش ہوتا ہون، ع

شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

لیکن اِس مسرّت اور اطمینان کے ساتھ یہ حسرتناک منظر بھی سامنے ہے، کہ مصنف اپنی چار سال کی جانکاہ محنت کا ثمرہ خود اپنے ہاتھ سے قوم کی نذر نہ کرسکا، اور حسنِ عقیدت کے جو پھول سیکڑون چمن کدون سے چن کر اُس کے ہاتھ آئے تھے اُن کو آستانۂ **نبوّت** پر وہ خود نہ چڑھا سکا،

مصنفِ مرحوم کو سیرۃ نبوی کے لکھنے کا خیال **الفاروق** کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا چنانچہ ۱۳۲۳ھ مین اِس کا ایک مختصر سا حصہ یعنی غزوۂ اُحُد تک وہ لکھ بھی چکے تھے[1]، کہ بعض مشکلات کی بنا پر رُک گئے، لیکن ملک کا تقاضائے شوق برابر جاری رہا، بالآخر اُنھون نے ۱۳۳۰ھ مین اِس

---

[1] یہ مسودہ اب تک موجود ہی،

بار امانت کے اُٹھانے کا آخری فیصلہ کر لیا، چنانچہ پچاس ہزار روپے کے سرمایہ کے لئے اُنھون نے قوم مین مرافعہ پیش کیا، سیکڑون مسلمان اِس خدمت کے لئے آگے بڑھے، ان مین فقراے اُمت بھی تھے اور اُمراے ملت بھی، لیکن یہ سعادت اُخروی ازل ہی سے خَادِمَةُ الْمِلَّةِ النَّبَوِيَّةِ مُخَدَّوْمَةُ الْاُمَّةِ الْمُحَمَّدِيَّة نواب **سلطان جہان** بیگم تاج الہند فرمان فرماے بھوپال مَتَّعَ اللّٰہُ الْمُسْلِمِيْنَ بِطُوْلِ بَقَائِهَا وَدَوَامِ مُلْكِهَا، کے لئے مقدر تھی، اسلئے وہ سب کے آگے بڑھین اور سوانح نگارِ نبوت کو دوسرے آستانون سے بے نیاز کر کے اس سرمایۂ سعادت کو اپنے خزانۂ عامرہ مین شامل کر لیا فرمانروا خواتین اسلام نے جو مذہبی کارنامے ابتک انجام دیئے ہین، آیندہ مورّخ غالبًا اس کارنامہ کو ان مین سب سے بڑا قرار دیگا، کہ اس کا تعلّق اُس ذاتِ اقدس سے ہے، جو اسلام کی تاریخ مین کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے،

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد شاید دوبارہ اس خدمت گذاری کے لیے مسلمانون مین قرعہ اندازی ہوتی، لیکن فرمان فرماے **بھوپال** نے مصنف کے جانشینون کے لئے بھی سلسلۂ فیض کو برابر جاری رکھا، مصنف مرحوم کے منشا کے مطابق[1] اس موقع پر منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال کا نام لینا بھی ضروری ہے جن کی مروجہ جنبانی سے نسیم سعادت کے یہ جھونکے اِس باغ قدس مین دوبارہ آئے،

مصنّف مرحوم نے جو مسودہ چھوڑا تھا اُس مین اِس حصّہ تک مبیّضہ صاف تھا، البتہ تین چار مقامات پر اضافہ کی علامت بنی تھی اور مطالب کا اشارہ تھا، ان کو بڑھا دیا گیا معلوم ہوتا ہے

[1] مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۲۶۱

کہ اِس حصّہ کی تکمیل کے بعد اُن کو خیال آیا کہ قدیم مورخین کی طرح سنہ وار واقعات کی ترتیب رکھکر ہر سنہ کے آخر مین جزئی حالات "واقعات متفرقہ" کے عنوان سے لکھدیے جائین، چنانچہ مبیّضہ پر ۴ھ تک اپنے قلم سے وہ لکھ سکے، یہ امانت جب میرے سپرد ہوئی تو مین نے بقیہ سنین کے آخر مین اُسی قسم کے جزئیات متفرقہ کا اضافہ کردیا، حواشی یا حوالے کہین کہین چھوٹ گئے تھے، وہ ڈھونڈھکر لکھے، لیکن اسکی کامل احتیاط کی گئی کہ جامع کا کوئی لفظ بلکہ کوئی حرف مصنّف کی عبارت مین نہ ملنے پائے، چنانچہ ان تمام جزئی اضافون کو قوسین کے اندر جگہ دیگئی ہی، اِس بنا پر لفظ "صلعم" یا جملہ ہائے معترضہ کے سوا جو چند فقرے اور عبارتین قوسین مین ہین وہ اضافہ ہین،

یہ پہلے خیال تھا کہ جلد اوّل کو وفات تک وسعت دیجائے، لیکن جب کتابت شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ضخامت ... صفحہ کو پہنچ جائے گی اور اس سے جلد کی نفاست کو صدمہ پہونچے گا، سامان طبع کی گرانی جو تعویق پیدا ہورہی تھی، اُس نے مجبور کیا کہ اِسکو دو جلدون مین تقسیم کردیا جائے، چنانچہ پہلی جلد سلسلۂ جنگ وغزوات پر ختم کردی گئی، اور دوسری جلد اسلام کی امن کی زندگی، تنظیم وتبلیغ، اشاعتِ اسلام، وفات اور اخلاق کی الگ کردی گئی، خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ اِس کی طبع واشاعت کی بھی توفیق عطا فرمائے، حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ،

مصنّف مرحوم کتاب کا سرنامہ لکھنے نہ پائے تھے، اُن کے مسودات مین اتفاقاً یہ تحریر قلمزدہ مل گئی اُسی کو غنیمت سمجھکر تبرکاً داخل کتاب کیا جاتا ہے،

جامع

سیّد سلیمان ندوی

دار المصنّفین اعظم گڈھ، ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

فہرست مضامین سیرۃ النبیؐ، حصۂ اول

مقدمہ (فن روایت)

۱ — ۹۸

آفتاب رسالت کا طلوع

۱۸۵ — ۲۴۸

سنہ ۶ھ

صلح حدیبیہ، بیعت رضوان، سلاطین کو دعوت اسلام

۴۱۱ - ۴۳۵

سرنامہ

ایک گدائے بے نوا شہنشاہِ کونین کے دربار
مین، اخلاص و عقیدت کی نذر لیکر آیا ہے،

زچشم آستین بردار و گوہر را تماشا کن

شبلی،

شوال ۱۳۳۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

سیرت نبوی کی تالیف کی ضرورت

عالم کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرض، اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہے کہ نفوس انسانی کے اخلاق و تربیت کی اصلاح و تکمیل کی جائے یعنی پہلے ہر قسم کے فضایل اخلاق، زہد و تقوی، عصمت و عفاف، احسان و کرم، حلم و عفو، عزم و ثبات، ایثار و لطف، غیرت و استغنا کے اصول و فروع نہایت صحیح طریقہ سے قایم کیے جائین، اور پھر تمام عالم مین انکی عملی تعلیم رائج کیجائے،

اس مقصد کے حصول کا عام طریقہ وعظ و پند ہے، اس سے زیادہ متمدن طریقہ یہ ہے کہ فن اخلاق مین اعلیٰ درجہ کی کتابین لکھی جاکر تمام ملک مین پھیلائی جائین، اور لوگون کو ان کی تعلیم دلائی جائے، ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگون سے بہ جبر محاسن اخلاق کی تعمیل کرائی جائے، اور رذایل سے روکے جائین،

یہی طریقے ہین جو ابتدا سے آج تک تمام دنیا مین جاری ہین، اور آج اس انتہائی ترقی یافتہ دور مین بھی اس سے زیادہ کچھ نہین کیا جاسکتا، لیکن سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ کامل سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے، کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے، نہ تحریری نقوش پیش کیے جائین،

نہ جبر و زور سے کام لیا جائے، بلکہ فضایل اخلاق کا ایک پیکرِ مجسم سامنے آجائے جو خود ہمہ تن آئینۂ عمل ہو، جس کی ہر جنبشِ لب ہزارون تصنیفات کا کام دے، اور جس کا ایک ایک اشارہ، اوامرِ سلطانی بن جائے، دنیا مین آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے، سب اِنہی نفوس قدسیہ کا پرتو ہے دیگر اور اسباب صرف ایوانِ تمدن کے نقش و نگار ہین۔

لیکن اسوقت تک، دُنیا کی جس قدر تاریخ معلوم ہے اُس نے اس قسم کے نفوسِ قدسیہ جو پیش کیے ہین، وہ فضایل اخلاق کی کسی خاص صنف کے نمونے تھے، مثلاً جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کے مکتبِ درس مین صرف حلم و تحمل، صلح و عفو، قناعت و تواضع کی تعلیم ہوتی تھی، حکومت و فرمانروائی کے لیے جو فضایلِ اخلاق درکار ہین مسیحی تعلیم کی بیاض مین ان سطرون کی جگہ سادی ہے، حضرت موسےٰ، اور نوح علیہما السلام کے اوراقِ تعلیم مین عفو عام کے صفحے خالی ہین، اس بنا پر ہر ہر قدم پر نئے نئے رہنما کی ضرورت پیش آئی، اور اس لیے عالم انسانی اپنی تکمیل کے لیے ہمیشہ ایسے جامع کامل کا محتاج رہا جو صاحب شمشیر و نگین بھی ہو اور گوشہ نشین بھی؛ بادشاہ کشورکشا بھی ہو اور گدا بھی، فرمان روائے جہان بھی ہو اور سبحہ گردان بھی، مفلس قانع بھی ہو اور غنیِ دریا دل بھی، یہ برزخِ کامل، یہ ہستیِ جامع، یہ صحیفۂ یزدانی، عَالَمِ کون کی آخری معراج ہے

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔

عالمِ فانی کی کوئی چیز ابدی نہین، اِس لیے یہ ہستیِ جامع، دنیا مین اگر ہمیشہ نہین رہ سکتی؛ اس لیے ضرور ہے کہ اُسکی زبان کا ایک ایک حرف، اُسکی حرکات و سکنات کی ایک ایک ادا، اُس کے حلیۂ وجود کے ایک ایک خط و خال کا عکس لے لیا جاے کہ مراحل زندگی مین

جہان ضرورت پیش آئے رہنمائی کے کام آئے لیکن یہ عجیب اتفاق ہو کہ جس طرح دیگر تمام بانیان مذہب جامعیتِ کبریٰ کے وصف سے خالی تھے، اُن کے کارنامۂ زندگی کی تصویرین بھی ناتمام لی گئین، جناب مسیح کی ۳۳ سالہ زندگی مین سے صرف ۳ برس کے حالات معلوم ہین۔ فارس کے مُصلحانِ دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ سے روشناس ہین، ہندوستان کے پیغمبر افسانون کے حجاب مین گُم ہین، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اُس کا ذریعہ صرف موجودہ توراۃ ہے، جو حضرت موسیٰ کے ۳۰۰ برس بعد عالمِ وجود مین آئی۔ یہ قدرت کی طرف سے اشارہ تھا کہ ان کے کارنامے، اور اصول تعلیم ابدی نہ تھے، اس لیے نقل و روایت کے آئینہ مین جسقدر اُن کا ناتمام عکس اُترا اُس سے زیادہ ضروری بھی نہ تھا، قدرت، خود ضرورت کی اندازہ دان ہے، اور جب جس چیز کی ضرورت ہوتی ہو وہ خود مہیّا کردیتی ہے۔

تمام ارباب مذاہب مین سے ہر ایک کو اپنا مذہب اُسی قدر عزیز ہے جس قدر دوسرے کو ہے، اس لیے اگر بے پردہ یہ سوال کیا جائے کہ دنیا مین کون ہستی تھی جس مین جامعیّتِ کبریٰ کا وصف نمایان تھا؟ تو ہر طرف سے مختلف صدائین آئین گی، لیکن اگر یہی سوال اس پیرایہ مین بدل دیا جائے، کہ دنیا مین وہ کون شخص گزرا ہے جسکا کارنامۂ زندگی، اس طرح قلمبند ہوا کہ ایک طرف تو صحت کا یہ انتظام تھا کہ کسی صحیفۂ آسمانی کے لیے بھی نہ ہوسکا، اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ اقوال و افعال، وضع و قطع، شکل و شباہت، رفتار و گفتار، مذاقِ طبیعت، اندازِ گفتگو، طرزِ زندگی، طریقِ معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اوٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ

رہ گئی، تو اس سوال کے جواب مین صرف ایک صدا بلند ہوسکتی ہے (محمد عربی فداہ ابی و امی)

علمی حیثیت

یہ جو کچھ کہا گیا، مقصدِ تصنیف کا مذہبی پہلو تھا، اسی مسئلہ کو علمی حیثیت سے دیکھو، علوم و فنون کی صف مین سیرت (بیاگرفی) کا ایک خاص درجہ ہے، ادنےٰ سے ادنےٰ آدمی کے حالات زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لیے دلیل راہ ہین، چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی عجیب خواہشین رکھتا ہے، کیا کیا منصوبے باندھتا ہے، اپنے چھوٹے سے دائرۂ عمل مین کس طرح آگے بڑھتا ہے، کیونکر ترقی کے زینون پر چڑھتا ہے، کہان کہان ٹھوکرین کھاتا ہے، کیا کیا مزاحمتین اٹھاتا ہے، تھک کر بیٹھ جاتا ہے، سستاتا ہی، اور پھر آگے بڑھتا ہے، غرض سعی و عمل، جد و جہد، ہمت و غیرت کی جو عجیب و غریب نیرنگیان سکندر اعظم کے کارنامۂ زندگی مین موجود ہین، بعینہٖ یہی منظر ایک غریب مزدور کے عرصۂ حیات مین بھی نظر آتا ہے۔

اس بنا پر اگر سیرت اور سوانح کا فن، عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کی غرض سے درکار رہی تو "شخص" کا سوال نظرانداز ہو جاتا ہے، صرف یہ دیکھنا رہ جاتا ہے کہ حالات اور واقعات جو ہاتھ آتے ہین، وہ کس وسعت و استقصا و تفصیل کے ساتھ ہاتھ آتے ہین، تاکہ مراحلِ زندگی کی تمام راہین، اور اُن کے پیچ و خم ایک ایک کرکے نظر کے سامنے آجائین، لیکن اگر خوش قسمتی سے فردِ کامل، اور استقصاے واقعات دونون باتین جمع ہو جائین تو اس سے بڑھکر اس فن کی کیا خوش قسمتی ہوسکتی ہے۔

وجوہ مذکورۂ بالا کی بنا پر کون شخص انکار کرسکتا ہے کہ صرف ہم مسلمانون کو نہین، بلکہ تمام عالم کو اُس وجودِ مقدس کی سوانح عمری کی ضرورت ہی جسکا نام مبارک "محمد" (رسول اللہ) ہی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً کَثِیْرًا کَثِیْرًا، یہ ضرورت، صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہین ہے، بلکہ ایک علمی ضرورت ہے، ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے، اور مختصر یہ ہے کہ مجموعۂ ضروریات دینی ودنیوی ہے،

مین اِس بات سے ناواقف نہ تھا کہ اسلام کی حیثیت سے میرا فرض اوّلین یہی تھا کہ تمام تصنیفات سے پہلے مین سیرۃ نبوی کی خدمت انجام دیتا لیکن یہ ایک ایسا اہم اور نازک، فرض تھا کہ مین مُدت تک اس کے اداکرنے کی جُرأت نہ کرسکا، تاہم مین دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے اداکرنے کی ضرورتین بڑھتی جاتی ہین۔

علم کلام کی حیثیت سے سیرۃ کی ضرورت

اگلے زمانہ مین **سیرۃ** کی ضرورت، صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی، علم کلام سے اس کو واسطہ نہ تھا، لیکن معترضینِ حال کہتے ہین کہ اگر مذہب، صرف خدا کے اعتراف کا نام ہی تو بحث یہین تک رہجاتی ہی لیکن جب اقرارِ نبوت بھی جزوِ مذہب ہی تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو شخص حاملِ وحی اور سفیرِ الٰہی تھا، اس کے حالات، اخلاق اور عادات کیا تھے؟

یورپ کے مورخین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہین، وہ (نعوذ باللہ) ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہی، آج کل مسلمانون کو جدید ضرورتون نے عربی علوم سے بالکل محروم کردیا ہے، اس لیے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبر اسلام کے حالات اور سوانح کے دریافت کرنے کا شوق ہوتا ہے تو اُنھی یورپ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اس طرح یہ زہرآلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی جاتی ہین، اور لوگون کو خبر تک نہین ہوتی، یہانتک کہ ملک مین ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا ہے جو پیغمبر کو محض ایک مُصلح سمجھتا ہے جس نے اگرچہ

انسانی مین کوئی اصلاح کردی تو اُس کا فرض ادا ہوگیا، اِس بات سے اُس کے منصبِ نبوّت مین فرق نہین آتا کہ اُس کے دامنِ اخلاق پر معصیت کے دھبّے بھی ہین۔

یہ واقعات تھے جنھون نے مجکو بالآخر مجبور کیا، اور مین نے سیرۃ نبوی پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ کرلیا، یہ کام بظاہر نہایت آسان تھا، عربی زبان مین سینکڑون کتابین موجود ہین، اُن کو سامنے رکھکر ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب لکھدینا زیادہ سے زیادہ چند مہینون کا کام تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی تصنیف اس تصنیف سے زیادہ دیر طلب اور جامع مشکلات نہین ہوسکتی،

آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کرین گے کہ خاص سیرت[1] پر آج تک کوئی ایسی کتاب

---

[1] اِس موقع پر ایک نہایت ضروری بحث طے کردینے کے قابل ہے، جو آج کل کی قلتِ علم اور ناآشنائیِ فن نے پیدا کردی ہی، بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہین کہ سیرت فنِ حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہی، یعنی احادیث مین سے وہ واقعات الگ لکھدیے گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات سے متعلق ہین۔ تو یہ سیرت بنگئی۔ اور چونکہ حدیث مین متعدد کتابین ایسی موجود ہین جن مین ایک حدیث بھی ضعیف نہین مثلاً صحیح بخاری، مسلم، تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ "سیرت مین کوئی کتاب آج تک صحت کے التزام کے ساتھ نہین لکھی گئی" اس بحث کے ذہن نشین کرنے کے لیے امور ذیل پیش نظر رکھنے چاہئین۔

(۱) پہلی بحث یہ ہے کہ سیرت کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہی، محدثین اور ارباب رجال کی اصطلاحِ قدیم یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے، چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہین اور سیرت بھی، حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب المغازی مین یہ دونون نام ایک ہی کتاب کے لیے استعمال کرتے ہین۔ فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہی، فقہ مین جو باب کتاب الجہاد والسیر باندھتے ہین اس مین سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہین کئی صدی تک یہی طریقہ رہا چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابین سیرت کے نام سے (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

نہین لکھی گئی، جس مین صرف صحیح روایتون کا التزام کیا جاتا، حافظ زین الدین عراقی جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، سیرۃ نبوی مین لکھتے ہین۔

وَلیَعلَمِ الطَّالِبُ اَنَّ السِّیَرَا تَجمَعُ مَا صَحَّ وَمَا قَدْ اُنکِرَا

یعنی طالب فن کو جاننا چاہیے کہ سیرۃ مین ہر قسم کی روایتین نقل کیجاتی ہین صحیح بھی اور قابل انکار بھی

یہی سبب ہے کہ مستند اور مسلّم الثبوت تصنیفات مین بھی بہت سی ضعیف روایتین شامل ہوگئین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مشہور ہین، مثلاً سیرت ابن ہشام، سیرت ابن عائذ، سیرت اُموی وغیرہ، ان مین زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہین، البتہ زمانہ مابعد مین، مغازی کے سوا، اور اور چیزین بھی داخل کر لی گئین، مثلاً مواہب لدنیہ مین غزوات کے علاوہ سب کچھ ہے،

اس بنا پر محدثین کی اصطلاح مین مغازی اور سیرت، عام فن حدیث سے ایک الگ چیز ہے، یہان تک کہ بعض موقعون پر ارباب سیر اور محدثین، دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہین اور بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہو کہ تمام ارباب سیر ایک طرف ہوتے ہین اور امام بخاری و مسلم ایک طرف، ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہین کرتے کہ تمام ارباب سیر کے خلاف ہو لیکن محققین کہتے ہین کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ مین بھی قابل ترجیح ہے، ہم اس موقع پر ایک دو واقعہ مثال کے طور پر لکھتے ہین۔

غزوات مین ایک غزوہ **ذو قرد** کے نام سے مشہور ہو، اس کی نسبت ارباب سیر متفق ہین کہ صلح حدیبیہ سے قبل واقع ہوا تھا، لیکن صحیح مسلم مین سلمہ بن الاکوع سے جو روایت ہو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے تین دن قبل کا واقعہ ہے، اس حدیث کی شرح مین علامۂ قرطبی نے لکھا ہے،

لا یختلف اھل السیر ان غزوۃ ذی قرد کانت قبل الحدیبیۃ فیکون ما وقع فی حدیث سلمۃ من وھم بعض الرواۃ،	اہل سیر مین سے کسی کو اس امر مین اختلاف نہین ہو کہ غزوہ ذی قرد، حدیبیہ سے پہلے واقع ہوا تھا تو سلمہ کی حدیث مین جو مذکور ہے، وہ کسی راوی کا وہم ہوگا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (ذکر غزوہ ذی قرد) مین قرطبی کے اس قول پر بحث کر کے لکھتے ہین،

اس بنا پر ضرور تھا کہ نہایت کثرت سے حدیث و رجال کی کتابین بہم پونہچائی جائین، اور پھر نہایت تحقیق اور تنقید سے ایک مستند تصنیف طیار کی جائے، لیکن سیکڑون کتابون کا استقصا کے ساتھ دیکھنا اور اُن سے معلومات کا اقتباس کرنا، ایک شخص کا کام نہ تھا، اس کے ساتھ ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ یورپ مین **آنحضرت** (صلے اللہ علیہ وسلم) کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہو اُس سے واقفیت حاصل کی جائے، مین بدقسمتی سے یورپ کی کوئی زبان نہین جانتا، اس لیے ایک محکمۂ تصنیف

فعلیٰ ھذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوۃ ذی قرد اصح مما ذکرہ اھل السیر،

تو اس بنا پر صحیح (مُسلم) مین غزوہ ذی قرد کی جو تاریخ مذکور ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہی جو مصنفین سیرت نے بیان کی ہی۔

دُمیاطی ایک مشہور محدث ہین انھون نے سیرت مین ایک کتاب لکھی ہے جو آج بھی موجود ہی، اس مین انھون نے اکثر موقعون پر ارباب سیر کی روایت کو ترجیح دی تھی لیکن جب زیادہ تتبع کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ احادیث صحیحہ کو سیرت کی روایتون پر ترجیح ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب مین ترمیم کرنی چاہی لیکن اس کے نسخے کثرت سے شائع ہو گئے تھے اس لیے نہ کرسکے۔

حافظ ابن حجر خود دمیاطی کا قول نقل کر کے لکھتے ہین

ودل ھذا علی انہ کان یعتقد الرجوع عن کثیر مما وافق فیہ اھل السیر وخالف الاحادیث الصحیحۃ وان ذلک کان بہ قبل تضلعہ منھا ولخروج نسخ کتابہ وانتشارہ لم یتمکن من تغییرہ،

(زرقانی بر مواہب جلد ۳ صفحہ ۱۱)

اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ وہ (یعنی دمیاطی) قصد کر چکے تھے کہ جن موقعون پر انھون نے ارباب سیر سے اتفاق کر کے احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہو ان سے رجوع کرین گے اور یہ کہ یہ امر اُن سے مہارت فن کے قبل صادر ہوا۔ لیکن چونکہ کتاب کے نسخے شائع ہو چکے تھے اسلیے وہ اپنی کتاب کی اصلاح نہ کرسکے۔

۲- ایک غزوہ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے اسکی نسبت اکثر ارباب سیر کا اتفاق ہو کہ جنگ خیبر کے قبل واقع ہوا تھا لیکن امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ خیبر کے بعد واقع ہوا، اس پر علامہ دمیاطی نے بخاری کی روایت سے اختلاف کیا۔ حافظ ابن حجر فتح الباری مین لکھتے ہین۔

کی ضرورت تھی، جس مین قابل عربی دان اور مغربی زبانون کے جاننے والے شامل ہون، خدا نے جب یہ سامان پیدا کردیئے تو اب مجھ کو کیا عذر ہوسکتا تھا، اب بھی اگر اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہتا تو اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہوسکتی تھی،

مسلمانون کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہین ہوسکتا کہ انھون نے اپنے پیغمبر کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات

واما شیخه الدمیاطی فادعی غلط الحدیث الصحیح وان جمیع اهل السیر علی خلافه،
(فتح الباری جزء ہفتم صفحہ ۳۲۲)

باقی اُن کے شیخ دُمیاطی تو انھون نے حدیث صحیح کی نسبت اس بنا پر غلطی کا دعوے کیا ہے کہ تمام اہل سیر اس کے خلاف ہین۔

حافظ ابن حجر نے اس قول کو نقل کرکے اس کا رد بھی کیا ہے،

اس تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ سیرت ایک جداگانہ فن ہے، اور بعینہ فن حدیث نہین ہے اور اس بنا پر اسکی روایتون مین اس درجہ کی شدت احتیاط ملحوظ نہین رکھی جاتی جو فن صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن اور حدیث ہی سے ماخوذ ہے لیکن یہ نہین کہہ سکتے کہ یہ بعینہ قرآن، یا حدیث ہے، یا ان دونون کے ہم پلہ ہے۔

۲- مغازی اور سیرت مین جس قسم کی جزئی تفصیلین مقصود ہوتی ہین وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار کے موافق نہین مل سکتین، اس لیے ارباب سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے اس بنا پر سیرت و مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم ہے،

۳- جس طرح امام بخاری و مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب مین درج نہ کرین گے اس طرح سیر کی تصنیفات مین کسی نے یہ التزام نہین کیا، آج جس قدر کتابین قدما سے لیکر متاخرین تک کی موجود ہین، مثلاً سیرت ابن اسحاق سیرت ابن ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرت دمیاطی، حلبی، مواہب لدنیہ، کسی مین یہ التزام نہین۔

تفصیل مذکورہ بالا سے ظاہر ہوا ہوگا کہ ہماری اس عبارت کا کہ "سیرت مین آج تک کوئی کتاب صحت کے التزام کے ساتھ نہین لکھی گئی" اس کا کیا مطلب ہے۔ اور کہان تک صحیح ہے

آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہین ہو سکے، اور نہ آیندہ توقع کی جاسکتی ہے' اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہوسکتی ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے افعال اور اقوال کی تحقیق کی غرض سے آپ کے دیکھنے والون اور ملنے والون مین سے تقریباً تیرہ ہزار شخصون کے نام اور حالات قلمبند کیے گئے اور اُس زمانہ مین کیے گئے جب تصنیف و تالیف کا آغاز تھا، طبقات ابن سعد، کتاب الصحابۃ لابن السکن، کتاب لعبداللہ بن علی بن جارود، کتاب العقیلی فی الصحابۃ، کتاب ابن ابی حاتم الرازی، کتاب الازرق، کتاب الدولابی، کتاب البغوی[1] طبقات ابن ماکولا، اسد الغابۃ، استیعاب، اصابہ فی احوال الصحابۃ، صرف انہی بزرگون کے حالات مین ہین۔ کیا دنیا مین کسی شخص کے رُفقا مین سے اتنے لوگون کے نام اور حالات درج تحریر ہوسکے ہین؟

سیرۃ نبوی کے متعلق قدما نے جو ذخیرہ مُہیّا[2] کیا، اُسکی مختصر تاریخ اور کیفیت ہم اس غرض سے اس موقع پر درج کردیتے ہین کہ ایک کامل اور مستند کتاب کے مرتب کرنے کے لیے اس ذخیرہ سے کیونکر کام لیا جاسکتا ہے، اور کہان تک تحقیق و تنقید کی ضرورت ہے،

فن سیرت کی ابتدا اور تحریری سرمایہ عام طور پر یہ خیال ہے کہ چونکہ عرب مین لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا؛

---

[1] ان کتابون کا ذکر، استیعاب کے دیباچہ مین ہے

[2] یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حدیث کی کتابون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اخلاق و عادات کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہین جو سیرت مین کافی مدد دے سکتے ہین، تاہم تنہا اُن سے ایک تاریخی تصنیف طیار نہین ہوسکتی، اس کے علاوہ اُن مین تاریخی ترتیب نہین ہے، یہان ہم نے جن کتابون کا ذکر کیا ہے، حدیث کی کتابین ان کے علاوہ ہین

اور اسلام مین تدوین و تالیف کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ سے (تقریباً ۱۴۳ھ مین) ہوا، اِس لیے اس زمانہ تک سیرت اور روایات کا جو کچھ ذخیرہ تھا، زبانی تھا، تحریری نہ تھا لیکن یہ خیال صحیح نہین، عرب مین لکھنے پڑھنے کا رواج (گو، کم سہی) مدت سے چلا آتا ہے بہت قدیم زمانہ مین حمیری اور نابتی خط تھا جس کے کتبے آج نہایت کثرت سے یورپ کی بدولت مہیا ہوگئے ہین، اسلام سے کچھ پہلے وہ خط ایجاد ہوا جو عربی خط کہلاتا ہے، اور جس نے بہت سی صورتین بدل کر آج یہ صورت اختیار کر لی ہے۔

اس خط کی تاریخ اور اس کی ابتدا کے متعلق جو قدیم روایتین کتابون مین مذکور ہین اکثر افسانہ ہین، مثلاً ابن الندیم نے کلبی سے نقل کیا ہو کہ "اول اول جن لوگون نے عربی خط ایجاد کیا اُن کے یہ نام تھے، ابوجاد، ہواز، حطی، کلمون، سعفص، قریشات (یہی نام ہین جن کو ہم آج ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، کہتے ہین) اسی طرح کعب کا یہ قول کہ تمام خطوط حضرت آدم نے ایجاد کیے تھے۔ ابن الندیم نے حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے عربی خط لکھا وہ تین شخص قبیلۂ بولان (قبیلۂ طے کی ایک شاخ) کے تھے، جو انبار مین آباد تھے۔ ان کے نام مرامر بن مرة، اسلم بن سدرة، عامر بن جدرة تھے،

ان تمام روایتون مین جو قرین قیاس ہی وہ روایت ہے جو ابن الندیم نے عُمر بن شبہ کی کتاب مکہ سے نقل کی ہے، یعنی سب سے پہلے عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا جو نبو مخلد بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا، اور غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب قریش نے عروج حاصل کر لیا تھا اور تجارت کے ذریعہ سے بیرونی ممالک مین آمد و رفت رکھتے تھے، ابن الندیم نے لکھا ہے کہ مین نے مامون الرشید

کے کتب خانہ مین ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبدالمطلب بن ہاشم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد) کے ہات کی لکھی ہوئی تھی، اس کے یہ الفاظ تھے،

حَقُّ عبدالمُطّلب بن هاشم مِنْ اَهْلِ مَكَّة	یہ عبدالمطلب بن ہاشم (جو مکہ کا باشندہ ہے) کا قرضہ
علیٰ فلان ابن فلان الحمیری من اهلِ	فلان شخص پر ہے، جو صنعا کا رہنے والا ہے
وزل صنعا علیه الفُ درهم فِضة کیلاً	یہ چاندی کے ہزار درہم ہین، جب طلب کیا
بالحدیدة ومتیٰ دعاهُ بِها اجابهٗ شهد	جائے گا وہ ادا کرے گا۔ خدا، اور دو فرشتے
الله والملکان	اُس کے گواہ ہین۔

اس دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالمطلب نے کسی حمیری شخص کو ہزار درہم قرض دیے تھے، خاتمہ مین دو فرشتون کی گواہی لکھی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانہ مین فرشتون کا (اور شاید کرام کاتبین کا) اعتقاد موجود تھا،

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس دستاویز کا خط ایسا تھا جیسا عورتون کا خط ہوتا ہے،

علامہ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جب بعثت ہوئی تو قریش مین ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے، یعنی حضرت عمر رضؓ، حضرت علی رضؓ، حضرت عثمان رضؓ، حضرت ابوعبیدہ رضؓ طلحہ، زید، ابوحذیفہ، ابوسفیان، شفاء بنت عبداللہ وغیرہ،

بدر کی لڑائی جو ۲ ؁ھ مین ہوئی، اس مین قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے، اُن سے فدیہ لیا گیا لیکن بعض ایسے بھی تھے جو ناداری کی وجہ سے فدیہ نہین ادا کر سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم دیا

۱؎ فتوح البلدان ذکر خط، صفحہ ۴۷۱ مطبوعہ یورپ،

کہ ہر شخص دس دس بچون کو اپنے ذمہ لیکر اُن کو لکھنا سکھادے، چنانچہ حضرت زید بن ثابت نے جو کاتب وحی ہین، اسی طرح لکھنا سیکھا تھا[1]۔

ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ عرب اور خصوصاً مکہ و مدینہ مین آنحضرت صلعم کے زمانہ ہی مین لکھنے پڑھنے کا کافی رواج ہوچکا تھا، البتہ یہ تحقیق طلب ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ مین روایتین اور حدیثین بھی قلمبند ہوئی تھین، یا نہین، اور اس بناپر سیر کا کوئی تحریری سرمایہ بھی موجود تھا، یا نہین، بعض حدیثون مین جن مین سے بعض صحیح مسلم مین مذکور ہین، تصریح ہے کہ آنحضرت صلعم نے حدیثون کے قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا اسکے یہ الفاظ ہین،

لَا تَكْتُبُوا عَنِّي وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ، — مجھ سے جو سنو، اس کو قلمبند نہ کرو (بجز قرآن کے) اور کسی نے قلمبند کیا ہو تو اُس کو مٹا ڈالنا چاہیے۔

آنحضرت صلعم کے زمانہ کی تحریرین

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کا ارشاد ہے کیونکہ متعدد صحیح حدیثون سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم ہی کے زمانہ مین بعض صحابہ آنحضرت صلعم کی اجازت سے آپ کے ارشادات قلمبند کرلیا کرتے تھے، صحیح بخاری (باب العلم) مین حضرت ابوہریرہ کا قول ہے کہ "صحابہ مین مجھ سے زیادہ کسی کو حدیثین محفوظ نہین، البتہ عبداللہ بن عمرو مستثنیٰ ہین، کیونکہ وہ آنحضرتؐ کی حدیثین لکھ لیا کرتے تھے، اور مین لکھتا نہ تھا"، ایک اور روایت مین ہے کہ "حضرت عبداللہ بن عمرو کی عادت تھی کہ آنحضرت صلعم سے جو سنتے تھے لکھ لیا کرتے تھے، قریش نے ان کو منع کیا کہ آنحضرت صلعم کبھی غیظ کی حالت مین ہوتے ہین، کبھی خوشی مین، اور تم سب کچھ لکھتے جاتے ہو، عبداللہ بن عمرو

[1] طبقات ابن سعد، غزوہ بدر صفحہ ۱۴

نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے دہانِ مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ "تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے"[1]

خطیب بغدادی نے اپنے رسالہ تقیید العلم مین روایت کی ہے کہ اُس بیاض کا نام جس مین عبد اللہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیثین قلمبند کرلیا کرتے تھے **صادقہ** تھا[2]،

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ اس وقت تک اسلام لا چکے ہین اُن کے نام قلمبند کیے جائین، چنانچہ پندرہ سو صحابہ کے نام دفتر مین درج کیے گئے[3]،

خطیب بغدادی نے تقیید العلم مین روایت کی ہے کہ جب لوگ کثرت سے حضرت **انس** کے پاس حدیثون کے سننے کے لیے جمع ہوجاتے تھے، اور وہ ایک جُنگ نکال لاتے تھے کہ یہ وہ حدیثین ہین جو مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر لکھ لی تھین"

متعدد قبایل کو آپ نے جو صدقات اور زکوۃ وغیرہ کے احکام بھیجے وہ تحریری تھے اور کتب احادیث مین بعینہا منقول ہین، اسی طرح سلاطین کو دعوت اسلام کے جو پیغام بھیجے گئے وہ بھی تحریری تھے،

صحیح بخاری (باب کتابۃ العلم) مین ہے کہ فتح مکہ کے سال جب ایک خزاعی نے حرم مین ایک شخص کو قتل کردیا تو آنحضرت صلعم نے ناقہ پر سوار ہوکر خطبہ دیا، یمن کے ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ یہ خطبہ مجھکو تحریر کرا دیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ اس شخص کے لیے

---

[1] ابو داؤد، جلد ۲ صفحہ ۷۷، [2] جامع بیان العلم للقاضی ابن عبد البر، مطبوعہ مصر، صفحہ ۷۲، مین صادقہ کا ذکر ہے
[3] صحیح بخاری باب الجہاد،

وہ خطبہ قلمبند کرادیا جائے۔

غرض اس طرح **آنحضرت** صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حسب ذیل تحریری سرمایہ مُہتیا ہوگیا تھا۔

(۱) جو حدیثیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، یا حضرت علی وحضرت انس وغیرہ[۱] نے قلمبند کین،

(۲) تحریری احکام اور معاہدات (حدیبیہ وغیرہ) اور فرامین جو آنحضرت صلعم نے قبایل کے نام[۲] بھیجے،

(۳) خطوط جو آنحضرت صلعم نے سلاطین[۳] اور امرا[۴] کے نام ارسال فرمائے،

(۴) پندرہ سو صحابہ کے نام،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد اس تحریری ذخیرہ کو اسقدر ترقی ہوتی گئی کہ (بنوالعباس سے پہلے) ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایت کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف **امام زُہری** کی مرویات اور تالیفات گھوڑون اور گدھون پر لادکر لائی گئین[۵]۔

| معنازی | عرب مین علوم وفنون نہ تھے، صرف خاندانی معرکے اور لڑائیون کے واقعات |

[۱] بخاری جلد (۱) صفحہ ۲۱ و ۲۲ صحیفۂ علے وکتابۃ لرجل من الیمن [۲] سنن ابن ماجہ صفحۂ ۱۳۰، وابوداؤد جلد اصفحہ ۱۵۵ و ۱۵۶ [۳] بخاری جلد (۱) صفحہ ۵ وایضاً صفحہ ۱۵، [۴] بخاری جلد اصفحہ ۱۵، [۵] تذکرۃ الحفاظ علامۂ ذہبی، تذکرۂ امام زہری،

محفوظ رکھتے تھے، اس لحاظ سے قیاس یہ تھا کہ آنحضرت صلعم کے واقعات اور افعال و اقوال مین سب سے پہلے مغازی کی روایتین پھیلتین، اور سب سے پہلے اسی فن کی بنیاد پڑتی، لیکن روایات کے تمام انواع مین **مغازی** کا درجہ سب سے متاخر رہا، خلفاے راشدین اور اکابر صحابہ نے زیادہ تر آنحضرت صلعم کے اُن اقوال و افعال پر توجہ کی، جن کو شریعت سے تعلق تھا، اور جن سے فقہی احکام مستنبط ہوتے تھے،

امام بخاری نے غزوۂ احد کے ذکر مین سائب بن یزید سے یہ روایت نقل کی ہے،

صَحِبتُ عبدَ الرحمٰن بن عوف وطلحةَ بن عبیدِ الله والمقداد وسَعْدًا فما سمعتُ احدًا منهم یحدّث عن النبیّ صلی الله علیه وسلّم الّا انّی سمعتُ طلحةَ یُحدِّثُ عن یَومِ اُحد۔

مین عبد الرحمٰن بن عوف اور طلحہ بن عبید اللہ اور مقداد اور سعد کی صحبت مین رہا، لیکن مین نے اُن کو کبھی آنحضرت صلعم کے متعلق حدیث بیان کرتے نہین سنا، بجز اس کے کہ طلحہ غزوۂ احد کا واقعہ بیان کرتے تھے۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف، اور طلحہ و مقداد و سعد وقاص، اکابر صحابہ مین ہین، اور ان سے بہت سی حدیثین مروی ہین، اس لیے اس عبارت کے یہی معنی ہو سکتے ہین کہ یہ لوگ **غزوات** کے واقعات نہین بیان کرتے تھے، بجز اس کے کہ **طلحہ** جنگ احد کے واقعات بیان کیا کرتے تھے،

یہی وجہ تھی کہ علما مین جن لوگون نے مغازی کو اپنا فن بنالیا تھا وہ عوام مین جس قدر مقبول ہوتے تھے خواص مین اُس قدر مستند نہین خیال کیے جاتے تھے۔ اس فن کے اساطین اور ارکان، ابن اسحاق اور واقدی ہین، واقدی کو تو محدثین علانیہ کذّاب کہتے ہین۔ ابن اسحاق

کو ایک گروہ ثقہ کہتا ہے لیکن اُسی درجہ کا دوسرا گروہ ان کو بے اعتبار سمجھتا ہے تفصیل آگے آئے گی،

امام احمد بن حنبل کا قول ہے،

ثلاثۃ کتب لیس لہا اصول المغازی والملاحم والتفسیر[1] — تین قسم کی کتابیں ہیں جنکی کوئی اصل نہیں، مغازی اور ملاحم اور تفسیر،

خطیب بغدادی نے اِس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ امام ابن حنبل کی مراد اُن خاص کتابوں سے ہوگی جو بے اصل ہیں۔ پھر لکھا ہے۔

اما کتب التفسیر فمن اشہرھا کتابا الکلبی ومقاتل بن سلیمان وقد قال احمد فی تفسیر الکلبی من اولہ الی آخرہ کذب، — باقی تفسیر کی کتابیں، تو ان میں سے کلبی اور مقاتل کی کتابیں بہت مشہور ہیں۔ امام احمد حنبل نے کہا ہے کہ کلبی کی تفسیر اول سے اخیر تک جھوٹ ہے۔

پھر لکھتے ہیں۔

واما المغازی فمن اشہرھا کتاب محمد بن اسحاق وکان یاخذ من اہل الکتاب وقد قال الشافعی کتب الواقدی کذب، — باقی مغازی تو اس فن کی مشہور کتاب محمد بن اسحاق کی کتاب ہے اور وہ عیسائیون اور یہودیون سے روایت کرتے تھے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ واقدی کی کتابین جھوٹ ہین

باوجود اِن باتون کے یہ ناممکن تھا کہ یہ حصہ نظرانداز کر دیا جاتا، اس لیے اکابر صحابہ اور محدثین نہایت احتیاط کے ساتھ جو واقعات جہان تک خوب محفوظ ہوتے تھے روایت کرتے تھے،

تصنیف و تالیف کی ابتدا سلطنت کی وجہ سے ہوئی

صحابہ اور خلفاے راشدین کے زمانہ مین اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے

[1] موضوعات ملاعلی قاری مطبع مجتبائی صفحہ ۸۵۔

اشاعت ہوئی، بہت سے درس کے حلقے قایم ہوئے، لیکن جو کچھ تھا، زیادہ تر زبانی تھا، لیکن بنو امیہ نے حکماً علما سے تصنیفین لکھوائین، قاضی ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم مین امام زہری کا قول نقل کیا ہے۔

کُنّا نکرہ کتاب العلم حتے اکرھنا علیہ ھؤلاء الامراء [۱]	ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہین کرتے تھے، یہان تک کہ امرا نے ہم کو مجبور کیا،

سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلاکر قدما کی تاریخ مرتب کرائی، جس کا نام اخبار الماضیین [۲] ہے،

امیر معاویہؓ کے بعد عبدالملک بن مروان نے جو ۶۵ھ مین تخت نشین ہوا، ہر فن مین علما سے تصنیفین لکھوائین، سعید بن جبیر، جو اعلم العلما تھے، ان کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھین، چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی، جو کتب خانہ شاہی مین رکھی گئی، عطار بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے انہی کی تفسیر ہے، عطار کو خزانۂ شاہی سے یہ نسخہ ہاتھ آگیا تھا، اور انھون نے اپنے نام سے مشہور کر دیا، [۳]

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو انھون نے تصنیف و تالیف کو زیادہ ترقی دی، تمام ممالک مین حکم بھیجدیا کہ احادیث نبوی مدوّن اور قلمبند کی جائین، سعد بن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے، اُن سے دفتر کے دفتر حدیثون کے قلمبند کرائے، اور تمام

---

[۱] مطبوعۂ مصر صفحہ ۳۶، [۲] فہرست ابن الندیم۔ صفحہ ۲۴۴۔

[۳] میزان الاعتدال، ترجمۂ عطار بن دینار،

ممالک مقبوضہ مین بھیجے، علامۂ ابن عبد البر جامع بیان العلم مین لکھتے ہین۔

عن سعد بن ابراھیم قال امرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن فکتبناھا دفترًا دفترًا فبعث الٰی کُلِّ اَرضٍ لَہٗ عَلَیْھَا سلطانٌ دفترًا[1]

سعد بن ابراہیم کہتے ہین کہ عمر بن عبد العزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر کے دفتر لکھے عمر نے جہان جہان اُن کی حکومت تھی، ایک ایک دفتر بھیجدیا۔

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری، جو اس زمانہ کے بہت بڑے محدث، اور امام زہری کے استاد اور مدینہ کے قاضی تھے، ان کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا[2]،

حضرت عایشہ کی روایتین،

حدیث مین حضرت عایشہؓ کی مرویات کی ایک خاص حیثیت ہے، یعنی اُن سے اکثر وہ حدیثین مروی ہین، جو عقاید یا فقہ کے مُہمّات مسایل ہین، اس لیے عمر بن عبد العزیز نے اُن کی روایتون کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا، عمرۃ بنت عبد الرحمن ایک خاتون تھین، انکو حضرت عایشہؓ نے خاص اپنے آغوشِ تربیت مین پالا تھا، وہ بہت بڑی محدثہ اور عالمہ تھین، تمام علما کا اتفاق ہو کہ حضرت عایشہ کی مرویات کا اُن سے بڑھکر کوئی عالم نہ تھا، عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرۃ کے مسایل اور روایات قلمبند کر کے بھیجدیں[3]،

مغازی پر خاص توجہ

اب تک مغازی و سیر کے ساتھ اعتنا نہین کیا گیا، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس فن کی طرف خاص توجہ کی، اور حکم دیا کہ غزواتِ نبوی کا خاص حلقۂ درس قایم کیا جائے

---

[1] مطبوعۂ مصر صفحہ ۳۶، [2] طبقات ابن سعد جزء ثانی قسم ثانی، صفحہ ۱۳۴، [3] تہذیب التھذیب، ترجمہ ابوبکر بن محمد، و عمرۃ بنت عبد الرحمن و طبقات ابن سعد جزء دوم حصۂ دوم صفحہ ۱۳۴،

عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری المتوفی سنہ ۱۲۱ھ اس فن مین خاص کمال رکھتے تھے، اُنکو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق مین بیٹھکر لوگون کو مغازی اور مناقب کا درس دین[1]،

اسی زمانہ مین **امام زہری** نے **مغازی** پر ایک مستقل کتاب لکھی، اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف مین تصریح کی ہے، یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی، امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلما تھے، فقہ، اور حدیث مین ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہین، انھون نے حدیث و روایت کے حاصل کرنے مین یہ محنتین اٹھائین کہ مدینہ منورہ مین ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے، جوان، بڈھے، عورت، مرد، جو ملجاتا، یہان تک کہ پردہ نشین[2] عورتون سے جاکر **آنحضرت** (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے، وہ نسباً قریشی تھے، ۵۱ھ مین پیدا ہوئے، بہت سے صحابہ کو دیکھا تھا، ۸۰ھ مین عبد الملک بن مروان کے دربار مین گئے، اسنے بہت قدر و منزلت کی، کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبد العزیز کی ہدایت کے موافق لکھی، یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، اور مقربین خاص مین داخل تھے، ہشام بن عبد الملک نے اپنے بچون کی تعلیم انکے سپرد کی تھی، ۱۲۴ھ مین وفات پائی۔

امام زہری کے تلامذہ

امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہوگیا، ان کے حلقۂ درس سے اکثر ایسے لوگ نکلے، جو خاص اس فن مین کمال رکھتے تھے، ان مین سے یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح تمار، عبد الرحمن بن عبد العزیز، فن مغازی مین خاص شہرت رکھتے تھے چنانچہ

[1] تہذیب التہذیب، ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ، [2] تہذیب التہذیب ترجمہ امام زہری (محمد بن مسلم)

تہذیب التہذیب وغیرہ مین، اِن لوگون کا امتیازی وصف صاحب المغازی لکھا جاتا ہے،

موسیٰ بن عقبہ

زہری کے تلامذہ مین سے دو شخصون نے اس فن مین نہایت شہرت حاصل کی، اور یہی دو شخص ہین جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق ہوسیٰ بن عقبہ، خاندان زُبیر کے غلام تھے، حضرت عبد اللہ بن عمر کو دیکھا تھا، فن حدیث مین امام مالک اِن کے شاگرد ہین، امام مالک ان کے نہایت مداح تھے، اور لوگون کو ترغیب دیتے تھے، کہ فن مغازی سکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو، اِن کے مغازی کے جو خصوصیات ہین، یہ ہین۔

(۱) مُصنفین، اب تک روایات مین صحت کا التزام نہین کرتے تھے، اِنھون نے زیادہ تر اس کا التزام کیا،

(۲) عام مصنفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کیے جائین، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کی رطب ویابس روایتین آجاتی تھین، موسیٰ نے احتیاط کی، اور صرف وہی روایتین لین جو اُن کے نزدیک صحیح ثابت ہوئین، یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتاب بہ نسبت اور کتب مغازی کے مختصر ہے،

(۳) چونکہ روایت حدیث کے لیے کسی عمر کی قید نہ تھی، اس لیے اکثر لوگ بچپن اور آغاز شباب ہی سے حلقۂ درس مین شامل ہوجاتے تھے اور حدیثین سنکر لوگون سے روایت کرتے تھے، لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا اسلیے اکثر روایتون مین تغیر اور اختلاط ہوجاتا تھا، موسیٰ نے بخلاف اور لوگون کے کبرسن مین اس

فن کو سیکھا تھا، سنہ ۱۴۱ہجری مین وفات پائی،[۱]

موسی کی کتاب آج موجود نہین، لیکن ایک مدت تک شائع و ذائع رہی، اور سیرت کی تمام قدیم کتابون مین کثرت سے اسکے حوالے آتے ہین،

محمد بن اسحاق

محمد بن اسحاق نے فن مغازی مین سب سے زیادہ شہرت حاصل کی، وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہین، شہرت عام مین اگرچہ **واقدی** ان سے کم نہین، لیکن واقدی کی لغو بیانی مسلّمۂ عام ہے اور اس لیے ان کی شہرت، بدنامی کی شہرت ہی، محمد بن اسحاق تابعی ہین، متعدد صحابہ کو دیکھا تھا، علم حدیث مین کمال تھا، امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے، لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہین چلے آئین، انکے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین مین اختلاف ہی، امام مالک ان کے سخت مخالف ہین، لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہی کہ **مغازی** اور سیر مین اُن کی روایتین استناد کے قابل ہین، امام بخاری نے صحیح بخاری مین اُن کی روایت نہین لی، لیکن جزء القراۃ مین اُن سے روایت کی ہے، اور **تاریخ** مین تو اکثر واقعات انہی سے لیتے ہین،

فن مغازی کو اُنھون نے اس قدر ترقی دی، اور اسقدر دلچسپ بنا دیا کہ خلفائے عباسیہ جو زیادہ تر اور قسم کی تصنیفات کا مذاق رکھتے تھے، ان مین مغازی کا مذاق پیدا ہو گیا، چنانچہ ابن عدی نے اس احسان کا خاص طرح پر ذکر کیا ہے، ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن مین کوئی تصنیف ان کی تصنیف کے رتبہ کو نہین پہونچی،[۲]

---

[۱] تہذیب التہذیب، ترجمہ موسیٰ بن عقبہ، [۲] تہذیب التہذیب،

ابن حبان نے کتاب الثقات مین لکھا ہو کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ اُن یہودیون سے دریافت کرکے داخل کتاب کرتے تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے، اور چونکہ یہ واقعات اُنھون نے یہودیون سے سنے ہون گے اس لیے ان پر پورا اعتماد نہین ہوسکتا، علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق، یہود ونصارے سے روایت کرتے تھے، اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے، ۱۵۱ھ مین دفات پائی،

محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانہ مین ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی مین ہوا، اس کا قلمی نسخہ الہ آباد مین ہماری نظر سے گزرا ہے،

محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی، اور بڑے بڑے مشہور محدثون نے اس کے نسخے مرتب کئے، اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کرکے مرتب کیا، جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے، چونکہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے، اس لیے آج اُس کی جو یادگار موجود ہے، وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔

ابن ہشام

ابن ہشام کا نام عبدالملک ہی، وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مؤرخ تھے، حمیر کے قبیلہ سے تھے، اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی، جو آج بھی موجود ہے، اُنھون نے سیرت مین یہ اضافہ کیا کہ سیرت مین جو مشکل الفاظ آتے ہین، اُن کی تفسیر بھی لکھی، ۲۱۳ھ مین وفات پائی،

سیرت ابن اسحاق کی مقبولیت کی بنا پر لوگون نے اس کو نظم کیا، چنانچہ ابونصر فتح بن موسیٰ خضراوی المتوفی ۶۶۳ھ وعبدالعزیز بن احمد المعروف بہ سعدویری، المتوفی فی حدود ۶۰۰ھ ہجری والواسحاق انصاری تلمسانی، و فتح الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید المتوفی ۷۹۳ھ

نے منظوم کیا، اخیر کتاب مین قریبًا دس ہزار شعر ہین، اور اس کا نام فتح الغریب فی سیرۃ الحبیب ہے،

ابن سعد

واقدی خود تو قابل ذکر نہین لیکن اُن کے تلامذۂ خاص مین سے **ابن سعد** نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اور صحابہؓ کے حالات مین ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا،

ابن سعد مشہور محدث ہین، محدثین نے عمومًا لکھا ہے کہ گو اُن کے اُستاد (واقدی) قابلِ اعتبار نہین لیکن وہ خود قابل سند ہین، خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہین،

کان من اھل العلم والفضل والفھم والعدالۃ صنّف کتابًا کبیرا فی طبقات الصحابۃ والتابعین الی وقتہ فاجاد فیہ واحسن[1]،

یہ خاندان ہاشم سے تھے، بصرہ مین پیدا ہوئے لیکن بغداد مین سکونت اختیار کر لی تھی، بلاذری جو مشہور مؤرخ ہین انہی کے شاگرد ہین، ۲۳۰ھ مین ۶۲ برس کی عمر مین وفات پائی

اِن کی کتاب کا نام طبقات ہے، ۱۲ جلدون مین ہے، دو جلدین خاص آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات مین ہین، اور یہ حصّہ دراصل سیرۃ نبوی ہے، باقی جلدین صحابہ (وتابعین) کے حالات مین ہین اور چونکہ صحابہ کے حالات مین ہر جگہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ذکر آتا ہے، اسلیے ان حصّون مین بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے۔

یہ کتاب قریبًا ناپید ہو چکی تھی، یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ مین اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا، شہنشاہ جرمن کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا، چنانچہ لاکھ روپے جیب خاص سے دیے،

---

[1] تہذیب التہذیب، ترجمہ محمد بن سعد،

اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزا فراہم کر کے لائین، پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر، اور یورپ جا کر جابجا سے تمام جلدین بہم پہونچائین، یورپ کے بارہ پروفیسرون نے الگ الگ جلدون کی تصحیح اپنے ذمہ لی، چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیڈن (ہالنڈ) مین چھپکر شائع ہوا،

اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے لیکن چونکہ تمام روایتین بہ سند مذکور ہین، اس لیے واقدی کی روایتین بہ آسانی الگ کر لی جا سکتی ہین۔

اس زمانہ مین سیرت پر اور بھی بہت سی کتابین لکھی گئین، چنانچہ کشف الظنون وغیرہ مین انکے نام مذکور ہین لیکن چونکہ نام کے سوا اُن کے متعلق اور کچھ معلوم نہین، نہ اُن کا آج وجود ہے، اسلیے ہم اُن کے نام نظر انداز کرتے ہین،

تاریخ صغیر وکبیر امام بخاری

سیرت کے سلسلہ سے الگ، تاریخی تصنیفات ہین، ان مین سے جو محدثانہ طریقہ پر لکھی گئین یعنی جن مین روایتین بہ سند مذکور ہین، اُن مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے وہ بھی دراصل سیرت نبوی ہے، ان مین سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی دونون تاریخین ہین، لیکن دونون نہایت مختصر ہین، تاریخ صغیر چھپ گئی ہے، اس مین سیرت نبوی کا حصہ کتاب کا دسوان حصہ بھی نہین، یعنی صرف ۱۵ صفحے ہین، اور اُن مین بھی کوئی ترتیب نہین، کبیر البتہ بڑی ہے، مین نے اس کا نسخہ جامع ایا صوفیہ مین دیکھا تھا، لیکن سوانح نبوی اس مین بہت کم ہین اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہین،

امام طبری

تاریخی سلسلہ مین سب سے جامع اور مفصل کتاب **امام طبری** کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجہ

کے شخص ہین کہ تمام محدثین اُن کے فضل وکمال، ثقہ اور وسعت علم کے معترف ہین، ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے، محدث ابن خزیمۃ کا قول ہے کہ دنیا مین، مین کسی کو اُن سے بڑھکر عالم نہین جانتا، سنہ ۳۱۰ھ مین وفات پائی،

بعض محدثین (سلیمانی) نے انکی نسبت لکھا ہی کہ یہ شیعون کے لیے حدیثین وضع کیا کرتے تھے، لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مین لکھا ہی،

هٰذا رجمٌ بالظنِّ الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمۃ الاسلام المعتمدین، — یہ جھوٹی بدگمانی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر، اسلام کے معتمد اماموں مین سے ایک بڑے امام ہین۔

علامہ ذہبی نے اسی موقع پر لکھا ہے کہ "ان مین فی الجملہ تشیّع تھا لیکن مضر نہین"، تمام مستند اور مفصل تاریخین مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر، ابن خلدون، ابو الفدا، وغیرہ انہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہین، یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی،

جو لوگ خاص فن سیرت کے ارکان اور معتمد ہین، ان کا اور انکی تصنیفات کا ایک مختصر نقشہ ہم اس مقام پر درج کرتے ہین[1]،

نام مصنف	سنہ وفات	حالات
عروہ بن زبیر	سنہ ۹۴ھ	حضرت زبیر کے بیٹے، اور حضرت ابو بکر صدیق کے نواسے تھے، حضرت عایشہ کے آغوش تربیت مین پلے تھے، سیرت ومغازی مین کثرت

[1] ان مصنفین کی تصنیفات، اکثر ناپید ہین، (یہ فہرست تہذیب التہذیب وغیرہ سے مرتب کی گئی ہے) ان کے نام لکھنے سے یہ غرض ہے کہ آج جو تصنیفین ملتی ہین، ان مین اکثر ان کے حوالے آتے ہین، اس لیے ناظرین کو ان حوالون کی صحت وعدم صحت یا قوت وضعف کے فیصلہ کرنے کا کچھ موقع حاصل ہوگا۔

		سے اُن کی روایتین ہین، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین اُن کے متعلق لکھا ہے کان عالما بالسیرۃ، صاحب کشف الظنون نے مغازی کے بیان مین لکھا ہے کہ بعضون کی راے ہے کہ فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب اِنہی نے تدوین کی،
شعبی	سنہ ١٠٩ھ	مشہور محدث ہین، اکثر فنون مین کمال رکھتے تھے، خلافتِ دمشق کی طرف سے سفیر بنکر قسطنطنیہ گئے تھے، فن مغازی وسیر مین ان کو اس درجہ واقفیت تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ "گو مین اُن غزوات مین بذاتِ خود شریک تھا، مگر یہ مجھ سے زیادہ اِن حالات کو جانتے ہین"
وہب بن منبّہ	سنہ ١١٤ھ	یمن کے عجمی خاندان سے تھے، حضرت ابوہریرہ سے کچھ حدیثین سنی تھین، رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کتبِ عہدِ قدیم کی بشارت اور پیشین گوئیان کثرت سے اِنہی سے مروی ہین،
عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری	سنہ ١٢١ھ	مشہور تابعی ہین، حضرت انس اور اپنے باپ اور اپنی دادی رمیثہ سے روایت کرتے ہین، مغازی اور سیر مین نہایت وسیع المعلومات تھے، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے مسجد دمشق مین بیٹھکر اِس فن کی تعلیم دیتے تھے،
محمد بن مسلم بن شہاب زہری	سنہ ١٢٣ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،

یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بن شریق الثقفی	سنہ ۱۲۸ھ	نہایت ثقہ تھے، عمال اور گورنر انتظام ملکی مین ان سے مدد لیتے تھے، فقہاے مدینہ مین ان کا شمار تھا، سیرت نبوی کے عالم تھے انکا دادا اخنس بن شریق وہی شخص ہے، جو رسول اللہ ؐ کا سب سے بڑا دشمن تھا،
موسی بن عقبہ الاسدی	سنہ ۱۴۱ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
ہشام بن عروۃ بن زبیر	سنہ ۱۴۶ھ	زیادہ تر اپنے باپ سے روایت کرتے ہین، زہری کے بھی شاگرد ہین، علماے مدینہ مین ان کا شمار ہے، بغداد مین جو روایتین انھون نے لین، محدثین کا بیان ہے کہ ان مین تساہل سے کام لیا ہے، سیرت کے ذخیرۂ روایات مین انکا بہت بڑا حصہ شامل ہے جن کو وہ اپنے باپ کے واسطہ سے حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہین، فن سیرت مین ان کے متعدد نامور تلامذہ ہین۔
محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی	سنہ ۱۵۱ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
معمر بن راشد الازدی	سنہ ۱۵۲ھ	امام زہری کے تلامذہ مین امام مالک کے بعد ان کا دوسرا درجہ ہے، اساطین علم حدیث مین تھے، **مغازی** مین ایک کتاب ان کی تصنیف ہے، جسکا نام ابن ندیم نے کتاب المغازی لکھا ہے،
عبد الرحمن بن عبد العزیز الاوسی	سنہ ۱۶۲ھ	زہری کے شاگرد تھے، مسلم نے ان سے ایک روایت کی ہے،

نام	سنہ	حالات
		محدثین کے نزدیک ضعیف الروایت ہین، فن سیرت کے عالم تھے ابن سعد نے ان کے متعلق لکھا ہے، کان عالمًا بالسیرۃ وغیرھا
محمد بن صالح بن دینار التمّار	سنہ ۱۶۹ھ	زہری کے شاگرد اور واقدی کے استاد ہین، ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ سیرت و مغازی کے عالم تھے، اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، ابوالزناد جو بڑے پایہ کے محدث ہین، وہ کہتے ہین کہ اگر صحیح مغازی سیکھنا ہو تو محمد بن صالح سے سیکھو،
ابومعشر نجیح المدنی	سنہ ۱۷۰ھ	ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے، ثوری، اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے، گو محدثین نے روایت حدیث مین ان کی تضعیف کی ہے، لیکن سیرت و مغازی مین اُن کی جلالتِ شان کا اعتراف کیا ہے، امام ابن حنبل کہتے ہین کہ وہ اس فن مین صاحبِ نظر ہین، ابن ندیم نے انکی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے، کتب سیرت مین ان کا نام کثرت سے آتا ہے۔
عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمٰن المخزومی	سنہ ۱۷۰ھ	مشہور صحابی مسور بن مخرمہ کے پڑپوتے تھے فن حدیث مین خاص پایہ رکھتے تھے، سیرت نبوی کے اکابر علما مین تھے، ابن سعد نے ان کی شان مین یہ الفاظ لکھے ہین "من رجال اھل المدینۃ علمًا بالمغازی"
عبدالملک بن محمد	سنہ ۱۷۶ھ	فن حدیث و سیر مین ان کا خاندان ہمیشہ نامور رہا، ان کے

بن ابی بکر بن عمرو بن حزم الانصاری		دادا وہ شخص ہین جنھون نے خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے حکم سے سب سے پہلے فن حدیث کی تدوین کی، ان کے رشتہ کی دادی عمرۃ حضرت عائشہؓ کی تربیت یافتہ تھین، یہ خود سیر و مغازی کے عالم تھے اپنے باپ اور چچا سے تعلیم پائی تھی، خلیفہ ہارون الرشید نے انکو قاضی مقرر کیا تھا، لوگ ان سے مغازی سیکھتے تھے، اس فن مین ان کی ایک تصنیف کتاب المغازی بھی ہے،
علی بن مجاہد الرازی الکندی	بعد ۱۸۰ھ	ابو معشر نجیح کے تلامذہ مین تھے، امام ابن حنبل نے ان سے روایت کی ہے، مغازی کے جامع اور مصنف ہین، لیکن ارباب نقد کے نزدیک انکی تصنیف اعتبار کے قابل نہین،
زیاد بن عبد اللہ بن الطفیل البکائی	۱۸۳ھ	ابن اسحاق کے شاگرد اور ابن ہشام کے استاد تھے، ان دونون بزرگوارون کے واسطۃ العقد یہی ہین، سیرت کے عشق مین گھر بار بیچکر استاد کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے، اور مدت تک سفر وحضر مین اُن کے شریک رہے محدثین کی بارگاہ مین گو ان کا اعزاز کم ہے، لیکن کتاب السیرۃ کے سب سے معتبر راوی یہی سمجھے جاتے ہین
سلمۃ بن الفضل الابرش الانصاری	۱۹۱ھ	ابن اسحاق کے شاگرد، اور ان کی سیرت کے راوی ہین، رے کے قاضی تھے، اہل نقد کے نزدیک قابل احتجاج نہین، لیکن ابن معین جو اسماے رجال کے بڑے ماہر ہین، مغازی مین ان کی

		توثیق کرتے ہین اور ان کی سیرت کو بہترین سیرہاے نبوی کہتے ہین، طبری مین ان کے واسطہ سے اکثر روایتین مروی ہین،
ابومحمد یحییٰ بن سعید بن اَبان الاموی	سنہ ۱۹۴ھ	ہشام بن عروہ اور ابن جریج سے تلمذ تھا، ابن سعد نے لکھا ہے کہ گو قلیل الروایت ہین لیکن ثقہ ہین، صاحب کشف الظنون نے مصنفینِ مغازی مین ان کا نام بھی لیا ہے۔
ولید بن مسلم القرشی	سنہ ۱۹۵ھ	شام کے مشہور محدث اور نہایت قوی الحافظہ تھے، شام مین انکے زمانہ مین ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، تاریخ و مغازی مین دکیع سے انکا درجہ بڑا سمجھا جاتا تھا، انکی تصنیفات کی تعداد ستر ہے، جن مین سے ایک کتاب المغازی ہے، کتاب الفہرست مین اس کا ذکر موجود ہے
یونس بن بکیر،	سنہ ۱۹۹ھ	ہشام بن عروہ اور ابن اسحاق کے شاگرد ہین، فن روایت وحدیث مین ان کا متوسط درجہ ہے، اکثر محدثین نے انکی توثیق کی ہے، علامہ ذہبی نے تذکرہ مین ان کا نام بہ لقب صاحب المغازی لیا ہے، انھون نے مغازی ابن اسحاق کا ذیل لکھا ہے (زرقانی مواہب جلد ۳ صفحہ ۱۰)
محمد بن عمر الواقدی الاسلمی،	سنہ ۲۰۷ھ	سیرت نبوی کے متعلق ان کی دو کتابین ہین، کتاب السیرۃ اور کتاب التاریخ والمغازی والمبعث، امام شافعی فرماتے ہین کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہے، کتب سیرت کی

		اکثر بیہودہ روایتون کا سرچشمہ انھین کی تصانیف ہین، ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہے کہ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا مین کوئی اسکا ثانی نہین، اور اگر جھوٹا ہے، تب بھی دنیا مین اسکا جواب نہین،
یعقوب بن ابراہیم الزہری	سنہ ۲۰۸ھ	حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اولاد مین تھے، زہری اور انکے تلامذہ کے شاگرد ہین، مغازی مین انکا یہ رتبہ تھا کہ ابن معین جیسا ناقدِ رجال ان سے اس فن کی تحصیل کرتا تھا،
عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری	سنہ ۲۱۱ھ	ثقات محدثین مین ان کا شمار ہے، مزاج مین کسی قدر تشیع تھا، ابن معین کہتے ہین کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائین تب بھی ہم ان سے روایتِ حدیث ترک نہین کر سکتے، آخر عمر مین بصارت جاتی رہی تھی، اس لیے اس زمانہ کی حدیثین ناقابل سند ہین، فن مغازی مین انکی ایک تالیف ہے،
عبدالملک بن ہشام الحمیری	سنہ ۲۱۸ھ	ان کا ذکر گذر چکا ہے،
علی بن محمد المدائنی	سنہ ۲۲۵ھ	ابو معشر نجیح اور مسلمۃ بن الفضل وغیرہ کے شاگرد تھے، تاریخ و انساب عرب مین نہایت وسیع المعلومات تھے، محدثین مین ان کا شمار نہین، لیکن مورخین کے امام ہین، اغانی کے دفتر بے پایان کا مخزن یہی ہین، تاریخ و انساب مین ان کی کثرت سے تصنیفات ہین، آنحضرت صلعم کے حالات مین ان کی کتاب نہایت مبسوط ہے، اور ابن الندیم

نام	سنہ	کیفیت
		کے بیان کے مطابق ہر قسم کے متعدد اور متنوع عنوان قایم کیے ہین،
عمر بن شبّۃ البصری	٢٦٢ھ	حدیث، تاریخ، ادب، لغت، شاعری، اور نحو کے امام ہین، مکہ مبارکہ، مدینۂ طیبہ اور بصرہ کی تاریخین لکھی ہین، علم سیر مین نہایت بلند پایہ تھے، حدیث مین ابن ماجہ، اور تاریخ مین بلاذری، اور ابو نعیم ان کے شاگرد تھے،
محمد بن عیسے ترمذی	٢٧٩ھ	مشہور محدث ہین جنکی کتاب صحاح ستہ مین تیسرا درجہ رکھتی ہے، سیرت نبوی مین ان کا خاص رسالہ ہے جسکا موضوع گزشتہ تصانیف سے الگ ہی، اس رسالہ کا نام کتاب الشمایل ہی جس مین رسول اللہ صلعم کے ذاتی حالات وعادات واخلاق کا ذکر ہے، اس بات کا التزام کیا ہے کہ تمام روایتین معتبر اور صحیح ہون، اس رسالہ پر متعدد علمانے شروح وحواشی لکھے،
ابراہیم بن اسحاق ابن ابراہیم	٢٨٥ھ	محدثین کبار مین شمار ہے، مُسندِ صحابہ ان کی تالیف ہے جسکے آخر مین کتاب المغازی شامل ہے،
ابوبکر احمد بن ابی خثیمۃ البغدادی	٢٩٩ھ	حدیث مین ابن حنبل اور ابن معین کے شاگرد، اور تاریخ وسیر کے جلیل القدر عالم تھے، تاریخ کبیر ان کی تصنیف ہے، جس مین سیرت نبوی کا حصّہ بھی شامل ہے۔
محمد بن عائذ دمشقی		ان کی مغازی معتبر خیال کی جاتی ہے، حافظ ابن حجر وغیرہ

اکثر اس کے حوالے دیتے ہین،

یہ قدما کی تصنیفات تھین، مابعد کی تصنیفات کا ہم ایک مختصر نقشہ ذیل مین درج کرتے ہین، یہ تصنیفات قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابون سے ماخوذ ہین، اس نقشہ مین ان کتابون کا ذکر بھی ہے، جو قدما کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہین، انکا ذکر اسوجہ سے کیا گیا ہو کہ یہ فی نفسہ مستقل تصنیفات ہین، اور انمین جسقدر ذخیرۂ معلومات ہی خود اصل کتابون مین نہین۔

روض الانف، سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے، مصنف کا نام عبدالرحمٰن سہیلی ہے جنھون نے ۵۸۱؁ھ مین وفات پائی، یہ اکابر محدثین مین سے ہین اور تمام مصنفین ما بعد، سیرت نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق ان کے خوشہ چین ہین، مصنف نے دیباچہ مین لکھا ہے کہ مین نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابون کی مدد سے لکھی، اسکا قلمی نسخہ ہمارے استعمال مین ہی،

سیرت دمیاطی، حافظ عبدالمومن دمیاطی المتوفی ۷۰۵؁ھ کی تصنیف ہی، اکثر کتابون مین اس کے حوالے آتے ہین، اس کتاب کا نام المختصر فی سیرۃ سید البشر ہے، قریبًا سو صفحون مین ہی، پٹنہ کے کتب خانہ مین اسکا ایک نسخہ موجود ہے۔

سیرت خلاطی، علاء الدین علی بن محمد خلاطی حنفی کی تصنیف ہے، ۷۰۸؁ھ مین وفات پائی،

سیرت گازرونی شیخ ظہیرالدین علی بن محمد گازرونی المتوفی ۶۹۴؁ھ کی تصنیف ہی[1]،

سیرت ابن ابی طے، مصنف کا نام یحییٰ بن حمیدۃ المتوفی ۶۳۰؁ھ ہے، یہ کتاب ۳ جلدون مین ہے،

(۱؎ بمبئی کے کتب خانہ جامع مسجد مین اسکا قلمی نسخہ موجود ہے)

سیرت مغلطائی[1]، مشہور کتاب ہے اور مصر مین چھپ گئی ہے، علامہ عینی نے اس کے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے جسکا نام کشف اللثام ہے،

شرف المصطفے حافظ ابوسعید عبدالملک نیشاپوری کی تصنیف ہے، آٹھ جلدون مین ہے، حافظ ابن حجر اصابہ مین اکثر اس کا حوالہ دیتے ہین، لیکن جو روایتین حافظ موصوف نے نقل کی ہین ان مین بعض نہایت مہمل اور لغو روایتین ہین، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس کی کوئی تمیز نہین رکھی ہے۔

شرف المصطفے، للحافظ ابن الجوزی،

الکتفا، فی مغازی المصطفے والخلفاء الثلاثہ، حافظ ابوالربیع سلیمان بن موسے الکلاعی المتوفی ۶۳۴ھ کی تصنیف ہے، اکثر کتابون مین اس کے حوالے آتے ہین،

سیرت ابن عبدالبر، ابن عبدالبر مشہور محدث اور امام ہین، اس کتاب کے حوالے اکثر آتے ہین۔

عیون الاثر، ابن سیدالناس کی تصنیف ہے، ابن سیدالناس اندلس کے مشہور عالم ہین ۷۳۴ھ مین وفات پائی، یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہے، معتبر کتابون کو ماخذ قرار دیا ہے اور جس سے جو کچھ نقل کیا ہے، سند بھی نقل کی ہے اس کا قلمی نسخہ (جلد دوم) کلکتہ کے کتب خانہ مین ہے اور ہمارے پیش نظر ہے،

نور النبراس، فی سیرۃ ابن سیدالناس عیون الاثر کی شرح ہی، مصنف کا نام ابراہیم بن محمد ہی،

---

[1] ان تمام کتابون کا ذکر کشف الظنون مین سیرت کے عنوان مین ہی،

یہ کتاب نہایت محققانہ لکھی گئی ہے اور بے شمار معلومات کا گنجینہ ہے، دو ضخیم جلدون مین ہے اور ندوہ کے کتب خانہ مین اُس کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے،

سیرت منظوم، حافظ زین الدین عراقی نے جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے نظم مین لکھی ہے لیکن دیباچہ مین خود لکھدیا ہے کہ اس مین رطب و یابس سب کچھ ہے۔

مواہب لدنیہ، مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے، اسکے مصنف قسطلانی ہین جو بخاری کے مشہور شارح ہین، حافظ ابن حجر کے ہم رتبہ تھے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزارون موضوع اور غلط روایتین بھی موجود ہین۔

زرقانی علی المواہب، یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہین لکھی گئی، آٹھ ضخیم جلدون مین ہے اور مصر مین چھپ گئی ہے،

سیرت حلبی، مشہور اور متداول ہے۔

صحت اخذ | سیرت نبوی کے واقعات جو قلمبند کیئے گئے وہ تقریباً نبوت کے سو برس کے بعد قلمبند ہوئے، اس لیے مصنفین کا ماخذ کوئی کتاب نہ تھی۔ بلکہ اکثر زبانی روایتین تھین،

اس قسم کا موقع جب دوسری قومون کو پیش آتا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مُدت کے بعد قلمبند کیئے جاتے ہین تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہین قلمبند کرلی جاتی ہین جن کے راویون کا نام و نشان تک معلوم نہین ہوتا، ان افواہون مین سے وہ واقعات انتخاب کرلیے جاتے ہین جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہین، تھوڑی دیر کے بعد

یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہین، یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہین،

اسلامی فن تاریخ کا پہلا اصول فن روایت

لیکن مسلمانون نے اس فن **سیرت** کا جو معیار قایم کیا وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا اُسکا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاے اُس شخص کی زبان سے بیان کیا جاے جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویون کا نام بہ ترتیب بتایا جاے، اسکے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جاے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت مین آئے، کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاہل ان جزئی باتون کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا، سیکڑون ہزارون محدثین نے اپنی عمرین اسی کام مین صرف کردین، ایک ایک شہر مین گئے، راویون سے ملے، ان کے متعلق ہرقسم کے معلومات بہم پہنچاے، جو لوگ ان کے زمانہ مین موجود نہ تھے، انکے دیکھنے والون سے حالات دریافت کیے، اِن تحقیقات کے ذریعہ سے **اسماء الرجال** (بیوگرافی) کا وہ عظیم الشان فن تیار ہوگیا

اسماء الرجال کی تدوین،

جسکی بدولت آج کم ازکم لاکھ شخصون کے حالات معلوم ہوسکتے ہین، اور اگر ڈاکٹر اسپرنگر[۱] کے حسن ظن کا اعتبار کیا جاے تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے،

محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے مین کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پرواہ نہ کی بادشاہون سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤن تک کی اخلاقی سراغ رسانیان کین، اور ایک ایک کی پردہ دری کی،

---

[۱] ڈاکٹر اسپرنگر جرمن کے مشہور عربی دان فاضل ہین، مدت تک ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ مین کام کیا، اصابہ کا نسخہ انھین کی تصحیح سے کلکتہ مین چھپا، اسی کتاب کے دیباچہ مین صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ "نہ کوئی قوم دنیا مین ایسی گذری، نہ آج موجود ہے جسنے مسلمانونکی طرح اسماء الرجال کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جسکی بدولت آج پانچ لاکھ شخصون کا حال معلوم ہوسکتا ہے"

اس سلسلہ مین سیکڑون تصنیفات تیار ہوئین جن کی اجمالی کیفیت یہ ہے

سب سے پہلے اس فن یعنی راویون کی جرح وتعدیل مین یحیی بن سعید القطان نے ایک کتاب لکھی، وہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ امام احمد حنبل نے انکی نسبت لکھا ہے کہ "میری آنکھون نے ان کا نظیر نہین دیکھا" ان کے بعد اس فن کو زیادہ رواج ہوا، اور کثرت سے کتابین لکھی گئین، جن مین سے چند ممتاز تصنیفات حسب ذیل ہین

نام مصنف	کیفیت
رجال عقیلی	خاص ضعیف الروایۃ لوگون کے حال مین ہے،
رجال احمد بن عبد العجلی المتوفی ۲۶۱ھ	اس کتاب کا نام کتاب الجرح والتعدیل ہے،
رجال امام عبد الرحمان بن حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ	بہت ضخیم کتاب ہے،
رجال امام دارقطنی،	مشہور محدث ہین، یہ کتاب خاص ضعیف الروایۃ اشخاص کے حال مین ہے،
کامل ابن عدی	اس فن کی سب سے مشہور کتاب ہے، اور تمام محدثین متاخرین نے اس کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے،

یہ کتابین قریباً آج ناپید ہین، لیکن بعد کی تصنیفات جو انہی سے ماخوذ ہین آج بھی موجود ہین، اس سلسلہ مین سب سے زیادہ جامع اور مستند کتاب "**تہذیب الکمال**" ہے جو علامہ مزی یوسف بن الزکی، کی تصنیف ہے، جنھون نے ۷۴۲ھ مین وفات پائی علاؤالدین

مغلطائی المتوفی ۷۶۲ھ نے تیرہ جلدون مین اس کا تکملہ لکھا،

علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے اس کا اختصار کیا، اور بہت سے محدثین نے اس کے خلاصے اور ذیل لکھے، اور بالآخر حافظ ابن حجر نے ان تمام تصنیفات سے ایک نہایت ضخیم کتاب **تہذیب التہذیب** لکھی جو دس جلدون مین ہے اور آجکل حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، مصنف نے کتاب کے خاتمہ مین لکھا ہے کہ اسکی تصنیف مین آٹھ برس صرف ہوئے ہین،

اس سلسلہ کی ایک اور سب سے زیادہ متداول اور مستند کتاب **میزان الاعتدال** ہے جو علامہ ذہبی کی تصنیف ہی، حافظ ابن حجر نے اس کتاب پر اضافہ کیا جس کا نام لسان المیزان ہی،

اسماء الرجال کی کتابون مین سے تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، لسان المیزان تقریب، تاریخ کبیر بخاری، تاریخ صغیر بخاری، ثقات ابن حبان، تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی، مشتبہ النسبتہ ذہبی، انساب سمعانی تہذیب الاسماء ہماری نظر سے گذری ہین،

اسماء الرجال کی کتابین جو ہمارے پیش نظر ہین

اس اصولِ تحقیق کی بنیاد خود **قرآن مجید** نے قایم کردی تھی،

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا،	مسلمانو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لاے تو تم اچھی طرح اسکی تحقیق کرلو۔

حدیث ذیل بھی اسی کی موید ہے،

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ	آدمی کے جھوٹے ہونیکی یہ کافی دلیل ہو کہ جو کچھ سنے روایت کردے

تحقیق واقعات کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے، عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے، یا نہین؟

دوسرا اصول درایت

درایت کی ابتدا | یہ اصول بھی درحقیقت قرآن مجید ہی نے قایم کردیا تھا، حضرت عایشہ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح اس خبر کو مشہور کیا کہ بعض صحابہ تک مغالطہ مین آگئے، چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم مین ہے کہ حضرت حسان بھی قاذفین مین شریک تھے، اور اسی بنا پر حد قذف جاری کی گئی، قرآن مجید مین بھی اسکی تصریح ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ — جن لوگون نے تہمت لگائی وہ تمھارے گروہ مین سے ہین،

تفسیر جلالین مین مِنْکُمْ کی تفسیر حسب ذیل کی ہے،

جماعۃ من المومنین — یعنی یہ تہمت لگانے والے مسلمانون کا ایک گروہ ہے،

قرآن مجید کی آیتین حضرت عایشہ کی برائت اور طہارت کے متعلق جو نازل ہوئین ان مین سے ایک یہ ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ قُلْتُمْ مَّا یَکُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَکَلَّمَ بِھٰذَا سُبْحٰنَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ ٥ — اور جب تمنے سنا تو یہ کیون نہین کہدیا کہ ہم کو ایسی بات بولنا مناسب نہین، سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے۔

عام اصول کی بنا پر اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویون کے نام دریافت کیے جاتے، پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایۃ ہین یا نہین؟ پھر انکی شہادت لی جاتی لیکن خدا نے اس آیت مین فرمایا کہ سننے کے ساتھ تم نے کیون نہین کہدیا کہ یہ بہتان ہے۔

اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا خلاف قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے قطعاً سمجھ لینا چاہیے کہ غلط ہے،

اس طرز تحقیق یعنی درایت کی ابتدا خود صحابہ کے عہد مین ہو چکی تھی،

فقہا مین بعض اس بات کے قائل ہین کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت ابوہریرہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس کے سامنے جب اس مسئلہ کو آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کیا، تو عبد اللہ بن عباس نے کہا اگر یہ صحیح ہو تو اس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو[1] حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت ابوہریرہ کو ضعیف الروایۃ نہین سمجھتے تھے، لیکن چونکہ ان کے نزدیک یہ روایت درایت کے خلاف تھی، اس لیے اُنھون نے تسلیم نہین کی اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے مین غلطی ہو گئی ہو گی،

جب حدیثون کی تدوین شروع ہوئی تو محدثین نے **درایت** کے اصول بھی منضبط کیے جن مین سے بعض یہ ہین۔

قال ابن الجوزی[2] وکل حدیث رأیتہ یخالفہ العقول او ینا قض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا یتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحہم او یکون مما یدفعہ الحس والمشاہدۃ او مباینا لنص الکتاب والسنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی حیث لا یقبل شیئ من ذلک التاویل	ابن جوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا اصول مسلمہ کے خلاف ہے تو جان لو کہ وہ مصنوعی ہے، اس کی نسبت اس بحث کی ضرورت نہین کہ اس کے راوی معتبر ہین یا غیر معتبر، اسی طرح سے وہ حدیث قابل اعتبار نہین جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو، اور تاویل کی گنجایش نہ رکھتی ہو، یا وہ حدیث جس مین ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو، یا معمولی کام پر بہت

[1] صحیح ترمذی باب الوضوء، [2] فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۱۱ افسوس ہے کہ یہ کتاب نہایت غلط چھپی ہے، اسلیے بعض عبارتین ہم نے اسی نسخہ کے مطابق غلط نقل کی ہین، یہ اصول خود ابن جوزی کے قایم کردہ نہین ہین بلکہ ابن جوزی نے محدثین کے اصول کو نقل کر دیا ہے،

او يتضمن الافراط بالوعيد الشديد على	بڑے ثواب کا وعدہ ہو (اس قسم کی حدیثین واعظون اور
الامر اليسير او بالوعد العظيم على الفعل	سوقیون کے ہان بہت پائی جاتی ہین) یا وہ حدیث جس
اليسير وهذا الاخير كثير موجود في	مین لغویت پائی جائے مثلاً یہ حدیث کہ کدو کو بغیر ذبح
حديث القصاص والطرقية ومن ركة	کیے نہ کھاؤ، اس لیے بعض محدثین نے لغویت کو راوی
المعنى لاتاكلوا القرعة حتى تذبحوها ولذا	کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے، یہ تمام قرینے خود
جعل بعضهم ذلك دليلا على كذب راويه	روایت سے متعلق ہین اور کبھی یہ قراین راوی کے
وكل هذا من القرائن في المروي وقد	متعلق ہوتے ہین، مثلاً غیاث کا واقعہ خلیفہ مہدی
تكون في الراوي كقصة غياث مع المهدي	کے ساتھ، یا جب کہ راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے
...... وانفراده عمن لم يدركه بما لم يوجد	جو اور کسی نے نہ بیان کی ہو اور خود راوی جس سے روایت
عند غيرهما، وانفراده بشئ مع كونه	کرتا ہے اس سے ملاقات نہ ہو، یا وہ حدیث جسکو ایک ہی راوی بیان کرتا ہے
فيما يلزم المكلفين علمه وقطع العذر فيه	حالانکہ بات ایسی ہے کہ اس کا اور لوگوں کو بھی مطلع ہونا ضرور تھا جیسا کہ خطیب بغدادی نے
كما قرره الخطيب في اول الكفاية او	کتاب الکفایہ کے شروع مین اسکی تصریح کی ہے، یا وہ روایت جسمین کسی عظیم الشان
بامر جسيم يتوفر الدواعي على نقله	واقعہ کا ذکر ہو کہ اگر وہ واقع ہوا ہوتا تو سیکڑون آدمی اسکو بیان
كحصر عدو للحاج عن البيت	کرتے مثلاً یہ واقعہ کہ کسی دشمن نے حاجیون کو کعبہ کے حج سے روکدیا،

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ حسب ذیل صورتون مین روایت اعتبار کے قابل نہوگی، اور

روایت کے اصول — اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہین کہ اس کے راوی معتبر ہین یا نہین۔

۱۔ جو روایت عقل کے مخالف ہو۔

۲- جو روایت اصولِ مسلمہ کے خلاف ہو،

۳- محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو،

۴- قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو، اور اس مین تاویل کی کچھ گنجایش نہ ہو،

۵- جس حدیث مین معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو،

۶- معمولی کام پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو،

۷- وہ روایت رکیک المعنی ہو شلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ،

۸- جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہین کی، اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو،

۹ جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگون کو اس سے واقف ہونیکی ضرورت ہو، بااین ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اسکی روایت نہ کی ہو۔

۱۰- جس روایت مین ایسا قابل اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع مین آتا تو سیکڑون آدمی اسکو روایت کرتے، باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اسکی روایت کی ہو

ملا علی قاری نے موضوعات[1] کے خاتمہ مین حدیثون کے نامعتبر ہونے کے چند اصول تفصیل سے لکھے ہین، اور ان کی مثالین نقل کی ہین، ہم اس کا خلاصہ اس موقع پر نقل کرتے ہین۔

---

[1] نسخہ مطبوعۂ مجتبائی دہلی صفحہ ۹۲ تا خاتمۂ کتاب،

۱- جس حدیث مین فضول باتین ہون جو رسول اللہ کی زبان سے نہین نکل سکتین، مثلاً یہ کہ "جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے خدا اس کلمہ سے ایک پرند پیدا کرتا ہے جس کے ستر زبانین ہوتی ہین، ہر زبان مین ستر ہزار لغت ہوتے ہین الخ"

۲- وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو، مثلاً یہ حدیث کہ بیگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے۔

۳- وہ حدیث جو صریح حدیثون کے مخالف ہو،

۴- جو حدیث واقعہ کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ "دھوپ مین رکھے ہوئے پانی سے غسل نہین کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے"

۵- وہ حدیث جو انبیا علیہم السلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو، مثلاً یہ حدیث کہ "تین چیزین نظر کو تر تی دیتی ہین، سبزہ زار، آب روان، خوبصورت چہرہ کا دیکھنا"

۶- وہ حدیثین جن مین آیندہ واقعات کی پیشینگوئی بقید تاریخ مذکور ہوتی ہے، مثلاً یہ کہ فلان سنہ اور فلان تاریخ مین یہ واقعہ پیش آئے گا۔

۷- وہ حدیثین جو طبیبون کے کلام سے مشابہ ہین مثلاً یہ کہ "ہریسہ کے کھانے سے قوت آتی ہے" یا یہ کہ مسلمان شیرین ہوتا ہے اور شیرینی پسند کرتا ہے۔

۸- وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلایل موجود ہین، مثلاً عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا،

۹- وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو، مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے، کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہر شخص بتا دے گا کہ قیامت کے آنے مین اس قدر دیر ہے حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہین،

۱۰- وہ حدیثین جو خضر علیہ السلام کے متعلق ہین،

۱۱- جس حدیث کے الفاظ رکیک ہون۔

۱۲- وہ حدیثین جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتون کے فضایل مین وارد ہین حالانکہ یہ حدیثین تفسیر بیضاوی اور کشاف وغیرہ مین منقول ہین۔

اِن اصول سے محدثین نے اکثر جگہ کام لیا اور انکی بنا پر بہت سی روایتین رد کردین، مثلاً ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے خیبر کے یہودیون کو جزیہ سے معاف کردیا تھا، اور معافی کی دستاویز لکھوا دی تھی" ملا علی قاری اس روایت کے متعلق لکھتے ہین کہ یہ روایت مختلف وجوہ سے باطل ہے،

۱- اس معاہدہ پر سعد بن معاذ کی گواہی بیان کی جاتی ہے، حالانکہ وہ غزوۂ خندق مین وفات پاچکے تھے،

۲- دستاویز مین کاتب کا نام معاویہ ہے حالانکہ وہ فتح مکہ مین اسلام لائے،

۳- اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہین آیا تھا، جزیہ کا حکم قرآن مجید مین جنگ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے،

۴- دستاویز مین تحریر ہے کہ "یہودیون سے بیگار نہین لی جائے گی" حالانکہ آنحضرت صلعم کے زمانہ مین بیگار کا رواج ہی نہ تھا،

۵- خیبر والون نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی، ان سے جزیہ کیون معاف کیا جاتا،

۶- عرب کے دور دراز حصون مین جب جزیہ معاف نہین ہوا، حالانکہ ان لوگون نے

چندان مخالفت اور دشمنی نہین کی تھی، توخیبر والے کیونکر معاف ہو سکتے تھے،

۷۔ اگر جزیہ ان کو معاف کر دیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے ہواخواہ اور دوست اور واجب الرعایۃ ہین، حالانکہ چندروز کے بعد خارج البلد کر دیے گئے،
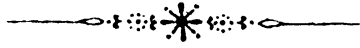
تبصرہ

سیرت کی یہ ایک اجمالی اور سادہ تاریخ تھی اب ہم اسپر مختلف پہلوؤن سے نظر ڈالنا چاہتے ہین

۱-سیرت پر اگرچہ آج بھی سیکڑون تصنیفین موجود ہین لیکن سب کا سلسلہ جاکر صرف تین چار کتابون پر منتہی ہوتا ہے، سیرت ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، طبری، ان کے علاوہ جو کتابین ہین، وہ اِن سے متاخر ہین، اور ان مین جو واقعات مذکور ہین، زیادہ تر انھین کتابوں سے لیے گئے ہین۔(کتب حدیث کا جو ٹکڑا ہی اُس سے اس مقام پر بحث نہین) اس بنا پر ہمکو مذکورۂ بالا کتابون پر زیادہ تفصیل اور تدقیق سے نظر ڈالنی چاہیے۔

ان مین سے واقدی تو بالکل نظرانداز کردینے کے قابل ہے، محدثین بالاتفاق لکھتے ہین کہ وہ خود اپنے جی سے روایتین گھڑتا ہے، اور حقیقت مین واقدی کی تصنیف خود اس بات کی شہادت ہے، ایک ایک جزئی واقعہ کے متعلق جس قسم کی گوناگون اور دلچسپ تفصیلین وہ بیان کرتا ہے آج کوئی بڑا سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات اس طرح قلمبند نہین کرسکتا،

واقدی کے سوا، باقی اور تینون مصنفین، اعتبار کے قابل ہین، ابن اسحاق کی نسبت اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے جرح کی ہے، تاہم ان کا یہ رتبہ ہے کہ امام بخاری اپنے رسالہ "جزء القراۃ" مین انکی سند سے روایتین نقل کرتے ہین، اور ان کو صحیح سمجھتے ہین، ابن سعد اور طبری مین کسی کو کلام نہین، لیکن افسوس ہے کہ ان لوگون کا مستند ہونا، ان کی تصنیفات کے مستند ہونے پر چندان اثر نہین ڈالتا، یہ لوگ خود شریک واقعہ نہین، اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہین اور راویون کے

کے ذریعہ سے بیان کرتے ہین لیکن اُنکے بہت سے رُواۃ، ضعیف الروایۃ، اور غیر مستند ہین،
اس کے علاوہ ابن اسحاق کی اصلی کتاب (ہندوستان مین) موجود نہین، ابن ہشام نے ابن اسحاق
کی کتاب کو ترتیب اور تہذیب کے بعد جس صورت مین بدل دیا وہی آج موجود ہی۔ لیکن ابن ہشام نے ابن
اسحاق کی کتاب کو، زیاد بکائی کے واسطہ سے روایت کیا ہے بکائی اگرچہ رتبہ کے شخص ہین تاہم
محدثین کے اعلیٰ معیار سے فروتر ہین، ابن مدینی (امام بخاری کے استاد) کہتے ہین کہ" وہ ضعیف ہی" اور
مین نے اسکو ترک کردیا" ابو حاتم کہتے ہین" وہ اعتنا کے قابل نہین" نسائی کہتے ہین" وہ ضعیف ہی"
ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتین، واقدی کے ذریعہ سے ہین، اس لیے ان روایتون کا
وہی رتبہ ہی جو خود واقدی کی روایتون کا ہے، باقی رُواۃ مین سے بعض ثقہ ہین، اور بعض
غیر ثقہ،

طبری کے بڑے بڑے شیوخِ روایت مثلاً سلمۃ ابرش، ابن سلمۃ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہین
اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرۃ کا ذخیرہ، کتب حدیث کا ہم پلہ نہین، البتہ ان مین
سے تحقیق وتنقید کے معیار پر جو اُتر جاے وہ حجت اور استناد کے قابل ہے،

کتب حدیث و سیرۃ مین فرق مراتب

سیرت کی کتابون کی کم پایگی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تحقیق اور تنقید کی ضرورت احادیث
احکام کے ساتھ مخصوص کردی گئی یعنی وہ روایتین تنقید کی زیادہ محتاج ہین جن سے شرعی احکام
ثابت ہوتے ہین، باقی جو روایتین سیرت اور فضایل وغیرہ سے متعلق ہین اُن مین تشدد اور
احتیاط کی چندان حاجت نہین، حافظ زین الدین عراقی جو بہت بڑے پایہ کے محدث ہین
سیرت منظوم کے دیباچہ مین لکھتے ہین،

وَلِيَعْلَمِ الطَّالِبُ اَنَّ السِّيَرَا	طالب کو جاننا چاہیے کہ سیرت مین سبھی
تَجْمَعُ مَا صَحَّ وَمَا قَدْ اُنْكِرَا	طرح کی روایتین ہوتی ہین صحیح بھی اور غلط بھی

یہی وجہ ہے کہ مناقب اور فضایل اعمال مین کثرت سے ضعیف روایتین شائع ہوگئین اور بڑے بڑے علما نے اپنی کتابون مین ان روایتون کا درج کرنا جائز رکھا، علامہ ابن تیمیہ کتاب التوسل[1] مین لکھتے ہین۔

قَدْ رَوَاهُ مَنْ صَنَّفَ فِي عَمَلِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ كَابْنِ السُّنِّي وَاَبِي نُعَيْمٍ وَفِي مِثْلِ هٰذِهِ الْكُتُبِ اَحَادِيثُ كَثِيرَةٌ مَوْضُوعَةٌ لَا يَجُوزُ الْاِعْتِمَادُ عَلَيْهَا فِي الشَّرِيعَةِ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ	اس حدیث کو ان لوگون نے روایت کیا ہے جنھون نے رات دن کے اعمال مین کتابین تصنیف کی ہین مثلاً ابن السنی اور ابو نعیم اور اس قسم کی کتابون مین کثرت سے جھوٹی حدیثین موجود ہین، جنپر اعتماد کرنا ناجائز ہے، اور اسپر تمام علما کا اتفاق ہے

حاکم نے مستدرک مین یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم سے خطا سرزد ہوئی تو انھون نے کہا "اے خدا! مین تجھکو محمد کا واسطہ دیتا ہون کہ میری خطا معاف کردے" خدا نے کہا "تمنے محمد کو کیونکر جانا" حضرت آدم نے کہا "مین نے سر اٹھا کر عرش کے پایون پر نظر ڈالی تو یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس سے مین نے قیاس کیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخص کا نام ملایا ہے وہ ضرور تجھکو محبوب ترین خلق ہوگا" خدا نے کہا "آدم! تمنے سچ کہا، اور محمد نہ ہوتے تو مین تم کو پیدا بھی نہ کرتا" حاکم نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، علامہ تیمیہ حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہین،

[1] مطبوعہ مطبع المنار، صفحہ ۹۹،

وأما تصحيح الحاكم لمثل هذا الحديث وأمثاله
فهذا مما أنكره عليه أئمة العلم بالحديث
وقالوا إن الحاكم يصحح أحاديث وهي موضوعة
مكذوبة عند أهل المعرفة بالحديث .....
وكذلك أحاديث كثيرة في مستدركه
يصححها وهي عند أئمة أهل العلم بالحديث موضوعة[1]

حاکم کا اس قسم کی حدیثون کو صحیح کہنا ائمہ حدیث نے
اس پر انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حاکم بہت سی جھوٹی
اور موضوع حدیثون کو صحیح کہتے ہین، اسی طرح
حاکم کی مستدرک مین بہت سی حدیثین ہین
جن کو حاکم نے صحیح کہا ہے حالانکہ وہ ائمہ
حدیث کے نزدیک موضوع ہین

علامۂ موصوف ایک اور موقع پر ابوالشیخ اصفہانی کی کتاب کا تذکرہ کرکے لکھتے ہین

(صفحہ ۱۰۵ و ۱۰۶)

وفيها أحاديث كثيرة قوية صحيحة وحسنة و
أحاديث كثيرة ضعيفة موضوعة وهيّنة
وكذلك ما يرويه أبو خثيمة بن سليمان
في فضائل الصحابة وما يرويه أبو نعيم
الأصبهاني في فضائل الخلفاء في كتاب مفرد وفي
أول حلية الأولياء × وما يرويه أبو بكر
الخطيب وأبو الفضل بن ناصر وأبو موسى المديني
وأبو القاسم بن عساكر والحافظ عبد الغني

اور اس مین بہت سی حدیثین ہین جو قوی ہین اور حسن ہین اور
بہت سی ضعیف اور موضوع اور مہمل ہین اور اسیطرح وہ حدیثین
جو خثیمہ بن سلیمان، صحابہ کے فضایل مین روایت کرتے ہین
اور وہ حدیثین جو ابونعیم اصفہانی نے ایک مستقل کتاب
مین خلفاء کے فضایل مین روایت کی ہین، اور اسیطرح
وہ روایتین جو ابوبکر خطیب اور ابوالفضل، اور
ابوموسے مدینی اور ابن عساکر اور حافظ عبدالغنی
وغیرہ اور ان کے پایہ کے لوگ، روایت

[1] کتاب التوسل مطبوعۂ المنار، صفحہ ۱۰۱، (نیز تذکرۃ الحفاظ ذہبی ترجمۂ حاکم)

وامثالھم ممن لہ معرفۃ بالحدیث، کرتے ہیں

غور کرو، ابونعیم، خطیب بغدادی، ابن عساکر، حافظ عبد الغنی وغیرہ حدیث اور روایت کے امام تھے، باوجود اس کے یہ لوگ خلفاء اور صحابہ کے فضایل مین ضعیف حدیثین بے تکلف روایت کرتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا کہ صرف حلال و حرام کی حدیثون مین احتیاط اور تشدد کی ضرورت ہے، ان کے سوا اور روایتون مین سلسلۂ سند نقل کر دینا کافی ہے، تنقید اور تحقیق کی ضرورت نہین،

موضوعات ملا علی قاری مین لکھا ہے کہ بغداد مین ایک واعظ نے یہ حدیث بیان کی کہ "قیامت مین خدا آنحضرت صلعم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھاے گا" امام ابن جریر طبری نے سنا تو بہت برہم ہوئے اور اپنے دروازہ پر یہ فقرہ لکھ کر لگا دیا کہ "خدا کا کوئی ہم نشین نہین"، اس پر بغداد کے عوام سخت افروختہ ہوے اور امام موصوف کے گھر پر اس قدر پتھر برساے کہ دیوارین ڈھک گئین[1]،

اس موقع پر ایک خاص نکتہ لحاظ کے قابل ہے، یہ مسلم ہے کہ حدیث و روایت مین امام بخاری اور مسلم سے بڑھ کر کوئی شخص کامل فن نہین پیدا ہوا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ان کو جو عقیدت اور خلوص اور شیفتگی تھی اس کے لحاظ سے بھی وہ تمام محدثین پر ممتاز تھے، باوجود اس کے فضایل و مناقب کے متعلق جس قسم کی مبالغہ آمیز روایتین بیہقی، ابونعیم، بزار، طبرانی وغیرہ مین پائی جاتی ہین بخاری اور مسلم مین ان کا پتہ نہین لگتا، بلکہ اس قسم کی حدیثین، جو نسائی،

[1] موضوعات علی قاری صفحہ ۱۳ (مطبوعۂ دہلی)۔

ابن ماجہ، ترمذی وغیرہ مین پائی جاتی ہین صحیحین مین وہ بھی مذکور نہین اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر تحقیق وتنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے مبالغہ آمیز روایتین گھٹتی جاتی ہین، مثلاً یہ روایت کہ جب آنحضرت صلعم عالمِ وجود مین آئے تو ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر پڑے، آتشِ فارس بجھ گئی، بحیرۂ طبریہ خشک ہوگیا، بیہقی، ابونعیم، خرائطی، ابن عساکر، اور ابن جریر نے روایت کی ہے لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم بلکہ صحاح ستہ کی کسی کتاب مین اس کا پتہ نہین۔

سیرت پر جو کتابین لکھی گئین وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابون (طبرانی، بیہقی، ابونعیم وغیرہ) سے ماخوذ ہین، اس لیے ان مین کثرت سے کمزور روایتین درج ہوگئین اور اسی بنا پر محدثین کو کہنا پڑا کہ سِیَر مین ہر قسم کی روایتین ہوتی ہین۔

محدثین نے جو اصول قرار دیے تھے، سیرت کی روایتون مین لوگون نے اکثر نظرانداز کر دیے، محدثین کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہین منقطع نہ ہونے پائے، لیکن آنحضرت صلعم کے حالاتِ ولادت کے متعلق جسقدر روایتین مذکور ہین اکثر منقطع ہین صحابہ مین سے کوئی شخص ایسا نہین جسکی عمر آنحضرت صلعم کی ولادت کے وقت روایت کے قابل ہو، سب سے معمّر حضرت ابوبکر ہین، وہ آنحضرت صلعم سے عمر مین دو برس کم تھے، اسی بنا پر میلاد کے متعلق جسقدر روایتین ہین ان مین سے اکثر متصل نہین اور اسی بنا پر بہت دور از کار روایتین پھیل گئین، مثلاً ابونعیم نے آنحضرت صلعم کی والدہ ماجدہ کی زبانی روایت کی ہے کہ "جب آنحضرت م پیدا ہوئے تو بہت سے پرند آکر مکان مین بھر گئے جن کی زمرّد کی منقار اور یاقوت کے پر تھے، پھر ایک سفید بادل آیا اور آنحضرت صلعم کو اُٹھا لے گیا اور ندا آئی کہ اس بچّہ کو مشرق و

مغرب اور تمام دریاؤن کی سیر کراؤ، کہ سب لوگ پہچان لین[1]۔"

مغازی کا بڑا حصہ امام زہری سے منقول ہے، لیکن ان کی اکثر روایتین، جو سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد وغیرہ مین مذکور ہین، منقطع ہین، یعنی اوپر سے کے راویون کے نام مذکور نہین،

تصانیف سیرت مین کتب احادیث کی طرف سے بے اعتنائی،

۲، نہایت تعجب انگیز بات یہ ہے کہ جن بڑے بڑے نامور مصنفین مثلاً امام طبری وغیرہ نے سیرت پر جو کچھ لکھا اس مین اکثر جگہ مستند احادیث کی کتابون سے کام نہین لیا۔

بعض واقعات نہایت اہم ہین ان کے متعلق حدیث کی کتابون مین ایسے مفید معلومات موجود ہین جن سے تمام مشکل حل ہو جاتی ہے لیکن سیرت اور تاریخ مین ان معلومات کا ذکر نہین مثلاً یہ امر کہ جب آنحضرتؐ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے تو لڑائی کی سلسلہ جنبانی کس کی طرف سے شروع ہوئی؟ ایک بحث طلب واقعہ ہے، تمام ارباب سیر اور مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آنحضرتؐ نے ابتدا کی لیکن سنن ابی داؤد مین صاف اور صریح حدیث موجود ہے کہ جنگ بدر سے پہلے کفار مکہ نے عبد اللہ بن اُبی کو یہ خط لکھا کہ تم نے محمدؐ کو اپنے شہر مین پناہ دی ہے ان کو نکال دو، ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمھارا، اور محمدؐ دونون کا استیصال کر دینگے[2]، سیرت اور تاریخ کی کتابون مین یہ واقعہ سرے سے منقول نہین۔

مصنفین سیرت مین سے بعض لوگون نے اس نکتہ کو سمجھا، اور جب احادیث کی زیادہ

[1] مواہب لدنیہ مین یہ روایت نقل کی ہے اس مین بے انتہا مبالغہ آمیز باتین ہین، مین نے معمولی ٹکڑا نقل کر دیا ہے،
[2] غزوۂ بدر کے موقع پر ہم اس حدیث کے اصلی الفاظ نقل کرین گے،

جہان مین کی تو ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ **سیرت** کی کتابون مین بہت سی روایتین، صحیح حدیثون کے خلاف درج ہوگئی ہین لیکن چونکہ ان کی تصنیف پھیل چکی تھی، اس لیے اسکی اصلاح نہ ہوسکی، حافظ ابن حجر ایک موقع پر **دمیاطی** کا ایک قول نقل کرکے لکھتے ہین،

وَدَلَّ هٰذا علیٰ انّه کَانَ یعتقد الرّجوعَ	یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہی کہ اکثر واقعات جن مین
عَن کثیرٍ ممّا وافق فیه اهلَ السّیرِ وخالف	دمیاطی نے اہل سیر کی موافقت اور صحیح حدیثون کی
الاحادیثَ الصحیحۃ وانّ ذٰلک کان منه	مخالفت کی تھی، اپنی راے سے رجوع کیا، لیکن
قبل تضلّعه منها ولخروج نسخ کتابه وانتشاره	چونکہ کتاب کے نسخے پھیل گئے تھے اس لیے اسکی
لم یتمکّن من تغییره[1]	اصلاح نہ کرسکے۔

مصنفین سیرت کی تدلیس

۳، **سیرت** مین اگلون نے جو کتابین لکھین، اُن سے مابعد کے لوگون نے جو روایتین نقل کین اُنہی کے نام سے کین، ان کے مستند ہونے کی بنا پر، لوگون نے اُن تمام روایتون کو معتبر سمجھ لیا، اور چونکہ اصل کتابین ہر شخص کو ہات نہین آسکتی تھین اس لیے لوگ راویون کا پتہ نہ لگا سکے، اور رفتہ رفتہ یہ روایتین تمام کتابون مین داخل ہوگئین، اس تدلیس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مثلاً جو روایتین واقدی کی کتاب مین مذکور ہین ان کو لوگ عموماً غلط سمجھتے ہین، لیکن انھین روایتون کو جب **ابن سعد** کے نام سے نقل کردیا جاتا ہے تو لوگ ان کو معتبر سمجھتے ہین، حالانکہ ابن سعد کی اصلی کتاب ہات آئی تو پتہ لگا کہ ابن سعد نے اکثر روایتین واقدی ہی سے لی ہین۔

اصول روایت سے ہر جگہ کام نہین لیا گیا،

۴، **روایت** کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے **صحابہ**رض کے متعلق ان سے بعض بعض موقعون پر

---

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۱۱،

کام نہین لیا گیا مثلاً اصولِ روایت کی رُو سے رُواۃ کے مختلف مدارج ہین، کوئی راوی نہایت ضابط نہایت معنی فہم، نہایت دقیقہ رس ہوتا ہے، کسی مین یہ اوصاف کم ہوتے ہین، کسی مین اور بھی کم ہوتے ہین، یہ فرقِ مراتب جسطرح فطرۃً عام راویون مین پایا جاتا ہے، صحابہؓ بھی اس سے مستثنیٰ نہین، حضرت عایشہ نے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ کی روایت پر، اور حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت ابوہریرہ کی روایت پر جو تنقیدین کین، اور جن کا ذکر اوپر گذر چکا، اسی بنا پر کین،

اختلافِ مراتب کی بنیاد پر بڑے بڑے معرکۃ الآرا مسایل کی بنیاد قایم ہے۔ مثلاً دو روایتون مین تعارض پیش آجاے تو اس بحث کے فیصلہ مین صحیح طریقہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک روایت کے راویون کا دوسری روایت کے راویون سے عالی رتبہ ہونا ثابت کر دیا جائے (گو دونون راوی ثقہ ہین) اور یہ اُس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہوگا، لیکن صحابہؓ مین آکر یہ اصول بیکار ہو جاتا ہے، فرض کرو ایک روایت صرف حضرت عمرؓ سے مروی ہے، اور دوسری کسی بَدوِی عرب سے مروی ہے، جس نے عمر بھر مین صرف ایک دفعہ اتفاقاً آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لیا تھا، تو اب دونون روایتون کا رتبہ برابر ہو جاتا ہے، علامۂ مازری مشہور محدث ہین، علامۂ نووی شرح صحیح مسلم مین اکثر اُن سے استناد کرتے ہین، انھون نے اس تعمیم کی مخالفت کی تھی، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ کے دیباچہ (صفحہ ۱۰ و ۱۱) مین ان کا یہ قول نقل کیا ہے،

لسنا نعنی بقولنا الصحابۃ عدول کل من راہ صلی اللہ علیہ وسلم او من راہ لماما او	یہ مقولہ کہ صحابہ سب عادل ہین، ہم اس سے، ہر ایسے شخص کو مراد نہین لیتے جس نے آنحضرت صلعم کو اتفاقاً دیکھ لیا، یا

اجتمع بہ لِغرضٍ وانصرف عنْ کثب و اِنّمَا	آنحضرت صلعم سے کسی غرض کے لیے ملا اور پھر فوراً واپس چلا گیا،
نعنی بہ الّذین لازموہ وَعزّروہ ونصروہ	بلکہ ہم اُن لوگون کو مراد لیتے ہین جو آنحضرت صلعم کی خدمت
واتّبعوا النور الذی انزل معہ اولئك ھم	مین بہ التزام رہے اور آپکی اعانت و مدد کی اور اُس نور
المفلحون،	کی پیروی کی جو آنحضرت پر نازل ہوا یہی لوگ کامیاب ہین

لیکن محدثین نے مازری کے اس قول سے عام مخالفت کی، علامۂ مازری نے بے شبہہ یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مطلقاً مقربین صحابہ سے مخصوص کر دیا، اس بنا پر محدثین کی مخالفت اُن سے بیجا نہین، لیکن اس مین کیا شبہہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ کی روایتین، ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہین ہو سکتین، خصوصاً اُن روایتون کے متعلق یہ فرق ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے جو فقہی مسایل یا دقیق مطالب سے تعلق رکھتی ہین،

واقعات مین سلسلہ علت و معلول نہین قائم کیا گیا

۵، ارباب سیر اکثر واقعات کے اسباب و علل سے بحث نہین کرتے، نہ انکی تلاش و تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے، اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ اس باب مین یورپ کا طریقہ نہایت غیر معتدل ہے، یورپین مورخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے اور نہایت دور دراز قیاسات اور احتمالات سے سلسلہ معلولات پیدا کرتا ہے، اس مین بہت کچھ اُسکی خود غرضی اور خاص مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے، وہ اپنے مقصد کو ایک محور بنا لیتا ہے، تمام واقعات اُسی کے گرد گردش کرتے ہین، بخلاف اس کے اسلامی مورخ نہایت سچائی اور انصاف، اور خالص بیطرفداری سے واقعات کو ڈھونڈتا ہے، اس کو اس سے کچھ غرض نہین ہوتی کہ واقعات کا اثر اُس کے مذہب پر، معتقدات پر اور تاریخ پر کیا پڑے گا، اس کا قبلۂ مقصد صرف واقعیت ہوتی ہے، وہ اسپر اپنے معتقدات اور قومیت کو بھی قربان

کر دیتا ہے،

لیکن اس مین حد سے زیادہ تفریط ہوگئی، اس بات سے بچنے کے لئے، کہ واقعات، راے سے مخلوط نہ ہو جائین، وہ پاس پاس کے ظاہری اسباب پر بھی نظر نہین ڈالتا، اور ہر واقعہ کو خشک اور ادھورا چھوڑ دیتا ہے، مثلاً اکثر لڑائیون کو اس طرح شروع کرتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلان قبیلہ پر فلان وقت فوجین بھیجدین، لیکن اس کے اسباب کا ذکر مطلق نہین کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کفار پر حملہ کرنے، اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت نہین، صرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہین! اسی سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہین کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہی، حالانکہ زیادہ جہان مین سے ثابت ہوتا ہی کہ جن قبایل پر فوجین گئین، وہ پہلے سے آمادۂ جنگ، اور مسلمانون پر حملہ کی طیاریان کر چکے تھے،

نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار نہین قائم کیا گیا۔

۶، یہ لحاظ رکھنا ضرور ہی کہ واقعہ کی نوعیت کے بدلنے سے شہادت اور روایت کی حیثیت کہان تک بدل جاتی ہے مثلاً ایک راوی جو ثقہ ہے ایک ایسا معمولی واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آتا ہے اور پیش آسکتا ہے تو بے تکلف یہ روایت تسلیم کر لی جائے گی، لیکن فرض کرو وہی راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہے، تجربۂ عام کے خلاف ہی، گرد و پیش کے واقعات سے مناسبت نہین رکھتا، تو واقعہ چونکہ زیادہ محتاجِ ثبوت ہے اس لیے اب راوی کا معمولی درجہ ثقہ کافی نہین ہو سکتا، بلکہ اس کو معمولی درجہ سے زیادہ عادل، زیادہ محتاط، زیادہ نکتہ دان ہونا چاہیے،

مثلاً ایک بحث یہ ہی کہ روایت کرنے کے لیے کسی عمر کی قید ہے یا نہین؟ اکثر محدثین کا

مذہب ہی کہ ۵ برس کا لڑکا حدیث کی روایت کرسکتا ہی، یا مثلاً اگر کسی صحابی نے ۵ برس کی عمر مین آنحضرت صلعم کے کسی قول یا فعل کی روایت کی تو قابل اعتبار ہو گی، محدثین کا اس پر استدلال ہی کہ محمود بن الربیع ایک صحابی تھے، آنحضرت صلعم کے وفات فرمانے کے وقت وہ پانچ برس کے بچے تھے، آنحضرت صلعم نے ایک دفعہ اظہار محبت کے طور پر ان کے منھ پر کلی کا پانی ڈال دیا تھا، اس واقعہ کو اُنھون نے جوان ہوکر لوگون سے بیان کیا، اور سب نے یہ روایت قبول کی، اس سے ثابت ہوا کہ ۵ برس کی عمر کی روایت قبول ہو سکتی ہے[1]،

اس کے برخلاف بعض محدثین کی راے ہے کہ کم سن کی روایت قابل حجت نہین -

فتح المغیث مین ہے،

ولکن قد منع قوم القبول ھنا ای فی مسئلة الصبی خاصة فلم یقبلوا من تحمل قبل البلوغ لان الصبی مظنة عدم الضبط وھو وجه للشافعیة .... وکذا کان ابن المبارک یتوقف فی حدیث الصبی (کتاب مذکور صفحہ ۱۶۴)	(لیکن ایک جماعت یہان قبول روایت سے منع کرتی ہی، خصوصاً بچون کی روایت کے مسئلہ مین، بلوغ سے پہلے جو روایت کسی بچہ نے سنی ہو، اُسکو وہ قبول نہین کرتی، شوافع کی یہی راے ہی، اسیطرح عبداللہ بن مبارک بھی بچہ کی روایت قبول کرنے مین توقف کرتے ہین)

لیکن اثبات و نفی، دونون پہلو بحث طلب ہین، بے شبہہ ۵ برس کا بچہ اگر یہ واقعہ بیان کرے کہ مین نے فلان شخص کو دیکھا تھا، اس کے سر پر بال تھے، یا وہ بوڑھا تھا، یا اس نے مجھ کو گود یون مین کھلایا تھا، تو اس روایت مین شبہہ کرنے کی وجہ نہین، لیکن فرض کرو وہی بچہ یہ بیان کرتا ہے

[1] یہ پوری بحث فتح المغیث صفحہ ۱۶۴ تا صفحہ ۱۶۸ مین ہے،

کہ فلان شخص نے **فقہ** کا یہ دقیق مسئلہ بتایا تھا، تو شبہہ ہوگا کہ بچہ نے صحیح طور سے مسئلہ کو سمجھا بھی تھا، یا نہین؟

فقہانے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے، فتح المغیث مین شرح مہذب سے نقل کیا ہی،

قبول اخبار الصبي المميّز فيما طريقه المشاهدة بخلاف ما طريقه النقل كالافتاء ورواية الاخبار ونحوه، (نسخہ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۲۲)

باتمیز لڑکے کی روایت ان واقعات کے متعلق مقبول ہی جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہون لیکن جو باتین نقلیات مین داخل ہین مثلاً فتویٰ یا حدیث کی روایت انمین انکی روایت مقبول نہین

لیکن عام طور سے یہ اصول تسلیم نہین کیا گیا، فتح المغیث مین ہی،

ثم الضبط نوعان ظاهر وباطن فالظاهر ضبط معناه من حيث اللغة، والباطن ضبط معناه من حيث تعلق الحكم الشرعي به وهو الفقه ومطلق الضبط الذي هو شرط في الراوي هو الضبط ظاهرا عند الاكثر لانه يجوز نقل الخبر بالمعنى فيلحقه تهمة تبديل المعنى (في) روايته قبل الحفظ او قبل العلم حين سمع ولهذا قلت الرواية عن اكثر الصحابة لتعذر هذا المعنى قال وهذا الشرط وان كان

پھر ضبط[1] کی دو قسمین ہین ظاہری اور باطنی، ظاہری کے یہ معنی ہین کہ لفظ کے لغوی معنی کا لحاظ رکھا جائے، باطنی کے یہ معنی کہ شرعی حکم جس بنا پر متعلق ہی اس کا لحاظ رکھا جاے اس کو فقہ کہتے ہین، لیکن مطلقاً جو ضبط راوی کے لیے شرط ہی اکثرون کے نزدیک وہ صرف ظاہری ضبط ہی، کیونکہ ان لوگون کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے، اسی بنا پر سنتے وقت قلت حفظ، یا قلت علم کے سبب سے روایت کے ادا کرنے مین ادنیٰ پر مفہوم کے بدل دینے کا شبہہ ہوسکتا ہی، یہ وجہ ہی کہ اکثر صحابہ نے بہت کم حدیثین روایت کین، کیونکہ مفہوم کا بعینہٖ روایت

[1] ضبط کا لفظ محدثین کی ایک اصطلاح ہی، جسکے معنی ہین کسی روایت کے الفاظ اور مطلب کو اچھی طرح سمجھنا اور ادا کرنا،

علی ما بینا فان اصحاب الحدیث قل ما یعتبرونہ فی حق الطفل دون المغفل فانہ متی صح عندھم سماع الطفل او حضورہ اجازوا روایتہ، (صفحہ ۱۲۱)	مین قایم رکھنا مشکل ہی، لیکن محدثین، بچہ کے حق مین، (بے عقل کے حق مین نہین) اس کا اعتبار نہین کرتے بلکہ بچہ ان کے نزدیک جب سننے اور مجلس مین شریک ہونے کے قابل ہوگیا تو اس کی روایت کو جائز سمجھتے ہین،

ایک یہ بحث ہی کہ جو صحابہ فقیہ نہ تھے اُن کی روایت اگر قیاس شرعی کے خلاف ہو تو واجب العمل ہوگی یا نہین؟ اس کے متعلق بحرالعلوم، امام فخرالاسلام کا مذہب نقل کرکے لکھتے ہین،

و وجہ قول الامام فخرالاسلام ان النقل بالمعنی شائع وقلما یوجد النقل باللفظ فان حادثۃ واحدۃ قد رویت بعبارات مختلفۃ ثم ان تلک العبارات لیست مترادفۃ بل قد روی ذلک المعنی بعبارات مجازیۃ فاذا کان الراوی غیر فقیہ احتمل الخطاء فی فہم المعنی المرادی الشرعی × × × ولا یلزم منہ نسبۃ الکذب متعمدا الی الصحابی معاذ اللہ عن ذلک (شرح سلم مطبوعہ لکھنو صفحہ ۴۳۲)	امام فخرالاسلام کے قول کی وجہ یہ ہی کہ روایت بالمعنی عام طور پر شائع ہے، ایک ہی واقعہ مختلف الفاظ مین ادا کیا گیا ہے، اور یہ الفاظ باہم مرادف بھی نہین، بلکہ اکثر مجازی عبارتون مین مطالب ادا کیے گئے ہین۔ اس بنا پر جب راوی فقیہ نہ ہوگا تو احتمال ہوگا کہ اسنے مطلب مقصود شرعی کے سمجھنے مین غلطی کی ہو، اس سے معاذ اللہ یہ لازم نہین آتا کہ صحابی کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے،

محدثین اس اصول سے کہ "واقعہ جس درجہ کا اہم ہو شہادت بھی اُسی درجہ کی اہم ہونی چاہیے"، بے خبر نہ تھے، امام بیہقی کتاب المدخل مین ابن مہدی کا قول نقل کرتے ہین،

اذا روینا عن النبی صلعم فی الحلال والحرام والاحکام شددنا فی الاسانید وانتقدنا فی الرجال واذا روینا فی الفضائل والثواب والعقاب سهلنا فی الاسانید وتسامحنا فی الرجال، (فتح المغیث صفحہ ۱۲۰)

جب ہم آنحضرت صلعم سے حلال وحرام اور احکام کے متعلق حدیث روایت کرتے ہین توسند مین نہایت تشدد کرتے ہین اور راویون کو پرکھ لیتے ہین لیکن جب فضائل اور ثواب و عقاب کی حدیثین آتی ہین تو ہم سندون مین سہل انگاری کرتے اور راویون کے متعلق چشم پوشی کرتے ہین۔

امام احمد بن حنبل کا قول ہے،

ابن اسحاق رجل تکتب عنه هذه الاحادیث یعنی المغازی ونحوها واذا جاء الحلال والحرام اردنا قومًا هکذا وقبض اصابع یدیه الاربع (فتح المغیث صفحہ ۱۲۰)

ابن اسحاق اس درجہ کے آدمی ہین کہ مغازی وغیرہ کی حدیثین ان سے روایت کی جاسکتی ہین، لیکن جب حلال وحرام کے مسائل آئین تو ہم کو ایسے لوگ درکار ہین یہ کہکر انھون نے چار انگلیان بند کرکے دبالین،

اس سے ثابت ہوا کہ محدثین واقعہ کی اہمیت کی بنا پر راوی کے درجہ کا لحاظ رکھتے تھے، اسی بنا پر ابن اسحاق کی نسبت امام ابن حنبل نے یہ تفریق کی کہ "حلال وحرام مین انکی شہادت معتبر نہین، لیکن مغازی مین انکا اعتبار ہے" یہ وہی اصول ہے کہ جس درجہ کا واقعہ ہو اُسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیے، اور یہ کہ واقعہ کے بدلنے سے شہادت کی اہمیت بدل جاتی ہے۔ لیکن واقعہ کی اہمیت، احکام فقہیہ کے ساتھ مخصوص نہین،

نوعیتِ واقعہ کی اہمیت کا خیال، فقہاے حنفیہ نے ملحوظ رکھا، اسی بنا پر ان کا مذہب ہے کہ جو روایت قیاس کے خلاف ہو اسکی نسبت یہ دیکھنا چاہیے کہ راوی، فقیہ اور مجتہد بھی ہے

یا نہین ! منار مین ہے،

والراوی ان عرف بالفقه والتقدم فی الاجتہاد	راوی اگر تفقہ اور اجتہاد مین مشہور ہو جیسے کہ خلفاے راشدین
کالخلفاء الراشدین والعبادلة کان حدیثه	یا عبادلہ تھے تو اُسکی حدیث حجت ہوگی اور اس کے
حجة یترک به القیاس خلافا لمالک	مقابلہ مین قیاس چھوڑ دیا جائے گا (بخلاف امام مالک
وان عرف بالعدالة والضبط دون الفقه	کے) اور اگر راوی ثقہ اور عادل ہو لیکن فقیہ نہین جیسے
کانس وابی هریرة ان وافق حدیثه القیاس	کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ ہین تو اگر وہ روایت
عمل به وان خالفه لم یترک الا	قیاس کے موافق ہوگی تو اس پر عمل ہوگا ورنہ قیاس
بالضرورة (نورالانوار صفحہ ۱۷۶ و ۱۷۷)	کو بغیر ضرورت ترک نہ کیا جائے گا،

حضرت ابوہریرہ کی مثال اگرچہ قابل بحث ہے کیونکہ اکثر علما کے نزدیک حضرت ابوہریرہ فقیہ اور مجتہد تھے، لیکن یہ جزوی بحث ہے، گفتگو اصل مسئلہ مین ہے،

۷ سب سے اہم اور سب سے زیادہ قابل بحث یہ بات ہے کہ راوی جو واقعہ بیان کرتا ہے اس مین کسقدر حصہ اصل واقعہ ہے اور کس قدر راوی کا قیاس ہے، تفحص اور استقرا سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہے کہ راوی جس چیز کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہے وہ اُس کا قیاس ہے، واقعہ نہین، اسکی بہت سی مثالین سیرت مین موجود ہین، یہان ہم صرف ایک دو واقعہ پر اکتفا کرتے ہین،

روایت مین قیاس کا کس قدر حصہ شامل ہے؛

آن حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جب ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر تنہا نشین ہو گئے تھے تو یہ مشہور ہوا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ازواج کو طلاق دیدی، حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی تو مسجد نبوی

مین آے، یہان لوگ کہہ رہے تھے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ازواج کو طلاق دیدی حضرت عمر نے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوکر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ نہین مین نے طلاق نہین دی،

صحیح ۵

یہ حدیث بخاری مین کئی جگہ بہ اختلاف الفاظ مذکور ہے، کتاب النکاح مین جو روایت ہے اسکی شرح مین حافظ ابن حجر لکھتے ہین،

وان الاخبار التی تشاع ولو کثرنا قلوھا ان لم یکن مرجعھا الی امر حسی من مشاھدۃ او سماع لاتستلزم الصدق فان جزم الانصاری وکذا جزم الناس الذین راھم عمر عند المنبر بذلک محمول علی انہ شاع بینھم ذلک من شخص بناہ علی التوھم الذی توھمہ من اعتزال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نساءہ فظن لکونہ لم تجر عادتہ بذلک انہ طلقھن فاشاع انہ طلقھن فشاع ذلک فتحدث الناس بہ واخلق بھذا الذی ابتدأ باشاعۃ ذلک ان یکون من المنافقین کما تقدم،	جو خبرین شائع ہوجاتی ہین گو ان کے راوی کثرت سے ہون لیکن اگر ان خبرونکی بنیاد امر حسی یعنی مشاہدہ یا استماع نہ ہو تو انکا سچا ہونا ضرور نہین، چنانچہ انصاری نے اور اُن صحابہ نے جنکو حضرت عمر نے منبر کے پاس دیکھا تھا، طلاق کا جو یقین کرلیا وہ یون ہوا ہوگا کہ کسی شخص نے آنحضرت کو دیکھا کہ آپ نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کرلی ہے اور چونکہ آنحضرت کی یہ عادت نہ تھی، اسلیے اس نے یہ قیاس کیا کہ آنحضرت نے طلاق دیدی، اس نے یہ خبر پھیلادی، اور لوگ ایکدوسرے سے اس کو بیان کرنے لگے، اور قیاس یہ ہے کہ اول جس شخص نے یہ خبر پھیلائی وہ منافق ہوگا،

(فتح الباری شرح بخاری طبع اول مصر جلد ۹ صفحہ ۲۵۰)

غور کرو، مسجد نبوی مین تمام صحابہ جمع ہین اور سب بیان کرتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دیدی، صحابہ عموماً ثقہ اور عادل ہین، اور اُن کی تعداد کثیر اس واقعہ کو بیان کررہی ہے، باوجود اس کے جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ نہین بلکہ قیاس تھا، حافظ ابن حجر نے بڑی جرأت کر کے یہ خیال ظاہر کیا کہ راوی اوّل منافقین مین سے ہوگا، حضرت عایشہ صدیقہ کی نسبت بہت سے ایسے واقعات، روایتون مین مذکور ہین جن مین سے ایک واقعہ افک ہے ان کی نسبت بھی وہی قیاس ہونا چاہیے جو حافظ ابن حجر نے یہان ظاہر کیا یعنی یہ کہ منافقین نے انکی طرف منسوب کردیے ہونگے، پھر تمام مسلمانون مین پھیل گئے،

فن تاریخ و روایت پر خارجی اسباب کا اثر۔

۸ فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہین، ان مین سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانون کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ انکا قلم تلوار سے نہین دبا، حدیثون کی تدوین بنوامیہ کے زمانہ مین ہوئی جنھون نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیاے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع مین آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ مین سر منبر حضرت علی پر لعن کہلوایا، سیکڑون ہزارون حدیثین امیر معاویہ وغیرہ کے فضایل مین بنوائین۔ عباسیون کے زمانہ مین ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیان حدیثون مین داخل ہوئین لیکن نتیجہ کیا ہوا، عین اُسی زمانہ مین محدثین نے علانیہ منادی کر دی کہ یہ سب جھوٹی روایتین ہین، آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے، اور بنوامیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے، اُسی مقام پر نظر آتے ہین جہان انکو ہونا چاہیے تھا،

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار مین قصیدہ پڑھا کہ "امیر المومنین! اگر تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے انتقال کے وقت وجود ہوتا تو خلافت کا جھگڑا سرے سے نہ پیدا ہوتا، دونون فریق

تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے،، وہین سرِ دربار ایک شخص نے اُٹھ کر کہا "تو جھوٹ کہتا ہی، امیر المومنین کا باپ (حضرت عباس جو عباسیون کے مورث اعلیٰ ہین) وہان موجود تھا، اس کو کس نے پوچھا؟" مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن سچ جواب کی تحسین کرنی پڑی،

تاہم یہ عالمگیر مُوثّر بالکل بے اثر نہین رہ سکتا تھا، اس لیے **مغازی** مین اس کے نشانات پائے جاتے ہین، تاریخ نگاری کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ فتوحات اور رزمیّہ کارنامون کو نہایت تفصیل سے لکھتے تھے، ملکی نظم ونسق اور تمدن ومعاشرت کے واقعات یا تو بالکل قلم انداز کر جاتے تھے، یا اسطرح پراگندہ اور بے اثر لکھتے تھے کہ اُن پر نگاہ نہین پڑتی تھی، اسلام مین جب تالیف وتصنیف کی ابتدا ہوئی تو یہی نمونے پیش نظر تھے، اس کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ **سیرت** کا نام مغازی رکھا گیا جسطرح سلاطین کی تاریخین جنگ نامہ وشاہ نامہ کے نام سے لکھی جاتی ہین، چنانچہ سیرت کی ابتدائی تصنیف مثلاً سیرت موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ابن اسحاق، **مغازی** ہی کے نام سے مشہور رہین، ان کتابون کی ترتیب یہ ہے کہ سلاطین کی تاریخ کی طرح سنین کو عنوان بناتے ہین، اور اسی ترتیب سے حالات لکھتے ہین، یہ حالات تمامتر جنگی معرکے ہوتے ہین، اور غزوات ہی کے عنوان سے داستانین شروع کی جاتی ہین،

یہ طریقہ اگرچہ سلطنت وحکومت کی تاریخ کے لیے بھی صحیح نہ تھا، لیکن نبوت کی سوانح نگاری کے لیے تو ناموزون ہے، پیغمبر کو ناگزیر طور پر جنگی واقعات پیش آتے ہین، اس خاص حالت مین وہ بظاہر ایک فاتح یا سپہ سالار کے رنگ مین نظر آتا ہے لیکن یہ پیغمبر کی اصلی صورت نہین ہے، پیغمبر کی زندگی کا ایک ایک خط وخال، تقدس، نزاہت، حلم وکرم، ہمدردیٔ عام اور ایثار ہوتا ہے

بلکہ عین اسوقت جب کہ اس پرسکندر اعظم کا دھوکا ہوتا ہے، ژرف بین نگاہ فوراً پہچان لیتی ہے کہ سکندر نہین بلکہ فرشتۂ یزدانی ہے۔

یہی وجہ ہوکہ مغازی کا انداز حدیث کی کتابون مین سیرت کی تصنیفات سے بالکل الگ ہے۔

تمام ارباب سیر لکھتے ہین کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جب بنونضیر کا محاصرہ کیا تو حکم دیا کہ اُن کے نخلستان کاٹ ڈالے جائین (قرآن مجید مین بھی اسکا اجمالی ذکر ہے) ارباب سیر یہ بھی لکھتے ہین کہ یہودیون نے اس حکم کی نسبت یہ اعتراض کیا کہ "یہ انصاف اور انسانیت کے خلاف ہی" لیکن مورخین یہ اعتراض نقل کرکے اس کا جواب نہین دیتے، اور یون ہی گذر جاتے ہین۔

قیاس و روایت

۹ نہایت مہتم بالشان بحث یہ ہے کہ کوئی روایت اگر عقل، یا مُسلّمات، یا دیگر قرائنِ صحیحہ کے خلاف ہو تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہوگی یا نہین، کہ رواۃ ثقہ ہین اور سلسلۂ سند متصل ہی؟ علامہ ابنِ جوزی نے اگرچہ لکھا ہی (جیسا کہ اوپر گزرچکا) کہ جو حدیث عقل کے خلاف ہو، اس کے رواۃ کی جرح و تعدیل کی ضرورت نہین، لیکن اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہین ہوتا، عقل کا لفظ ایک غیر مشخص لفظ ہے، حامیان روایت لکھتے ہین کہ اگر اس لفظ کو وسعت دی گئی تو ہر شخص جس روایت سے چاہے گا انکار کردیگا، کہ یہ میرے نزدیک عقل کے خلاف ہی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہی، عام خیال یہ ہی کہ جس روایت کے رواۃ ثقہ اور مستند ہون اور سلسلۂ روایت کہین سے منقطع نہو، وہ باوجود خلاف عقل ہونے کے انکار کے قابل نہین، ذیل کی مثالون سے اس کا اندازہ ہوگا۔

(۱) تلک الغرانیق العلیٰ کی حدیث کو، جس مین بیان ہو کہ شیطان نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے وہ الفاظ نکلوا دیے جن مین بتون کی تعریف ہو، بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابل اعتبار کہا تھا، اس کے باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی،

لَوْ وَقَعَ لَارْتَدَّ کَثِیْرٌ مِمَّنْ اَسْلَمَ وَلَمْ یُنْقَلْ ذٰلِکَ	اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسلام سے پھر جاتے حالانکہ ایسا ہونا منقول نہین

حافظ ابن حجر، فتح الباری مین اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہین،

وَجَمِیْعُ ذٰلِکَ لَا یَمْشِیْ عَلَی الْقَوَاعِدِ فَاِنَّ	یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہین سکتے اسلیے
الطُّرُقَ اِذَا کَثُرَتْ وَتَبَایَنَتْ مَخَارِجُھَا	کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے ہین، اور انکے ماخذ مختلف
دَلَّ ذٰلِکَ عَلٰی اَنَّ لَھَا اَصْلًا،	ہوتے ہین تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہو کہ روایت کی کچھ اصل ہو

(۲) صحیح بخاری مین ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین دفعہ جھوٹ بولے تھے، امام رازی نے اس حدیث سے اس بنا پر انکار کیا کہ "اس سے حضرت ابراہیم کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے اسلیے زیادہ آسان صورت یہ ہے کہ ہم حدیث کے کسی راوی کا جھوٹا ہونا مان لین" علامہ قسطلانی امام رازی کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہین۔

فَلَیْسَ بِشَیْءٍ اِذِ الْحَدِیْثُ ثَابِتٌ وَلَیْسَ	امام رازی کا قول، بالکل ہیچ ہو اسلیے کہ حدیث ثابت ہو،
فِیْہِ نِسْبَۃُ مَحْضِ الْکِذْبِ اِلَی الْخَلِیْلِ وَکَیْفَ	اور اس مین محض کذب کی نسبت حضرت خلیل کی طرف
السَّبِیْلُ اِلٰی تَخْطِئَۃِ الرَّاوِیْ مَعَ قَوْلِہٖ اِنِّیْ سَقِیْمٌ	نہین ہو، اور راوی کا تخطیہ کیونکر ہوسکتا ہو جبکہ حضرت ابراہیم
وَبَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ ھٰذَا وَعَنْ سَارَۃَ اُخْتِیْ	کا یہ قول موجود ہو انی سقیم اور بل فعلہ کبیرہم ھذا اور سارہ

---

[۱] فتح الباری، جلد ۸، صفحہ ۳۳۳، مطبوعہ مصر،

اِذ ظَاھِرُ ھٰذِہٖ الثَّلَاثَۃِ بِلَا رَیبٍ غَیرُ مُرَادٍ[۱] انتہی، کیونکہ ان تینون جملون مین ظاہر لفظ قطعاً مراد نہین،

اس قسم کی بہت سی مثالین ملسکتی ہین، ہم نے اختصار کے لحاظ سے صرف دو مثالین نقل کین،

صحابہ مین دو گروہ

ان کے مقابلہ مین ایک دوسرا گروہ ہی جو دلائل عقلی اور قرائنِ حالی کی بنا پر بعض حدیث کے تسلیم کرنے مین تامل کرتا ہی، اور یہ طریقہ خود صحابۂ کرام کے عہد مین شروع ہوگیا تھا، اور محدثین کے اخیر دور تک قائم رہا، چونکہ یہ راے عام خیال کے خلاف ہی اس لیے ہم اس کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین۔

(۱) حضرت ابو ہریرۃ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے حدیث بیان کی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جس چیز کو آگ چھوے، اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے"، حضرت ابن عباس نے کہا "اسکی بنا پر تو لازم آتا ہے کہ ہم گرم پانی (کے استعمال) سے بھی وضو کرین"! حضرت ابو ہریرہ نے کہا "بھتیجے! جب تم آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی کوئی حدیث سنو، تو کہا وتین نہ کہا کرو[۲]"

(۲) صحیح مسلم کے مقدمہ مین ہی کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس کے سامنے، حضرت علی کے قضایا (یعنی مقدمات کے فیصلے) پیش کیے گئے، حضرت ابن عباس اس کی نقل لیتے جاتے تھے اور بعض بعض فیصلے چھوڑتے جاتے تھے اور فرماتے تھے، کہ

واللہ ما قضی بھذا علی الا ان خدا کی قسم علی نے یہ فیصلہ کیا ہے تو گمراہ ہو کر کیا ہے (لیکن

---

[۱] قسطلانی، جلد ۵ صفحہ ۲۰۰۔ [۲] ابن ماجہ و ترمذی حدیث الوضوء مما مست النار،

یَکُونَ ضَلَّ، (چونکہ وہ گمراہ نہ تھے، اس لیے یہ فیصلہ بھی نہ کیا ہوگا)

اسی روایت کے بعد صحیح مسلم مین یہ روایت ہی کہ حضرت ابن عباس کے پاس لوگ ایک کتاب لائے، جس مین حضرت علی کے فیصلے قلبند تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک گز کے بقدر چھوڑکر باقی کتاب مٹادی[۱]" اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباس نے صرف اُن فیصلون کے مضمون سے یہ قیاس کرلیا کہ وہ صحیح نہین ہوسکتے، اس بات کی ضرورت نہین سمجھی کہ رُواۃ اور سند کا پتہ لگائین،

(۳) صحیح بخاری (باب صلوۃ النوافل جماعۃ) مین ہی کہ محمود بن ربیع نے ایک جلسہ مین یہ یہ حدیث بیان کی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ "جو شخص خالصًا خدا کے لیے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہیگا، خدا اسپر آگ حرام کردیگا،، اس جلسہ مین حضرت ابوایوب انصاری بھی موجود تھے جن کے مکان مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ، مہینے تک قیام فرمایا تھا، حضرت ابوایوب نے یہ حدیث سنکر کہا،

وَاللہِ مَا اَظُنُّ رَسُولَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ (خدا کی قسم، مین کبھی یہ خیال نہین کرسکتا کہ جو تم کہتے ہو)

قَالَ مَا قُلتَ قَطّ (آنحضرت صلعم نے فرمایا ہوگا،)

محمود بن الربیع صحابی تھے اور حضرت ابوایوب کو انکے ثقہ ہونے مین کلام نہ تھا، تاہم چونکہ یہ حدیث اُنکے نزدیک قرائن کے خلاف تھی، حضرت ابوایوب اس پر یقین نہ لاسکے، اور کہا کہ

---

[۱] نووی شرح صحیح مسلم مین لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب، ملاطفہ کی شکل مین لکھی تھی (جس طرح اگلے زمانہ مین خطوط کو لمبان مین جوڑکر جمع کرتے تھے اور لپیٹ کر رکھتے تھے،)

"آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا نہ فرمایا ہوگا" اگرچہ صحیح بخاری مین ہو کہ محمود بن الربیع نے مدینہ آکر اس حدیث کی تصدیق اپنے راوی (عتبان) سے کرلی، لیکن اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہین پڑتا، حضرت ابوایوب کو جن اسباب کی بناپر، محمود بن الربیع کی روایت مین شبہہ پیدا ہوا، عتبان پر بھی وہی شبہہ پیدا ہوسکتا تھا، حضرت ابوایوب خدانخواستہ، محمود کو غلط گو نہین سمجھتے تھے بلکہ سمجھتے تھے کہ انھون نے روایت کے مفہوم سمجھنے مین غلطی کی ہوگی، یہ احتمال بعینہ راوی اوّل کی نسبت بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ نے بعض صحابہ سے کہا تھا کہ "تم لوگ سچے لوگون سے روایت کرتے ہو، لیکن سامعہ غلطی کرجاتا ہی"

(۴) حضرت عمار بن یاسر نے جب حضرت عمر کے سامنے تیمم کی روایت بیان کی تو حضرت عمر کو یقین نہین آیا، بلکہ جیسا کہ صحیح مسلم باب التیمم مین ہے، یہ الفاظ کہے اِتَّقِ اللّٰہَ یَا عَمَّارُ، یعنی اے عمار! خدا سے ڈرو، چنانچہ اسی بناپر جب حضرت عبداللہ بن مسعود کے سامنے، حضرت ابوموسیٰ نے اس روایت سے استدلال کیا، تو حضرت عبداللہ نے کہا ہان، لیکن عمرؓ کو، عمار کی روایت سے تسکین نہین ہوئی،

(۵) حضرت عائشہ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگون کے نوحہ کرنے سے مُردہ پر عذاب ہوتا ہے تو اُنھون نے اس بناپر انکار کیا کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہی،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، اور کوئی بوجھ اُٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ نہین اُٹھائیگا،

(۶) اسی طرح جب اُن کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کشتگانِ بدر کی نسبت فرمایا کہ مین جو کہتا ہون یہ سنتے ہین، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ابن عمر نے غلطی کی[۳] اس روایت کے راوی اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمر تھے جو مشہور صحابی ہین، لیکن حضرت عائشہ

---

[۱] صحیح بخاری، باب التیمم، [۲] صحیح مسلم، کتاب الجنائز مین یہ روایتین متعدد طریقون سے مذکور ہین۔

نے اس بنا پر روایت کی صحت سے انکار کیا کہ اُن کے نزدیک وہ روایت قرآن مجید کے خلاف تھی

اکثر محدثین نے ان مباحث مین ثابت کیا ہے کہ روایت صحیح ہی، اور حضرت عایشہ کا اجتہاد جسکی بنا پر انھون نے روایت سے انکار کیا، صحیح نہین، ہم کو اس سے بحث نہین، اس موقع پر صرف یہ بحث ہی کہ اکابر صحابہ مین ایسے لوگ بھی تھے جو روایت کو باوجود راوی کے ثقہ ہونے کے اس بنا پر تسلیم نہین کرتے تھے کہ وہ دلائل عقلی یا نقلی کے خلاف ہی،

(۷) ایک مختلف فیہ مسئلہ یہ ہی کہ عورت کو جب طلاق دیدی جائے، تو عدت کے زمانہ تک شوہر پر اُس کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام، واجب ہی یا نہین، فاطمہ بنت قیس، ایک صحابیہ تھین جنکو انکے شوہر نے طلاق دیدی تھی، ان کا بیان ہے کہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئین تو آپ نے ان کو نفقہ اور مکان نہین دلوایا، انھون نے یہ حدیث حضرت عمر کے سامنے بیان کی، حضرت عمر نے فرمایا کہ ہم خدا کی کتاب اور آنحضرتؐ کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر چھوڑ نہین سکتے، جسکی نسبت ہمکو معلوم نہین کہ اسنے یاد رکھا یا بھول گئی، امام شعبی نے ایک مجلس مین فاطمہ کی یہ روایت بیان کی تو اسود بن یزید نے ان کو کنکریان مارین، کہ تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو! پھر حضرت عمر کا مذکورہُ بالا قول نقل کیا[1]،

صحابہؓ کے بعد بھی محدثین مین ایک ایسا گروہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بنا پر بعض روایات کے تسلیم کرنے مین تامل کرتا تھا، گو اُنکے رواۃ ثقہ اور مستند ہوتے تھے،

(۱) ایک ضعیف حدیث ہی کہ جس شخص نے عشق کیا اور پاک دامن رہا، اور وفات پائی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الطلاق،

وہ شہید ہوا"، حافظ ابن القیم زاد المعاد مین، اس حدیث کو دلائل عقلی سے باطل ثابت کرکے لکھتے ہین۔

فَلَوْ کَانَ اِسْنَادُ ھٰذَا الْحَدِیْثِ کَالشَّمْسِ کَانَ غَلَطًا وَّ وَھْمًا[۱] — اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح بھی ہوتی تب بھی وہ غلط اور وہم ہوتی،

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب الفئ مین روایت ہی کہ حضرت عباس اور حضرت علی، حضرت عمر کے پاس آئے، حضرت عباس نے حضرت عمر سے کہا، کہ

اِقْضِ بَیْنِیْ وَبَیْنَ ھٰذَا الْکَاذِبِ الْاٰثِمِ الْغَادِرِ الْخَائِنِ۔ — میرے، اور اس جھوٹے مجرم، دھوکہ باز خائن کے درمیان فیصلہ کیجیے،

چونکہ حضرت علی کی شان مین یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہین نکل سکتے، اس لیے بعض محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیے[۲]، علامہ مازری، اس حدیث کی نسبت لکھتے ہین،

اِذَا انْسَدَّتْ طُرُقُ تَاوِیْلِھَا نَسَبْنَا الْکِذْبَ اِلٰی رُوَاتِھَا[۳]، — جب اس حدیث کی تاویل کے سب رستے رک جائینگے تو ہم راویون کو جھوٹا کہین گے،

(۳) بخاری مین روایت ہی کہ خدا نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ گز کا تھا، حافظ ابن حجر اسکی شرح مین لکھتے ہین۔

ویشکل علی ھذا ما یوجد الآن من آثار — اور اسپر یہ اشکال وارد ہوتا ہی کہ قدیم قومون کے جو

---

[۱] زاد المعاد، مطبوعہ کانپور صفحہ ۹، [۲] نووی، شرح صحیح مسلم، ذکر حدیث مذکور، [۳] نووی شرح مسلم، کتاب الجہاد، باب الفئ۔

الامم السالفة كديار ثمود، فَاِنَّ مساكنهم تدُلُّ على انّ قامَاتهم لم تكن مُفرطَة الطول على حسبما يقتضيه الترتيب السابق.... ولم يظهر الآن مايزيل هذا الاشكال[1]،

آثار اس وقت موجود ہین مثلاً قوم ثمود کے مکانات، ان سے ثابت ہوتا ہی کہ ان کے قد اس قدر بڑے نہ تھے، جیساکہ ترتیب سابق سے ثابت ہوتا ہی۔۔۔ اور اس وقت تک مجھکو اس اشکال کا جواب نہین معلوم ہوا،

(۴) صحیح بخاری مین روایت ہی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا سے کہین گے کہ اے خدا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت مین مجھکو رسوا نہ کرے گا، اس حدیث کی شرح مین حافظ ابن حجر لکھتے ہین،

وقد استشكل الاسماعيلي بهذا الحديث من اصله وطعن في صحته[2]

اور اسمٰعیلی نے اس حدیث پر اشکال وارد کیاہے اور اسکی صحت پر طعنہ کیا ہی،

اسمٰعیلی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر نے جواب دیا ہی لیکن اسمٰعیلی کا درجہ فن حدیث مین حافظ ابن حجر سے زیادہ ہی اس لیے گو اسمٰعیلی کا اعتراض غلط ہو لیکن قابل لحاظ ہوسکتاہے کہ انکے نزدیک یہ حدیث استدلال کے خلاف ہے،

(۵) عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ مین نے زمانۂ جاہلیت مین ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا، اس پر اور بندرون نے جمع ہوکر اس کو سنگسار کیا، حافظ ابن عبد البر نے جو مشہور محدث ہین اس بنا پر اس حدیث کی صحت مین تامل کیا کہ جانور مکلف نہین اس لیے انکے فعل پر نہ زنا کا اطلاق ہوسکتا، نہ اس بنا پر اُن کو سزا دیجا سکتی، حافظ ابن حجر لکھتے ہین،

وقد استنكر ابن عبد البر قصة عمرو بن

ابن عبد البر نے عمرو بن میمون کے اس قصہ سے انکار

[1] فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۶، صفحہ ۲۶۰، بدء الخلق، [2] فتح الباری مطبوعہ مصر صفحہ ۳۸۴، جلد ۸۔

میمون ھذہ وقال فیھا اضافۃ الزنا الی غیر مکلف و اقامۃ الحد علی البھائم، — کیا ہی اور کہا ہی کہ اس مین غیر مکلف کی طرف، زنا کی نسبت ہی، اور جانورون پر حد قائم کرنا بیان کیا گیا ہی[1]

حافظ ابن حجر نے یہ قول نقل کرکے لکھا ہی کہ "اعتراض کا یہ طریقہ پسندیدہ نہین ہی، اگر سند صحیح ہی تو غالباً یہ بندر جن رہے ہون گے"،

(۶) صحیح بخاری مین حضرت انس سے روایت ہی کہ ایک[2] دفعہ عبد اللہ بن اُبی سے طرفدارون اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ مین جھگڑا ہو گیا، اسپر یہ آیت اتری،

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا — اگر مسلمانون کے دو گروہ آپس مین لڑ جائین، تو

فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا، — ان مین صلح کرا دو،

روایتون سے ثابت ہوتا ہی کہ اسوقت تک عبد اللہ بن اُبی اور اس کا گروہ ظاہر مین بھی اسلام نہین لایا تھا، اس بنا پر ابن بطال نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ آیت قرآنی، اس واقعہ کے متعلق نہین ہو سکتی، اس لیے کہ آیت مین تصریح ہے کہ جب دونون گروہ مومن ہون، اور یہان عبد اللہ بن اُبی کا گروہ علانیہ کافر تھا"،

حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہی کہ تغلیباً ایسا کہا گیا،

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہین جنسے ظاہر ہوتا ہی کہ بہت سے محدثین سلسلۂ سند کے ساتھ یہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسرے شواہد اور قراین بھی اس کے موافق ہین، یا نہین،

---

[1] فتح الباری، مطبوعۂ مصر جلد، صفحہ ۱۲۲، [2] صحیح بخاری کتاب العلم، روایت مین جھگڑے کی تفصیل ہی ہم نے محض خلاصہ ذکر کر دیا ہے۔

روایت بالمعنی

(۱۰) ایک بڑا مرحلہ روایت بالمعنی کا ہی یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یا صحابہ نے جو الفاظ فرمائے تھے، بعینہ وہی ادا کرنے چاہئیں، یا انکا مطلب ادا کردینا کافی ہی، محدثین اس باب مین مختلف الرائے ہین، اور اکثرون نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر راوی اپنے الفاظ مین اس طرح مطلب ادا کرتا ہی کہ اصل حقیقت مین فرق نہین پیدا ہوتا، تو الفاظ کی پابندی ضرور نہین۔ لیکن اس کا فیصلہ کرنا کہ اصل مطلب ادا ہوا یا بدل گیا، ایک اجتہادی بات ہے، اسی بنا پر بعض محدثین مثلاً عبد الملک بن عمر، ابوزرعہ سالم بن جعد، قتادہ، امام مالک، ایک ایک لفظ کی پابندی کرتے تھے[۱]، لیکن یہ ظاہر ہی کہ سیکڑون راویون مین صرف دو چار اشخاص ایسی پابندی کرسکتے تھے، اور وہ بھی اُس زمانہ مین کہ تحریر کا رواج ہوچکا تھا، عام حالت یہی تھی کہ راوی حدیث کے مطلب کو اپنے الفاظ مین بیان کرتے تھے۔ صحیح ترمذی، کتاب العلل مین سفیان بن عیینہ کا قول نقل ہی،

اِنْ قُلْتُ لَکُمْ اِنِّی اُحَدِّثُکُمْ کَمَا سَمِعْتُ فَلَا تُصَدِّقُوْنِی، اِنَّمَا ھُوَ الْمَعْنٰی،

اگر مین تم سے یہ کہون کہ مین جو سنتا ہون بعینہ وہی ادا کردیتا ہون، تو تم میری بات نہ مانو مین صرف مطلب ادا کرتا ہون،

ترمذی نے اسی مضمون کے اور اقوال، واثلۃ بن الاسقع، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، حسن بصری، امام شعبی وغیرہ سے نقل کیے ہین،

جو صحابہ بہت محتاط تھے، حدیث کی روایت کے وقت ان کی حالت متغیر ہوجاتی تھی، سنن ابن ماجہ کے دیباچہ مین عمرو بن میمون کا قول نقل کیا ہی کہ مین عبد اللہ بن مسعود کی خدمت مین ہمیشہ جمعرات کی رات کو حاضر ہوتا، مین نے کبھی انکو یہ کہتے نہین سنا کہ "آنحضرتؐ نے

---

[۱] صحیح ترمذی کتاب العلل مین ان لوگون کے متعلق یہ تصریح مذکور ہی،

یہ فرمایا،، ایک دن اُنکی زبان سے یہ لفظ نکل گیا تو دفعتہً سر جھکا لیا، پھر میری نظر اُنپر پڑی تو دیکھا کہ کھڑے ہین قمیص کی گھنڈیان کھلی ہین، آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے ہین، گلے کی رگین پھول گئی ہین اور کہہ رہے ہین کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یون کہا، یا یون، یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم، یا اس کے مشابہ،،

امام مالک کا یہ حال تھا کہ جب حدیث روایت کرتے تھے تو خوف زدہ ہو جاتے، اور کہتے کہ "آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہ فرمایا تھا، یا یون فرمایا تھا،، امام شعبی کہتے ہین کہ "مین حضرت عبداللہ بن عمر کی خدمت مین، سال بھر حاضر رہا، لیکن مین نے ان کو کبھی حدیث روایت کرتے نہین دیکھا،، سائب بن یزید کہتے ہین کہ "مین نے سعد بن مالک کے ساتھ، مکہ مبارکہ سے مدینہ طیبہ تک سفر کیا، لیکن اس تمام راہ مین انھون نے ایک حدیث بھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت نہین کی (حالانکہ وہ صحابی تھے) حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد سے پوچھا "کہ مین نے آپ کو اور صحابہ کی طرح حدیث روایت کرتے نہین دیکھا،، انھون نے کہا "مین جب سے اسلام لایا، مین نے کبھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ نہین چھوڑا، لیکن مین نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ جو شخص میری نسبت کوئی جھوٹی روایت بیان کرے تو چاہیے کہ اپنا گھر آگ مین بنائے[1]،،

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منبر پر یہ ارشاد فرمایا تھا،

اِیَّاکُم وکثرۃَ الحدیثِ عنّی[2] (خبردار! مجھسے زیادہ حدیثین نہ روایت کرو،)

---

[1] یہ تمام اقوال صحیح ابن ماجہ دیباجہ کتاب مین مذکور ہین، دیکھو صفحہ ۴ و ۵، مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ، [2] ابن ماجہ صفحہ ۵،

اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ اس قسم کی حدیثون کے قبول کرنے مین جو تامل کیا جاتا ہے اس کو راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے سے تعلق نہین، مستند اور ثقہ راویون کی دروغگوئی کا خیال نہین ہوسکتا، لیکن ثقہ راوی سے بھی مطلب روایت کے سمجھنے یا ادا کرنے مین غلطی کا ہوجانا ممکن ہے اور ثقات کی روایت سے جب کسی موقع پر انکار کیا جاتا ہے تو اسی بنا پر کیا جاتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ کے سامنے جب حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ روایت بیان کی گئی،

اِنَّ المَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَاءِ الحَیِّ — مُردہ پر نوحہ کیا جائے تو اُس پر عذاب کیا جاتا ہے،

تو حضرت عائشہ نے فرمایا،

اِنَّکُم لَتُحَدِّثُونَ عَن غَیرِ کَاذِبِینَ وَلَا مُکَذَّبِینَ وَلٰکِنَّ السَّمعَ یُخطِئُ[۱] — تم لوگ نہ خود جھوٹے ہو، نہ تمھارے راوی جھوٹے ہین، لیکن کان غلطی کرجاتا ہے،

ایک اور روایت مین ہے کہ حضرت عائشہ نے عبداللہ بن عمر کے متعلق فرمایا،

اَمَا اِنَّہُ لَم یَکذِب وَلٰکِنَّہُ نَسِیَ اَو اَخطَاءَ[۲] — ہان وہ جھوٹ نہین بولے لیکن بھول گئے یا خطا کی،

روایتِ احاد

(۱۱) ایک اور بحث روایت احاد کی ہے، روایت احاد وہ ہے جس کے سلسلۂ اسناد مین کہین صرف ایک راوی پر مدار روایت ہو، یعنی کوئی دوسرا راوی اس کا مؤید نہو، اس قسم کی روایت کے تسلیم و انکار اور یقینی و ظنی ہونے کے متعلق اہل فن کا اختلاف ہے، معتزلہ روایات احاد کی تسلیم سے قطعاً منکر ہین، لیکن یہ درحقیقت انکارِ بداہت ہے، ہم روزمرہ واقعات زندگی مین اس قسم کی روایات پر اکثر بلا حجت واصرار فوراً یقین کرلیتے ہین، ہم سے ایک شخص آکر کہتا ہے کہ "زید تم کو بلاتا ہے" اور ہم فوراً اٹھکر

[۱] صحیح مسلم کتاب الجنائز، [۲] مسلم کتاب الجنائز،

سچلے جاتے ہین، یہ نہین کہتے کہ یہ خبر احاد ہی اور ہم اسے تسلیم نہین کرتے، معتزلہ کے مقابل مین اکثر محدثین اسکی صحت اور قطعیت کے قائل ہین لیکن درحقیقت تفریط ہے، خود صحابہ کا طرز عمل اسکے مخالف ہے،

ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمر کی خدمت مین گئے، اور تین دفعہ اجازت طلبی کی، چونکہ حضرت عمر کسی کام مین مشغول تھے، کچھ جواب نہ ملا، وہ واپس چلے گئے، حضرت عمر نے کام سے فارغ ہوکر ان کو بلوا بھیجا، اور واپسی کا سبب پوچھا، انھون نے کہا" مین نے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ تین دفعہ اجازت طلبی کے بعد، جواب نہ ملے تو واپس جاؤ"، حضرت عمر نے کہا" اس روایت پر گواہ لاؤ، ورنہ مین تم کو سزا دون گا"، ابوموسیٰ اشعری نے اس پر شہادت پیش کی تو حضرت عمر نے تسلیم کیا، حضرت عمر خدانخواستہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو غلط گو نہین جانتے تھے، لیکن چونکہ حضرت عمر بارگاہِ نبوت مین برسون رہے تھے، اور اُنھون نے یہ حدیث آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے نہین سنی تھی، حالانکہ حدیث ایسے امر کے متعلق تھی جو عموماً پیش آتا ہے اسلیے حضرت عمر نے واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے صرف ایک شخص کی شہادت کافی نہین سمجھی،

حضرت ابوبکر کے سامنے ایک عورت نے جو میّت کی دادی ہوتی تھی، میراث کا دعویٰ کیا، حضرت ابوبکر نے کہا" قرآن مین دادی کی میراث مذکور نہین، اور نہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس باب مین کوئی روایت مجھکو معلوم ہے"، مغیرہ بن شعبہ نے شہادت دی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) دادی کو چھٹا حصہ دلایا کرتے تھے، حضرت ابوبکر نے انکی تنہا شہادت ایسے واقعہ کے متعلق کافی نہین سمجھی، اور جب ایک اور صحابی محمد بن مسلمہ نے شہادت دی، تب حضرت ابوبکر

نے اُس عورت کو میراث ولائی،

اسی طرح جنین کی دیت کے متعلق حضرت عمرؓ نے مغیرہ کی تنہا شہادت کافی نہین سمجھی، اس قسم کی اور بیسیون مثالین ہین،

(اسی بناپر روایات احاد کے متعلق فقہاے احناف کا اصول ایک حدتک صحیح ہے کہ یہ ظنی الثبوت ہین، ان سے قطعیت نہین ثابت ہوتی ہے، اصل یہ ہو کہ روایات احاد کی صحت اور عدم صحت یا ظن وقطعیت رواۃ کے ثقہ اور معتبر ہونے کے بعد، خود اصل روایت کی اہمیت اور عدم اہمیت پر مبنی ہے، ایک شخص جب ہم سے کہتا ہو کہ "زید نے تمکو بلایا ہو" تو راوی کی ثقاہت واعتبار کے مسلم ہونے کے بعد، ہمکو کبھی اس واقعہ کے تسلیم سے انکار نہین ہوتا، لیکن اگر یہی شخص یہ کہتا ہو کہ "تمکو بادشاہ نے آج دربار مین بلایا ہے" تو ہم اس واقعہ کی تسلیم مین پس وپیش کرتے ہین اور اس کے ثبوت کے لیے دوسرون کی شہادت تلاش کرتے ہین۔

آنحضرت صلعم کے متعلق اگر کوئی تنہا راوی یہ بیان کرتا ہے کہ "آپ ایکبار سپید کرتہ پہنکر باہر تشریف لاے" تو ہمکو اسکی تسلیم مین عذر نہین، لیکن وہی راوی اگر یہ کہتا ہو کہ "ایک بار آپ برہنہ تن باہر نکل آئے" (اس قسم کی ایک روایت ہے) تو قطعاً ہم تنہا شہادت اس کے ثبوت کے لیے کافی نہین سمجھین گے،

نتائج مباحث مذکورہ گذشتہ صفحات مین ہم نے روایت وحدیث کے متعلق صحابہ کبارؓ کا جو طرز عمل پیش کیا ہے اور علماے نقد حدیث کے جن قواعد واصول کی تفصیل کی ہے، ذیل مین بہ ترتیب، نتائج کے طور پر ہم اُن کا اعادہ کرتے ہین،

(۱) سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید مین، پھر احادیث صحیحہ مین، پھر عام احادیث مین کرنی چاہیے، اگر نہ ملے تو روایات سیرت کی طرف توجہ کی جائے۔

(۲) کتب سیرت محتاج تنقیح ہین، اور اُن کے روایات واسناد کی تنقید لازم ہی

(۳) سیرت کی روایتین باعتبار پایۂ صحت، احادیث کی روایتون سے فروتر ہین۔ اسلیے بصورت اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دیجائے گی۔

(۴) بصورت اختلافِ روایاتِ احادیث، رُواۃِ اربابِ فقہ وہوش کی روایات کو دوسرون پر ترجیح ہوگی۔

(۵) سیرت کے واقعات مین سِلسلۂ عِلت ومعلول کی تلاش نہایت ضروری ہے۔

(۶) نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہیے۔

(۷) روایت مین اصل واقعہ کس قدر ہی؟ اور راوی کی ذاتی رائے وفہم کا کسقدر جز شامل ہی۔

(۸) اسباب خارجی کا کسقدر اثر ہے۔؟

(۹) جو روایت عام وجوہ عقلی، مشاہدۂ عام، اصول مسلّمہ اور قرائن حال کے خلاف ہوگی، لائق حجت نہوگی۔

(۱۰) اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق وجمع سے اسکی تسلّی کرلینی چاہیے کہ راوی سے اداے مفہوم مین تو غلطی نہین ہوئی ہے۔

(۱۱) روایات احاد کو موضوع کی اہمیت اور قراین حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہیے۔

اِن اصول کے تقرر و تفصیل کے بعد نظر آسکتا ہے کہ اسلامی فن روایت عقل و درایت کی نگاہ سے کس قدر بلند پایہ ہے؟ علماے حدیث نے تصحیح روایت کے لیے کتنی محنت، کتنی جانفشانی، کتنی دیدہ ریزی، اور کتنی دقت رسی صرف کی ہے، کیا اس اہتمام و اعتنا کا دنیا کی دیگر قومون کے سرمایۂ تاریخ و روایت مین ایک ذرّہ نشان بھی موجود ہے؟ کیا یورپ کے سیرت نگاران پیغمبرِ اسلام مین سے کسی نے بھی اس جانکاہی اور نکتہ سنجی کے ساتھ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی لائف کے لیے قلم اُٹھایا ہے؟ اور کیا ایک غیر مُسلم ان قواعد و اصول کی مراعات کے ساتھ قلم اُٹھا بھی سکتا ہے[1]

[1] زیادت، از صفحہ ۷۹ تا ۸۱، س۔

یورپین تصنیفات

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت مبارک پر جو یورپین تصنیفات ہین، اُن پر پوری بحث تو حصۂ چہارم مین آئے گی جس مین نہایت تفصیل سے بتایا جائے گا کہ یورپ مین اسلام کے متعلق سب سے پہلے یورپین مصنف بلدی برٹ سے لیکر جو ۱۱۴۳ء مین موجود تھا آج تک کیا سرمایہ مہیا ہوا ہی؟ انکا کیا عام انداز ہی؟ انکی مشترک اور عامۃ الورود غلطیان کیا ہین؟ اُنکے وسائل معلومات کس درجہ کے ہین؟ اغلاط کے مشترک اسباب کیا ہین؟ تعصب اور سوءظن کا کہانتک اثر ہے؟ یہان ہم ان تصنیفات پر صرف ایک اجمالی گفتگو کرتے ہین، کیونکہ اس حصہ مین بھی ہم کو جابجا ان تصنیفات سے کام لینا، یا اُن سے تعرّض کرنا پڑا ہے،

یورپ، ایک مُدت تک اسلام کے متعلق مطلق کچھ نہین جانتا تھا، جب اس نے جاننا چاہا تو مدّت دراز تک عجب حیرت انگیز مفتریانہ خیالات اور توہمات مین مبتلا رہا، ایک یورپین مصنف لکھتا ہی،

> "عیسائیت، اسلام کی چند ابتدائی صدیون تک اسلام پر نہ تو نکتہ چینی کر سکی اور نہ سمجھ سکی، وہ صرف تھرّاتی اور حکم بجالاتی تھی، لیکن جب قلب فرانس مین عرب پہلے پہل روکے گئے تو اُن قومون نے جو اُن کے سامنے سے بھاگ رہی تھین منھ پھیر کر دیکھا جس طرح کہ مویشیون کا گلہ جب کہ اس کا بھگا دینے والا کتّا دور نکل جاتا ہی"[۱]

[۱] محمد اینڈ محمڈنزم۔ از باسورتھ اسمتھ صاحب ایم اے صفحہ ۶۳۔ Bosworth Smith's Mahammed & Mohammedanism. P. 63.

یورپ نے مسلمانون کو جس طرح جانا، اس کو فرانس کا مشہور مصنّف ہنری دی کاستری، جسکی تصنیف کا عربی زبان مین ترجمہ ہوگیا ہی، یون بیان کرتا ہی،

"وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یورپ مین قرون وسطی مین رائج تھے، ہم نہین سمجھتے کہ مسلمان ان کو سُن کر کیا کہین گے؟ یہ تمام داستانین اور نظمین، مسلمانون کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہین، جو غلطیان اور بدگمانیان اسلام کے متعلق آج تک قایم ہین ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہین، ہر مسیحی شاعر، مسلمانون کو مشرک اور بُت پرست سمجھتا تھا، اور حسب ترتیب درجات ان کے تین خدا تسلیم کیے جاتے تھے، ماہوم، یا ماہون، یا مافومیڈ (یعنی محامد) اور اپلین، اور تیسرا ٹرماگان، ان کا خیال تھا کہ محمدؐ نے اپنے مذہب کی بنیاد، دعوایِ اُلوہیت پر قائم کی اور سب سے عجیب تر یہ ہی کہ محمدؐ (وہ محمدؐ جو بت شکن اور دشمنِ اصنام تھا،) لوگون کو اپنے طلائی بت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا،

اسپین مین جب عیسائی، مسلمانون پر غالب آئے، اور ان کو سرقوسطہ کی دیوارون تک ہٹا دیا، تو مسلمان لوٹ کر آئے اور اپنے بتون کو انھون نے توڑ ڈالا، اس عہد کا ایک شاعر کہتا ہے "اپلین مسلمانون کا دیوتا وہان ایک غار مین تھا، اُس پر وہ پل پڑے اور اسکو نہایت سخت سُست کہا اور اُس کو گالیان دین اور اُس کے دونون ہاتھ باندھ کر ایک ستون پر اُس کو سولی دی، اور اس کو پاؤن سے روندا اور لاٹھیون سے مار مار کر اُسکے ٹکڑے کر ڈلے، اور ماہوم کو (جو اُن کا دوسرا دیوتا تھا) ایک گڈھے مین ڈال دیا، اُسکو

سُوّر، اور کُتّون نے نوچ ڈالا، اس سے زیادہ اس سے پہلے کسی دیوتا کی تحقیر نہین ہوئی، اسکے بعد ہی مسلمانون نے اپنے گناہون سے توبہ کی اور اپنے دیوتاؤن سے معافی مانگی اور ازسرِنو تلف شدہ بتون کو بنایا، اِسی بنا پر جب شہنشاہ چارلس سرتوسطہ مین داخل ہوا تو اُسنے اپنے ہمراہیون کو حکم دے دیا کہ تمام شہر کا چکر لگائین، وہ مسجدون مین گھس گئے اور لوہے کے ہتوڑون سے ماہومیڈ اور تمام بتون کو توڑ ڈالا"

ایک دوسرا شاعر رچیر خدا سے دعا کرتا ہو کہ "وہ ماہوم کے بُت کے پجاریون کو شکست نصیب کرے" اس کے بعد وہ اُمرا، کو جنگ صلیبی کے لیے ان الفاظ مین آمادہ کرتا ہو: "اُٹھو اور ماہومیڈ اور ٹرما گان کے بتون کو ڈھا کر دو اور اُن کو آگ مین ڈال دو اور ان کو اپنے خداوند کی نذر کرو[1]"

اس قسم کے خیالات ایک مدت تک قائم رہے (چوتھے حصہ مین ہم اس کو مفصل لکھین گے)

سترھوین اور اٹھارھوین صدی

سترھوین صدی سے زینن وسطی یورپ کے عصرِ جدید کا مطلع ہی، یورپ کی جد وجہد، سعی و کوشش اور حریت و آزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہی، ہمارے مقصد کی جو چیز اس دور مین پیدا ہوئی، وہ مستشرقینِ یورپ کا وجود ہے، جن کی کوشش سے نادرالوجود عربی کتابین ترجمہ اور شائع ہوئین، عربی زبان کے مدارس، علمی و سیاسی اغراض سے جابجا ملک مین قائم ہوئے اور اسطرح وہ زمانہ قریب آ گیا کہ یورپ اسلام کے متعلق خود اسلام کی زبان سے کچھ سُن سکا،

اس دور کی خصوصیتِ اوّل یہ ہے کہ سنے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے کسی قدر

---

[1] ترجمہ کتاب ہنری دی کاستری بزبان عربی مطبوعہ مصر (صفحہ ۹ تا ۱۰)

تاریخِ اسلام و سیرتِ پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی، گو موقع بموقع معلومات سابقہ کے مصالح کے استعمال سے بھی احتراز نہین کیا گیا،

اس دور سے چونکہ یورپ نے مذہبی اشخاص کے شکنجہ سے نجات پائی اور اُس کے مذہبی اور سیاسی امور، الگ الگ ہوگئے اس بنا پر اسلام کے متعلق مصنفین کی دو جماعتین الگ ہوگئین، عوام، اور مذہبی اشخاص، اور محقق و غیر متعصب گروہ، اسلام کے متعلق ان دونون جماعتون نے جو کوششین کین، وہ آج ہمارے سامنے ہین۔

اس عہد مین عربی زبان کی تاریخی تصنیفات کا ترجمہ ہوگیا تھا، اس سلسلہ مین سب سے پہلے اربی نیوس Arp مارگولیوس Margoliouth ایڈورڈ پوکاک E. Pococke اور ہاٹنجر Hattinger ذکر کے قابل ہین، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اتفاقاً یا قصداً ان مستشرقین نے ابتداءً جن عربی تاریخون کا ترجمہ کیا، وہ اکثر ان مسیحی مصنفین کی تصنیفات تھین جو قرون ماضیہ مین اسلامی ممالک کے باشندے تھے، یعنی سعید بن بطریق اوٹیکوس المتوفی سنہ ۹۳۹ء جو اسکندریہ کا بیٹریارک تھا، اور ابن العمید المکین المتوفی سنہ ۱۲۷۳ء جو سلاطین مصر کا ایک درباری تھا، اور ابوالفرج ابن العبری الملطی المتوفی سنہ ۱۲۸۶ء مصنف تاریخ الدول۔

ابن العمید المکین کی تاریخ، طبری اور ذیلِ طبری کا خلاصہ ہے، اربی نیوس نے جو ہولینڈ کا ایک مستشرق تھا، لاطینی ترجمہ کے ساتھ، لیڈن سے اس کا ایک ٹکڑا شائع کیا، جو ابتداے رسالت سے دولت اتابکیہ تک کے واقعات پر مشتمل ہے المکین کے نام سے اس کتاب کے حوالے، یورپ کی ابتدائی اسلامی تصنیفات مین نہایت کثرت سے آتے ہین۔

اخیر اٹھارھوین صدی

یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ کی قوتِ سیاسی، اسلامی ممالک مین پھیلنی شروع ہوگئی جس نے "اورنٹیلسٹ" کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کردی جنھون نے حکومت کے اشارہ سے السنۂ مشرقیہ کے مدارس کھولے، مشرقی کتب خانون کی بنیادین ڈالین، ایشیاٹک سوسائٹیان قائم کین، مشرقی تصنیفات کی طبع و اشاعت کے سامان پیدا کیے، اورنٹیل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا۔

سب سے پہلے ہولینڈ نے اپنے مقبوضہ جزائر مشرقی مین ۱۷۷۸ء مین ایک ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی، اس کی تقلید مین انگریزون نے بمقام کلکتہ ۱۷۸۴ء مین جنرل ایشیاٹک سوسائٹی اور ۱۷۸۸ء مین بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد ۱۷۹۵ء مین فرانس نے مشرقی زندہ زبانون (عربی، فارسی، ترکی) کا دار العلوم قائم کیا، اور آخر کار ان مدارس اور سوسائٹیون کی تقلید سے تمام ممالک یورپ مین اس قسم کی درسگاہین اور انجمنین جاری ہوگئین، عام یونیورسٹیون مین عربی زبان کے پروفیسرون اور کتبخانون کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا۔

مسلمانون کے ہان عربی زبان مین سیرت و مغازی کی جو کتابین محفوظ تھین وہ ایک ایک کر کے باستثنائے چند، اٹھارھوین صدی کے اواخر سے لے کر انیسوین صدی کے اختتام تک یورپ مین چھپ گئین۔ اور ان مین اکثر کا یورپین زبانون مین ترجمہ ہوگیا، سب سے پہلے ریسک (Reiske) المتوفی ۱۷۷۴ء نے تاریخ ابوالفدا مع ترجمہ لاطینی وحواشی پانچ جلدون مین شائع کی، ۱۸۰۹ء مین کپتان اے متھوس (A. N. Matthews) نے کلکتہ سے مشکوۃ المصابیح کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ ۱۸۵۶ء مین وان کریمر (Kremer) نے کلکتہ مین محمد بن عمر واقدی کی کتاب المغازی

طبع کرائی، ۱۸۶۰ء مین ابن ہشام کی مشہور تصنیف سیرۃ الرسول کی Cottingen گوٹنگن سے اشاعت
کی، اس کے علاوہ اسی مستشرق نے سمہودی کی تاریخ مدینہ اور ابن قتیبہ کی تاریخ معارف طبع کرائی،
۱۸۶۴ء مین ڈاکٹر ویل (G. Weil) نے ابن ہشام کا جرمنی مین ترجمہ کیا، ۱۸۶۱ء مین پیرس
سے مسعودی کی تاریخ مروج الذہب مع ترجمہ فرانسیسی پروفیسر ڈی مانیارڈ نے شائع کی، والہوسن
نے Wellhausen ۱۸۸۲ء مین واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان "محمد بمدینہ"، برلن سے شائع
کیا، ۱۸۸۳ء مین لیڈن سے ہاوٹسما Houtasma کے اہتمام سے **یعقوبی** کی تاریخ دو جلدون
مین چھپی، ۱۸۷۹ء سے ۱۸۹۲ء تک چودہ برس کی محنت مین **طبری** کی مشہور اور نادر الوجود تاریخ
بارتھ J. Barth اور نولدیکی Noldeke وغیرہ نے شائع کی، اور سب سے آخر مین
مشہور جرمن مستشرق پروفیسر سخاؤ (Sachau) کی خاص کوشش اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت
سے **ابن سعد** کی عظیم الشان اور نادر الوجود طبقات، جس سے زیادہ مبسوط سیرت نبوی مین کوئی
تصنیف نہین، تقریباً ۱۹۰۰ء سے گذشتہ سال تک ایک ایک جلد کر کے لیڈن سے شائع ہوتی رہی
ان اصل تاریخی تصنیفات اور ان کے تراجم کی اشاعت ممالک اسلامیہ اور یورپ کے تعلقات
مذہبی منافرت کی کمی، اور آزادانہ تحقیقات کی خواہش، ان تمام چیزون نے یورپ مین مصنفین تاریخ
اسلام اور سوانح نگاران پیغمبر عرب کا ایک کثیر التعداد گروہ پیدا کر دیا،

اوکسفورڈ کا ایک عالم اس غیر مختتم سلسلہ کا ان الفاظ مین اعتراف کرتا ہے،

"محمدؐ کے سوانح نگارون کا ایک وسیع سلسلہ ہے، جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے، لیکن
اس مین جگہ پانا قابل فخر چیز ہے[1]"

[1] مارگولیس محمد دیباچہ صفحہ ۱

ہم اس موقع پر صرف اُن تصنیفات کا مختصر سا نقشہ درج کرتے ہین، جو بہ تخصیص آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات مین، یا اسلام کے اصول عقاید پر لکھی گئین اور جن مین سے اکثر ہمارے دفتر تصنیف مین موجود ہین، یا ہم ان سے متمتع ہو چکے ہین۔

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
۱	ڈاکٹر جی، بی، (؟)	انگلستان	سیرت محمد خادع (نعوذ باللہ)	سنہ ۱۸۱۵ع
۲	ڈاکٹر وائٹ واعظ آکسفورڈ Dr. White	"	بیمفٹن سرمنز اسلام اور پیغمبر اسلام پر	اوائل سنہ ۱۸۰۰ع
۳	گارڈفری ہگنس ایم، آر، اے، ایس، Godfrey Higgins	"	اپالوجی	سنہ ۱۸۲۹ع
۴	ڈاکٹر جے، اے، مولر J. A. Moller	جرمن	اسلامزم	سنہ ۱۸۳۰ع
۵	گارسن ڈی ٹاسی Garcindetasoy	فرانس	اسلام و قرآن	از سنہ ۱۸۳۱ع تا سنہ ۱۸۷۴ع
۶	اڈورڈ لین Edwardlane	انگلستان	انتخابات القرآن	سنہ ۱۸۴۳ع
۷	ڈاکٹر ویل Weil	جرمن	ترجمہ و تحشیہ ابن ہشام و کتاب محمد پیغمبر	سنہ ۴۳ و سنہ ۱۸۴۶ع
۸	کارلایل Carlyle	انگلستان	ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ	سنہ ۱۸۴۶ع
۹	کوسن ڈی پرسیول Caussindeperceval	فرانس	تاریخ عرب	سنہ ۱۸۴۷ع
۱۰	واشنگٹن ارونگ Irving	انگلستان	سیرت محمد	سنہ ۱۸۴۹ع
۱۱	ڈاکٹر اسپرنگر Sprenger	جرمن	سیرت محمد	سنہ ۱۸۵۱ع
۱۲	وان کریمر Von Kremer	"	ترجمہ و تحشیہ واقدی	سنہ ۱۸۵۶ع
۱۳	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	مضمون "محمد"	سنہ ۱۸۵۸ع

۱۴	ڈوزی Dozy.	ہولینڈ	تاریخ اسلام	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۵	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	بزرگ ترین عرب	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۶	ڈی لین Delane.	〃	سیرت محمدؐ	〃
۱۷	میور Muir.	انگلستان	سیرت محمدؐ	〃
۱۸	برتھالمی سینٹ ہلیر St. hilaire	فرانس	محمد و قرآن	سنہ ۱۸۶۵ء
۱۹	نولڈیکی Noldeke.	جرمن	مضامین قرآن و اسلام	سنہ ۱۸۶۹ء
۲۰	دوشیف مضمون نگار کوارٹرلی ریویو	انگلستان	اسلام	سنہ ۱۸۶۹ء
۲۱	مضمون نگار برٹش کوارٹرلی ریویو	〃	محمدؐ	سنہ ۱۸۷۲ء
۲۲	جولیس چارلس Jolius charles.	فرانس	تاریخ بانی اسلام	سنہ ۱۸۷۴ء
۲۳	مضمون نگار کانٹمپریری ریویو	انگلستان	محمدؐ اور اسلام	سنہ ۱۸۷۵ء
۲۴	باسورتھ اسمتھ Bosworth Smith	〃	〃	〃
۲۵	سیدیو Sedillot.	فرانس	تاریخ عرب	سنہ ۱۸۷۷ء
۲۶	ولہوسن Wellhausen.	جرمن	تبصرہ بر واقدی	سنہ ۱۸۸۲ء
۲۷	ال، کرال Krehl.	جرمنی	سیرت محمدؐ	سنہ ۱۸۸۴ء
۲۸	گولڈزیہر Goldziher	جرمنی	مطالعۂ اسلام	سنہ ۱۸۹۰ء
۲۹	رینان Renan.	فرانس	تاریخ مذاہب	سنہ ۱۸۹۲ء
۳۰	ایچ، گرم H. Grimme.	ہولینڈ	سیرت محمدؐ	سنہ ۱۸۹۴ء

۳۱	ہنری دی کاستری، Henri de castri.	فرانس	اسلام پر خیالات	سنہ ۱۸۹۶ء
۳۲	الیف بوہل Buhl.	ہولینڈ	سیرت محمدؐ	سنہ ۱۹۰۳ء
۳۳	والسٹن Wollaston	انگلینڈ	آدھ گھنٹہ محمدؐ کے ساتھ	سنہ ۱۹۰۵ء
۳۴	مارگولیس Margoliouth	״	محمدؐ	״
۳۵	کوئل Koelle.	״	محمدؐ اور اسلام	سنہ ۱۸۹۴ء
۳۶	پرنس کیٹانی Prince, Caetani	اٹالیہ	تاریخ کبیر محمدؐ و اسلام و سلاطین اسلام	جاری
۳۷	میجر لیونارڈ Major Leonard	انگلینڈ	اسلام کا روحانی و اخلاقی پایہ	سنہ ۱۹۰۹ء

مصنفین یورپ، تین قسمون مین منقسم کئے جاسکتے ہین،

۱۔ جو عربی زبان اور اصلی ماخذون سے، واقف نہین، ان لوگون کا سرمایۂ معلومات اورونکی تصنیفات اور تراجم ہین، ان کا کام صرف یہ ہی کہ اس مُشتبہ اور ناکامل مواد کو قیاس اور میلانِ طبع کے قالب مین ڈھال کر دکھا ئین۔ تعجب ہوتا ہی کہ ان مین بعض (مثلاً گبن صاحب) ایسے صائب الراے اور انصاف پرست ہین کہ راکھ کے ڈھیر مین سے بھی سونے کے ذرّے نکال سکتے ہین۔ لیکن قلیلٌ ماھم

۲۔ عربی زبان اور علمِ ادب و تاریخ و فلسفۂ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہین، لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہین، اِن لوگون نے سیرت یا مذہبِ اسلام پر کوئی مستقل تصنیف نہین لکھی لیکن ضمنی موقعون پر عربی دانی کے زعم مین اسلام، یا شارع اسلام کے متعلق نہایت دلیری سے جو کچھ چاہتے ہین لکھ جاتے ہین، مثلاً جرمن کا مشہور فاضل ساخو جس نے طبقات ابن سعد

شائع کی ہی، اُسکی وسعتِ معلومات اور عربی دانی سے کون انکار کرسکتا ہی، بیرونی کی کتاب الہند کا دیباچہ اُس نے جس تحقیق سے لکھا ہی رشک کے قابل ہی لیکن اسی دیباچہ مین اسلامی امور کے متعلق ایسی باتین لکھ جاتا ہی جس کو پڑھکر بھول جانا پڑتا ہی کہ یہ وہی محترم شخص ہے جن کو ابھی ہم نے دیکھا تھا، نولدیک (جرمنی) نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہی لیکن انسائیکلوپیڈیا (جلد ۱۶) مین قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہی جا بجا، نہ صرف اُس کے تعصب، بلکہ اس کی جہالت کے رازِ پنہان کی بھی پردہ دری کرتا ہے۔

۳- وہ مستشرقین جنھون نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہی، مثلاً یامر صاحب یا مارگولس صاحب، اُن سے ہم بہت کچھ امیدّ کرسکتے تھے، لیکن باوجود عربی دانی، کثرتِ مطالعہ، تفحص کتب کے انکا یہ حال ہو کہ ع دیکھتا سب کچھ ہون لیکن سوجھتا کچھ بھی نہین۔

مارگولیوس نے مسند امام حنبل کی ۶ ضخیم جلدون کا ایک ایک حرف پڑھا ہی، اور ہم دعوے سے کہہ سکتے ہین کہ ہمارے زمانہ مین کسی مسلمان کو بھی اِس وصف مین اُسکی ہمسری کا دعویٰ نہین ہوسکتا، لیکن پروفیسر موصوف نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح عمری پر جو کتاب لکھی ہے دنیا کی تاریخ، اُس سے زیادہ کوئی کتاب، کذب و افترا، اور تاویل و تعصّب کی مثال کے لیے پیش نہین کرسکتی، اس کا اگر کوئی کمال ہی تو یہ ہو کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس مین بُرائی کا کوئی پہلو پیدا نہین ہوسکتا صرف اپنی طباعی کے زور سے بدمنظر بنا دیتا ہی،

ڈاکٹر اسپرنگر جرمنی کے مشہور عربی دان ہین، کئی سال مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہے، لکھنؤ مین آکر شاہی کتب خانہ کی رپورٹ لکھی جو ہماری نظر سے گذری ہے، حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابہ

فی احوال الصحابہ، اوّل اوّل انہی نے تصحیح کرکے کلکتہ مین چھپوائی، لیکن جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح عمری پر ایک مستقل ضخیم کتاب ۳ جلدون مین لکھی تو ہم حیرت زدہ ہو کر رہ گئے[1]،

یورپین مصنّفین کی غلطکاریون کی بڑی وجہ تو وہی ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہی، لیکن بعض وجوہ اور بھی ہین جن کی بنا پر ہم اُن کو معذور رکھ سکتے ہین،

۱، سب سے بڑی وجہ یہ ہو کہ ان کا تمام تر سرمائیہ استناد صرف سیرت و تاریخ کی کتابین ہین مثلاً مغازی واقدی، سیرت ابن ہشام، سیرت محمد بن اسحاق، تاریخ طبری وغیرہ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص اگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح عمری مرتب کرنا چاہے گا تو عام قیاس یہی رہبری کرے گا کہ اسکو تصنیفات سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہیے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی تصنیفات مین سے ایک بھی نہین جو استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ ہو، چنانچہ اسکی بحث اوپر گذر چکی، مصنفین سیرت سے قطع نظر، سیرت کی روایتین زیادہ تر جن لوگون سے مروی ہین مثلاً سیف، سُدّی، ابن سلمۃ، ابن نجیح عموماً ضعیف الروایۃ ہین، اس لیے عام اور معمولی واقعات مین انکی شہادت کافی ہوسکتی ہی لیکن وہ واقعات جنپر مہتم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے انکے لیے یہ سرمایہ بیکار ہے۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہین جو حدیث کی کتابون مین بہ روایات صحیحہ منقول ہین، یورپین مصنفین اس سرمایہ سے بالکل بیخبر ہین، اور ایک

---

[1] یہ کتاب جرمن زبان مین ہی، مین جرمن نہین جانتا، لیکن اس کے اقوال اکثر اور مصنفین نے نقل کیے ہین، اور وہ ہماری نظر سے گذرے ہین۔

آدھ کوئی ہی (مثلاً مارگولیس) تو اولاً وہ اس فن کا ماہر نہین اور ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سیکڑون خرمنِ معلومات کو جلانے کے لیے کافی ہی،

۲- دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصولِ تنقیحِ شہادت اور ہمارے اصولِ تنقیح مین سخت اختلاف ہے، یورپ اس بات کو بالکل نہین دیکھتا کہ راوی صادق ہی، یا کاذب، اس کے اخلاق و عادات کیا ہین؟ حافظہ کیسا ہے؟ اُس کے نزدیک یہ تحقیق و تدقیق نہ ممکن ہے، نہ ضروری ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتا ہی کہ راوی کا بیان بجائے خود، قرائن اور واقعات کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہی، یا نہین؟ فرض کرو، ایک جھوٹے سے جھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرتا ہے جو قرائنِ موجودہ اور گرد وپیش کے واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتا ہے، بیان بالکل مسلسل ہے، اور کہین سے نہین اُکھڑتا، تو یورپ کے مذاق کے موافق واقعہ کی صحت تسلیم کر لی جائے گی،

بخلاف اس کے مسلمان مؤرخ اور خصوصاً محدثین اس کی پروا نہین کرتے کہ خود روایت کی کیا حالت ہے، بلکہ سب سے پہلے وہ دیکھتے ہین کہ "اسماے رجال" کے دفتر تحقیقات مین اُس شخص کا نام ثقہ لوگون کی فہرست مین درج ہے یا نہین، اگر نہین ہی تو اُن کے نزدیک اسکا بیان بالکل ناقابل اعتنا ہی، بخلاف اس کے اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا، تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو، اور گو بظاہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو، لیکن اس کی روایت قبول کر لی جائے گی،

اس اختلافِ اصول نے یورپین تصنیفات پر بہت بڑا اثر پیدا کیا ہی، مثلاً اہلِ یورپ

واقدی کے بیان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہین جس کی وجہ یہ ہو کہ واقدی کا بیان نہایت مسلسل اور مربوط ہوتا ہی، جزئیات کی تمام کڑیان باہم ملتی چلی جاتی ہین، واقعات مین کہین خلا نہین ہوتا، جو جو چیزین کسی واقعہ کو دلچسپ بنا سکتی ہین، سب موجود ہوتی ہین،

لیکن سچ یہ ہے کہ یہی باتین اصلی راز کی پردہ داری کرتی ہین، جو روایتین سو برس سے زیادہ زمانہ تک محض زبانون پر رہین، اُن مین اس قدر استقصائے جزئیات ممکن نہین، یہ البتہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح تاریخی افسانے لکھے جاتے ہین، چند واقعات کا ذخیرہ سامنے رکھکر قیاس و قرائن اور معلومات عامہ کے ذریعہ سے ایک سادہ خاکہ کو نقش و نگار سے کامل کردیا جائے، لیکن یہ جرأت صرف واقدی کر سکتا ہے، محدثین اس سے معذور ہین۔

تاہم اس سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ ہر موقع پر محض راوی کا ثقہ ہونا کافی نہین، ثقات بھی غلطی کرسکتے ہین اور کرتے ہین، اس لیے ضرور ہے کہ **درایت** کے جو اصول، محدثین نے قائم کیے ہین، اور جنکو بعض جگہ وہ خود بھول جاتے ہین، اُن کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جائے۔

یورپین تصنیفات کے اصول مشترکہ

یورپین مصنفین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق کے متعلق جو نکتہ چینیان کرتے ہین، یا اُن کی تصنیفات سے جو نکتہ چینیان خود بخود ناظرین کے دلمین پیدا ہوتی ہین، حسب ذیل ہین،

(۱) آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی ہے، لیکن مدینہ جاکر جب زور و قوت حاصل ہوتی ہے تو دفعۃً پیغمبری بادشاہی سے بدلجاتی ہے اور اس کے

جو لوازم ہین یعنی لشکرکشی، قتل، انتقام، خونریزی، خود بخود پیدا ہوجاتے ہین،

(۲) کثرت ازدواج، اور میل الی النساء،

(۳) مذہب کی اشاعت، جبر اور زور سے،

(۴) لونڈی غلام بنانے کی اجازت، اور اس پر عمل،

(۵) دنیا دارون کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی،

اس بنا پر، ہماری کتاب کے ناظرین کو، تمام واقعات مین اس نکتہ پر نظر رکھنی چاہیے کہ یہ اعتراضات تاریخی تحقیقات کے معیار مین بھی ٹھیک اُتر سکتے ہین یا نہین؟

اصول تصنیف اور ترتیب | ہم نے اس کتاب مین جو اصول اختیار کیے ہین، اب ان کے بتانے کا وقت آگیا ہے،

(۱) سب سے پہلے یہ کہ **سیرت** کے واقعات کے متعلق جو کچھ قرآن مجید مین مذکور ہی، اُن کو سب پر مقدم رکھا ہی، یہ قطعاً ثابت ہی کہ بہت سے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید مین ایسی تصریحات یا اشارے موجود ہین جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ہوجاتا ہی لیکن لوگون نے آیات قرآنی پر اچھی طرح نظر نہین ڈالی اس لیے وہ مباحث غیر منفصل رہ گئے،

(۲) قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہی، **احادیث صحیحہ** کے سامنے سیرت کی روائتین نظر انداز کردی ہین، جو واقعات بخاری و مسلم وغیرہ مین مذکور ہین، ان کے مقابلہ مین سیرت یا تاریخ کی روایت کی کوئی ضرورت نہین، ارباب سیر کو ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ وہ واقعات کو کتب حدیث مین، ان موقعون پر ڈھونڈھتے ہین، جہان عنوان اور مضمون کے لحاظ سے اُسکو

درج ہونا چاہیے، اور جب ان کو، ان موقعون پر کوئی روایت نہین ملتی تو وہ کم درجہ کی روایتونکو لے لیتے ہین، لیکن کتب حدیث مین ہر قسم کے نہایت تفصیلی واقعات ضمنی موقعون پر روایت مین آجاتے ہین، اس لیے اگر عام استقرا اور تفحص سے کام لیا جائے تو تمام اہم واقعات مین خود صحاح ستہ کی روایتین ملجاتی ہین، ہماری اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہی ہو کہ اکثر تفصیلی واقعات ہمنے حدیث ہی کی کتابون سے ڈھونڈکر مُہیّا کیے، جو اہل سیر کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے،

(۳) روزمرّہ اور عام واقعات مین ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عام روایتین کافی خیال کی ہین، لیکن جو واقعات کچھ بھی اہمیّت رکھتے ہین، ان کے متعلق تنقید اور تحقیق سے کام لیا ہے، اور تاامکان کدّ وکاوش کی ہے، اس خاص ضرورت کے لیے ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ ابن ہشام، ابن سعد، اور طبری کے تمام رُواۃ کے نام الگ انتخاب کرلیے جن کی تعداد سیکڑون سے متجاوز ہے، پھر اسماء الرجال کی کتابون سے اُن کی جرح وتعدیل کا نقشہ طیار کیا، تاکہ جس سلسلہ روایت کی تحقیق مقصود ہو، بہ آسانی ہوجائے،

(۴) جن فروگزاشتون کی تفصیل اوپر گزرچکی ہے، جہان تک ممکن تھا، ان کی اصلاح اور تلافی کی ہے،

کتاب کے حصّے اس کتاب کے پانچ حصے ہین۔

پہلے حصہ مین عرب کے مختصر حالات، کعبہ کی تاریخ، اور **آنحضرت** (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت سے لیکر وفات تک عام حالات اور واقعات وغزوات ہین، اسی حصہ کے دوسرے باب مین آنحضرت صلعم کے ذاتی اخلاق وعادات کی تفصیل ہے، آل واولاد اور

ازدواج مطہرات کے حالات بھی اسی باب مین ہین،

دوسرا حصہ منصب نبوت سے متعلق ہی نبوت کا فرض تعلیم عقاید - اوامر و نواہی اور اصلاح اعمال و اخلاق ہی، اس بنا پر منصب نبوت کے کامون کی تفصیل اس حصہ مین کی گئی ہی، اس حصہ مین فرائض خمسہ اور تمام اوامر و نواہی کی ابتدا اور تدریجی تغیرات کی مفصل تاریخ اور ان کے مصالح اور حکم اور دیگر مذاہب سے ان کا مقابلہ و موازنہ ہے، اسی حصہ مین نہایت تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ عرب کے عقائد اور اخلاق و عادات پہلے کیا تھے، اور ان مین کیا کیا اصلاحین عمل مین آئین، نیز یہ کہ تمام عالم کی اصلاح کے لیے اسلام نے کیا قانون مرتب کیا، اور کیونکر وہ تمام عالم کے لیے اور ہر زمانہ کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

تیسرے حصہ مین قرآن مجید کی تاریخ، وجوہ اعجاز، اور حقائق و اسرار سے بحث ہے،

چوتھے حصہ مین معجزات کی تفصیل ہے، قدیم سیرت کی کتابون مین معجزات کا الگ باب باندھتے ہین، لیکن آجکل تو اسکو بالکل مستقل حیثیت سے لکھنے کی ضرورت ہی، کیونکہ معجزات کے ساتھ اصل معجزہ کی حقیقت اور امکان سے بحث کرنے کی ضرورت بھی پیش آگئی ہے، البتہ جن معجزات کی تاریخ اور سنہ متعین ہی مثلاً معراج، یا تکثیر طعام وغیرہ ان کو اُس سنہ کے واقعات مین لکھدیا ہے،

پانچوان حصہ خاص یوروپین تصنیفات کے متعلق ہے، یعنی یورپ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مذہب اسلام کے متعلق کیا لکھا ہے؟ ان کا سرمایہ معلومات کیا ہے؟ تاریخی

واقعات مین وہ کیونکر غلطیان کرتے ہین؟ مسائل اسلام کے سمجھنے مین اُن سے کیا کیا غلطیان ہوئین؟ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق وعادات یا مسائل اسلام پر جو نکتہ چینیان کی ہین انکے جوابات،

یہ ضرور نہین کہ یہ حصے اسی ترتیب سے شائع ہون، بلکہ جس حصہ کی طیاری کے سامان فراہم ہو جائینگے اور مرتب ہو جائے گا، وہ شائع کر دیا جائیگا،

استناد اور حوالے | تاریخ اور روایت مین، حوالہ اور استناد، سب سے مقدم چیز ہے، اس لیے اس کے متعلق چند ضروری امور بیان کر دیتے ضرور ہین،

(۱) صرف انھین کتابون کا حوالہ دیا ہے جو خود میری نظر سے گزری ہین۔

(۲) جو واقعات کسی قدر اہم ہین، انکے متعلق صرف صحیح حدیثون یا مستند تاریخی روایتون کا حوالہ دیا ہے لیکن عام واقعات یا غزوات کے متعلق جزئیات کی تفصیل مین محدثانہ کد وکاوش نہین کی ہے۔

(۳) مطبوعہ کتابون کے حوالہ مین مطبع کا نام بتا دیا گیا ہے، قلمی کتابون کے متعلق تصانیف سیرت کی فہرست جو اوپر گزر چکی ہے اس مین بتا دیا ہے کہ ہمارے استعمال مین کونسا نسخہ تھا،

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

عرب

۱

وجہ تسمیہ | عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائین ہین، اہل لغۃ کہتے ہین کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہین، اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے، اس لیے اُنھون نے اپنے آپ کو "عرب" اور دنیا کی اور تمام قومون کو عجم (ژولیدہ بیان) کہکر پکارا،

بعض کی راے ہے کہ عرب اصل مین عربۃ تھا، قدیم اشعار مین عرب کے بجاے عربۃ آیا ہی

ورجّت، باحۃ العربات رجّا ترقرق فی مناکبہا الدّماءُ

وعربۃٌ ارضٌ جدّ فی الشرّ اہلہا کما جدّ فی شرب النقاخ ظماءُ

وعربۃُ ارضٌ ما یحلّ حرامہا من النّاس الا اللوذعیُّ الحُلاحِل

عربۃ کے معنی سامی زبانون مین دشت اور صحرا کے ہین، اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت وصحرا ہے، اس لیے تمام ملک کو عرب کہنے لگے،

جغرافیہ | عرب کے حدود اربعہ یہ ہین۔

مغرب، مین بحیرۂ قلزم

مشرق، خلیج فارس اور بحر عُمّان،

جنوب، بحر ہند

شمال کی حدود بہت مختلف فیہ ہین، بعض مملکت حلب، اور فرات تک اُسکی حدود کو وسعت دیتے ہین۔

سینا کا جزیرہ نما، جس کا نام اَلتِّیہ ہے، اکثر مصنفینِ عرب اور یورپ اس کو مصر مین شمار کرتے ہین، لیکن جیالوجی کی رو سے وہ عرب سے متعلق ہے،

عرب کی پیمایش باقاعدہ اب تک نہین ہوئی، تاہم اس قدر یقینی ہے کہ وہ جرمن اور فرانس سے چوگنا زیادہ وسیع ہے، طول تقریباً پندرہ سو، عرض چھ سو میل، اور مجموعی رقبہ بارہ لاکھ میل مربع ہے،

ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہی، پہاڑون کا جال تمام ملک مین پھیلا ہوا ہے، سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السَّراۃ ہے، جو جنوب مین **یمن** سے شروع ہوکر شمال مین شام تک چلا گیا ہے اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فیٹ بلند ہے، بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہین۔

چاندی اور سونے کی کانین کثرت سے ہین، علامہ ہمدانی نے "صفۃ جزیرۃ العرب" مین ایک ایک کان کا نشان دیا ہے، قریش جو تجارت کیا کرتے تھے، مورخین نے لکھا ہے زیادہ تر اُن کا مال تجارت، چاندی ہوتی تھی، برٹن صاحب نے مدین کی طلائی معادن پر خاص ایک کتاب لکھی ہے[1]۔

قدیم تاریخ کے ماخذ	اسلام سے قبل عرب کی تاریخ کے ماخذ حسب ذیل ہین۔

[1] Gold mines of Median.

(۱) زمانۂ جاہلیۃ کی بعض تصنیفات، جو سلاطین حیرۃ کے کتب خانہ مین محفوظ تھین اور جو ابن ہشام کو ہاتھ آئی تھین اور جن کا ذکر علامۂ موصوف نے کتاب التیجان مین کیا ہی،

(۲) زبانی روایتین جو قدیم سے چلی آتی تھین، عرب کا حافظہ نہایت قوی تھا یہانتک کہ آج اشعارِ جاہلیت کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہی، اسلام کے زمانہ تک زبانی ہی روایت ہوتا چلا آتا تھا، اس بناپر عرب کی قدیم تاریخ کا کافی سرمایہ محفوظ تھا، عرب کی جو قومین معدوم ہو چکین مثلاً طسم، جدیس، عاد، ثمود، ان کے متعلق بھی اسقدر تاریخی روایتین محفوظ تھین کہ ان کے ذریعہ سے مؤرخینِ اسلام، عرب کی تاریخ قدیم پر، متعدد تصنیفات مرتب کر سکے، مثلاً ہشام کلبی نے طسم، جدیس، تبابعۂ یمن، اور دیگر سلاطینِ عرب پر متعدد کتابین لکھین، جن کا ذکر ابن الندیم نے فہرست صفحہ ۹۶ مین کیا ہے،

(۳) اشعارِ جاہلیت، جن مین سے اکثر سلاطین اور اقوام، اور عمارات عرب کا ذکر ہی، یہ اشعار صفۃ جزیرۃ العرب اور معجم البلدان مین کثرت سے موجود ہین، انہی قدیم ماخذون سے علامۂ ھمدانی نے اپنی کتاب "اکلیل"[۱] مرتب کی ہے، جس کا آٹھوان باب خاص سلاطینِ حمیر کے آثارات قدیمہ، اور حمیری کتبات پر مشتمل ہے،

(۴) یورپ کی قدیم تصنیفات، مثلاً مصنفین یونان نے تھیوفراسٹس (جو حضرت عیسیٰؑ سے چارسو برس قبل تھا،) سے لیکر بطلیوس تک بہت سے قبائل عرب کے نام لکھے ہین، اور اُنکی آبادیون کے نام بھی بتائے ہین، رومن مورخ پلینی نے بھی عرب کے متعلق لکھا ہے، گو نہایت مختصر ہے،

[۱] اس کتاب کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ طبقات الامم (مطبوعہ بیروت) مین ہے۔

(۵) عرب کی قدیم ویران شدہ عمارتون کے کتبات، جو قدمائے اسلام نے دریافت کیے تھے، اور جو آجکل یورپ نے نہایت کثرت سے مہیا کیے ہین،

عرب کے اقوام وقبائل | (۱)مؤرخین عرب نے اقوام وقبائل عرب کو تین حصّون پر منقسم کیا ہی؛

عرب بائدہ یعنی عرب کے وہ قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے،

عرب عاربہ بنو قحطان جو عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے، اور جن کا اصل مسکن ملک یمن تھا،

عرب مستعربہ بنو اسماعیل یعنی حضرت اسماعیل کی اولاد جو حجاز مین آباد تھی،

ظہور اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسماعیل جنکو عدنانی قبائل بھی کہتے ہین، ملک کے اصلی باشندے تھے، اور ان کے علاوہ خال خال یہودیون کی آبادی تھی، اس بنا پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا، ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل و فروع سے تھا، جو یمن سے شام تک ہر قطعۂ زمین مین پھیلے ہوئے تھے، ان کی پھر مختلف چھوٹی چھوٹی شاخین تھین، چونکہ اس کتاب مین اکثر ان کے نام آئین گے، اس بنا پر ان کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہی،

بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخین ہین۔

(۱) قضاعہ، (۲) کہلان، (۳) ازد، حمیر بھی اسی کی شاخ ہی، جو یمن کے فرمانروا تھے،

---

(۱) بیان سے "عرب کی قدیم حکومتین" تک زیادت ہی اس۔

لیکن واقعات کو ان سے کوئی تعلق نہین،

(۱) **قبائل قضاعہ** عام علماے انساب قضاعہ کو بنو قحطان مین داخل کرتے ہین اور ہم بھی یہان ان کی پیروی کرتے ہین، ورنہ از روے تحقیق وہ بنو اسماعیل ہین، بہرحال انکی حسب ذیل شاخین ہین۔

بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرم، بنو جہینہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، سلیح، ضجعم، تغلب، نمر، اسد، تیم اللات، کلب،

(۲) **کہلان**

بجیلہ، خثعم، ہمدان، کندہ، مذحج، طے، لخم، جذام، عاملہ،

(۳) **ازد**، انصار اسی کی شاخ تھے۔

اوس، خزرج، خزاعہ، غسان، دوس،

مشہور **عدنانی** قبائل جن کا آخری مقسم مضر ہے، حسب ذیل ہین، قبائل مضر اولاً بنی خندف اور بنو قیس دو خاندانون پر منقسم ہین۔

ا۔ خندف

ہذیل، کنانہ، اسد، ضبہ، مزینہ، رباب، تمیم، ہون،

ان مین سے ہر ایک کے متعدد فروع ہین۔

اصول	فروع
کنانہ	قریش، دول،

ہون	قارہ
رباب	عدی، تیم، عکل، ثور،
تیم	مقاعس، قریع، بہدلہ، یربوع، ریاح، ثعلبہ، کلیب،

۲. قیس

عدوان، غطفان، اعصر، سلیم، ہوازن،

ان مین بعض کے فروع یہ ہین،

غطفان	عبس، ذبیان، فزارہ، مرہ،
اعصر	غنی، باہلہ،
ہوازن	سعد، نصر، جشم، ثقیف، سلول، بنو عامر (عامر کی شاخین بنو ہلال، بنو نمیر، بنو کعب ہین)

یہود

بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ،

بنو قحطان و آل اسماعیل نے اسلام سے پہلے متعدد حکومتین قائم کی تھین جنکے جستہ جستہ واقعات کہین کہین ملتے ہین،

عرب کی قدیم حکومتین | کتبون اور دیگر مورخین کی تصریحون سے جو کچھ ثابت ہوتا ہی یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب مین پانچ متمدن سلطنتین گذرین۔

(۱) معینی معین یمن مین ایک مقام کا نام ہی جو کسی زمانہ مین سلطنت کا

پایہ تخت تھا،

(۲) سبائی — یعنی قوم سبا

(۳) حضرموتی — حضرموت، یمن کا مشہور مقام ہے،

(۴) قتبانی — قتبان، عدن میں ایک مقام ہی جو آجکل گمنام ہی،

(۵) نابتی — حضرت اسمٰعیل کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا، یہ سلسلہ انہی کی طرف منسوب ہے،

معینی سلطنت، جنوبی عربستان مین تھی، اس کے صدر مقامات قرن اور معین تھے، کتبون سے تقریباً پچیس حکمرانون کا پتہ چلتا ہے، محققینِ یورپ مین اختلاف ہو کہ معینی اور سبائی حکومتین ہمزمان تھین یا متقدم ومتاخر **گلازر** کا خیال ہے کہ معینی حکومت بہت متقدم ہے، اور حضرت عیسیٰ سے پندرہ سو برس قبل موجود تھی، لیکن مولر کا بیان ہے کہ کوئی معینی کتبہ آٹھ سو برس قبل مسیح سے پہلے کا نہین ملتا، اس بنا پر سبائی اور معینی دونون ہمعصر ہین،

سبائی دور، جیسا کہ کتبون سے ثابت ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ سے سات سو برس قبل ہے، اس سلطنت کا پایہ تخت **مآرب** تھا، اس زمانہ کے سنگی کتبے بہ کثرت موجود ہین، حضرت عیسیٰ سے ایکسو پندرہ برس قبل تک اس حکومت کا پتہ چلتا ہے، اس دور کے بعد **حمیر** کا زمانہ ہی، حمیر نے مآرب پر قبضہ کر کے اسکو پایہ تخت بنالیا،

قریباً ۱۱۵ قبل مسیح مین **حمیر** نے سبائی حکومت پر قبضہ کرلیا، کتبون سے ثابت ہوتا ہی کہ حمیر مین چھبیس فرمان روا گذرے، حمیر کے بعض کتبون مین سنہ وسال بھی کندہ ہے، ان کے

عہد حکومت مین، رومی سلطنت نے عرب مین مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن یہ کوشش پہلی بھی تھی اور آخری بھی، اے لیس گالس، جسنے حضرت عیسیٰ سے ۱۸ برس قبل، عرب پر چڑھائی کی تھی، بالکل ناکامیاب رہا، اُس کے رہبر دغا بازی سے اسکو صحرا مین لے گئے اور ریگستان مین پہنچکر اس کا سارا لشکر تباہ ہوگیا[1]،

حمیر نے یہودی مذہب قبول کرلیا تھا، اِسی زمانہ کے قریب حبشیون نے عرب کے جنوب مین حکومت قائم کرنی شروع کی، اور ایک زمانہ مین حمیریون کو شکست دیکر اپنی مستقل حکومت قائم کرلی، اس عہد کا ایک کتبہ جو آجکل ہاتھ آیا ہے اُس پر یہ الفاظ ہین -

" رحمان - مسیح - اور روح القدس کی قدرت و فضل و رحمت سے اس یادگاری پتھر پر ابرہتہ نے کتبہ لکھا جو کہ بادشاہ حبش ارحمیس ذبی ہان کا نائب الحکومتہ ہے "

سبا اور حمیر کی عظمت اور اقتدار اور وسعتِ فتوحات کی روایتین، عرب مین اسقدر متواتر ہین کہ انکے قدر مشترک سے انکار نہین کیا جا سکتا، اشعار مین بھی کثرت سے واقعات مذکور ہین عربون کے خیال کے موافق سلاطینِ حمیر نے ایران کے انتہائی مقامات فتح کرلیے تھے، ذوالقرنین جس کو عوام سکندر کہتے ہین، اہل عرب کے نزدیک اسی حمیری خاندان کا فرمان روا تھا، شاہ نامہ مین مذکور ہے کہ کیکاؤس کو شاہ ہاماوران نے گرفتار کرلیا تھا، علامہ ثعلبی نے تاریخ ایران مین (جو اب یورپ مین چھپکر شائع ہوگئی ہے) لکھا ہے کہ یہ ہاماوران، حمیر کا بادشاہ تھا،

---

[1] یہ تمام تفصیل انسائیکلوپیڈیا کے اُس آرٹکل سے ماخوذ ہے جو جی ڈبلو تھیاچر صاحب نے عرب پر لکھا ہے۔ نیز لٹریری ہسٹری آف دی عربس مؤلفہ رینالڈ نکلسن پروفیسر کیمبرج صفحہ ۴ سے ۱۳ تک،

اور ہاماوران دراصل وہی عربی حمیر ہی، علامۂ موصوف نے یہ بھی لکھا ہی کہ **سودابہ** جو کیکاؤس کی زوجہ تھی، اور فردوسی کے بیان کے موافق، سیاوش پر عاشق ہوگئی تھی اسی حمیری بادشاہ کی بیٹی تھی اور اس کا اصلی نام **سُعدی** تھا، ایرانیون نے اپنے تلفظ مین اسکو سودابہ کرلیا تھا،

یورپ کی تحقیقاتِ حال سے بھی سبا اور حمیر کے اعلےٰ درجہ کے تمدن کا ثبوت ملتا ہی پروفیسر نولدیکی جرمنی کا مشہور مستشرق لکھتا ہی،

"ولادت مسیح سے ہزار سال قبل، جنوبی وغربی عرب یعنی **یمن** جو حمیر اور سبا کا ملک تھا، اور جو اپنی بارش گرما کے باعث زراعت کے لیے نہایت موزون تھا، تمدن کے اس رتبہ تک پہنچ چکا تھا کہ اس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آج بھی ہمارے جذبات مدح وستایش کو تحریک ہوتی ہے اور اہل یونان وروم نے اس کو "دولت مند عرب" کا جو لقب دیا تھا وہ بیجا نہ تھا، ...... توراۃ مین متعدد عبارتین ہین جو سبا کی عظمت وشوکت کی شہادت دیتی ہین، چنانچہ ملکۂ سبا کا سلیمان سے ملاقات کا قصہ خاص طرح پر قابل ذکر ہے (۱- سلاطین - ۱۰- آیت ۱- تا ۱۰)"

قوم ثمود جنکی عمارات سے ڈاوٹی اور یوٹنگ کی محنتون نے ہمکو روشناس کردیا ہے نیز قوم **نابت** نے جو ثمود سے بہت ملتی جلتی ہے، اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً انھی سے حاصل کی ہی"

کتابت کا فن، جو سبائیون نے بہت ابتدائی زمانہ مین شمال سے لیا تھا، اب اس کو خود انھون نے عرب کے اکثر حصّون مین ہر طرح کے کاروبار مین جاری کردیا

یہانتک کہ ایک طرف دمشق اور دوسری جانب ابی سینیا تک اسکو پھیلا دیا[1]"

نابتی حکومت، جو شام کے حدود سے متصل تھی، اور جو قوم ثمود کی مرادف، یا اُن کی قائم مقام تھی اس کی نسبت فارسٹر صاحب اپنے جغرافیہ مین لکھتے ہین۔

"ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ زمانۂ قدیم مین نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر مستولی تھا۔ بلکہ حجاز و نجد کے صوبہائے عظمہ پر بھی حاوی تھا"

نابتی جہان ایک طرف منافع تجارت سے بہرہ اندوز ہونے مین کمال رکھتے تھے، وہان دوسری طرف بطور سچے **بنو اسمٰعیل** کے خطرات جنگ کے لیے بالکل مستعد رہتے تھے فلسطین و شام مین اُن کی غارتگریین، اور خلیج عرب مین مصری جہازات پر اُن کی رہزنی نے بارہا تاجداران مقدونیہ کو ان کی دشمنی پر آمادہ کر دیا۔ لیکن روما کی مجموعی قوت سے پیشتر کوئی شے انھین روک نہ سکی۔ اور روما کی اطاعت بھی انھون نے اسٹرابو کے زمانہ مین بالکل مجبورانہ اور مشتبہ انداز سے قبول کی[2]"

یہ قدیم سلطنتون کا حال تھا، اسلام کے قبل یہ تمام سلطنتین برباد ہو چکی تھین، اُن کے بجائے یمن مین صرف بڑے بڑے سردار رہ گئے تھے، جنکو قیل، یا مقول کہتے تھے، عراق مین آل منذر کا خاندان قائم تھا، جو فارس کے زیر اثر تھا، خورنق اور سدیر عرب کی مشہور عمارتین اسی سلسلہ کی یادگار ہین، شام کے حدود مین غسانی خاندان فرمانروا تھا، جو قیصران روم کا ماتحت تھا، اور جس کا اخیر

---

[1] مورخین کی تاریخ عالم جلد ۸ - یعنی ہسٹورینس ہسٹری آف ورلڈ۔ تمہیدی آرٹکل نوشتہ پروفیسر نولڈیکی صفحہ ۵ [2] تاریخی جغرافیہ عرب از ریورنڈ فارسٹر جلد اول از صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۸

فرمان روا، جبلۃ بن الایہم غسانی تھا،

تہذیب و تمدن | تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے

مانسیولیبان[1] فرنساوی نے اصولِ عمران کی بنا پر یہ راے ظاہر کی ہو کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ مین اوجِ کمال تک پہنچ چکا تھا، کیونکہ اصولِ ارتقا کے روسے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعۃً اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تمدن تک نہین پہنچ سکتی،"

یہ ایک قیاسی استدلال ہے، تاریخ سے بھی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہو کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ مین انتہا درجہ کی ترقی تک پہنچ چکے تھے، یورپ کے محققینِ آثارِ قدیمہ، جنھون نے یمن کے آثارِ قدیمہ کی تحقیقات کی ہے، اور پرانے کتبون کو پڑھا ہے، وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہین۔

صنعاء اور **قلیس** کے ذکر مین، یاقوت حموی نے معجم مین قدیم آثاراتِ عجیبہ کا تذکرہ کیا ہے، اور گو اس مین بہت کچھ مبالغہ بھی ہے، تاہم اصلیت کا حصّہ بھی کچھ کم نہین،

اسی طرح عرب کے وہ مقامات، جو ایران اور شام سے متصل تھے، مثلاً **حیرۃ** جو آلِ نعمان کا پایۂ تخت تھا، اور حوران جو خاندانِ غسّان کا صدر مقام تھا، تہذیب و تمدن سے خالی نہ تھے،

مورخین عرب کا دعویٰ ہو کہ یمن نے ایک زمانہ مین اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہان کے سلاطین نے تمام ایران فتح کر لیا تھا، چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہین کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا، اس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کر دیا تھا، اس بنا پر ایرانی اس مقام کو شمر کند کہنے لگے پھر معرّب

[1] تمدن عرب،

ہوکر سمرقند ہوگیا،

عظیم الشان قلعون اور عمارتون کے آثار، جو اب بھی کچھ کچھ باقی ہین، اس بات کی قطعی شہادت ہین کہ اس ملک مین کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا، علامہ ہمدانی نے اکلیل مین تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے چنانچہ صفۃ جزیرۃ العرب مین لکھتے ہین،

المشھور من محافد الیمن وقصورھا القدیمۃ
اللّتی ذکرتھا العربُ فی الشعر والمَثَلِ ......
کثیرۃٌ الذی فیھا مِنَ الشّعر بابٌ واسعٌ
وقد جمع ذلک کُلّہ الکتابُ الثامنُ مِنَ الاکلیل

یمن کے مشہور، قدیم قصر اور ایوان، جن کا ذکر اہل عرب
نے اشعار اور امثال مین کیا ہے ...... کثرت سے ہین
اور ان کے متعلق اشعار کا ایک دفتر ہے اکلیل کے
آٹھوین باب نے ان سب کو جمع کر دیا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ مین اس موقع پر صرف اُن کے نام گنا دیتا ہون، اور وہ یہ ہین،

"غمدان، بلعم، ناعط، صِرواح، سلحین، ظفار، ھکر، ضھر، شبام، غیمان،
بنبون، ریام، براقش، مَعِین، روثان، ارباب، ھند، ھنیدۃ، عمران، بخیر،"

ان مین سے غمدان، اور ناعط کا حال معجم البلدان مین تفصیل سے مذکور ہے، اور اس کی عظمت و رفعت کے متعلق ایسی باتین نقل کی ہین جن پر ایشیائی مبالغہ کا دھوکہ ہوتا ہے، سلحین کی نسبت لکھا ہے کہ ستّر برس مین تعمیر ہوا، **شبام** کے حال مین لکھا ہے

لھُم فیہ حُصون عجیبۃٌ ھائلۃٌ

ان مین اُن کے متعدد ہیبت انگیز قلعے ہین۔

قلعہ ناعط، وہب بن منبہ کے زمانہ تک موجود تھا، اس کے ایک کتبہ کو محدث موصوف نے پڑھا، تو معلوم ہوا کہ سولہ سو برس کی تعمیر ہے۔ آجکل یورپ کے محققین نے اِن مقامات مین جا کر جو تحقیقات کی ہے

اس سے بھی حیرت انگیز تمدن کی تصدیق ہوتی ہے، تھیاچر صاحب اپنے آرٹکل مین لکھتے ہین[1]،

" جنوبی عربستان مین، جہان حضرت عیسے سے، صدیون پہلے، ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا، قلعون اور شہر پناہون کے آثار اب تک موجود ہین اور ان کا ذکر متعدد سیاحون نے کیا ہے۔

..... یمن اور حضرموت مین، یہ آثار کثرت سے ہین۔ اور اکثرون پر اب تک کتبے موجود ہین۔

..... صنعاء کے قریب ایک قلعہ تھا جسکو قزوینی نے آثار البلاد مین دنیا کے عجائب ہفت گانہ مین سے ایک قرار دیا ہے۔ (دیگر قلعون کے لیے دیکھو جنرل جرمن اورنٹیل سوسائٹی جلد ۱۰ صفحہ ۲ سے آگے)

مارب جو قدیم سبائی دار السلطنت تھا، اس کے آثار قدیمہ کو ارنو، ہالیوے، اور گلازر نے دیکھا ہے۔

مارب کے مشہور آثار مین سے ایک بڑی خندق کے آثار باقی ہین، انکو دیکھکر عدن کے دوبارہ تعمیر شدہ حوض یاد آتے ہین۔ اُن کی اہمیت اسوقت ظاہر ہوئی جب گلازر نے وہ دو طویل الذیل کتبے شائع کئے جن مین ان کے عیسوی قرن پنجم و ششم مین دوبارہ تعمیر کا ذکر ہے۔

یمن مین بمقام حران ایک اور خندق ہے جسکا طول تقریباً چارسو پچاس فیٹ ہے"

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات مین تہذیب وتمدن کی یہ حالت نہ تھی، عربی زبان نہایت وسیع ہے، باوجود اس کے جن چیزون کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے، اُنکے لیے خاص عربی زبان مین الفاظ نہین ملتے، بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہین، سکّہ کے لیے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا مضمون عرب۔

ایک لفظ بھی موجود نہین، درہم اور دینار دونون غیرزبان کے الفاظ ہین۔ درہم یونانی لفظ درخم ہے اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی مین ڈرام ہوگیا ہے، چراغ معمولی چیز ہے، تاہم اس کے لیے عربی مین کوئی لفظ نہ تھا، چراغ کو لیکر سراج کرلیا، پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا، مصباح، یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنالی جاتی ہے، کوزہ کے لیے کوئی لفظ نہین، کوزہ کو کوز کرلیا ہے۔ لوٹے کو ابریق کہتے ہین، جو آبریز کا معرب ہے، تشت فارسی لفظ تھا، اسی کو عربی مین طست کرلیا ہے۔ پیالہ کو کاس کہتے ہین، یہ وہی کاسہ، فارسی لفظ ہے، کرتہ کو عربی مین قُرطق کہتے ہین، یہ بھی فارسی ہے، پاجامہ کو سروال کہتے ہین، جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزون کے لیے لفظ نہ تھے تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لیے کہان سے لفظ آتے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے کسی زمانہ مین جو ترقی کی تھی آس پاس کے ممالک کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوکر کی تھی، اس لیے جو مقامات اُن ممالک سے دور تھے اُسی اصلی حالت پر رہ گئے،

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے، مسئلہ حجاب کے شان نزول مین بخاری وغیرہ مین مذکور ہے کہ اس زمانہ تک گھرون مین جائے ضرور نہ تھی، مستورات رفع حاجت کے لیے باہر جایا کرتی تھین، ترمذی باب الفقر مین ہے کہ اسوقت تک چھلنیان نہ تھین، بھوسے کو پھونک کر اُڑاتے تھے، جو بچا تا تھا وہی آٹا ہوتا تھا، بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ راتون کو گھرون مین چراغ نہین جلتے تھے، ابو داؤد مین ایک صحابی کی روایت ہے کہ مین آنحضرت صلعم کی صحبت مین تھا

لیکن مین نے آپ سے حشرات الارض[1] کا حرام ہونا نہین[2] سنا، اگرچہ اس حدیث کی شرح مین محدثین لکھتے ہین کہ ایک راوی کے نہ سُننے سے یہ لازم نہین آتا کہ واقع مین آنحضرت صلعم نے حشرات الارض کی حرمت نہین بیان کی، لیکن اس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے، تاریخ اور ادب کی کتابون مین یہ تصریح موجود ہے کہ عرب کھنکھجورا، گوہ، گرگٹ سیہی، اور جانورون کا چمڑا کھاتے تھے،

عرب کے مذاہب

عرب مین اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے، بعضون کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے زمانہ یا فطرت (قانون قدرت) ہے، خدا کوئی چیز نہین، انہی لوگون کی نسبت قرآن مجید مین ہے

وَقَالُوا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيٰى وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ، — اور یہ لوگ کہتے ہین کہ جو کچھ ہے یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے اور جیتے ہین، اور ہمکو مارتا ہی تو زمانہ مارتا ہے،

بعض خدا کے قائل تھے لیکن قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے، ان کے مقابلہ مین قرآن مجید نے قیامت کے ثبوت پر اس طرح استدلال کیا ہے،

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ، — کہدو کہ (ہڈیونکو) وہی دوبارہ زندہ کریگا جسنے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔

بعض خدا، اور جزا و سزا کے بھی قائل تھے، لیکن **نبوت** کے منکر تھے، ان کا ذکر اس آیت مین ہی،

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ، — اور کہتے ہین کہ یہ کیسا رسول ہی کہ کھاتا پیتا ہے اور بازار مین چلتا پھرتا ہے۔

قَالُوْا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا، — کہتے ہین کہ خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہی؟

---

[1] حشرات الارض کیڑے مکوڑے کو کہتے ہین [2] ابوداؤد جلد دوم صفحہ (۱۷۶) باب فی اکل حشرات الارض،

ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی پیغمبر ہو سکتا ہی تو اس کو فرشتہ ہونا چاہیے، جو حاجاتِ انسانی سے منزہ ہو،

لیکن عموماً لوگ بت پرست تھے، وہ بتون کو خدا نہین سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ خدا تک پہونچنے کے وسیلے[1] ہین،

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ، - ہم ان بتون کو صرف اسلیے پوجتے ہین کہ ہم کو خدا سے قریب کردین،

(سورہ زمر، پارہ ۲۳)

قبیلۂ حمیر جو یمن مین رہتا تھا آفتاب پرست تھا، کنانہ چاند کو پوجتے تھے، قبیلۂ بنی تمیم - دبران کی عبادت کرتا تھا، اسی طرح قیس شعریٰ کی، قبیلۂ اسد عطارد کی، اور لخم وجذام مشتری کی پرستش[2] کرتے تھے،

مشہور بتون اور اُن کے پوجنے والون کے نام حسبِ[3] ذیل ہین،

نامِ بُت	مقام	قبیلہ جو اُس بت کو پوجتا تھا۔
لات	طائف	ثقیف
عُزّٰی	مکہ معظمہ	قریش وکنانہ،
منات	مدینہ منورہ	اَوس، خزرج، اور غسّان،
وَدّ	دومۃ الجندل	کلب

[1] یہ تمام تفصیل "ملل ونحل" شہرستانی، مذاہب عرب کے ذکر مین ہے - [2] طبقات الامم، لابن صاعدالاندلسی، مطبوعہ بیروت، ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۳ [3] بتون کی یہ تفصیل "ملل ونحل" مین ہے ۔

سُواع	،	ہذیل
یغوث	،	مذحج، اور بعض قبائلِ یمن،
یعوق	یمن	ہمدان،

سب سے بڑا بت ہبل تھا، جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا، قریش لڑائیون مین اس کی جے پکارتے تھے،

عرب مین بت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لحی تھا، اُس کا اصلی نام ربیعۃ بن حارثہ تھا، عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ اسی کی نسل سے ہے، عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے، عمرو نے لڑکر جرہم کو مکہ سے نکال دیا، اور خود حرم کا متولی ہوگیا، وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر مین گیا، وہان کے لوگون کو بُت پوجتے دیکھا تو پوچھا کہ اِن کو کیون پوجتے ہو۔ اُنھون نے کہا یہ حاجت روا ہین۔ لڑائیون مین فتح دِلاتے ہین، قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہین، عمرو نے چند بت اُن سے لے لیے اور لاکر کعبہ کے آس پاس قائم کئے، کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا، اس لیے تمام قبائل مین بت پرستی کا رواج ہوگیا، اِن مین سب سے قدیم بت مناۃ تھا، یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب نصب تھا، اوس اور خزرج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے، اور جب کعبہ کا حج کرکے آتے تھے تو احرام یہین اُتارتے تھے، ہذیل اور خزاعہ بھی اسکی پرستش کرتے تھے[1]

یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) مین لکھا ہے کہ عرب مین بت پرستی کی عام اشاعت کیوجہ یہ ہوئی کہ قبائل عرب جو تمام اطراف سے حج کو آتے تھے واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھرون کو

[1] یہ تمام تفصیل معجم البلدان، ذکر منات مین ہے۔

اُٹھا لیتے تھے، اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت پر تراش کرانکی عبادت کرتے تھے،

اللہ کا اعتقاد عرب، گو قریبًا سب کے سب بت پرست تھے، لیکن اس کے ساتھ یہ اعتقاد اِن کے دل سے کبھی نہین گیا کہ اصلی خدا سب سے برتر اور چیز ہے، اور وہی تمام عالم کا خالق ہے، اس خالق اکبر کو وہ "اللہ" کہتے تھے، قرآن مجید مین ہے،

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ، (سورۂ عنکبوت، قریب ختم)

اور اگر اِن لوگون (کافرون) سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کسنے پیدا کیا، اور چاند اور سورج کو کس نے تابعدار بنا رکھا ہے تو بول اُٹھین گے کہ اللہ، پھر کدھر بہکے جا رہے ہین۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ، (سورۂ عنکبوت قریب ختم،)

پھر جب یہ کشتی مین سوار ہوتے ہین تو خدا ہی کو خلوص کے ساتھ پکارتے ہین، پھر جب خدا، ان کو نجات دیکر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہین۔

قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے جس حقیقت کا اظہار کیا، آج تحقیقاتِ آثار قدیمہ بھی اسکی تصدیق کرتی ہی، مذاہب واخلاق کی انسائیکلوپیڈیا[1] مین مشہور مستشرق نولڈکی کا جو قول نقل کیا ہی اسکے اقتباسات حسب ذیل ہین،

"اللہ"، جو صفا کے کتبون مین "ھلہ" لکھا ہوا ہے، نباتی، اور دیگر قدیم باشندگانِ عرب شمالی کے نام کا ایک جزء تھا، مثلاً "زید اللّٰہی"..... نباتی کتبات مین اللہ کا نام بطور ایک علیحدہ معبود کے نہین ملتا۔ لیکن صفا کے کتبات مین ملتا ہے۔ متاخرینِ مشرکین مین اللہ کا نام نہایت عام ہے، ولہاسن نے عرب قدیم کے لٹریچر مین بہت سی عبارتین نقل کی ہین جنمین اللہ کا لفظ بطور ایک معبود اعظم

[1] جلد (۱) صفحہ ۶۶۴،

کے مستعمل ہوا ہے، نباتی کتبات مین ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہین جس کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہے۔ اس سے ولہاسن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ کا لقب جو پہلے مختلف معبودون کے لیے استعمال ہوتا تھا، رفتہ رفتہ زمانہ مابعد مین صرف ایک عظیم ترین معبود کے لیے بطور علم کے مخصوص ہوگیا "

نصرانیت اور یہودیت اور مجوسیت | اگرچہ زمانہ اور مدت کا تعین مشکل ہے لیکن یہ تینون مذہب، ایک مدت دراز سے عرب مین رائج ہو چکے تھے، علامۂ ابن قتیبہ نے معارف مین لکھا ہے کہ قبائل ربیعہ وغسان نصرانی تھے. قضاعہ مین بھی اس مذہب کا اثر پایا جاتا تھا، نصرانیت کو اس قدر ترقی ہو چکی تھی کہ خود مکہ معظمہ مین ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان مین انجیل کو پڑھ سکتے تھے، متعدد ایسے لوگ تھے جنھون نے شام مین جاکر تعلیم پائی تھی،

حمیر، بنوکنانہ، بنوحرث بن کعب، کندہ، یہ قبائل **یہودی** تھے، مدینۂ منورہ مین یہود نے پورا غلبہ پالیا تھا، اور توراۃ کی تعلیم کے لیے متعدد درسگاہین قائم تھین، جنکو بیت المدراس کہتے تھے، حدیث کی کتابون مین بھی اسی نام سے ان کا ذکر آتا ہے، قلعۂ خیبر کی تمام آبادی یہودی تھی، امرء القیس کا ہمعصر مشہور شاعر **سموئل بن عادیا** جس کی وفاداری آج تک عرب مین ضرب المثل ہے، یہودی تھا،

اہل کتاب کی روایتین مکہ معظمہ مین اس قدر رواج پا چکی تھین کہ آنحضرت صلعم پر جب قرآن نازل ہوتا تھا اور اس مین بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے تو کفار بدگمانی کرتے تھے کہ کوئی یہودی یا عیسائی آپ کو سکھاتا ہی، خود قرآن مجید مین ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ، اور ہم جانتے ہین کہ وہ یہ کہتے ہین کہ محمد کو کوئی آدمی سکھاتا ہی،

قرآن مجید مین اس خیال کا ابطال بھی کردیا ہی جسکی تفصیل مناسب موقع پر آئے گی،

قبیلۂ تمیم مجوسی تھا، زرارۂ تمیمی نے، جو اس قبیلہ کا مشہور رئیس تھا، اسی بنا پر اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی، گو اس پر اس کو ندامت ہوئی، اقرع بن حابس بھی مجوسی[1] تھا،

مذہب حنفی | دینِ ابراہیمی کا اُمُّ الاصول توحید خالص تھی، زمانہ کے امتداد اور جہالت کے شیوع سے یہ اصول اگرچہ شرک آلودہ ہو گیا تھا، یہان تک کہ خود خانۂ خدا مین بتون کی پرستش ہوتی تھی، تاہم بالکل فنا نہین ہو سکتا تھا، عرب مین کہین کہین اسکا دھندلا سا نشان نظر آتا تھا، جو لوگ صاحبِ بصیرت تھے ان کو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا، کہ انسانِ عاقل، جمادِ لایعقل کے سامنے سر جھکائے، اس بنا پر بت پرستی کی بُرائی کا خیال بہتون کے دل مین آیا، لیکن اسکا تاریخی زمانہ آنحضرت صلعم کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے۔ ابن[2] اسحاق نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلہ مین ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے، ان لوگون کے دل مین دفعتًہ یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہین جو نہ سنتا ہی، نہ دیکھتا ہے نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے، نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہی، یہ چارون قریش کے خاندان سے تھے، ورقہ حضرت خدیجہ کے برادر عم زاد تھے، زید حضرت عمرؓ کے چچا تھے، عبداللہ بن جحش حضرت حمزہ کے بھانجے تھے، عثمان عبدالعزیٰ کے پوتے تھے،

زید، دینِ ابراہیمی کی تلاش مین شام گئے، وہان یہودی اور عیسائی پادریون سے ملے، لیکن کسی سے تسلّی نہین ہوئی اس لیے اس اجمالی اعتقاد پر اکتفا کیا کہ "مین ابراہیم کا مذہب قبول کرتا ہون" صحیح بخاری مین (باب بنیان الکعبہ سے پہلے) حضرت اسماء (دختر ابوبکر صدیق رض) سے روایت ہی

[1] معارف ابن قتیبہ۔ [2] سیرت ابن ہشام مطبوعۂ مصر صفحہ ۷۶۔

کہ "مین نے زید کو اس حالت مین دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگون سے کہتے تھے، اے اہلِ قریش! تم مین سے کوئی شخص بجز میرے ابراہیم کے دین پر نہین ہے "

عرب مین لڑکیون کو زندہ دفن کردیتے تھے، زید ہی پہلے شخص ہین جس نے اس رسم کی ممانعت کی جب کوئی شخص ایسا ارادہ کرتا تو وہ جا کر اُس لڑکی کو مانگ لیتے اور خود اس کی پرورش کرتے،

صحیح بخاری مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا، اور اُن سے صحبت رہی تھی، ورقہ اور عبداللہ بن جحش، اور عثمان بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہوگئے تھے،

اسی زمانہ کے قریب امیہ بن ابی صلت نے جو طایف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا، بت پرستی کی مخالفت کی، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین زبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہے کہ **امیتہ** نے زمانۂ جاہلیت مین آسمانی کتابین پڑھی تھین اور بت پرستی کو چھوڑ کر دینِ ابراہیمی اختیار کرلیا تھا۔

امیتہ کا دیوان آج بھی موجود ہے۔ اگرچہ اس کا بڑا حصہ جعلی ہے تاہم اصلی کلام بھی اس مین پایا جاتا ہے۔ وہ غزوۂ بدر تک زندہ رہا، عتبہ جو رئیس مکہ اور امیر معاویہ کا نانا تھا، امیتہ کا ماموں زاد بھائی تھا، اُمیتہ نے اُس کے قتل ہونے کی خبر سنی تو اس کو سخت صدمہ ہوا، اور نہایت پر درد مرثیہ لکھا، غالباً اسی کا اثر تھا کہ اسلام قبول نہ کرسکا،

شمایل مین ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی **آنحضرت** صلعم کے ہم ردیف تھے، انھون نے امیتہ کا ایک شعر پڑھا، آنحضرت صلعم نے فرمایا "اور" انھون نے سو شعر پڑھے، ہر شعر کے ختم ہونے پر آپ فرماتے جاتے تھے کہ "اور" اخیر مین آپ نے فرمایا کہ "اُمیتہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا"

ابن ہشام نے بت پرستی کی مخالفت کرنے والون مین انھی چارون کا نام لکھا ہے، لیکن

اور تاریخی شہادتون سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب مین اور متعدد اہل نظر پیدا ہوگئے تھے جنھون نے بت پرستی سے توبہ کی تھی، ان مین سب سے زیادہ مشہور شخص، عرب کا نامور خطیب قس بن ساعدۃ الایادی ہے، اس کا تذکرہ آگے آتا ہے، ایک شخص قیس بن نشبہ تھا، جسکی نسبت حافظ ابن حجر نے اصابہ مین لکھا ہو کہ جاہلیت کے زمانہ مین خدا پرست ہو چکا تھا، اور آنحضرت صلعم کی بعثت پر مشرف بہ اسلام ہوا،

یہ تحقیق نہین کہ دینِ ابراہیمی کو حنیفی کیون کہتے ہین، قرآن مجید مین یہ لفظ موجود ہی لیکن اسکے معنی مین اختلاف ہے، مفسرین لکھتے ہین کہ چونکہ اس دین مین بت پرستی سے انحراف تھا، اسیلیے اسکو حنیفی کہتے ہین، کیونکہ حنف کے معنی انحراف کے ہین۔ عبرانی اور سریانی زبان مین حنیف کے معنی منافق اور کافر کے ہین، ممکن ہو کہ بُت پرستون نے یہ لقب دیا ہو، اور موحّدین نے فخریہ قبول کرلیا ہو،

یہ امر اکثر روایتون سے ثابت ہو کہ عرب اور خصوصاً مکہ اور مدینہ مین متعدد اشخاص بت پرستی کے منکر ہوگئے تھے، اور ملت ابراہیمی کی جستجو مین تھے، یہ اس لیے کہ مجدّد ملّت ابراہیمی کے ظہور کا وقت قریب آگیا تھا۔

اِن چند راہ طلب اور حقیقت جُو اشخاص کے وجود کی بنا پر مصنفین یورپ کہتے ہین کہ مذہب صحیح اور توحیدِ خالص کا رواج عام عرب مین اسلام سے پہلے بھی موجود تھا، لیکن اگر یہ صحیح ہو تو یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اسلام کے ظہور پر اس قدر کیون ہنگامہ برپا ہوا؟

کیا عرب مین ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی؟

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، عرب مین تمام مشہور مذاہب، موجود تھے، یہودیت بھی، نصرانیت بھی، مجوسیت بھی، حنفیت بھی، اور عقلی بلند پروازی کی

[margin note, handwritten:] [illegible]

معراج، اِلحاد بھی، لیکن ان سب کا نتیجہ کیا تھا؟ عقائد کے لحاظ سے یا تو خداؤن کی وہ کثرت جس کو نصرانیت نے بہت گھٹایا، تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کر سکی، اس کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسے خود سولی پر چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہون کا کفارہ بن گئے، یا توحید تھی، لیکن خدا اس قسم کا تھا، جو آدمیون سے کشتی لڑتا تھا[1]،

بتون پر آدمیون کی قربانی چڑھائی جاتی تھی، باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت مین ملتی تھی، حقیقی بہنون سے ایک ساتھ شادی جائز تھی، ازدواج کی کوئی حد نہ تھی، قمار بازی، شراب خواری، زنا کاری کا رواج عام تھا، بیحیائی کی یہ حالت تھی کہ سب سے بڑا نامور شاعر، امرؤالقیس، جو شہزادہ بھی تھا، قصیدہ مین اپنی پھوپی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ، مزہ لے لے کر بیان کرتا ہی، اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزان کیا جاتا ہی،

لڑائیون مین لوگون کو زندہ جلا دینا، مستورات کے پیٹ چاک کر ڈالنا، معصوم بچّون کو تہ تیغ کرنا، عموماً جائز تھا، عیسائیون کے بیان کے مطابق عرب قبل اسلام، تمام مذاہب مین سب سے زیادہ عیسائیت سے متاثر تھا، تاہم اِس اثر کا کیا نتیجہ تھا؟ اس کو خود عیسائی مورخین کی زبان سے سننا چاہیے! ایک عیسائی مورّخ لکھتا ہے،

عیسائیون نے عرب کو پانسو برس، تعلیم و تلقین کی، اس پر بھی خال خال عیسائی نظر آتے تھے یعنی بنو حارث نجران مین، بنو حنیف یمامۃ مین، اور کچھ بنی طے مین عیسائی تھے، باقی خیریت،....

.... بالآخر عرب کو من حیث المذہب دیکھیے تو اسکی سطح پر عیسائیون کی ضعیف کوششون کی

---

[1] توراۃ تکوین، آیت ۲۲ تا ۲۹ مین حضرت یعقوبؑ کے خدا سے کشتی لڑنے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔

کچھ خفیف سی موجین لہرا تی نظر آتی تھین، اور یہود کی قوت بھی کبھی بڑی شدت سے طغیانی کرتی نظر آتی تھی، لیکن بُت پرستی اور بنو اسمٰعیل کے بیہودہ اعتقادات کا دریا ہر سمت سے جوش مارتا ہوا کعبہ سے آکر ٹکراتا تھا[1]۔"

یہ حالت صرف **عرب** کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ تمام دنیا مین یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی، (اسکی تفصیل کتاب کے دوسرے حصّہ مین آئے گی،) کیا اس عام ظلمت، اس عالمگیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی مین ایک **آفتاب عالمتاب** کی حاجت نہ تھی؟

---

[1] میور صاحب کی لائف آف محمدؐ جلد ۱ دیباچہ۔

سلسلۂ اسمٰعیلی

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مورخین عرب نے عرب کی تین قسمین کی ہین۔

عرب کی وہ قدیم قومین جو بالکل برباد ہو گئین، مثلاً طسم وجدیس وغیرہ،

خالص عرب جو قحطان کی اولاد ہین، مثلاً اہل یمن اور انصار (اور تیسرا سلسلۂ اسماعیلی)

حضرت اسمٰعیل جب مکہ مین آباد ہوئے، تو حوالی مکہ مین بنوجرہم آباد تھے، حضرت اسمٰعیل نے اس خاندان مین شادی کی، اس سے جو اولاد ہوئی وہ عرب مستعربہ کہلاتی ہے، اب عرب کا بڑا حصہ اسی خاندان سے ہے۔

پیغمبر سلام اور خود اسلام کی تاریخ تمام تر اسی اخیر سلسلہ سے وابستہ ہی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت اسمٰعیل ہی کے خاندان سے ہین، اور جو شریعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوئی وہی ہے جو حضرت ابراہیم کو عطا ہوئی تھی، قرآن مجید مین ہے۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَسَمّٰكُمُ	تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب، اُسی نے پہلے
الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ (حج-۹)	پہل تمھارا نام مسلم رکھا،

لیکن یورپ کے بہت سے متعصب مورخ، سرے سے ان حقائق کے منکر ہین یعنی نہ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل عرب مین آئے۔ نہ انھون نے کعبہ کی بنیاد ڈالی۔ نہ آنحضرت صلعم حضرت اسمٰعیل کی اولاد ہین۔

چونکہ ان مباحث نے مذہبی تعصب کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لیے یہ توقع مشکل ہے کہ ہم اس بحث کو اس طرح طے کرسکین گے کہ استدلال کی بنیاد، یوروپ کے مسلمات پر رکھی جائے۔

جو واقعات مختلف فیہ ہین بہت ہین، لیکن اُصولی امور صرف دو ہین، جن مین دونون فریق کا کوئی قدر مشترک نظر نہین آتا۔ یہ اصول جس فریق کے موافق طے ہون اس کے فرعی جزئیات بھی اُسی کے موافق تسلیم کر لینے چاہئین، اصول مذکورہ حسب ذیل ہین۔

۱۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل عرب مین آکر آباد ہوئے یا نہین؟

۲۔ حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق کو قربانی کرنا چاہا تھا، یا حضرت اسمٰعیل کو؟

(حضرت اسماعیل کہان آباد ہوئے؟) یہود مدّعی ہین کہ حضرت اسحاق ذبیح ہین۔ اس بناپر وہ قربانی گاہ کا موقع **شام** بتاتے ہین لیکن اگر یہ ثابت ہوجائے کہ حضرت اسحاق نہین۔ بلکہ حضرت اسمٰعیل تھے تو قربانی گاہ کے موقع کی نسبت عرب ہی کی روایتین تسلیم کرنی پڑین گی۔ اور اس حالت مین تاریخ کی تمام کڑیان متصل ہوجائین گی،

توراۃ مین مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی اولاد حضرت ہاجرہ کے بطن سے ہوئی جسکا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔ حضرت اسمٰعیل کے بعد حضرت سارہؓ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ حضرت اسمٰعیل جب بڑے ہوئے تو حضرت سارہ نے یہ دیکھکر کہ وہ حضرت اسحاق کے ساتھ گستاخی کرتے ہین۔ حضرت ابراہیم سے کہا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو گھر سے نکال دو، ان واقعات کے بعد توراۃ کے خاص الفاظ یہ ہین،

"تب ابراہیم نے صبح سویرے اُٹھکر، روٹی اور پانی کی ایک مشک لی، اور ہاجرہ کو اسکے کاندھے پر دھر کر دی۔ اور اُس لڑکے کو بھی رخصت کیا۔ وہ روانہ ہوئی بیر سبع کے بیابان مین بھٹکتی پھرتی تھی اور جب مشک کا پانی چُک گیا تب اُس نے اُس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا۔ اور

آپ اس کے سامنے ایک تیر کے ٹپے پر دور جاکر بیٹھی کیونکہ اسنے کہا مین لڑکے کا مرنا نہ دیکھون، سو وہ سامنے بیٹھی اور چلا چلا کر روئی، تب خدا نے اُس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا، اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ۔ تجھ کو کیا ہوا، مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہان وہ پڑا ہے خدا نے سنی۔ اُٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ مین اُسکو ایک بڑی قوم بناؤن گا۔ پھر خدا نے اسکی آنکھین کھولین اور اس نے پانی کا ایک کنوان دیکھا اور جاکر اپنی مشک کو پانی سے بھرلیا۔ اور لڑکے کو پلایا۔ اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا۔ اور وہ بڑھا اور بیابان مین رہا کیا۔ اور تیرانداز ہوگیا۔ اور وہ فاران کے بیابان مین رہا۔ اور اسکی مان نے ملک مصر سے ایک عورت بیاہنے کو لی۔" (توراۃ سفر پیدایش باب ۲۱)

اِس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل جب گھر سے نکالے گئے تو بالکل بچہ تھے، چنانچہ حضرت ہاجرہ نے مشک کو اور ان کو کاندھے پر اُٹھایا، عربی توراۃ مین صاف یہ الفاظ ہین۔

وَاضِعًا اِیَّاھَا عَلٰی کِتفِھَا والولَد — حضرت ابراہیم نے مشک اور بچہ دونون کو ہاجرہ کے کندھے پر رکھا

لیکن توراۃ مین یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ برس کی تھی[1]، اور جب حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کا ختنہ کیا تو حضرت اسمٰعیل کی عمر ۱۳ برس کی، اور حضرت ابراہیم کی ننانوے ۹۹ برس کی تھی[2]۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے گھر سے نکالے جانے کا واقعہ، ختنہ کے بعد کا ہوگا، اس لیے اسوقت قطعًا ان کی عمر ۱۳ برس سے زیادہ تھی، اور اس سن کا لڑکا اتنا چھوٹا نہین ہوتا کہ مان اُسے

---

[1] پیدایش باب ۱۶۔ [2] پیدایش باب ۱۷۔ ۲۴۔ و ۲۵۔

کندھے پر اُٹھائے پھرے، اِس واقعہ سے غرض یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی عمر اس وقت اتنی ہو چکی تھی کہ حضرت ابراہیم، ان کو، اور ان کی والدہ کو، اصلی مقام سکونت سے کسی دور مقام پر لاکر آباد کر سکتے تھے،

توراۃ کی عبارت مذکورہ مین تصریح ہے کہ حضرت اسمٰعیل فاران مین رہے اور تیر اندازی کرتے رہے عیسائی کہتے ہین کہ فاران اُس صحرا کا نام ہے جو فلسطین کے جنوب مین واقع ہے۔ اس لیے حضرت اسمٰعیل کا عرب مین آنا خلاف واقعہ ہے۔

جغرافیہ دانانِ عرب عموماً متفق ہین کہ فاران، حجاز کے پہاڑ کا نام ہے، چنانچہ معجم البلدان مین صاف تصریح ہے لیکن عیسائی مصنفین اس سے اتفاق نہین کر سکتے، اس کا فیصلہ ایک بڑی طول طویل بحث پر مبنی ہے، جو مباحثہ اور مناظرہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے، اس لیے ہم اس کو قلم انداز کرتے ہین۔ البتہ اس قدر بتانا ضروری ہے کہ عرب کی حدود شمالی کسی زمانہ مین کس حد تک وسیع تھی۔

مانسیو لیبان، تمدن عرب مین لکھتے ہین۔

"اس جزیرے کی حد شمالی اس قدر صاف اور آسان نہین ہے، یعنی یہ حد اس طرح پر قائم ہوتی ہے کہ غزہ سے جو فلسطین کا ایک شہر اور بحر متوسط پر واقع ہے، ایک خط جنوب بحر لوط تک کھینچا جائے اور وہان سے دمشق اور دمشق سے دریائے فرات تک اور دریائے فرات کے کنارے کنارے لاکر خلیج فارس مین ملا دیا جائے، پس اس خط کو عربستان کی حد شمالی کہہ سکتے ہین"

اس بنا پر عرب کے حجازی حصہ کا فاران مین محسوب ہونا خلاف قیاس نہین، توراۃ[1] مین جہان

[1] سفر تکوین باب ۲۵۔ آیت ۱۸۔

حضرت اسمعیل کی جائے سکونت کا بیان ہی، وہان یہ الفاظ ہین۔

"اور وہ حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اُس راہ مین ہے۔ جس سے سور کو جاتے ہین۔ بستے تھے"

اس تحدید مین، مصر کے سامنے جو زمین پڑتی ہے وہ عرب ہی ہوسکتا ہے۔ نصاریٰ کی مقدس کتابون مین جسقدر اعتنا ہی، بنو اسرائیل کے ساتھ ہے۔ بنی اسمعیل کا ذکر محض ضمنی طور پر آجاتا ہے اور اس وجہ سے حضرت اسمعیل کا عرب مین آباد ہونا بتصریح نہین ملتا۔ لیکن مختلف تلمیحات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کا عرب مین آباد ہونا، ایک مسلّمہ امر تھا، عہد جدید مین جس کو عیسائی وحی الٰہی سمجھتے ہین، پولس کا ایک خط گلینون کے نام ہے اس مین یہ عبارت ہے[1]۔

"ابراہیم کے دو بیٹے تھے، ایک لونڈی سے، دوسرا آزاد سے، پر وہ جو لونڈی سے تھا جسم کے طور پر پیدا ہوا، اور جو آزاد سے تھا، سو وعدے کے طور پر، یہ باتین تمثیلی بھی مانی جاتی ہے، اس لیے کہ یہ عورتین دو عہد ہین، ایک تو سینا پہاڑ سے جو ہوا وہ نرے غلام جنتی ہے، یہ ہاجرہ ہی۔ کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے، اور اب کے یروشلم کا جواب ہی"

اگرچہ معلوم نہین کہ اصلی عبارت کیا تھی۔ اُردو اور عربی دونون ترجمے ناصاف ہین تاہم اس قدر واضح ہے کہ پولوس جو حضرت عیسےٰ کے سب سے بڑے جانشین ہین حضرت ہاجرہ کو عرب کا کوہ سینا کہتے تھے، اگر حضرت ہاجرہ عرب مین آباد نہ ہوئی ہوتین، تو ان کو عرب کا کوہ سینا کہنا کیا معنی رکھتا ہے، آگے چلکر مکّہ کے ذکر مین، یہ بحث زیادہ مؤیّد ہو جائے گی،

ذبیح کون ہے؟ | توراۃ اگرچہ یہودیون کی عدم احتیاط، اغراضِ ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے

---

[1] باب ۴۔ آیت ۲۴۔

سرتاپا مسخ ہوگئی ہے، اور خصوصاً پیغمبر خاتم کے متعلق اُس مین جو تصریحات اور تلمیحات تھین، یہود کے دستِ تصرف نے ان کو بالکل برباد کردیا ہے۔ تاہم حقایق کے عناصر اب بھی ہر جگہ موجود ہین، توراۃ مین گو تصریحاً حضرت اسحٰق کا ذبیح ہونا لکھا ہی لیکن مطاوی کلام مین اس بات کے قطعی دلائل موجود ہین کہ وہ ہرگز ذبیح نہ تھے، اور نہ ہو سکتے تھے، امور ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۱۔ شریعت سابقہ کے رُو سے، قربانی صرف اُس جانور یا آدمی کی ہوسکتی تھی جو پہلوٹھا بچہ ہو، اسی بناپر ہابیل نے جن مینڈھون کی قربانی کی تھی وہ پہلوٹے بچّے تھے۔

خدا نے حضرت موسیٰ سے جہان لاویون کے متعلق احکام ارشاد فرمائے، وہان فرمایا ہے۔

لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس والبھائم	کیونکہ بنواسرائیل مین آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ میرے لیے ہے (عدد ۸-۱۷)

۲۔ پہلوٹے بچہ کی افضلیت کسی حالت مین زائل نہین ہوسکتی توراۃ مین ہی کہ اگر کسی شخص کی دو بیویان ہون، ایک محبوبہ ہو، اور دوسری غیر مرغوب، تو فضیلت اُسی اولاد کو ہوگی جو پہلوٹی ہو، گو وہ غیر مرغوبہ سے ہو۔

فانّہٗ اوّل قدرتہٖ و لہٗ حق البکوریّۃ (سفر تثنیہ، اصحاح ۲۱۔ آیت ۱۵ و ۱۷)	کیونکہ وہ اُس کی پہلی قدرت ہے، اور اُسی کو اولاد اولین ہونے کا حق ہے،

۳۔ جو اولاد خدا کو نذر کردی جاتی تھی اُس کو باپ کا ترکہ نہین ملتا تھا، توراۃ مین ہے۔

فی ذلک الوقت افرز الرب سبط لاوی لیحملوا تابوت عھد الرب ولکے یقفوا امام الرب	تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اس لیے مخصوص کرلیا کہ خدا کے عہد کا تابوت اُٹھائے، اور تاکہ خدا کے آگے

لیخدموہ ویبارکوا باسمہ الی ھذا الیوم لاجل	کھڑا ہو تاکہ وہ خدا کی خدمت کرین اور اس کے نام سے آجتک
ذلک لم یکن للاوی قسم و لا نصیب مع اخوتہ	برکت لین یہی وجہ ہے کہ لاویون کو اپنے بھائیون کے ساتھ
الرب ھو نصیبہٗ (توراۃ اصحاح ۱۰۔ آیت ۸ و ۹)	کوئی حصہ اور ترکہ نہین ملا۔ کیونکہ ان کا حصہ خدا ہے۔

۴۔ جو شخص خدا کی نذر کر دیا جاتا تھا وہ سر کے بال چھوڑ دیتا تھا، اور معبد کے پاس جا کر منڈاتا تھا، جس طرح آج حج مین احرام کھولنے کے وقت بال مُنڈاتے ہین، توراۃ مین ہے

فھا انک تحملین وتلدین ابنا و لا یعلُ موسی راسہ	اب تو حاملہ ہوگی اور بچّہ جنے گی، اور اُس کے سر پر اُسترا نہ پھیرا
لان الصبی یکون نذیرًاللّٰہ، (توراۃ قضاۃ اصحاح ۱۳۔ ۴)	جائے کیونکہ یہ بچہ خدا کے لیے نذر کیا جائے گا،

۵۔ جو شخص خدا کا خادم بنایا جاتا تھا، اس کے لیے "خدا کے سامنے" کا لفظ استعمال کرتے تھے (توراۃ سفر عدد ۶۔ ۱۶ و ۲۰ و سفر تکوین ۔ ۱۷۔ ۱۔ و تثنیہ ۱۰۔ ۸۔)

۶۔ حضرت ابراہیم کو بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس مین قید تھی کہ وہ بیٹا قربانی کیا جائے، جو اکلوتا ہو، اور محبوب ہو (توراۃ ۔ تکوین ۔ اصحاح ۲۲۔ آیت ۲)

اب اصل مسئلہ پر غور کرو، لیکن پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت ابراہیم کی شریعت مین قربانی کرنا اور خدا پر نذر چڑھانا، ایک بات تھی، یعنی دونون کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے؟

اگر یہ کہا جائے کہ بچہ کو فلان معبد مین قربانی چڑھا دو، تو اس کے یہ معنی تھے کہ وہ اس معبد کی خدمت اور مُجاورت کے لیے گھر سے الگ کر دیا جائے، لیکن یہ لفظ جب جانورون کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، تو حقیقی قربانی کے معنی مراد ہوتے تھے، توراۃ مین خدا کی زبان سے مذکور ہے،

---

۵ عدد۔ اصحاح ۸۔،

لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس والبھائم،	کیونکہ بنی اسرائیل مین آدمی اور جانور کا ہر پہلونٹا بچہ میرے لیے ہے،

اسی اصحاح مین تصریح کے ساتھ مذکور ہے کہ "خدا نے حضرت موسےٰ سے کہا کہ تم بنی اسرائیل مین سے لاویون کو لو، اور اُن کے خدا کے سامنے پیش کرو کہ خدا کے لیے خاص کردیئے جائین اور یہ لوگ دو گایون کے سر پر ہاتھ رکھدین جو قربانی کی جائین"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب مین بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اُس سے بھی یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لیے نذر چڑھا دین۔ حضرت ابراہیم نے پہلے اس خواب کو عینی اور حقیقی سمجھا، اور اس لیے بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی، لیکن بعد مین ظاہر ہوا کہ وہ تمثیلی خواب تھا، اس بنا پر حضرت ابراہیم نے بیٹے کو خانۂ خدا کی خدمت کے لیے خاص کردیا، اور جو شرطین قربانی کی تھین قائم رکھین

بیان مذکورۂ بالا کے ذہن نشین کرنے کے بعد دلائل ذیل پیش نظر رکھنے چاہئین۔

(۱) حضرت اسحاق کی ولادت حضرت اسمٰعیل کے بعد ہے۔ اس بنا پر حضرت اسحاق اکلوتے بیٹے نہین، اور چونکہ قربانی کے لیے اکلوتے بیٹے کی شرط ہے، اس لیے حضرت اسحاق کی قربانی کا حکم نہین ہوسکتا تھا۔

(۲) حضرت اسحاق کو حضرت ابراہیم نے اپنا تمام ترکہ دیا۔ بخلاف اس کے حضرت اسمٰعیل، اور انکی والدہ کو صرف پانی کی ایک مشک دیکر رخصت کیا، یہ اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق کو قربانی یعنی معبد پر نذر نہین چڑھایا تھا۔

(۳) حضرت اسماعیل کے خاندان مین مدت تک یہ رسم قائم رہی کہ لوگ سر کے بال نہین منڈاتے تھے

حج مین احرام کے زمانہ تک جو بال نہین منڈاتے یہ اُسی سنت اسماعیلی کی یادگار ہے۔

(۴) جو الفاظ قربانی اور نذر چڑھانے کے لیے ملت ابراہیمی مین استعمال کیے جاتے تھے، وہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کے لیے استعمال کیے نہ حضرت اسحاق کے لیے، توراۃ مین ہے کہ جب خدا نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیم نے کہا،

لَیْتَ اِسْمٰعِیْلُ یَعِیْشُ اَمَامَکَ — کاش اسماعیل تیرے سامنے زندہ رہتا۔

توراۃ مین جہان جہان یہ لفظ استعمال ہوا ہے (سامنے زندہ رہنا) اسی معنون مین ہوا ہے۔

(۵) حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم کی محبوب ترین اولاد تھے، توراۃ جو تمامتر حضرت اسحاق کی یکطرفہ داستان ہے، اس مین حضرت اسحاق اور حضرت اسمٰعیل کے جو امتیازی خصائص بیان کیے ہین، یہ ہین کہ حضرت اسحاق خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر ہین[1]۔ اور حضرت اسمٰعیل دعوت ابراہیم ہین یعنی حضرت ابراہیم کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے[2]، اسی بنا پر خدا نے انکا نام اسمٰعیل رکھا، کیونکہ اسماعیل دو لفظون سے مرکب ہے۔ سمع اور ایل، سمع کے معنی "سننے" کے، اور "ایل" کے معنی "خدا" کے ہین[3]۔ یعنی خدا نے حضرت ابراہیم کی دعا "سن لی" توراۃ مین ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ "اسمٰعیل کے بارے مین مین نے تیری سن لی" حضرت ابراہیم کو جب خدا نے حضرت اسحاق کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیم نے اس موقع پر بھی حضرت اسماعیل کو یاد کیا، غرض چونکہ حضرت ابراہیم کو قربانی کا جو حکم ہوا تھا اس مین قید تھی کہ محبوب ترین بیٹا ہو۔ اسلیے حضرت اسماعیل ہی ذبیح ہو سکتے ہین نہ حضرت اسحاق،

(۶) حضرت اسحاق کی جب خدا نے بشارت دی تو ساتھ ہی یہ بھی بشارت دی کہ مین اس کی

---

[1] توراۃ تکوین ۱۷-۱۸۔ [2] تکوین اصحاح ۱۵۔ [3] تکوین اصحاح ۱۷ و ۱۸۔

نسل سے ابدی عہد باندھون گا۔ توراۃ مین ہے

"پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لیے ایک بیٹا جنے گی اور تو اس کا نام اسحاق رکھے گا، اور مین ابدی عہد اس کی نسل سے قائم کرون گا" (توراہ۔ تکوین اصحاح ۱۷، آیت ۱۸۔)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ توراۃ مین مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہات کو روک لو، تو فرشتہ نے یہ الفاظ کہے۔

"خدا کہتا ہے کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہین رکھا، مین تجھکو برکت دونگا اور تیری نسل کو آسمان کے ستارون اور ساحلِ بحر کی ریتی کی طرح پھیلا دون گا" (توراۃ۔ تکوین۔ اصحاح ۲۲۔ آیت ۱۵۔)

اب غور کرو، کہ خدا نے جب حضرت اسحاق کی بشارت ہی کے وقت یہ کہدیا تھا کہ مین انکی نسل قائم رکھون گا، تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ جس وقت تک حضرت اسحاق کی اولاد نہین پیدا ہوئی تھی،[1] اُن کی قربانی کا حکم ہوتا، لیکن حضرت اسمٰعیل کو ذبیح تسلیم کیا جائے تو تمام نصوص منطبق ہو جاتے ہین، حضرت اسمٰعیل اکبر اولاد تھے۔ محبوب تر تھے، قربانی کے وقت بالغ یا قریب البلوغ تھے، قربانی سے پہلے انکی کثرت نسل کی بشارت نہین دی گئی، توراۃ مین تصریح ہے کہ چونکہ ابراہیم نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا اس لیے اس بیٹے کی کثرتِ نسل کا وعدہ کیا گیا، یعنی یہ کثرت نسل، اسی قربانی کے صلہ مین تھی، اس لیے ذبیح حضرت اسمٰعیل ہی ہو سکتے ہین، کیونکہ حضرت اسحاق کی تکثیرِ نسل کا وعدہ تو انکی ولادت ہی کے وقت ہو چکا تھا، جو کسی انعام وصلہ کے معاوضہ مین نہ تھا۔

---

[1] یہ مسلم ہے کہ حضرت اسحاق کی اولاد حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد پیدا ہوئی، (تکوین۔ اصحاح ۲۵۔ آیت ۱۱)

مقام قربانی | ۷- توراۃ مین قربانی گاہ کا جو موقع بتایا ہے، وہ "موریا" ہی، یہودی کہتے ہین کہ یہ وہ جگہ ہے جہان حضرت سلیمان کا ہیکل تھا، عیسائی کہتے ہین۔ یہ اس جگہ کا نام ہے جہان حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی،

لیکن یورپ کے محققون نے اِن دونون دعوون کی تغلیط کی ہی، سر اسٹانلی لکھتے ہین،:-

"حضرت ابراہیم صبح کے وقت اپنے خیمہ سے نکل کر اس مقام پر گئے، جہان ان کو خدا نے حکم دیا تھا لیکن یہ موریا کا پہاڑ نہین ہے جیسا کہ یہود کا دعوےٰ ہے۔ نہ عیسائیون کے خیال کے موافق قبر مقدس کے گرجا کے پاس ہے۔ یہ قیاس تو یہودیون کے قیاس سے بھی زیادہ بعید ہی، اور اس سے بھی ابعد مسلمانون کا دعویٰ ہے کہ وہ[1] جبل عرفات ہے۔ غالباً یہ مقام جریزیم کے پہاڑ پر اور وہی قربانی گاہ سے مشابہ مقام ہے"

اس سے اتنا تو ثابت ہوا کہ موریا کے یقین مین یہودیون اور عیسائیون کے دعویٰ غلط ہین، باقی یہ امر کہ مسلمانون کا دعویٰ بھی غلط ہے، اس کی تحقیق آگے آتی ہے،

مُوریا کی تعیین مین جو اختلاف پیدا ہوا، اُس نے ایک اور اختلاف پیدا کر دیا، یعنی یہ کہ یہ لفظ کسی مقام کا نام ہے، یا وصفی معنی رکھتا ہے، بہت سے مترجمون نے اس کو ایک مشتق لفظ سمجھا، اور اس لیے اس کا ترجمہ توراۃ کے بعض نسخون مین بلوطات عالیہ اور بعض مین "زمین بلند" اور بعض مین مقام الرُّویا کیا، لیکن زیادہ صائب الرّاے لوگون نے اس کو مقام کا نام سمجھا اور اس لیے لفظ کا ترجمہ نہین کیا، بلکہ بحال خود رہنے دیا، لیکن امتدادِ زمانہ اور بے پروائی سے لفظ کی ہیئت بدل گئی، یعنی

---

[1] یہ غلط ہے، مسلمان عرفات کو نہین، بلکہ منیٰ کو قربانی گاہ سمجھتے ہین۔

مُریا کا مُورہ ہوگیا، خصوصًا اس وجہ سے کہ عبرانی زبان مین دونون لفظون کا املا قریب قریب ہی،

موَرہ کی نسبت توراۃ مین تصریح ہی کہ عرب مین واقع ہی، توراۃ مین ہی،

وکان جیش المدیانیین شمالیھم عند تل موسرۃ فی الوادی، (قضاۃ، اصحاح ۷۔ آیت ۲)

اور [1] مدیانیون کی فوج، شمال کی جانب مورہ کی پہاڑی پر وادی مین تھی، (مدیان عرب مین واقع ہی)

تمام واقعات اور قراین کو پیش نظر رکھا جائے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ لفظ مورہ نہین، بلکہ مَروہ ہے، جو مکہ معظمہ کی پہاڑی ہے، اور جہان اب سعی کی رسم ادا کی جاتی ہی،

عرب کی روایات، قرآن مجید کی تصریح، احادیث کی تعیین، تمام چیزین اس قیاس سے اس قدر مطابق ہوتی جاتی ہین کہ اس قسم کا تطابق بغیر صحت واقعہ کے ممکن نہین، تفصیل اس کی یہ ہے۔

حدیث مین ہی کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مَروہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "قربانگاہ یہ ہے۔ اور مکہ کی تمام پہاڑیان اور گھاٹیان قربانی گاہ ہین [2]"

آنحضرت صلعم کے زمانہ مین مَروہ مین قربانی نہین ہوتی تھی، بلکہ منیٰ مین ہوتی تھی، جو مکہ سے تین میل پر ہے۔ تاہم آنحضرت صلعم نے مَروہ ہی کو قربانی گاہ فرمایا، یہ اسی بنا پر تھا کہ حضرت ابراہیم نے یہین حضرت اسمٰعیل کی قربانی کرنی چاہی تھی،

قرآن مجید مین ہے،

---

[1] مدین عرب کی زمین ہی اور عرب کو اکثر مدیانیون کہتے ہین۔ اور مدین کی زمین شام کے جنوب سے یمن کے شمال تک ہی اور یہ لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد ہین جو قطورا سے تھے، (ضمیمہ بائبل صفحہ ۱۱۴) [2] موطاے امام مالک،

ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ، پھر قربانی کے جانورون کی جگہ کعبہ ہے

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ قربانی جو کہ کعبہ مین پہونچے۔

مروہ بالکل کعبہ کے مقابل، اور اُس کے قریب ہے، اِن آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کی اصلی جگہ کعبہ ہے، منیٰ نہین، لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کے حدود کو منیٰ تک وسعت دیدی گئی۔

قربانی کی یادگار | یہودی حضرت اسحاق کی اولاد ہین۔ اس لیے اگر حضرت اسحاقؑ ذبیح ہوتے تو اسکی کوئی یادگار ان کے ہان موجود ہوتی، بخلاف اس کے حضرت اسمٰعیل کے خاندان، بلکہ تمام مسلمانون مین۔ جو حضرت اسمٰعیل کی روحانی اولاد ہین، قربانی کی تمام رسمین آج تک موجود ہین،

اولادِ اسمٰعیل مین قربانی کی تمام یادگارین موجود ہین، اور حج جو کہ ایک بڑا فریضۂ اسلام ہے تمامتر اسی قربانی کی یادگار ہے، چنانچہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیم کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا، تو پکارا، اے ابراہیم! حضرت ابراہیم نے کہا "مین حاضر ہون[1]"

حج کے وقت مسلمان جو ہر قدم پر لبیک کہتے چلتے ہین۔ یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہین، جسکا لفظی ترجمہ وہی ہے "مین حاضر ہون"

۲۔ شریعت ابراہیمی مین دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑھاتے تھے، یا خدا کے لیے نذر دیتے تھے، وہ بار بار معبد یا قربانی گاہ کے پھیرے کرتا تھا۔

حج مین صفا و مروہ کے درمیان[2] بار سعی کرتے ہین یہ اسی کی یادگار ہے۔

---

[1] توراۃ تکوین۔ اصحاح ۲۲۔ آیت ۱۔ [2] توراۃ لاویین اصحاح ۸۔ آیت ۲۷

۳- نذر کے فرائض مین ایک یہ تھا کہ ایّامِ نذر تک بال نہین کترواتے تھے، حج مین بھی یہی دستور ہے جب احرام اتارتے ہین تب بال کترواتے یا منڈاتے ہین، خود قرآن مجید مین اس شعار کا ذکر ہی

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَهُمْ، — سرون کو منڈائے ہوئے۔

۴- حج کا ایک ضروری رُکن، قربانی ہے، یہ وہی حضرت اسمٰعیل کی قربانی کی یادگار ہی، اسی بنا پر قرآن مجید مین فرمایا ہے،

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ، — حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے بدلے ہمنے ایک بڑی قربانی قائم کی

یہ دلائل توراۃ کی تصریحات وکنایات کی بنا پر تھے، قرآن مجید کے رو سے قطعاً حضرت اسمٰعیل کا ذبیح ہونا ثابت ہی، اگرچہ بہت سے مفسّرون نے غلطی سے یہودیون ہی کی روایت کی تائید کی ہے

قرآن مجید مین قربانی کا واقعہ ان الفاظ مین مذکور ہے۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ	اور حضرت ابراہیم نے کہا مین اپنے خدا کیطرف جاؤنگا وہ مجھکو راستہ
رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ	دکھائیگا۔ خدایا مجھکو وہ اولاد دے کہ جو نیک چلن ہو۔ تو ہمنے
حَلِيْمٍ۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ يٰبُنَیَّ اِنِّیْ	اُسکو ایک سمجھدار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ لڑکا اسکے
اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا	ساتھ چلنے لگا تو ابراہیم نے کہا بیٹے! مین نے خواب مین دیکھا کہ
تَرٰی الخ	مین تجھکو ذبح کر رہا ہون۔ تیری کیا راے ہے؟ الخ

آیت بالا مین مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم نے اولاد کے لیے دعا مانگی، اور خدا نے قبول کی اور وہی لڑکا قربانی کے لیے پیش کیا گیا۔

توراۃ سے ثابت ہی کہ جو لڑکا حضرت ابراہیم کی دعا سے پیدا ہوا، وہ حضرت اسمٰعیل ہین۔

اور اسی لیے ان کا نام اسمٰعیل رکھا گیا کہ خدا نے اُن کے بارہ مین حضرت ابراہیم کی درخواست سُنی، اس بنا پر اس آیت مین جس کا ذکر ہے، وہ حضرت اسمٰعیل ہین، اسحاق نہین۔

قربانی کے واقعہ کی تفصیل اور اختتام کے بعد حضرت اسحاق کی ولادت کا ذکر ہی، اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ جس کا ذکر اوپر ہوا، وہ حضرت اسحاق نہین ہین۔ بلکہ حضرت اسمٰعیل ہین۔

مسلمانون کا نام جو مسلم رکھا گیا، یہ وہ نام ہے، جو حضرت ابراہیم نے ایجاد کیا تھا، قرآن مجید مین ہے،

مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ هُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ، — تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب، اُسی نے پہلے تمھارا نام مسلمان رکھا تھا،

اس تسمیہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو قربانی کرنا چاہا، اور اُن سے کہا کہ "مجھ کو خدا کا یہ حکم ہوا ہے، تمھاری کیا راے ہے؟" تو حضرت اسمٰعیل نے نہایت استقلال کے ساتھ گردن جھکا دی کہ یہ سر حاضر ہے۔ اس موقع پر خدا نے "اَسْلَمَا" کا لفظ استعمال کیا جو اسلام سے ماخوذ ہے۔ اور جس کے معنی "تسلیم" اور "حوالہ کردینے" کے ہین۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا، — پھر جب دونون نے اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کردیا،

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہی یعنی جب قربانی کا حکم ہوا تو باپ بیٹے دونون نے بے عذر گردنین جھکا دین۔ یہ وصف مقبول بارگاہ ہوا۔ اور پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کا یہی شعار مذہبی قرار پایا، اسی بنا پر حضرت ابراہیم نے اپنے پیروانِ ملّت کا نام مُسلم رکھا۔

قربانی۔ ایثار، اور اسلام، درحقیقت یہ سب مترادف الفاظ ہین۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہی

کہ حضرت اسمٰعیل ہی نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کیا تھا، اگر حضرت اسحاق قربانی ہوتے تو یہ لقب ان کی اولاد یا ان کی امت کو ملتا،

قربانی کی حقیقت | اِس مسئلہ کی حقیقت اُسوقت اور بھی واضح ہوجاتی ہے جب اس پر غور کیا جائے کہ حضرت ابراہیم کو جو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا، اس سے اصل مقصود کیا تھا؟ قدیم زمانہ مین بُت پرست قومین اپنے معبودون پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھا دیا کرتی تھین، یہ رسم ہندوستان مین انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی؛ مخالفین اسلام کا خیال ہی کہ حضرت اسمٰعیل کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا، لیکن یہ سخت غلطی ہے،

اکابر صوفیہ نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہین دو قسم کے ہوتے ہین، عینی اور تمثیلی، عینی مین بعینہٖ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب مین نظر آتی ہے، تمثیلی مین تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ مین کسی مطلب کو ادا کرنا ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکھایا گیا تھا اُس سے یہ مراد تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لیے نذر چڑھا دین، یعنی وہ کسی اور شغل مین مصروف نہ ہون، بلکہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیئے جائین، توراۃ مین جابجا قربانی کا لفظ اِن معنون مین آیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا، اور بعینہٖ اُسکی تعمیل کرنی چاہی، گو یہ خیال اجتہادی غلطی تھی جو انبیاء سے ہوسکتی ہے (گو یہ غلطی قائم نہین رہتی، بلکہ خدا اُسپر متنبہ کر دیتا ہے) اس بنا پر گو حضرت ابراہیم علیہ السلام اِس فعل سے روک دیئے گئے، لیکن خدا نے ان کی حُسنِ نیت کی قدر کی اور فرمایا۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ — تو نے خواب کو سچا کیا، ہم اسطرح نیکو کارون کو جزا دیتے ہین۔

بہرحال یہان اس تفصیل سے مقصود یہ ہی کہ قربانی سے مقصود خدمتِ کعبہ کے لیے نذر چڑھانا تھا نذر چڑھانے کے لیے شریعتِ سابقہ مین جو لفظ مستعمل تھا وہ "خدا کے سامنے" تھا۔ توراۃ مین یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حضرت اسمٰعیل کے حق مین خدا سے جو دعا کی وہ اِن لفظون مین تھی،

لیت اسمٰعیل یعیش امامک (توراۃ تکوین اصحاح ۱۷-آیت ۱) کاش اسمٰعیل تیرے سامنے زندگی کرتا۔

اسی خواہش کے مطابق اُنکو خواب مین تمثیلی پیرایہ مین حکم دیا گیا کہ وہ بیٹے کی قربانی کرین۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہی کہ حضرت ابراہیم کو خواب مین حضرت اسحاق کی قربانی کا نہین، بلکہ حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا،

مکہ معظمہ

حضرت اسماعیل کی بحث مسکن مین گذر چکا کہ وہ عرب تھا، مقام ذبح کی تعیین مین یہ ثابت ہو چکا کہ وادی مکہ تھا، اس بنا پر مکہ کی نسبت ایک بحث نہایت قدیم زمانہ سے تعلق رکھتی ہے متعصب عیسائی مؤرخ لکھتے ہین کہ اس شہر کی قدامت کا دعویٰ، مسلمانون کا خاص دعویٰ ہے، قدیم تاریخون مین اس کا نشان نہین ملتا[1]، اس بنا پر ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتے ہین۔

مکہ کا قدیم اور اصلی نام بکّہ ہے قرآن مجید مین یہی نام ہے،

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا، — پہلا مبرک گھر جو آدمیون کے لیے بنایا گیا، وہ بکہ مین تھا۔ (سورۂ آل عمران پارہ ۴)

کتاب زبور۔ ۸۴-۶- مین ہے،

"وہ بکہ کی وادی مین گزرتے ہوئے، اُسے ایک کنوان بناتے، برکتون سے مورۃ کو ڈھانک لیتے قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہین"

---

[1] مرگیولوس اپنی کتاب مین لکھتا ہے "اگرچہ مذہبی خیال کی وجہ سے مسلمانون نے اپنے مذہبی مرکز کو نہایت قدیم البنا قرار دیا ہے لیکن صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ کی سب سے قدیم عمارت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی"، مرگیولوس نے اس کے ثبوت مین اصابہ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اور ہمکو بھی اس کی صحت سے انکار نہین، لیکن اس کل بیان مین ایک مغالطہ ہے جسکو ہمنے اصل کتاب مین ظاہر کر دیا ہے۔

اِس عبارت میں بَکّہ کا جو لفظ ہے، یہ وہی مکہ معظمہ ہے، لیکن اگر اس لفظ کو اسم عَلَم کے بجائے مشتق قرار دیں، تو اس کے معنی "رونے" کے ہوں گے، اور یہ وہی عربی لفظ بُکاء ہے، چونکہ یہود و نصاریٰ ہمیشہ مکہ کی وقعت مٹانے کے درپے رہتے آئے، اس لیے بہت سے مُترجمین نے عبارت مذکور میں بکہ کا ترجمہ رونا کردیا ہے لیکن ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اس حالت میں وادی بُکا کے کیا معنی ہوں گے ؟ زبور کی عبارت مذکورہ کی اوپر کی آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نشید میں حضرت داؤد نے مکہ معظمہ اور مروہ اور قربان گاہ اسمٰعیل کی نسبت اپنا شوق اور حسرت ظاہر کی ہے، اوپر کی عبارت یہ ہے، (حضرت داؤد، خدا سے کہتے ہیں،) اے فوجوں کے خدا! تیرے مَسکن کسقدر شیرین ہیں۔ میرا نفس خدا کے گھر کا مشتاق بلکہ عاشق ہے .... اے خدا! تیرے قربان گاہ، میرے مالک اور میرے خدا ہیں، مبارکی ہو، اُن لوگوں کو جو تیرے گھر میں ہمیشہ رہتے ہیں، اور تیری تسبیح پڑھتے ہیں"۔ اس کے بعد بکہ والی آیتیں ہیں۔ اب غور کرو حضرت داؤد جس مقام کے پہونچنے کا شوق ظاہر کرتے ہیں، وہ اس مقام پر صادق آسکتا ہے جس میں حسب ذیل باتیں پائی جائیں۔

(۱) قربانی گاہ ہو۔

(۲) حضرت داؤد کے وطن سے دور ہو، کہ وہاں تک سفر کرکے جائیں۔

(۳) وہ وادی بکہ کہلاتا ہو۔

(۴) وہاں مقام مورۃ بھی ہو، اِن باتوں کو پیش نظر رکھو تو قطعاً یقین ہوجائے گا کہ بکہ وہی مکہ معظمہ اور **مورۃ**، وہی مردۃ ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی اندازہ ہوگا کہ یہودی کس طرح تعصب سے الفاظ کو ادل بدل کرتے ہیں یحرّفون الکلم عن مواضعہ۔ ڈاکٹر ہسٹنگس نے "ڈکشنری آف دی بائبل" میں وادی بکا پر جو آرٹکل

لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہی،

"اس لفظ سے اگر کوئی واقعی وادی مراد ہے، تو وہ حسب ذیل ہو سکتی ہے۔

(۱) ایک وادی ہے جس مین ہو کر زائرین بیت المقدس جاتے ہین۔

(۲) وادی اخور ہے۔ جو یشوعا باب ۷۔ آیات ۲۴-۲۶ وغیرہ مین مذکور ہے۔

(۳) وادی رفّایون ہے، جو سامویل دوم باب ۵ آیات ۱۸- ۲۲ وغیرہ مین مذکور ہے۔

(۴) کوہ سینا کی ایک وادی ہے۔

(۵) بیت المقدس تک جو کاروانی راستہ شمال سے آتا ہی اس راستہ کی آخری منزل ہی۔ "

(دیکھو رینان کی کتاب "حیات عیسیٰ" باب ۴)

لیکن کیا عجیب بات ہی، ڈاکٹر ہسٹنگس کو اتنے احتمالات کثیرہ مین کہین مکہ معظمہ کا پتہ نہین لگتا۔ (مصرع)

ہمان ورق کہ سیہ گشتہ مدعا این جاست

حیرت پر حیرت یہ ہی کہ جن جن وادیون کا نام لیا ہے۔ ان مین ایک کو بھی بکا کی لفظ سے کسی قسم کی مناسبت نہین۔ یہانتک کہ ایک حرف بھی مشترک نہین، بخلاف اس کے بکا۔ اور بکّہ۔ بالکل ایک لفظ ہین۔ فرق اسی قدر ہی جس قدر ایک ہی لفظ کے تلفظ مین فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

جدید[1] "انسائیکلوپیڈیا" مین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عنوان سے جو مضمون ہی وہ مرگیولس کا ہے اس مین مکہ معظمہ کی نسبت لکھا ہے، کہ

" قدیم تاریخون مین اس شہر کا نام نہین ملتا۔ بجز اس کے کہ زبور (۸۴-۶) مین وادی بکہ، کا لفظ ہی۔"

---

[1] جلد ۸، صفحہ ۳۹۹- ارزان اڈیشن۔

لیکن مرگیولوس صاحب اس تاریخی شہادت کو ضعیف سمجھتے ہین۔

پروفیسر دوزی، جو فرانس کا مشہور محقق اور عربی دان عالم ہے، وہ لکھتا ہے[۱]۔

"بکہ وہی مقام ہے جس کو یونانی جغرافیہ دان ماکروبہ لکھتے ہین"

لیکن مارگیولوس کو پروفیسر دوزی کے بیان پر بھی اعتماد نہین۔

کارلائل صاحب نے اپنی کتاب "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" مین لکھا ہے کہ

"رومن مؤرخ سیلس نے کعبہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "وہ دنیا کے تمام معبدون سے قدیم اور اشرف ہے، اور یہ ولادت مسیح سے پچاس برس پہلے کا ذکر ہے۔"

اگر کعبہ حضرت عیسٰی سے بہت پہلے موجود تھا، تو مکہ بھی قریبًا اسی زمانہ کا شہر ہوگا، کیونکہ جہان کہین کوئی مشہور معبد ہوتا ہے اُس کے آس پاس ضرور کوئی نہ کوئی شہر یا گانون آباد ہو جاتا ہے۔

یاقوت حموی نے معجم البلدان مین لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کا عرض اور طول بلد بطلیموس[۲] کے جغرافیہ مین حسب ذیل ہے۔

" طول ۷۸ درجہ۔ عرض ۲۳ درجہ۔ "

بطلیوس نہایت قدیم زمانہ کا مصنف ہے۔ اگر اس نے اپنے جغرافیہ مین مکہ کا ذکر کیا ہے تو اس سے زیادہ قدامت کی کیا سند درکار ہے۔

مارگیولوس نے جس بنا پر، مکہ معظمہ کی قدامت سے انکار کیا ہے وہ یہ ہے کہ "اصابہ" مین

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا طبع اخیر جلد ۱۷ صفحہ ۳۹۹۔ ارزان اڈیشن [۲] بطلیوس کے جغرافیہ کا ترجمہ عباسیون کے زمانہ مین ہوگیا تھا۔ مسعودی اور ابن الندیم نے اکثر اس کے حوالے دیے ہین۔

تصریح ہی کہ "مکہ مین سب سے پہلی عمارت جو تعمیر ہوئی وہ، سعید بن، یا، سعد بن عمرو نے تعمیر کی"، لیکن ماگیولوس کو یہ معلوم نہین کہ مؤرخین نے جابجا یہ بھی تصریح کی ہی کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے مقابل یا آس پاس عمارات بنانے کو کعبہ کی بے ادبی سمجھتے تھے، اس لیے عمارتین نہین بنوائین، بلکہ خیمون اور شامیانون مین رہتے تھے، اور اس طرح مکہ ہمیشہ سے خیمون کا ایک وسیع شہر تھا۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر

دنیا مین ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، ایران، ہند، مصر، یورپ مین عالمگیر اندھیرا تھا۔ قبولِ حق ایک طرف، اس وسیع خطۂ خاک مین گز بھر زمین نہین ملتی تھی جہان کوئی شخص خالص خداے واحد کا نام لے سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان مین یہ صدا بلند کرنی چاہی تو آگ کے شعلون سے کام پڑا، مصر آئے، ناموس کو خطرہ کا سامنا ہوا، فلسطین پہونچے کسی نے بات تک نہ پوچھی، خدا کا جہان نام لیتے تھے شرک اور بت پرستی کے غلغلہ مین آواز دب دبکر رہ جاتی تھی، معمورۂ عالم کے صفحے، نقشہاے باطل سے ڈھک چکے تھے، اب ایک سادہ، بے رنگ، ہر قسم کے نقش و نگار سے مُعرّا، ورق درکار تھا، جس پر طغراے حق لکھا جائے۔ یہ صرف حجاز کا صحراے ویران تھا، جو تمدن اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہین ہوا تھا۔

حضرت ابراہیم، حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل کو عرب مین لائے اور ان کو یہین آباد کیا، حضرت سارہ نے (جیسا کہ توراۃ مین ہی) کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا" حضرت ابراہیم مکہ مین چلے آئے حضرت اسمٰعیل جوان ہو چکے تھے اعلانِ حق مین ایک ہم آواز ہاتھ آیا۔ دونون نے ملکر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے گھر کی نیا ڈالی۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ   اور جب کہ ابراہیم اور اسمٰعیل خانۂ خدا کی دیوارین اُٹھا

وَاِسْمٰعِیْلُ،   رہے تھے،

گھر بن چکا تو وحی الٰہی نے آواز دی،

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ   ہمارا گھر، طواف کرنیوالون (نماز مین قیام کرنیوالون) رکوع

السُّجُودِ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ   کرنیوالون، اور سجدہ کرنیوالون کے لیے پاک کرا اور تمام لوگونکو پکار

رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (سورہ حج)   کہ حج کو آئین پیدل بھی اور دُبلی اونٹنیوں پر بھی ہر دور دراز گوشہ سے آئینگے

اسوقت اعلان واشتہار کے وسائل نہین تھے، ویران جگہ تھی، اور آدمی کا کوسون تک پتہ نہ تھا، ابراہیم کی آواز حدود حرم سے باہر نہین جا سکتی تھی۔ لیکن دیکھو وہی معمولی آواز کہان کہان پہنچی، مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک، اور زمین سے آسمان تک۔

علامۂ ازرقی نے تاریخ مکہ مین لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے جو تعمیر کی اس کا عرض وطول حسب ذیل تھا،

بلندی ۔ زمین سے چھت تک ۔ ۹ گز،

طول ۔ حجر اسود سے رُکن شامی تک ۳۲ گز،

عرض ۔ رُکن شامی سے غربی تک ۔ ۲۲ گز

عمارت بن چکی تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیل سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تاکہ ایسے مقام پر لگادون جہان سے طواف شروع کیا جائے، تاریخ مکہ موسوم بہ اعلام باعلام بیت الحرام مین ہے۔

فقال ابراهيم لاسمٰعيل عليهما الصلوٰة والسلام   پھر حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ

يا اسمٰعيل ايتني بحجر اضعه حتى يكون علما للناس   تاکہ مین ایسی جگہ نصب کردون جہان سے لوگ طواف

یبتدون منہ الطواف، شروع کرین۔

خدا کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا تھا کہ نہ چھت تھی، نہ کواڑ، اور نہ چوکھٹ بازو تھے۔ جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی تو انھون نے قدیم عمارت گراکر نئے سر سے تعمیر کی، اور کھجور کے تختون کی چھت پاٹی[1]

کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ آس پاس آباد ہونے لگے، چنانچہ سب سے پہلے قبیلۂ جرھم آکر آباد ہوا۔ اس قبیلہ مین مضاض بن عمرو جرہمی ایک ممتاز شخص تھے، حضرت اسمٰعیل نے ان کی لڑکی سے شادی کی، ان سے بارہ اولاد ہوئی، جن کے نام توراۃ مین مذکور ہین، ان مین سے اکثر اہل عرب قیدار کی اولاد مین ہین، حضرت اسمٰعیل کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے ان کے مرنے کے بعد ان کے نانا **مضاض** نے یہ منصب حاصل کیا، اور کعبہ کی تولیت خاندان اسمٰعیل سے نکلکر جرہم کے خاندان مین آگئی، لیکن پھر ایک اور قبیلہ **خزاعہ** نے کعبہ پر قبضہ کرلیا، اور مدت تک اسی خاندان مین یہ منصب رہا، حضرت اسمٰعیل کا خاندان موجود تھا، لیکن اس نے کچھ مزاحمت نہین کی، قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو انھون نے اپنا آبائی حق حاصل کیا، چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے،

حرم کعبہ پر سب سے پہلے جس نے پردہ چڑھایا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا، یمن مین خاص قسم کی چادرین بُنی جاتی ہین، جنکو برد یمانی کہتے ہین۔ یہ پردہ انھی چادرون سے تیار کیا گیا تھا، قصی بن کلاب کے زمانہ سے تمام قبائل پر ایک محصول لگا دیا گیا جس سے پردہ طیار کیا جاتا تھا، علامۂ ازرقی نے لکھا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی یمنی پردہ چڑھایا تھا، لیکن اس روایت

---

[1] اعلام بہ حوالۂ کتاب النسب از ابن بکار و ابن الماوردی،

کے سلسلہ کا ایک راوی واقدی ہی۔[۵]

خدا کا گھر، سیم و زر کی نقش آرائیون کا محتاج نہ تھا، لیکن دولت اور ملک کی ترقی کے یہ لوازم ہین، اس لیے حضرت عبداللہ بن زبیر جب خلیفہ ہوئے تو انھون نے کعبہ کے ستونون پر سونے کے پتر چڑھائے، عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانہ مین ۳۶ ہزار اشرفیان اس کام کے لیے بھیجین، امین الرشید نے ۱۸ ہزار اشرفیان نذر کین کہ دروازہ کی چوکھٹ وغیرہ طلائی بنوا دی جائے' اعلام (تاریخ مکہ) مین عہد بہ عہد کی طلاکاریون کی تفصیل لکھی ہے، لیکن یہ واقعات عہد نبوت کے بعد کے ہین، جو ہماری کتاب کا موضوع نہین، اور سچ یہ ہے کہ آفتاب پر سونا چڑھانا ضرور بھی نہین۔

حضرت اسمٰعیل کی قربانی خدا کا گھر بن چکا تو ضرورت تھی کہ اسکی تولیّت اور خدمت کے لیے کوئی نفس قدسی تمام مشاغل سے الگ ہو کر اپنی زندگی اس پر نذر چڑھا دے۔ اِس قسم کی نذر کو ابراہیمی شریعت مین قربانی سے تعبیر کرتے تھے، توراۃ مین یہ محاورہ بہ کثرت آتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، انبیاء علیہم السّلام پر جو وحی آتی ہے، اس کے مختلف انواع ہین

لہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ مین قباطی کا پردہ چڑھایا تھا۔ جو مصر مین بُنا جاتا ہے، ان کے بعد معمول ہو گیا کہ ہر خلیفہ اپنے عہد خلافت مین پردہ چڑھاتا تھا، بنو امیہ نے دیبا کا پردہ چڑھایا تھا، مامون الرشید ہر سال تین پردہ چڑھاتا تھا، حج کے زمانہ مین دیبائے احمر کا، رجب مین قباطی کا، عید الفطر مین دیبائے سفید کا۔ مصر مین جب سلطان صالح ابن سلطان قلاون بادشاہ ہوا تو مصر کے دو گانون پردہ کے مصارف کے لیے وقف کر دیے۔ جب ترکی خاندان قسطنطنیہ مین حکمران ہوا تو سلطان سلیمان نے چند گانون اور اضافہ کر دیے۔ (اعلام باعلام بیت اللہ الحرام) خانہ کعبہ پر پردہ چڑھانے کی تاریخ بہ تفصیل فتوح البلدان بلاذری اور تاریخ مکہ ازرقی اور معجم البلدان وغیرہ مین ہے۔ ہم نے اخیر تصنیف یعنی اعلام کو لیا ہے کہ وہ اِن سب کے بعد کی تصنیف اور جامع ہے

جن مین سے ایک خواب بھی ہی، چنانچہ صحیح بخاری باب بدء الوحی مین ہی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کی جو ابتدا ہوئی خواب سے ہوئی، یہ خواب کبھی تمثیلی ہوتا ہی، جس طرح حضرت یوسفؑ نے آفتاب و ماہتاب اور ستارون کو سجدہ کرتے دیکھا تھا، بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب دکھلایا گیا کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہات سے ذبح کر رہے ہین، انھون نے اس خواب کو عینی سمجھا اور بعینہٖ اسکی تعمیل پر آمادہ ہوئے،

حضرت ابراہیم کو اپنے استقلال اور جان نثاری پر اعتماد تھا لیکن یہ تحقیق طلب تھا کہ پانزدہ سالہ نوجوان بھی اپنی گردن پر چھری چلتے دیکھ سکتا ہے یا نہین؟ بیٹے سے مخاطب ہوکر کہا،

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ	بیٹا! مین خواب مین دیکھتا ہون کہ مین تجھکو ذبح کر رہا ہون
فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (صٰفّٰت)	تو بتا، تیری کیا رائے ہی،

بیٹے نے نہایت استقلال سے جواب دیا،

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ	ابّاجان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہ کرگزریے، خدا نے
مِنَ الصّٰبِرِيْنَ، (صٰفّٰت)	چاہا تو مین ثابت قدم رہون گا۔

اب ایک طرف نوّد سالہ پیرِ ضعیف ہے جسکو دعاہائے سحر کے بعد، خاندانِ نبوت کا چشم و چراغ عطا ہوا تھا جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا، اب اسی محبوب کے قتل کے لیے اسکی آستینین چڑھ چکی ہین، اور ہات مین چھری ہے۔

دوسری طرف نوجوان بیٹا ہے، جس نے بچپن سے آج تک، باپ کی محبت آمیز نگاہون کی گود مین پرورش پائی ہے، اور اب باپ ہی کا مہربان ہات اس کا قاتل نظر آتا ہے۔ ملائکہ قدسی فضائے آسمانی، عالم کائنات، یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہین اور انگشت بدندان ہین کہ دفعۃً عالم قدس سے آواز

آتی ہے۔

يَاإِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (صفّٰت)

ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا، ہم نیک بندوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں۔

طفیان ناز بین کہ جگر گوشۂ خلیل ۔ در زیر تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

بیٹے نے جس استقلال، جس عزم، اور جس حیرت خیز ایثار سے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کیا اس کا صلہ یہی تھا کہ یہ رسم (قربانی) قیامت تک دنیا میں اس کی یادگار رہ جائیے،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سلسلۂ نسب

یہ ہی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان،

صحیح بخاری (باب مبعث النبی) مین یہین تک ہی، لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ مین عدنان سے حضرت ابراہیم تک نام گنائے ہین، یعنی عدنان بن عدد بن المقوم بن تارح بن یشجب بن یعرب بن ثابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم،

سلسلۂ نسب

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے بارہ بیٹے تھے جنکا ذکر توراۃ مین بھی ہی، ان مین سے قیدار کی اولاد حجاز مین آباد ہوئی اور بہت پھیلی، انہی کی اولاد مین عدنان ہین، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے خاندان سے ہین، عرب کے نسب دان تمام پشتون کو محفوظ نہین رکھتے تھے، چنانچہ اکثر نسب نامون مین عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک صرف آٹھ نو پشتین بیان کی ہین لیکن یہ صحیح نہین۔ عدنان سے لیکر حضرت اسمٰعیل تک اگر صرف نو دس پشتین ہون تو یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہ ہوگا، اور یہ امر بالکل تاریخی شہادتون کے خلاف ہی، علامہ سہیلی روض الانف مین لکھتے ہین۔

ویستحیل فی العادۃ ان یکون بینھما اربعۃ اور یہ عادۃً محال ہے کہ دونون مین ہو یا، پشتون کا

او سبعۃ کما ذکر ابن اسحاق او عشرۃ	فاصلہ ہو جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا یا ۱۰، ۲۰ پشتین ہون
او عشرون فان المدۃ اطول من ذلک کلہ	کیونکہ زمانہ اس سے بہت زیادہ ہے۔

علامۂ موصوف نے بہت سے تاریخی حوالون اور شہادتون سے ثابت کیا ہی کہ عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک ۴۰ پشتون کا فاصلہ ہی، اس غلطی نے بعض عیسائی مورخون کو اس بات کا موقع دیا ہے کہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاندانِ ابراہیم سے ہیں[1]،

اِس غلطی کی زیادہ وجہ یہ ہوئی کہ اہلِ عرب زیادہ تر مشہور آدمیون کے نام پر اکتفا کرتے تھے اور بیچ کی پیڑھیون کو چھوڑ دیتے تھے، اس کے علاوہ اہل عرب کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیل کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی تھا اس لیے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلۂ نسب صحیح طور سے نام بنام پہنچ جائے، اوپر کے اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے، اِس لیے چند مشہور آدمیون کا نام لے کر چھوڑ دیتے تھے، تاہم عرب مین ایسے محققین بھی تھے جو فروگذاشت سے واقف تھے، علامۂ طبری نے تاریخ مین لکھا ہی کہ "مجھ سے بعض نسب دانون نے

---

[1] سر ولیم صاحب نے صریحاً یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان سے نہ تھے، ان کے الفاظ یہ ہین "یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسمٰعیل کی اولاد سے خیال کیا جائے، اور غالباً یہ کوشش کہ وہ اسمٰعیل کی نسل مین سے ثابت کیے جائین، ان کی حین حیات مین پیدا ہوئے تھے اور اس طرح پر محمدؐ کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلہ گھڑے گئے تھے، اور اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے بے شمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچہ مین ڈھالے گئے تھے،، (لیکن ایک طرف سر ولیم میور صاحب کا تنہا شبہہ ہی، دوسری طرف بیسیون یورپین، اور یہودی مورخین ہین، جو نہ صرف خاندان قریش کو بلکہ تمام شمالی عرب وحجاز کو ابراہیمی النسل تسلیم کرتے ہین، (دیکھو فارسٹر صاحب کا جغرافیہ تاریخی عرب)

بیان کیا کہ مین نے عرب مین ایسے عُلما دیکھے جو معد سے لیکر حضرت اسمٰعیل تک ۴۰ پشتون کے نام لیتے تھے، اور اس شہادت مین عرب کے اشعار پیش کرتے تھے، اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ مین نے اس سلسلہ کو اہل کتاب کی تحقیقات سے ملایا تو پشتون کی تعداد برابر تھی، البتہ نامون مین فرق تھا[1]" اسی مؤرخ نے ایک اور موقع پر لکھا ہی کہ "شہر تدمر مین ایک یہودی تھا جس کا نام ابو یعقوب تھا، وہ مسلمان ہو گیا تھا اُس کا بیان تھا کہ ارمیا پیغمبر کے منشی نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا وہ میرے پاس موجود ہی[2] اس شجرے مین بھی عدنان سے لیکر حضرت اسمٰعیل تک چالیس نام ہین" بہرحال یہ واقعہ یقینی ہے کہ عدنان حضرت اسمٰعیل کی اولاد ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کے خاندان سے ہین۔

بنائے خاندان قریش،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اگرچہ ابا عن جد معزز[3] اور ممتاز چلا آتا تھا لیکن جس شخص سے

---

[1] تاریخ طبری مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۱۱۱ [2] تاریخ طبری مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۱۱۵ [3] تاریخ عرب کا ایک ایک حرف اسکا شاہد ہی لیکن مارگولیس نے نہایت کوشش کی ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو مبتذل ثابت کیا جائے انکے الفاظ یہ ہین "یہ بالکل ظاہر ہی کہ محمد ایک غریب اور ادنیٰ خاندان سے تھے" اس کے بعد صاحب موصوف نے حسب ذیل استدلال پیش کیے ہین" (۱) قرآن مجید مین ہی کہ قریش کو حیرت تھی کہ ان مین ایسا پیغمبر کیون نہ بھیجا گیا جو شریف خاندان سے ہوتا (۲) پیغمبر کے عروج کے زمانہ مین قریش نے آنحضرت صلعم کو اس درخت سے تشبیہ دی جو گھورے پر جمتا ہی (۳) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب ایک شخص نے مولے کے لفظ سے خطاب کیا تو آپنے اس لقب سے انکار کیا (۴) فتح مکہ کے دن آپنے فرمایا کہ آج شرفائے کفار کا خاتمہ ہوگیا" قرآن شریف کے الفاظ یہ ہین وقالوا لولا نزل ھذا القراٰن علیٰ رجل من القریتین عظیم ہ یعنی کفار کہتے ہین کہ "یہ قرآن دو شہرون (مکہ وطائف) کے کسی رئیس پر کیون نہ اترا" عظیم اور شریف دو الگ لفظ ہین، قرآن مین عظیم کا لفظ ہی، اہل عرب دولت اور اقتدار والے کو عظیم کہتے تھے، ان کو آنحضرت صلعم کی شرافت سے نہین بلکہ جاہ و دولت سے انکار تھا۔ دوسرا استدلال اگر صحیح ہو تو دشمن کی ہر بات کو صحیح ماننا چاہیے کفار نے تو آنحضرت صلعم کو دیوانہ، جادو زدہ، شاعر سب کچھ کہا ان مین سے کونسی بات صحیح ہی؟ بے شبہ آنحضرت صلعم نے مولیٰ اور سید کے لفظ سے انکار کیا لیکن متعدد حدیثون مین صاف تصریح ہی کہ آپنے فرمایا مجکو سید اور مولیٰ نہ کہو مولا اور سید خدا ہی۔ قرآن مین ہر جگہ خدا ہی کو مولا کہا ہی اس سے آنحضرت صلعم کی خاندانی شرافت کا ابطال کیونکر ہوتا ہی؟ اخیر استدلال بھی حیرت انگیز ہے۔ اس سے (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر دیکھو)

اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا، وہ نضر بن کنانہ تھے، بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا، اور انہی کی اولاد قریشی ہی، حافظ عراقی سیرت منظوم مین لکھتے ہین،

اُمّا قریش فالاصح فھر   جماعھا والاکثرون النضر

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصیّ بن کلاب نے نہایت عزت اور اقتدار حاصل کیا، اس زمانہ مین حرم کے مُتولی حُلیل خزاعی تھے، قصیّ نے حلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبّی تھا شادی کی تھی اس تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصیّ کو سپرد کی جائے، اسطرح یہ منصب بھی انکو حاصل ہوگیا، قصیّ نے ایک دار المشورۃ قائم کیا جس کا نام دار الندوہ رکھا، قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی طیاری کرتے تو اسی عمارت مین کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہین سے تیار ہوکر جاتے نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم بھی یہین ادا ہوتے،

قصیّ نے بڑے بڑے نمایان کام کیے جو ایک مدت تک یادگار رہے، مثلاً سقایہ[۲] اور رفادہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، انہی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع کرکے تقریر کی کہ سیکڑون ہزارون کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہین، انکی میزبانی قریش کا فرض ہی، چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منا اور مکہ معظمہ مین حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جنمین ایام حج مین پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حجاج کے کام آئے، مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے، جس پر ایام حج مین چراغ جلاتے تھے، چنانچہ عقد الفرید مین تصریح کی ہی، قصیّ نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آنحضرت صلعم کی کم نسبی کیونکر ثابت ہوتی ہی؟ کہ شرفاے مکہ سے یہان مراد حیاربن و متکبرین مکہ ہین) مارگولس صاحب نے یہ دلائل نولدیک سے نقل کئے ہین جو مشہور جرمنی مستشرق ہی مع۔ این خانہ تمام آفتاب است [۱] زرقانی جلد اول صفحہ ۹۰، [۲] سقایہ یعنی حاجیون کو آب زمزم پلانا، اور رفادہ حاجیون کے کھانے پینے کا انتظام کرنا،

بعض لوگون کا بیان ہو کہ قریش کا لقب اول انہی کو ملا[1]، چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید مین بھی لکھا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا اس لیے ان کو قریش کہتے ہین کیونکہ تقریش کے معنی جمع کرنے کے ہین، اِسی بنا پر ان کو مُجمّع بھی کہتے تھے، چنانچہ شاعر کہتا ہے،

قصیٌّ ابوکم من یسمی مُجمّعًا　　　به جمع اللہ القبائل من فھر

قصی کی چھ اولاد تھی، عبد الدار، عبد مناف، عبد العُزّیٰ، عبد بن قصی، تخمر، برہ، قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبد الدار کو دئیے، اگرچہ وہ سب بھائیون مین ناقابل تھے، لیکن قصی کے بعد قریش کی ریاست عبد مناف نے حاصل کی، اور اُنھین کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خاندان ہے، عبد مناف کے چھ بیٹے تھے، ان مین سے ہاشم نہایت صاحب صولت اور با اثر تھے، اُنھون نے بھائیون کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب جو عبد الدار کو دیے گئے واپس لے لیے جائین، وہ لوگ اس منصب عظیم کے قابل نہین، عبد الدار کے خاندان نے انکار کیا، اور جنگ کی تیاریان شروع کین، بالآخر اس پر صلح ہوگئی کہ عبد الدار سے سقایہ اور رفادہ واپس

---

[1] قصی بن کلاب کا مفصل تذکرہ طبقات ابن سعد جزو اول مطبوعۂ لیڈن ۱۳۲۲ء صفحہ ۳۶ سے لیکر ۴۲ تک ہی، قریش کی وجہ تسمیہ مین اختلاف ہی بعض کہتے ہین کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہین قصی نے لوگون کو ایک رشتہ مین منسلک کیا، اس لیے قریش کہلائے، بعض کہتے ہین کہ ایک مچھلی کا نام ہی جو تمام مچھلیون کو کھا جاتی ہے، چونکہ قصیؔ بہت بڑے سردار تھے، اِس لیے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی عام خیال یہ ہی کہ قریش قصی یا کسی اور شخص کا نام ہی لیکن امام سہیلی کی تحقیق یہ ہی کہ یہ قبیلہ کا نام ہی جسطرح قبائل عرب جانورونکے نام پر نام رکھتے تھے مثلاً اسد، نمر وغیرہ، مورخین یورپ کا خیال ہی کہ قبائل جانورونکی پرستش کرتے تھے اور انہی جانورونکے نام سے مشہور ہوجاتے تھے، لیکن عربی تاریخون مین اسکا پتہ نہین چلتا [2] طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۴۱۔

لیکر ہاشم کو دے دیا،

ہاشم

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا، حُجّاج کو نہایت سیرچشمی سے کھانا کھلاتے تھے، چرمی حوضون مین پانی بھرواکر زمزم اور مِنا کے پاس سبیل رکھتے تھے، تجارت کو نہایت ترقی دی، قیصر روم سے خط وکتابت کرکے فرمان لکھوایا کہ "قریش جب اس کے ملک مین اسباب تجارت لیکر جائین تو ان سے کوئی ٹکس نہ لیا جائے" حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا، چنانچہ اہلِ عرب جاڑون مین یمن، اور گرمیون مین شام اور ایشیاے کوچک تک تجارت کے لیے جایا کرتے تھے، اس زمانہ مین انگوریہ (انقرة) جو ایشیاے کوچک کا مشہور شہر ہے قیصر کا پایہ تخت تھا تُجّارِ قریش، انگوریہ مین جاتے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا،

عرب مین راستے محفوظ نہ تھے، ہاشم نے مختلف قبائل مین دورہ کرکے قبایل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہونچائین گے، جس کے صلہ مین کاروانِ قریش، ان قبائل مین ان کی ضرورت کی چیزین خود دے کر جائے گا اور اُن سے خرید و فروخت کرے گا" یہ سبب تھا کہ عرب مین باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلہ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا[1]،

ایک[2] دفعہ مکہ مین قحط پڑا، ہاشم نے اس قحط مین شوربہ مین روٹیان چورا کرکے لوگون کو کھلائین اُس وقت سے ان کا نام ہاشم مشہور ہوگیا، عربی زبان مین چورہ کرنے کو ہشم کہتے ہین، جس کا اسم فاعل ہاشم ہے،

ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے، راستہ مین مدینہ مین ٹھہرے وہان سال کے سال

---

[1] امالی ابوعلی قالی، [2] طبری صفحہ ۱۰۸۸ و ۱۰۸۹۔

بازار لگتا تھا، بازار مین گئے تو ایک عورت کو دیکھا جس کے حرکات و سکنات سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا، اس کے ساتھ حسین اور جمیل بھی تھی، دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندانِ بنی نجار سے ہے اور سلمیٰ نام ہے، ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی اور اس نے قبول کر لی، غرض نکاح ہوگیا شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے، اور غزہ مین جاکر انتقال کیا، سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا، لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام شیبہ رکھا گیا، اُس نے قریباً ۸ برس تک مدینہ مین پرورش پائی، ہاشم کے بھائی جن کا نام مُطّلب تھا ان کو یہ حالات معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے، وہان پہنچکر بھتیجے کی جستجو کی، سلمیٰ نے انکے آنے کا حال سُنا تو بلوا بھیجا، تین دن مہمان رہے، چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لے کر مکۂ معظمہ روانہ ہوئے، ان کی عمر ۸ برس کی تھی، یہان آکر اُن کا نام عبدالمطلب پڑگیا،

عبدالمطلب کے لفظی معنی مطلب کا غلام ہین اس لیے اربابِ سِیَر نے وجہ تسمیہ مین بہت سے اقوال نقل کئے ہین جن مین صحیح تر یہ ہے کہ چونکہ مطلب نے ان کی پرورش کی تھی اور یہ یتیم تھے، اس لیے عرب کے محاورہ کے مطابق غلام مُطّلب مشہور ہو گئے[1]

عبدالمُطّلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم جو ایک مدت سے اَٹ کر گم ہو گیا تھا، انھون نے اس کا پتہ لگایا اور کھدوا کر نئے سرے سے درست کرا دیا،

انھون نے منت مانی تھی کہ دس بیٹون کو اپنے سامنے جوان دیکھ لین گے تو ایک کو خدا کی راہ مین قربان کر دین گے، خدا نے یہ آرزو پوری کی، دسون بیٹون کو لیکر کعبہ مین آئے، اور پجاری سے کہا کہ ان دسون پر قرعہ ڈالو، دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے، اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا، یہ ان کو لے کر قربان گاہ کو چلے، عبداللہ کی بہنین جو ساتھ تھین رونے لگین اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی

عبداللہ

[1] دیکھو زرقانی جلد اول صفحہ ۷۵

یکھیے، ان کو چھوڑ دیجیے، عبد المطلب نے پجاری سے کہا کہ عبد اللہ پر اور دس اونٹون پر قرعہ ڈالو اتفاق یہ کہ عبد اللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا، عبد المطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیے، یہانتک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہنچی تو اونٹون پر قرعہ آیا، عبد المطلب نے سو اونٹ قربانی کئے، اور عبد اللہ بچگئے، یہ واقدی کی روایت ہے، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اونٹون کے معاوضہ کی تدبیر رؤسائے قریش نے تجویز کی تھی،

عبد المطلب کے دس یا بارہ بیٹون مین سے پانچ شخصون نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کیوجہ سے شہرت عام حاصل کی، یعنی ابولہب، ابوطالب، عبد اللہ، حضرت حمزہ، حضرت عباس، عام طور پر مشہور ہے کہ ابولہب کا اصلی نام اور ہے، خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ نے دیا، لیکن یہ غلطی ہے، ابن سعد نے طبقات مین تصریح کی کہ یہ لقب خود عبد المطلب نے دیا تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ ابولہب نہایت حسین اور جمیل تھا، اور عرب مین گورے چہرے کو شعلۂ آتش کہتے ہین، فارسی مین بھی آتشین رخسار ہی

آمنہ

عبد اللہ قربانی سے بچ گئے تو عبد المطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی، قبیلۂ زہرہ مین وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا، قریش کے تمام خاندانون مین ممتاز تھین[۱]، وہ اسوقت اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھین، عبد المطلب وہیب کے پاس گئے، اور عبد اللہ کی شادی کا پیغام دیا، انھون نے منظور کیا، اور عقد ہوگیا، اسی موقع پر خود عبد المطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی سے جنکا نام ہالہ تھا، شادی کی، حضرت حمزہ انہی ہالہ کے بطن سے ہین، ہالہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا، اس بنا پر حضرت حمزہ آنحضرت صلعم کے رضاعی بھائی بھی ہین

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام۔

دستور تھا کہ نوشاہ شادی کے بعد ۳ دن تک سسرال مین رہتا تھا، عبداللہ تین دن سسرال مین رہے، اور پھر گھر چلے آئے، اِس وقت اُن کی عمر تقریباً سترہ برس[1] سے کچھ زیادہ تھی،

عبداللہ تجارت کے لیے شام کو گئے، واپس آتے ہوئے مدینہ مین ٹھیرے اور بیمار ہوکر یہین رہ گئے، عبدالمطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لیے بھیجا، وہ مدینہ مین پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہوچکا تھا، چونکہ یہ خاندان مین سب سے زیادہ محبوب تھے، تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا۔

عبداللہ نے ترکہ مین اونٹ، بکریان اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام اُمّ ایمن تھا، یہ سب چیزین رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ترکہ مین ملین[2]، اُمّ ایمن کا اصلی نام برکۃ تھا،

---

[1] زرقانی جلد اول صفحہ ۲۴ سطر ۱، [2] طبقات ابن سعد

ظہورِ قدسی
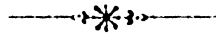
چمنستانِ دہر مین بارہا روح پرور بہارین آچکی ہین، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان سے سجائی ہے کہ نگاہین خیرہ ہوکر رہ گئی ہین،

ولادت

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار مین پیرکہن سال دہر نے کرورون برس صرف کردیئے، سیارگان فلک اسی دن کے شوق مین ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدت ہاے دراز سے اسی صبح جان نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹین بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیان، عناصر کی جدت طرازیان، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیان، ابر و باد کی تردستیان، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیم جمالِ یوسف، معجز طرازیِ موسیٰ، جان نوازیِ مسیح، سب اسی لیے تھے کہ یہ متاع ہاے گران ارز شاہنشاہ کونین کے دربار مین کام آئین گے،

آج کی صبح وہی صبح جان نواز، وہی ساعت ہمایون، وہی دورِ فرخ فال ہے، اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان مین لکھتے ہین کہ "آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتشکدۂ فارس بجھ گیا، دریاے ساوہ خشک ہوگیا" لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہین، بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوج چین کے قصرہاے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہین بلکہ جحیم شر، آتشکدۂ کفر، آذرکدۂ گمرہی، سرد ہوکر رہ گئے، صنمخانون مین خاک اڑنے لگی، بت کدے خاک مین مل گئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزان دیدہ ایک ایک کرکے جھڑ گئے،

توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت مین بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعین ہر طرف پھیل گئین، اخلاق

انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اُٹھا،

یعنی یتیم عبد اللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمان روائے عالم، شہنشاہ کونین،

شمسۂ نُہ مسندِ ہفت اختران	ختمِ رُسُل خاتمِ پیغمبران
احمدِ مرسل کہ خرد خاکِ اوست	ہر دو جہان بستۂ فتراکِ اوست
اُمّیِ گویا بہ زبانِ فصیح	از الف آدم و میم مسیح
رسمِ تُرنج است کہ در روزگار	پیش دہد میوہ، پس آرد بہار

عالمِ قدس سے عالمِ امکان مین تشریف فرماے عزت و جلال ہوا، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ،

تاریخ ولادت

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جسمین انہون نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء مین ہوئی تھی[1]،

---

[1] محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ کئی صفحون مین آیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے

(۱) صحیح بخاری مین ہے کہ ابراہیم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صغیر السن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب مین گہن لگا تھا اور سنہ ۱۰ھ تھا، (اور اسوقت آپ کی عمر کا تریسٹھوان سال تھا)

(۲) ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانیسے معلوم ہوتا ہی کہ (سنہ ۱۰ھ کا) گرہن، ۷ جنوری ۶۳۲ء ۸ بجکے ۳۰ منٹ پر لگا تھا،

(۳) (اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ اگر قمری ۶۳ برس پیچھے ہٹین تو آپکی پیدایش کا سال ۵۷۱ء جس مین از روے قواعد ہیئت ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی۔

(۴) تاریخ ولادت مین اختلاف ہی لیکن اسقدر متفق علیہ ہی کہ وہ ربیع اول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا اور تاریخ ۸ سے لیکر ۱۲ تک مین منحصر ہے،

(۵) ربیع الاول مذکور کی ان تاریخون مین دوشنبہ کا دن نوین تاریخ کو پڑتا ہی، ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی

آپ کا نام "محمد صلعم" رکھا گیا، اور عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عبد المطلب نے یہ نام رکھا تھا،

رضاعت

ثویبہ

سب سے پہلے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آپ کی والدہ نے اور دو تین روز کے بعد ثویبہ نے دودھ پلایا، (جو ابولہب کی لونڈی تھی)،

حلیمہ سعدیہ

ثویبہ کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا، اس زمانہ مین دستور تھا کہ شہر کے رؤسا اور شرفا شیرخوار بچون کو اطراف کے قصبات اور دیہات مین بھیج دیتے تھے، یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچے بدوؤن مین پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرتے تھے اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھین شرفائے عرب نے مدت تک اس رسم کو محفوظ رکھا، یہان تک کہ بنو امیہ نے دمشق مین پائے تخت قائم کیا اور شاہانہ شان و شوکت مین کسریٰ و قیصر کی ہمسری کی، تاہم اُن کے بچے صحراؤن مین بدوون کے گھر مین پلتے تھے، ولید بن عبد الملک خاص اسباب سے نہ جا سکا اور حرم شاہی مین پلا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان بنی اُمیّہ مین صرف ولید ہی ایک شخص تھا جو عربی صحیح نہین بول سکتا تھا[۱]،

غرض، دستورِ مذکور کی بنا پر سال مین دو مرتبہ دیہات سے شہر مین عورتین آیا کرتی تھین، اور شرفائے شہر اپنے شیرخوار بچون کو اُنکے حوالے کر دیا کرتے تھے، اس دستور کے موافق آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کے چند روز بعد قبیلۂ ہوازن کی چند عورتین بچون کی تلاش مین آئین، ان مین حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھین[۲]، اتفاق سے اُن کو کوئی بچہ ہات نہین آیا۔

---

[۱] امام سہیلی نے بتفصیل یہ واقعات لکھے ہین اور یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ آنحضرت صلعم فرماتے تھے کہ مین اس لیے فصیح ہون کہ قبیلۂ بنی سعد مین پلا ہون، سر ولیم میور صاحب لائف آف محمد مین لکھتے ہین "کہ محمد کی جسمانی حالت بہت اچھی تھی، انکے اخلاق آزاد اور مستغنی عن الغیر تھے جسکی وجہ انکا پانچ سال تک بنی سعد مین بسر کرنا تھا، اور اسی وجہ سے ان کی تقریر جزیرہ نمائے عرب کے خالص نمونہ کے موافق تھی"، [۲] سہیلی نے لکھا ہے کہ عرب مین دودھ پلانا اور اس کی اجرت لینا شریفانہ کام (یہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر دیکھیے)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی والدہ نے اُن کو مقرر کرنا چاہا تو اِن کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لیکر کیا کرونگی لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جا سکتی تھین، اس لیے حضرت آمنہ کی درخواست قبول کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر گئین، اِن کی ایک صاحبزادی تھی جنکا نام شیما تھا، ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت اُنس تھا، وہی آپ کو کھلایا کرتی تھین، دو برس کے بعد حلیمہ آپ کو مکہ مین لائین، اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا، لیکن چونکہ اس زمانہ مین مکہ مین وبا پھیلی ہوئی تھی آپ کی والدہ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ، چنانچہ دوبارہ گھر مین لائین، اس مین اختلاف ہے کہ آپ حضرت حلیمہ کے یہان کتنے برس تک رہے، ابن اسحاق نے وثوق کے ساتھ ۶ برس لکھا ہے۔

ہوازن کا قبیلہ فصاحت و بلاغت مین مشہور ہے، ابن سعد نے طبقات مین روایت کی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "مین تم سب مین فصیح تر ہون، کیونکہ مین قریش کے خاندان سے ہون اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے"[1] بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلہ کو کہتے ہین۔

حضرت حلیمہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی، عہد نبوت مین جب وہ آپکے پاس آئین تو آپ "میری مان، میری مان" کہکر لپٹ گئے، یہ دلچسپ واقعات آگے آئین گے،

ابن کثیر نے لکھا ہو کہ حضرت حلیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے وفات کر گئین لیکن یہ صحیح نہین ہو، ابن ابی خیثمہ نے "تاریخ" مین، ابن جوزی نے "حدار" مین، منذری نے "مختصر سنن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہین خیال کیا جاتا تھا، اسی بنا پر عرب مین مثل ہے الحرۃ لاتاکل بثدیہا اس بنا پر سہیلی نے اسکی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سال قحط پڑا تھا، اس لیے مجبوراً حضرت حلیمہ اور ان کے قبیلہ نے یہ خدمت گوارا کی تھی لیکن تمام تاریخون مین ہو کہ مکہ مین ہر سال باہر سے عورتین اس کام کے لیے آیا کرتی تھین، ہمارا خیال ہو کہ اس کام کو معیوب سمجھنا عرب کا عام خیال نہ تھا، یہ خیال اہل شہر اور اُمرا کے ساتھ مخصوص ہوگا، [1] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۷۱،

ابی داؤد" مین، ابن حجر نے "اصابہ" مین انکے اسلام لانے کی تصریح کی ہے، حافظ مغلطائی نے ان کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جسکا نام "التحفۃ الجسیمۃ فی اسلام حلیمۃ"[1] ہے،

حارث — حضرت حلیمہ کے شوہر یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رضاعی باپ کا نام حارث بن عبد العزی ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ مین آئے اور اسلام لائے[2]!

حارث آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور کہا کہ یہ تم کیا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہان وہ دن آئے گا کہ مین آپ کو دکھا دونگا کہ مین سچ کہتا تھا حارث مسلمان ہو گئے،

رضاعی بھائی بہن — آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چار رضاعی بھائی بہن تھے، جن کے نام یہ ہین، عبد اللہ، انیسہ، حذیفہ، اور حذافہ جو شیماء کے لقب سے مشہور تھین، ان مین سے عبد اللہ اور شیماء کا اسلام لانا ثابت ہے، باقیون کا حال معلوم نہین،

مدینہ کا سفر — آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ گئین، چونکہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے دادا کی ننہال خاندانِ نجار مین تھی وہین ٹھیرین، اس سفر مین ام ایمن بھی ساتھ تھین جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دایہ تھین، مورخین نے لکھا ہے کہ آپکی والدہ اس ننہالی رشتہ کی وجہ سے مدینہ گئین۔ لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا، قیاس مین نہین آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے، میرے نزدیک بعض مورخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھین، جو مدینہ مین مدفون تھے، بہرحال ایک مہینہ تک مدینہ مین مقیم رہین، واپس آتے ہوئے جب مقام ابواء[3] مین پہنچین تو ان کا انتقال ہو گیا، اور یہین

---

[1] زرقانی صفحہ ۱۰، ۱جلد ۱۔ [2] اصابہ فی احوال الصحابہ مطبوعہ مصر مطبع سعادت جلد ۱ صفحہ ۲۹۰۔ [3] ایک گاؤن کا نام ہے جو جحفہ سے ۲۳ میل پر واقع ہے،

مدفون ہوئین، ام ایمن آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو لیکر مکہ مین آئین۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قیام مدینہ کی بہت سی باتین یاد رہ گئین تھین، جب آپ قیام مدینہ کے زمانہ مین ایک دفعہ بنو عدی کے منازل پر گزرے تو فرمایا کہ اسی مکان مین میری والدہ ٹھیری تھین، یہی وہ تالاب ہی جس مین مین نے تیرنا سیکھا تھا، اسی میدان مین مین انیسہ ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا،[۱]

عبد المطلب کی کفالت

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبد المطلب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے دامنِ تربیت مین لیا، ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے[۲]

عبد المطلب نے بیاسی برس کی عمر مین وفات پائی اور حجون مین مدفون ہوئے، اُس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی، عبد المطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے، اور فرطِ محبت سے روتے جاتے تھے، عبد المطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت سپرد کی، ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۷۳، [۲] عبد المطلب کا آنحضرتؐ کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہی لیکن مارگولیس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہین۔ فرماتے ہین کہ "یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی، اور اخیر زندگی مین انکے چچا حمزہ نے نشہ کی حالت مین محمدؐ کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا" (لائف آف محمدؐ از مارگولیس صفحہ ۴۸ تا ۴۹) حضرت حمزہ کے جس قول سے استدلال کیا ہے، مارگولیس خود تسلیم کرتے ہین کہ وہ نشہ کی حالت تھی، اسکی تفصیل جیسا کہ بخاری (غزوۂ بدر و خمس) مین ہی کہ (بدر کے مالِ غنیمت سے حضرت علی کو دو اونٹ ملے تھے) اس وقت تک شراب حرام نہین ہوئی تھی، حضرت حمزہ شراب مین مخمور اُدھر سے گذرے اور اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل اور جگر کا کباب بنایا، آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو آپ حضرت حمزہ کے پاس گئے اور اُن کو ملامت کی، حضرت حمزہ سخت مخمور تھے، اس حالت مین وہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تھے، کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت مین پیش کیا جا سکتا ہے؟

اسکی تفصیل آگے آتی ہے، یہ واقعہ خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہی کہ عبد المطلب کی موت نے بنو ہاشم کے رتبۂ امتیاز کو دفعتہً گھٹا دیا، اور یہ پہلا دن تھا کہ دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنو امیہ کا خاندان بنو ہاشم پر غالب آگیا، عبد المطلب کی مسند ریاست پر اب حرب متمکن ہوا، جو امیہ کا نامور فرزند تھا، مناصب ریاست مین سے صرف سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانا عباس کے ہات مین رہا، جو عبد المطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے،

ابو طالب کی کفالت

ابوطالب کی کفالت | عبد المطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے، ان مین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ اور ابو طالب ماں جائے بھائی تھے، اس لیے عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب ہی کے آغوش تربیت مین دیا، ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ مین اپنے بچّون کی پروا نہین کرتے تھے، سوتے تو آنحضرت صلعم کو ساتھ لیکر سوتے، اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے،

غالباً جب آپ کی عمر دس بارہ برس کی ہوئی تو آپ نے بکریان چرائین، فرانس کے ایک نامور مورخ نے لکھا ہے کہ "ابو طالب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل رکھتے تھے، اس لیے ان سے بکریان چرانے کا کام لیتے تھے" لیکن واقعہ یہ ہی کہ عرب مین بکریان چرانا معیوب کام نہ تھا، بڑے بڑے شرفا اور امرا کے بچے بکریان چراتے تھے، خود قرآن مجید مین ہی وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ در حقیقت یہ ہی کہ یہ عالم کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا، زمانۂ رسالت مین آپ اس سادہ اور پر لطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ آپ صحابہ کے ساتھ جنگل مین تشریف لے گئے، صحابہ جھڑبیریان توڑ توڑ کر کھانے لگے، آپ نے فرمایا جو خوب سیاہ ہو جاتے ہین زیادہ مزے کے ہوتے ہین، یہ میرا اُس

زمانہ کا تجربہ ہے، جب مین بچپن مین یہان بکریان چرایا کرتا تھا[1]

شام کا سفر ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے، قریش کا دستور تھا سال مین ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابوطالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا، سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ساتھ نہین لے جانا چاہتے تھے، لیکن آنحضرت صلعم کو ابوطالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابوطالب چلنے لگے تو آپ اُن سے لپٹ گئے، ابوطالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا، عام مؤرخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر مین پیش آیا، اس واقعہ کی تفصیل اسطرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابوطالب بصریٰ مین پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ مین اترے جسکا نام بحیرا تھا، اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھکر کہا کہ "یہ سید المرسلین ہین" لوگون نے پوچھا تم نے کیونکر جانا؟ اُس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لیے جھک گئے،

یہ روایت مختلف پیرایون مین بیان کی گئی ہی، تعجب یہ ہی کہ اس روایت سے جس قدر عام

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۸۰ جلد اول، بخاری نے کتاب الاجارۃ مین آنحضرت صلعم کا قول نقل کیا ہی کہ "مین قراریط پر مکہ والون کی بکریان چرایا کرتا تھا" قراریط کے معنی مین اختلاف ہی۔ ابن ماجہ کے شیخ یعنی سوید بن سعید کی راے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہی، اس بنا پر ان کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہین کہ آنحضرت صلعم اجرت پر لوگون کی بکریان چراتے تھے اسی بنا پر بخاری نے اِس حدیث کو باب الاجارۃ مین نقل کیا ہے۔ لیکن ابراہیم حربی کا قول ہی کہ قراریط ایک مقام کا نام ہی جو اجیاد کے قریب ہی۔ ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح مین یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہی کہ ابن جوزی کی راے صحیح ہی (عینی جلد ۶ صفحہ ۶۳) نورالنبراس مین یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے۔ اور اسی راے کو ترجیح دی ہے۔

مسلمانون کو شغف ہی اس سے زیادہ عیسائیون کو ہی، سر ولیم میور، ڈریپر، مرگولس وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہین، اور اس بات کے مدعی ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کے حقائق و اسرار اسی راہب سے سیکھے، اور جو نکتے اس نے بتا دیے تھے، اُنھی پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عقاید اسلام کی بنیاد رکھی، اسلام کے تمام عمدہ اصول اُنہی نکتون کے شروح اور حواشی ہین[1]۔

عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہین تو اس طرح ماننا چاہیے جس طرح روایت مین مذکور ہے، اس مین بحیرا کی تعلیم کا کہین ذکر نہین۔ قیاس مین بھی نہین آسکتا کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام دقایق سکھا دیے جائین، اور اگر یہ کوئی خرق عادت تھا تو بحیرا کے تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی،؟

لیکن حقیقت یہ ہی کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہی، اس روایت کے جس قدر طریقے ہین سب مُرسل ہین، یعنی راوی اوّل واقعہ کے وقت خود موجود نہ تھا، اور اس راوی کا نام نہین بیان کرتا جو شریک واقعہ تھا،

[1] ڈریپر صاحب معرکہ جنگ و مذہب مین لکھتے ہین "بحیرا راہب نے بصریٰ کی خانقاہ مین محمد کو نسطوری عقاید کی تعلیم دی ..... آپ کے ناتربیت یافتہ لیکن اخّاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا.... بعد مین آپ کے طرز عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ نسطوریون (عیسائیون کے ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے) کے مذہبی عقاید نے آپ پر کہان تک قابو پا لیا تھا" سر ولیم میور صاحب نے بھی نہایت آب رنگ سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت صلعم کو بت پرستی سے جو نفرت پیدا ہوئی اور ایک مذہب جدید کا جو خاکہ آپ نے قایم کیا وہ سب اسی سفر اور اس کے مختلف تجارب اور مشاہدات کے نتائج تھے، (لیکن ظاہر ہی کہ اگر شارع اسلام بالفرض ان عیسائی اساتذہ کا تعلیم یافتہ ہوتا، تو ناممکن تھا کہ توحیدِ خالص کا وہ ولولہ اور تثلیث سے نفرت کا وہ جوش اس کے سینہ مین پیدا ہوسکتا جو قرآن کے ہر صفحہ مین نظر آتا ہے۔)

اِس روایت کا سب سے زیادہ مستند طریقہ یہ ہی، جو ترمذی مین مذکور ہے، اس کے متعلق تین باتین قابل لحاظ ہین،

(۱) ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ "حسن اور غریب ہے، اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہین جانتے"، حسن کا مرتبہ صحیح حدیث سے کم ہوتا ہے، اور جب غریب ہو تو اس کا رتبہ اس سے بھی گھٹ جاتا ہے،

(۲) اس حدیث کا ایک راوی عبد الرحمان بن غزوان ہے، اس کو بہت سے لوگون نے اگرچہ ثقہ بھی کہا ہے، لیکن اکثر اہل فن نے اسکی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے، علامۂ ذہبی میزان الاعتدال مین لکھتے ہین کہ "عبد الرحمن منکر حدیثین بیان کرتا ہے، جن مین سب سے بڑھکر منکر وہ روایت ہے جس مین بحیرا کا واقعہ مذکور ہے"،

(۳) حاکم نے مستدرک مین اس روایت کی نسبت لکھا ہی کہ "یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے"، علامۂ ذہبی نے تلخیص المستدرک مین حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہی کہ "مین اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہون[۱]"

(۴) اس روایت مین مذکور ہی کہ حضرت بلال اور ابوبکر بھی اس سفر مین شریک تھے، حالانکہ اُس وقت بلال کا وجود بھی نہ تھا، اور حضرت ابوبکر بچے تھے،

(۵) اس حدیث کے اخیر راوی ابوموسیٰ اشعری ہین، وہ شریک واقعہ نہ تھے، اور اوپر کے راوی کا نام نہین بتاتے، ترمذی کے علاوہ، طبقات ابن سعد، مستدرک وغیرہ مین جو سلسلۂ سند مذکور ہی،

---

[۱] نبراس فی شرح عیون السیر لابن سید الناس اور زرقانی اور میزان الاعتدال اور اصابہ (تذکرہ عبد الرحمان بن غزوان)

سب مُرسل ہین، یعنی بیچ مین ایک راوی چھوٹ گیا ہے،

(۶) حافظ ابن حجر رواۃ پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہین۔ لیکن چونکہ حضرت ابوبکر اور بلال کی شرکت بداہتہً غلط ہے اس لیے مجبوراً اقرار کرتے ہین کہ اس قدر حصّہ غلطی سے روایت مین شامل ہوگیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر کا یہ اِدّعا بھی صحیح نہین کہ اس روایت کے تمام رواۃ قابلِ سند ہین، عبدالرحمان بن غزوان کی نسبت خود انہی حافظ ابن حجر نے تهذیب التهذیب مین لکھا ہے کہ "وہ خطا کرتا تھا۔ اُسکی طرف سے اس وجہ سے شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ اُس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہے" ممالیک کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہین،

حرب فجار کی شرکت | عرب مین اسلام کے آغاز تک لڑائیون کا جو متواتر سلسلہ چلا آتا ہے، ان مین یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک تھی،

یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلہ مین ہوئی تھی، قریش کے تمام خاندانون نے اس معرکہ مین اپنی اپنی الگ فوجین قایم کی تھین، آل ہاشم کے عَلَم بردار زبیر بن عبدالمطلب تھے، اور اسی صف مین جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، بڑے زور کا معرکہ ہوا، اوّل قیس پھر قریش غالب آئے، اور بالآخر صلح پر خاتمہ ہوگیا، اس لڑائی مین **قریش** کا رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب بن امیّہ تھا جو ابوسفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا،

چونکہ قریش اس جنگ مین برسرِ حق تھے، اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا اسلیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی، لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے آپ نے کسی پر ہاتھ نہین اُٹھایا، امام سہیلی نے صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے خود جنگ نہین کی اُنکے

الفاظ یہ ہین،

وَاِنَّمَا لَمْ یُقَاتِلْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مع اعمامہ فی الفجار وقد بلغ سن القتال لانّھا کانت حرب فجار وکانوا ایضا کُلُّھُمْ کُفَّارًا ولم یاذن اللّٰہ لمؤمن ان یقاتل الّا لیکون کلمۃ اللّٰہ ھی العُلیا	اور آپ نے اس لڑائی مین جنگ نہین کی، حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اسکی وجہ یہی کہ یہ لڑائی ایام الحرام مین پیش آئی تھی، نیز یہ وجہ تھی کہ فریقین کافر تھے، اور مسلمانون کو لڑائی کا حکم صرف اس لیے خدا نے دیا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو،

اس لڑائی کو فجار اس لیے کہتے ہین کہ ایام الحرام مین یعنی اُن مہینون مین پیش آئی تھی جن مین لڑنا ناجائز تھا،

حلف الفضول لڑائیون کے متواتر سلسلہ نے سیکڑون گھرانے برباد کر دیے تھے اور قتل و سفاکی مروتی اخلاق بنگئے تھے، یہ دیکھکر بعض طبیعتون مین اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی، جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبد المطلب نے جو رسول اللہ صلعم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے یہ تجویز پیش کی چنانچہ خاندانِ ہاشم، زہرہ، اور تیم عبد اللہ بن جدعان کے گھر مین جمع ہوئے، اور معاہدہ ہوا کہ ہم مین سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا، اور کوئی ظالم مکہ مین نہ رہنے پائے گا[۱]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ مین شریک تھے، اور عہد نبوت مین فرمایا کرتے تھے، کہ "معاہدہ کے مقابلہ مین اگر مجھکو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جاتے تو مین نہ بدلتا، اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لیے کوئی بلائے تو مین حاضر ہون"

---

[۱] طبقات جلد ۱ صفحہ ۸۲،

اس معاہدہ کو حلف الفضول اس لیے کہتے ہین کہ اوّل اوّل اس معاہدہ کا خیال جن لوگون کو آیا ان کے نام مین لفظ "فضیلت" کا مادہ داخل[۱] تھا، یعنی فضیل بن حرث فضیل بن وداعہ اور مفضل یہ لوگ جرہم اور قطورا کے قبیلہ کے تھے، اگرچہ یہ معاہدہ بے کار گیا، اور کسی کو یاد بھی نہ رہا، چنانچہ قریش نے نئے سرسے بنیاد ڈالی، تاہم بانیِ اوّل کو نیک نیتی کا یہ ثمرہ ملا کہ ان کے نام کی یادگار اب تک باقی ہے

تعمیر کعبہ | کعبہ کی عمارت صرف قدآدم اونچی تھی اور دیوارون پر چھت نہ تھی جس طرح ہمارے ملک مین عید گاہین ہوتی ہین، چونکہ عمارت نشیب مین تھی بارش کے زمانہ مین شہر کا پانی حرم مین آتا تھا، اس کی روک کے لیے بالائی حصہ پر بند بنوا دیا گیا تھا، لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا، اور عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا، بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ موجودہ عمارت ڈھا کر نئے سرسے زیادہ مستحکم بنائی جائے، حُسنِ اتفاق یہ کہ جدّہ کے بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا، قریش کو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ نے جدّہ پہنچکر جہاز کے تختے مول لے لیے، جہاز مین ایک رومی معمار تھا جس کا نام باقوم تھا، ولید اس کو ساتھ لایا اور تمام قریش نے ملکر تعمیر شروع کی مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس مین تقسیم کر لیے تھے کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے، لیکن جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا، ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ خدمت اسی کے ہات سے انجام پائے، نوبت یہان تک پہونچی کہ تلوارین کھنچ گئین

---

[۱] لیکن امام سہیلی نے مسند حارث بن اسامۃ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نام اس لیے پڑا کہ اس معاہدہ مین یہ الفاظ تھے، تُرَدُّ الفُضُولُ علےٰ اھلھا،

عرب مین دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو پیالہ مین خون بھر کر اس مین انگلیان ڈبو لیتا تھا، اس موقع پر بھی بعض دعوے دارون نے یہ رسم ادا کی، چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا۔ پانچوین دن ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش مین سب سے زیادہ معمر تھا راے دی کہ کل صبح کو سب سے پہلے جو شخص آئے وہی ثالث قرار دے دیا جائے۔ سب نے یہ راے تسلیم کی دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے، کرشمۂ ربانی دیکھو کہ صبح کو سب سے پہلے لوگون کی نظر جس پر پڑی وہ جمالِ جہانتاب چہرۂ محمدیؐ تھا، لیکن رحمت عالم نے قبول نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہو، آپ نے فرمایا جو قبایل دعویدار ہین سب کا ایک ایک سردار انتخاب کر لیا جائے آنحضرت صلعم نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اس مین رکھ دیا، اور سردارون سے کہا کہ چادر کے چارون کونے تھام لین اور اوپر کو اٹھائین، جب چادر موقع کے برابر آگئی تو آپ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا (یہ گویا اشارہ تھا کہ دینِ الٰہی کی عمارت کا آخری تکمیلی پتھر بھی انھین ہاتھون سے نصب[۱] ہوگا)

اِس طرح ایک سخت لڑائی آپ کے حُسنِ تدبیر سے رُک گئی، کعبہ کی عمارت اب مُسقّف کر دی گئی، لیکن چونکہ سامانِ تعمیر کافی نہ تھا، ایک طرف زمین کا کچھ حصّہ چھوڑ کر بنیادین قایم کی گئین اور اس حصہ کے گرد چار دیواری کھینچدی گئی کہ پھر موقع ہوگا تو کعبہ کے اندر لے لین گے، یہی حصّہ ہے جس کو آج حطیم کہتے ہین، اور جس کی نسبت آنحضرت صلعم نے بعدِ نبوت ارادہ فرمایا تھا کہ

[۱] یہ ایک حدیث کی طرف تلمیح ہے جس مین آپ نے فرمایا ہو کہ "مین نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہون" یعنی تکمیل مذہب اور خاتم الرسل ہون۔

دیوار ڈھا کر نئے سر سے عمارت بنائی جائے، لیکن پھر خیال ہوا کہ نئے نئے مسلمان ہین، دیوار کعبہ کے ڈھانے سے بدگمان ہوجائین گے[1]،

شغلِ تجارت[2]

(عرب اور خصوصاً قریش، یعنی بنی اسمٰعیل، ظہورِ اسلام کے ہزارون برس پہلے سے تجارت پیشہ تھے[3]، آنحضرت صلعم کے جدِّ اعلےٰ "ہاشم" نے قبایل عرب سے تجارتی معاہدے کر کے اس خاندانی طریقۂ اکتساب کو اور زیادہ مستحکم اور باقاعدہ کر دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب، بھی تاجر تھے، اس بنا پر سنِ رشد کو پہنچنے کے ساتھ آنحضرت صلعم کو جب فکر معاش کی طرف توجہ ہوئی، تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا،

ابوطالب کے ساتھ آپ بچپن مین بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے، جس سے ہر قسم کا تجربہ حاصل ہوچکا تھا، اور آپ کے حُسنِ معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی، لوگ عموماً اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ مین دیکر اس کے منافع مین شرکت کر لیتے تھے، آنحضرت صلعم بھی خوشی کے ساتھ اس شرکت کو گوارا فرماتے تھے،

آنحضرت صلعم کے شرکائے تجارت کی شہادتون سے جو احادیث اور تاریخ کی کتابون مین مذکور ہین ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کس دیانت اور راستبازی کے ساتھ اس کام کو انجام دیتے تھے،

تاجر کے محاسنِ اخلاق مین سب سے زیادہ نادر مثال ایفاے عہد اور اتمام وعدہ کی ہوسکتی ہے، لیکن منصبِ نبوت سے پہلے مکہ کا **تاجرِ امین** اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا۔ عبداللہ بن

[1] یہ واقعات ابن ہشام، طبقات، طبری مین منفرداً اور زرقانی جلد اول صفحہ ۲۲۶ تا ۲۴۰ مین مجتمعاً مذکور ہین، اخیر کا واقعہ صحیح بخاری مین بھی ہے، بخاری مین یہ بھی ہے کہ قریش جب کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو آنحضرت صلعم بھی شریک تھے، اور دوشِ مبارک پر پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے تھے، یہان تک کہ شانے چھل گئے تھے، [2] اضافہ و زیادہ [3] توراۃ تکوین قصہ یوسف،

ابی الحمسا ایک صحابی بیان کرتے ہین کہ بعثت سے پہلے مین نے آنحضرت صلعم سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا، کچھ معاملہ ہو چکا تھا، کچھ باقی تھا، مین نے وعدہ کیا کہ پھر آؤن گا، اتفاق سے تین دن تک مجھکو اپنا وعدہ یاد نہ آیا، تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا، تو آنحضرت صلعم کو اُسی جگہ منتظر پایا، لیکن اِس خلافِ وعدہ سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا، صرف اس قدر فرمایا کہ "تم نے مجھے زحمت دی، مین اسی مقام پر تین دن سے موجود ہون"[1]

کاروبارِ تجارت مین ہمیشہ آپ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے، نبوت سے پہلے بھی جن لوگون سے تجارت مین آپ کا سابقہ تھا، وہ بھی اس کی شہادت دیتے تھے، سائب نام ایک صحابی جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس مین حاضر ہوئے، تو لوگون نے ان کی تعریف کی، آپ نے فرمایا "مین ان کو تم سے زیادہ جانتا ہون، سائب نے کہا، آپ پر میرے مان باپ قربان، آپ میرے شریک تجارت تھے، لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا، فکنت لاتداری ولاتماری[2]، قیس بن سائب مخزومی ایک اور صحابی بھی آپ کے شریک تجارت تھے، وہ بھی انہی الفاظ کے ساتھ آپ کے حُسنِ معاملہ کی شہادت دیتے ہین[3]۔

تجارت کی غرض سے شام و بصرے، اور یمن کے متعدد سفر آپ نے کئے تھے،

تزویج خدیجہ

حضرت خدیجہؓ ایک معزز خاتون تھین، ان کا سلسلۂ نسب پانچوین پشت مین آنحضرت صلعم کے خاندان سے ملتا ہے، اور اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپ کی چچیری بہن تھین ان کی دو شادیان پہلے ہو چکی تھین، اب وہ بیوہ تھین، چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھین

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۴۴، [2] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۱۱ [3] اصابہ۔ ترجمہ قیس بن سائب۔

جاہلیت مین لوگ ان کو **طاہرہ** کے نام سے پکارتے تھے، نہایت دولتمند تھین، طبقات ابن سعد مین لکھا ہے کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا

جناب **رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اب پچیس برس کی ہو چکی تھی، متعدد قومی کامون مین آپ شریک ہو چکے تھے، تجارت کے کاروبار کے ذریعہ سے لوگون کے ساتھ معاملات پیش آتے تھے، اس بنا پر آپ کے حُسنِ معاملہ، راستبازی، صدق و دیانت، اور پاکیزہ اخلاق کی عام شہرت ہو چکی تھی، یہان تک زبانِ خلق نے آپ کو **امین** کا لقب دیدیا تھا، حضرت خدیجہؓ نے ان اسباب کے لحاظ سے آنحضرت صلعم کے پاس پیغام بھیجا کہ "آپ میرا مالِ تجارت لیکر شام کو جائین، جو معاوضہ مین اورون کو دیتی ہون آپ کو اس کا مضاعف دون گی" آنحضرت صلعم نے قبول فرمایا، اور مال تجارت لے کر بُصریٰ تشریف لے گئے،

واپس آنے کے تقریباً تین مہینہ کے بعد حضرت خدیجہ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا، اُن کے والد کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن اُنکے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، عرب مین عورتون کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھین اور اس مین بالغہ نابالغہ کی قید نہ تھی، حضرت خدیجہ نے چچا کے ہوتے خود براہ راست تمام مراتب طے کیے، تاریخ مُعَیَّن پر ابوطالب اور تمام روسائے خاندان جن مین حضرت حمزہ بھی تھے، حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے، ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانسو طلائی درہم مہر قرار پایا۔

بعض روایتون مین ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد زندہ تھے، اور انکی موجودگی مین نکاح ہوا لیکن شراب مین مخمور تھے، جب ہوش مین آئے تو نکاح کا حال سُنکے برہم ہوئے کہ یہ برابر کا

جوز نہین،

لیکن یہ روایت صحیح نہین، امام سہیلی نے بہ تصریح اور بدلیل ثابت کیا ہو کہ حضرت خدیجہ کے والد جنگ فجار کے قبل انتقال کر چکے تھے،

حضرت خدیجہ جس مکان مین رہتی تھین وہ آج بھی (حسب بیان مورخ طبری) انھین کے نام سے مشہور ہے، امیر معاویہ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنا دیا۔

شادی کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس برس کی تھی، اور پہلے دو شوہرون سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھین۔ ان کے نام اور مفصل حالات آگے آئین[1] گے،

آنحضرت صلعم کی جس قدر اولاد ہوئی، بجز حضرت ابراہیم کے حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے ہوئی انکے حالات آگے تفصیل سے آئین گے،

جستہ جستہ واقعات | یہ واقعات تھے جن مین تاریخی ترتیب معلوم ہے۔ اس لیے مسلسل لکھے گئے، ان امور کے سوا جستہ جستہ واقعات کا بھی پتہ لگتا ہے، چونکہ ان کے سنین اور تاریخین غیر معلوم ہین اس لیے ان کو عام سلسلہ سے الگ یکجا لکھنا زیادہ موزون ہوگا۔

حدود سفر | اہل مکہ عموماً تجارت کی غرض سے سفر کرنے کے عادی تھے، آنحضرت صلعم نے بھی اس تقریب سے متعدد سفر کیے، شام اور بصرے کے سفر کا حال پہلے گذر چکا ہے، اس کے علاوہ اور

---

[1] حضرت خدیجہ کے نکاح کے واقعات ابن ہشام، ابن سعد وطبری مین باختلاف اجمال وتفصیل واثبات ونفی مذکور ہین، مین نے قرائن سے جو روایت زیادہ قابل اعتبار پائی نقل کی ہے، یکجا تمام حالات دیکھنے ہون تو زرقانی جلد اول صفحہ ۲۳۲ سے ۲۳۶ تک دیکھنا چاہیے، حضرت خدیجہ کے مکان کا ذکر صرف طبری نے کیا ہے۔ ابن حنبل (مسند ابن عباس) مین بھی بعض واقعات مذکور ہین۔

مقاماتِ تجارت مین بھی آپ کا تشریف لے جانا ثابت ہی، عرب مین مختلف مقامات مین جو بازار قائم تھے ان مین سے حباشۃ کا ذکر ابن سید الناس نے کیا ہے، حضرت خدیجہ نے جہان جہان آپ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا، ان مین جرش بھی ہے، جو یمن مین ہے، حاکم نے مستدرک مین لکھا ہے، اور علامۂ ذہبی نے بھی تصدیق کی ہے کہ جرش مین آپ دو دفعہ تشریف لے گئے، اور ہر دفعہ حضرت خدیجہ نے معاوضہ مین ایک اونٹ[1] دیا،

نبوّت کے بعد جس سال آپ کی خدمت مین عرب کے تمام دور دراز مقامات سے وُفود آئے، ان مین جب بحرین سے عبد القیس کا وفد آیا، تو آپ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لیکر وہان کا حال پوچھا، لوگون نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہین! آپ نے فرمایا "مین نے تمہارے ملک کی خوب[2] سیر کی ہے" مورخینِ یورپ نے جو علوم غیبی کے منکر ہین، اور جو ثابت کرنا چاہتے ہین کہ (نعوذ باللہ) آپ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہین قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرہ کو اور وسعت دی ہے، ایک مُوّرخ نے لکھا ہے کہ "آپ نے بحری سفر بھی کیا تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید مین جہازون کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربہ کی بو آتی[3] ہے" مُوّرخ مذکور کا یہ بھی دعوےٰ ہے کہ آپ مصر بھی تشریف لے گئے تھے، اور ڈیڈسی (بحر میّت) کا بھی معائنہ کیا تھا، لیکن تاریخی دفتر ان واقعات سے خالی[4] ہے۔

[1] نور النبراس فی شرح ابن سید الناس۔ [2] مسند امام احمد بن حنبل صفحہ (۲۰۶) [3] مارگولوس صفحہ ۷۰۔ [4] (یورپین مورخین جنکی بنیاد صرف قیاس ورائے پر ہوتی ہے، اگر اس قسم کے واقعات بیان کرین تو کوئی (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

مراسم شرک سے اجتناب | یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب مین بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہین ہوئے تھے، مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے،

ایک دفعہ **قریش** نے آپ کے سامنے کھانا لاکر رکھا، یہ کھانا بتون کے چڑھاوے کا تھا جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا، آپ نے کھانے سے انکار کیا[۱]،

نصاریٰ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے اعتقادات مین جو تغیر ہوا ہے وہ عہد نبوت سے ہوا ہے، ورنہ اس سے پہلے آپ کا طرز عمل وہی تھا، جو آپ کے خاندان اور اہل شہر کا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے پہلے صاحبزادہ کا نام عبد العزیٰ رکھا تھا، اور یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر مین موجود ہے، لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلعم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے،

حضرت خدیجہ اسلام سے پہلے بت پرست تھین، انھون نے یہ نام رکھا ہوگا، آنحضرت صلعم ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہین ہوئے تھے، اس لیے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۷) تعجب نہین، لیکن آنحضرت صلعم کا مصر جانا درحقیقت یورپ کے عہد ظلم کی مضحکہ انگیز روایت ہے، بحری سفر آپ نے یقیناً نہین کیا۔ لیکن اگر بحرین تشریف لے جانے کی روایت صحیح ہے تو خلیج فارس آپ نے دیکھا ہوگا۔ بحریت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے کیونکہ اس کا موقع عرب وشام کے درمیان مین ہے۔ جہان سے آپ کئی بار تجارت کے ساتھ گزرے ہونگے)س

[۱] صحیح بخاری باب المناقب ذکر زید بن عمرو بن نفیل۔ یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب مین بھی نقل کی ہے اس کے الفاظ مین اجمال رہ گیا ہے جو اس روایت مین صاف ہوگیا ہے۔ مسند ابن امام حنبل (جلد اول صفحہ ۱۸۹) مین ایک روایت ہے جس مین بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے زید کو اس کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا۔ اور پھر آنحضرت صلعم نے اس تاریخ سے کبھی بتون پر ذبح کیا ہوا کھانا نہین کھایا، لیکن اس روایت کے راویون کا حال نہین ملتا۔ اور یون بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے [۲] عزیٰ ایک بُت کا نام تھا۔

اور اصل واقعہ یہ ہو کہ یہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہین، اس روایت کا سب سے زیادہ تر صحیح سلسلہ وہی جو امام بخاری نے تاریخ صغیر مین روایت کیا ہے اس کا پہلا راوی اسمٰعیل ہے، جس کا پورا نام اسمٰعیل بن ابی اویس ہے، اگرچہ بعض محدثین نے اسکی توثیق کی ہے، لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے،

معاویہ بن صالح	اسمٰعیل اور اس کا باپ دونون ضعیف ہین۔
یحیٰی بن مخلط	وہ جھوٹ بولتا ہے اور محض ہیچ ہے،
امام نسائی	ضعیف اور غیر ثقہ ہے،
نضر بن سلمہ مروزی	وہ کذاب ہے،
دارقطنی	مین اسکو صحیح روایت کے لیے پسند نہین کرتا،
سیف بن محمد	وہ جھوٹ حدیثین بناتا ہے،
سلمہ بن شبیب	مجھ سے اسنے خود اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات مین اختلاف ہوتا تھا تو مین ایک حدیث بنالیتا تھا،

یہ امر واقعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی بُرائی شروع کردی تھی، اور جن لوگون پر آپ کو اعتماد تھا، اُن کو اس بات سے منع فرماتے تھے[1]

[1] مسٹر مارگولیس نے اس کے برخلاف ایک حیرت انگیز دعویٰ کیا ہو اور اس کے ثبوت مین دعویٰ سے زیادہ تر حیرت انگیز فریب کاری کی ہو کہ "آنحضرت صلعم اور حضرت خدیجہ دونون سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کرلیا کرتے تھے جس کا نام عزیٰ تھا"، مصنف موصوف نے اسکی سند مین امام احمد حنبل کی روایت (جلد ۴ صفحہ ۲۲۲) پیش کی ہے روایت کے الفاظ یہ ہین۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۰ پر دیکھو)

موحدین کی ملاقات | اس مین شبہ نہین کہ آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے فیض الٰہی کی خفیف شعاعین عرب مین پھیلنی شروع ہوگئی تھین، چنانچہ قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن الحوارث زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے انکار کردیا تھا[1]، ان مین سے آنحضرت صلعم نے زید سے ملاقات کی تھی، جس کا ذکر صحیح بخاری مین بھی ہے۔ ورقہ عیسائی ہوگئے تھے، اور چونکہ حضرت خدیجہ کے برادر عم زاد تھے اور مکہ ہی مین رہتے تھے اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ آپ ان سے بھی ملے ہون گے، بعض روایتون مین ہے کہ اُن سے آپ کی دوستی تھی،

ادب و محاضرات کی کتابون مین عموماً اور بعض تاریخون مین بھی مذکور ہے کہ قس بن ساعدہ

حدثنی جار لخدیجۃ بنت خویلد انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول لخدیجۃ ای خدیجۃ واللہ لا اعبد اللات والعزیٰ واللہ لا اعبد ابداً قال فتقول خدیجۃ خل اللات خل العزیٰ قال کانت صنمھم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون،

"مجھ سے خدیجہ (بنت خویلد) کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ مین نے پیغمبر صاحبؐ کو حضرت خدیجہ سے یہ کہتے سنا کہ اے خدیجہ بخدا مین کبھی لات اور عزیٰ کی پرستش کرونگا۔ خدیجہ کہتی تھی کہ لات کو جانے دیجیے عزیٰ کو جانے دیجیے (یعنی انکا ذکر بھی نہ کیجیے) اس نے کہا کہ لات وعزیٰ وہ بت تھے جسکی پرستش اہل عرب سونے سے پیشتر کیا کرتے تھے

ایک معمولی عربی دان بھی سمجھ سکتا ہے کہ عبارت مذکور مین کانوا کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہین کہ اہل عرب لات، عزیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے، اگر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہوتا تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا، اس کے علاوہ خود اسی روایت مین لات وعزیٰ کی پرستش سے آنحضرت صلعم کا سخت انکار کرنا مذکور ہے۔

مارگولیس صاحب نے یہ روایت بھی بیان کی ہو کہ آنحضرت صلعم نے عزیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی، لیکن صاحب موصوف نے اسکی سند مین کوئی عربی ماخذ پیش نہین کیا بلکہ ولہوسن کا حوالہ دیا ہے (دیکھو مارگوس کی کتاب صفحہ ۶۹ تا ۷۰) معجم البلدان (ایک جغرافیہ کی کتاب مین ایک روایت اس مضمون کی موجود ہی لیکن (اولاً تو اس موضوع خاص مین یہ کتاب خود بے سند ہے، ثانیاً یہ روایت) کلبی سے ہے، جو مشہور دروغ گو ہے۔

[1] ابن ہشام صفحہ ۷۶ مین قس بن ساعدہ کے سوا باقی سب لوگون کے نام اور حالات مذکور ہین۔ زید کا ذکر بخاری مین بھی ہے۔ قس کا ذکر نہایت کثرت سے تمام تاریخون اور ادب کی کتابون مین پایا جاتا ہے۔

نے عکاظ مین جو مشہور خطبہ دیا تھا، آنحضرت صلعم اس خطبہ مین شریک تھے، اس خطبہ کا بڑا حصہ اکثر اہل ادب نے نقل کیا ہے اور چونکہ اس کے فقرے بظاہر قرآن مجید کی ابتدائی سورتون کی طرح چھوٹے چھوٹے اور مقفّٰی ہین، اس لیے عیسائی مورخین نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے یہ طرز اُنہی سے لیا ہے، چنانچہ بعض فقرے یہ ہین۔

اَیُّھا الناس اسمعُوا و وعوا واذا وعیتم فانتفعوا۔ انہ من عاش مات۔ ومن مات فات وکل ماھو آتٍ آت۔ مطرٌ ونبات۔ وأرزاقٌ واقوات۔ وآباء واُمّھات۔ واحیاء واموات، وجمیع واشتات۔ ان فی السماء لخبرا۔ وان فی الارض لعبرا۔ لیل داج، وسماء ذات ابراج، وبحار ذات امواج۔ مالی اری الناس یذھبون فلا یرجعون۔ ارضوا بالمقام فاقاموا۔ ام تُرکوا ھناک فناموا۔ این من بنیٰ وشیّد۔ وزخرف ونجد۔ وعدّ المال والولد۔ این من بغیٰ وطغیٰ۔

قس بن ساعدۃ کی روایت اور اس کا خطبہ مختصر و مطول بہ عبارات مختلفہ۔ بغوی، ازدی، بیہقی، جاحظ وغیرہ نے نقل کیا ہے، لیکن وہ سرتاپا مصنوعی اور موضوع ہے، اس کے رواۃ عموماً ناقابل سند بلکہ کذاب ہین۔ چنانچہ سیوطی نے موضوعات مین اس روایت کے تمام طریقون کو نقل کرکے اُنکے رُواۃ سے بحث کی ہے، اور علامۂ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کے اقوال تفصیل سے نقل کیے ہین عجیب بات یہ ہے کہ یہ روایت مختلف طریقون سے مروی ہے، لیکن ہر طریقہ مین کوئی نہ کوئی راوی ایسا ہے جو موضوع حدیثین بنایا کرتا تھا، اس کا ایک مشترک راوی محمد بن حجاج ہے، اس کی نسبت ابن معین کا قول ہے کہ "کذّاب اور خبیث ہے"۔ ابن عدی نے لکھا ہے کہ "ہریسہ کی حدیث اِسی نے وضع کی ہے"، ایک طریقہ کا راوی سعید بن ہبیرۃ ہے، اس کی نسبت ابن حبان نے لکھا ہے

کہ ثقہ لوگون کی زبانی جھوٹی حدیثین روایت کرتا تھا یا تو وہ خود یہ حدیثین تصنیف کرتا تھا یا اور لوگ اس کے لیے بنا دیا کرتے" ایک طریقہ کے راوی قاسم بن عبد اللہ اور احمد بن سعید ہین، اور یہ دونون حدیث بنانے مین بدنام ہین، بیہقی نے اس روایت کے متعلق ایک بڑا قصہ نقل کیا ہے جس مین حضرت ابوبکر نے قس بن ساعدہ کا پورا خطبہ اپنی یاد سے بیان کیا ہی، یہ روایت پوری کی پوری موضوع[1] ہی، حافظ ابن حجر نے اس روایت کے اور طریقے بھی نقل کیے ہین اور اُن کی تضعیف کی[2] ہے،

[1] یہ پوری تفصیل اللآلی المصنوعۃ، مطبوعۂ مصر صفحہ ۹۰ تا صفحہ ۱۰۰ مین ہی [2] ایک نکتہ یہان خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہی بنوامیہ اور عباسیہ کے زمانہ مین یہ مذاق پیدا ہوگیا تھا کہ اپنے زمانہ کے شعرا اور فصحا سے اشعار اور خطبے تصنیف کراتے تھے، اور جاہلیت یا ابتداے اسلام کے شعرا اور خطباء کے نام سے مشہور کرتے تھے، محمد بن اسحاق اس رتبہ کے شخص ہین کہ امام بخاری نے جزء القراءۃ مین ان سے روایت کی ہے، تاہم ان کا یہ عام طریقہ تھا، علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال (مطبوعۂ مصر صفحہ ۹۲) مین خطیب بغدادی سے روایت کی ہی کہ محمد بن اسحاق شعراے وقت کو مغازی کے واقعات دیدیتے تھے، کہ ان کے بارے مین اشعار کہہ دو، ان اشعار کو وہ اپنی کتاب مین شامل کر دیتے تھے، ابن ہشام مین حضرت خدیجہ ابوبکر، امیۃ بن ابی الصلت، ابوطالب کے سیکڑون اشعار نقل کیے ہین، جن کی زبان اور اندازِ بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی زبان نہین ہے، ایک لطیف بات یہ ہے کہ ابن ہشام ان اشعار کو نقل کرکے اکثر موقعون پر لکھدیتے ہین کہ فن شعر کے ماہران اشعار کی نسبت انکار کرتے ہین، مثلاً سریۂ عبیدۃ بن الحرث مین (ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۳ مطبوعۂ مصر) حضرت ابوبکر کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے،

واکثر اھل العلم والشعر ینکر ھذہ القصیدۃ لابی بکر۔	اور اکثر اہلِ علم اور فنِ شعر والے اس بات کے منکر ہین کہ یہ قصیدہ حضرت ابوبکر کا ہے،

یہ وضاعی مختلف اغراض سے کیجاتی تھی زیادہ اس وجہ سے کہ ان جلسون یا شعرون مین آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی یا اور کوئی بات اسلام کی تصدیق کی شامل کر دیتے تھے، مثلاً یہی قس بن ساعدۃ کا خطبہ اس مین یہ فقرے بھی ہین

نبیا قد حان حینہ واظلکم اوانہ فطوبی لمن آمن بہ فھداہ وویل لمن خالفہ وعصاہ (اللآلی المصنوعۃ صفحہ ۲۸)	ایک پیغمبر کا زمانہ قریب آگیا ہے سو اسکو مبارک ہی جو اسپر ایمان لائے گا اور وہ اسکو ہدایت کریگا۔ اور تباہی ہی اس کے لیے جو اسکی مخالفت اور نافرمانی کریگا۔

ابوطالب کے نام سے جو لامیہ قصیدہ ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہی (ابن ہشام صفحہ ۹۳ و ۹۴) بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۳ پر دیکھو

احباب خاص

نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کے احباب خاص تھے، سب نہایت پاکیزہ اخلاق بلند رتبہ اور عالی منزلت تھے، ان مین سب سے مقدم حضرت ابو بکر تھے، جو برسون آپ کے شریک صحبت رہے، حضرت خدیجہ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے وہ بھی احباب خاص مین تھے، حرم کا منصب رفادۃ انہی کے ہات مین تھا، دارالندوۃ کے بھی یہی مالک تھے، چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہ کے ہات ایک لاکھ درہم پر بیچ ڈالا۔ لیکن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲) سراپا (سراپا کے بجاے اکثر کہنا صحیح ہے کیونکہ اس کے ایک دو شعر صحاح مین بھی مذکور ہین، مثلاً صحیح بخاری وصحیح مسلم باب الاستسقا، خود ابن اسحاق نے اس قصیدہ کو نقل کرکے لکھا ہے وبعض اھل العلم بالشعر ینکر اکثرھا یعنی بعض ماہرین شعر اس کے اکثر اشعار کی صحت سے انکار کرتے ہین،) موضوع ہے، اسکے خاتمہ کے اشعار یہ ہین۔

فاصبح فینا احمد فی ارومۃ   تقصر عنہ سورۃ المتطاول

فایدہ رب العباد بنصرہ   واظھر دینا حقہ غیر باطل

اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ قرآن مجید مین توحید اور معاد کے متعلق جو باتین ہین ان کے مطابق اشعار تصنیف کراتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے اسلام کی تائید ہوگی۔ امیۃ بن ابی الصلت کے نام سے جو اشعار منقول ہین انکو دیکھکر صاف یقین ہوجاتا ہے کہ کسی نے قرآن مجید کو سامنے رکھکر یہ اشعار کہے ہین۔ مثلاً

فقلت لہ اذھب بھرون فادعوا   الی اللہ فرعون الذی کان طاغیا

وقولا لہ اانت رفعت ھذہ   بلا عمد ارفق اذا بک بانیا

وقولا لہ اانت سویت وسطھا   منیرا اذا ماجنہ اللیل ھادیا

ایک عجیب بات یہ ہے کہ مسٹر مارگولس نے بھی ایک موقع پر اسکی تصدیق کی ہے چنانچہ کہتے ہین "قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کی اسلوب پر موزون کیا گیا ہے"، (صفحہ ۶۲ تا صفحہ ۶۳) ان لوگون نے اپنی دانست مین اسلام کی خیرخواہی کی غرض سے یہ کام کیا تھا، آج یورپ والے اسی سے یہ کام لیتے ہین کہ آنحضرت پیغمبر نہ تھے بلکہ جاہلیت کے خطبا اور شعراسے معتقدات اور خیالات بلکہ طرز ادا تک اخذ کرتے تھے، لیکن ادب کا نکتہ شناس یا فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہے کہ تمام اشعار اور خطبے مصنوعی ہین۔ یورپ کو فن ادب اور روایت مین مہارت کے لیے ابھی ایک زمانہ درکار ہے اور جب وہ زمانہ آئے گا تو یورپ کو اپنی بدمذاقی پر خود شرم آئے گی، لہ اصابہ ذکر حضرت ابوبکر (حضرت ابوبکر کا نام عبداللہ تھا، اصابہ مین اسی نام کے ذیل مین حضرت ابوبکر کا حال لکھا ہے،)

یہ کل رقم خیرات کردی۔ آنحضرت صلعم سے عمر مین ۵ برس بڑے[1] تھے،

اگرچہ یہ مدّت تک یعنی ہجرت کے آٹھوین سال تک ایمان نہین لائے، لیکن اس حالت مین بھی آنحضرت صلعم سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کعبہ مین ذُوُیزن کا اسباب نیلام ہوا تھا، اس مین ایک عمدہ حُلّہ تھا، انھون نے پچاس اشرفیون مین اسکو خریدا، اور مدینہ لیکر آئے کہ آنحضرت صلعم کو نذر کرین۔ آپ نے فرمایا کہ مین مشرکون کا ہدیہ نہین قبول کرتا۔ البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہون۔ مجبور ہوکر اُنھون نے قیمت لینی گوارا کی، اور آنحضرت صلعم نے اس کو[2] لے لیا۔

ضماد بن ثعلبہ، جو ازد کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت مین طبابت اور جرّاحی کا پیشہ کرتے تھے یہ بھی احباب خاص مین سے تھے، نبوّت کے زمانہ مین یہ مکہ آئے، آنحضرت صلعم کو اس حالت مین دیکھا کہ راستہ مین جا رہے ہین اور پیچھے لونڈون کا غول ہے۔ مکہ کے کفار آنحضرت صلعم کو مجنون کہتے تھے، لونڈون کا غول دیکھکر ضماد نے یہی قیاس کیا اور آنحضرت صلعم کے پاس آئے، اور کہا، محمدؐ! مین جنون کا علاج کرسکتا ہون، آپ نے حمد و ثنا کے بعد چند مؤثر جملے ادا کئے، ضماد مسلمان ہوگئے، اس واقعہ کو مختصراً مسلم و نسائی نے بھی لکھا ہے۔ لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد حنبل (جلد ا صفحہ ۳۰۲) مین ہے۔

جو لوگ آنحضرت صلعم کے ساتھ تجارت کے کاروبار مین شریک تھے، ان مین سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے، مجاہد بن جبیر جو مشہور مفسر گزرے ہین، انہی کے غلام تھے، انکا بیان ہے کہ شرکا کے ساتھ آپکا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا، اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہین آتا تھا[3]۔

---

[1] اصابہ ذکر حکیم بن حزام، [2] مسند امام حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۰۳۔ [3] استیعاب و اصابہ۔

آفتاب رسالت کا طلوع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ مین پیدا ہوئے مکہ بت پرستی کا مرکز اعظم تھا، خود کعبہ مین تین سو ساٹھ بُت تھے، رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خاندان کا تمغائے امتیاز صرف اسقدر تھا کہ اس صنم کدہ کے متولی اور کلید بردار تھے، باایں ہمہ آنحضرت صلعم نے کبھی بتون کے آگے سر نہین جھکایا، دیگر رسوم جاہلیت مین بھی کبھی شرکت نہین کی، قریش نے اس بنا پر کہ ان کو عام لوگون سے ہر بات مین ممتاز رہنا چاہیے یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایام حج مین قریش کے لیے عرفات جانا ضرور نہین اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئین، وہ قریش کا لباس اختیار کرین، ورنہ ان کو عریان ہوکر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا[1]، چنانچہ اسی بنا پر طوافِ عریان کا عام رواج ہوگیا تھا، لیکن آنحضرت صلعم نے ان باتون مین کبھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا[2]،

عرب مین افسانہ گوئی کا عام رواج تھا، راتون کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہوکر کسی مقام مین جمع ہوتے تھے، ایک شخص جسکو اس فن مین کمال ہوتا تھا، داستان شروع کرتا تھا، لوگ بڑے ذوق وشوق سے رات رات بھر سنتے تھے، بچپن مین ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے بھی اس جلسہ مین شریک ہونا چاہا تھا، لیکن اتفاق سے راہ مین شادی کا کوئی جلسہ تھا، دیکھنے کے لیے کھڑے ہوگئے، وہین نیند آگئی اُٹھے تو صبح ہوچکی تھی۔

ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا، اُس دن بھی یہی اتفاق پیش آیا، چالیس برس کی مدت

---

[1] ابن ہشام مطبوعۂ مصر ۱۲۹۵ھ جلد اوّل صفحہ ۶۷۔ [2] ابن ہشام صفحہ ۶۹۔

مین صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا لیکن دونون دفعہ توفیق الٰہی نے بچا لیا کہ "تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے"[1]

یہ فطرتِ سلیم اور نیک سرشتی کا اقتضا تھا لیکن ایک شریعت کبریٰ کی تاسیس، ایک مذہبِ کامل کی تشئید، اور رہنمائی کونین کے منصبِ عظیم کے لیے کچھ اور درکار تھا۔ اسی زمانہ کے قرب مین اور حق پرستون (ورقہ۔ زید۔ عثمان بن حویرث) کے دل مین خیال آیا کہ جمادِ لایعقل کے آگے سر جھکانا حماقت ہے۔ چنانچہ سب مذہب حق کی تلاش کے لیے نکلے، لیکن ناکامی کی دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے ورقہ اور عثمان عیسائی ہوگئے اور زید یہ کہتے کہتے مر گئے "اے خدا! اگر مجکو یہ معلوم ہوتا کہ تجکو کس طریقہ سے پوجنا چاہیے تو مین اُسی طریقہ سے تجکو پوجتا"

آنحضرت صلعم کو بہت سے دنیاوی تعلقات تھے، تجارت کا کاروبار تھا، متعدد اولادین تھین، تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا، لیکن دست قدرت کو جو کام لینا تھا، وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا، دنیا اور دنیا کے تمام کام آپ کو ہیچ نظر آتے تھے، تاہم مطلوب حقیقی کا اب تک پتہ نہ تھا،

مکہ معظمہ سے تین میل پر ایک غار تھا جس کو حرا کہتے ہین آپ مہینون وہان جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے، کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے، وہ ہو چکتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے، اور پھر واپس جا کر مراقبہ مین مصروف ہوتے،

---

[1] سر ولیم میور صاحب لائف آف محمد صلعم مین لکھتے ہین "ہماری تمام تصنیفات محمد صلعم کے بارہ مین انکے چال چلن کی عصمت اور انکے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہل مکہ مین کمیاب تھی متفق ہین"

صحیح بخاری مین ہے کہ غارِ حرا مین آپ تحنّث یعنی عبادت کیا کرتے تھے، یہ عبادت کیا تھی؟ عینی شرح بخاری مین ہے،

قِیلَ مَا کَانَ صِفَۃُ تَعَبُّدِہٖ اُجِیبَ بِاَنَّ — یہ سوال کیا گیا ہو کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہی

ذٰلِکَ کَانَ بِالتَّفَکُّرِ وَالْاِعْتِبَارِ — کہ غور و فکر اور عبرت پذیری،

یہ وہی عبادت تھی جو آپ کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی، ستارون کو دیکھا تو چونکہ تجلّی کی جھلک تھی، دھوکا ہوا، چاند نکلا تو اور بھی شبہہ ہوا، آفتاب پر اس سے زیادہ، لیکن جب سب نظرون سے غائب ہو گئے تو بیساختہ پکار اُٹھے،

اِنِّی لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ .... — مین فانی چیزون کو نہین چاہتا۔

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (انعام) — مین اپنا منہ اُسکی طرف کرتا ہون جس نے زمین و آسمان پیدا کیا۔

ایک مغربی مؤرخ[1] نے آنحضرت صلعم کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی ہے،

"سفر و حضر مین ہر جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل مین ہزارون سوال پیدا ہوتے تھے، مین کیا ہون؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا شے ہے؟ مین کن چیزون کا اعتقاد کرون؟ کیا کوہِ حرا کی چٹانین، کوہِ طور کی سر بفلک چوٹیان، کھنڈر اور میدان، کسی نے ان سوالون کا جواب دیا، نہین، ہرگز نہین۔ بلکہ گنبدِ گردان، گردشِ لیل و نہار چمکتے ہوئے ستارے۔ برستے ہوئے بادل، کوئی ان سوالون کا جواب نہ دے سکا۔"

---

[1] کارلائل ہیروز: تذکرہ رسول اللہ صلعم۔

نبوّت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب مین آپ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے، جو کچھ آپ خواب مین دیکھتے تھے بعینہ وہی پیش[1] آتا تھا، ایک دن جب کہ آپ حسب معمول غارِ حرا مین مراقبہ مین مصروف تھے، فرشتۂ غیب نظر آیا کہ آپ سے کہہ رہا ہے،

اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَءْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۝ (اقرء ۶)

پڑھ اُس خدا کا نام جسنے کائنات کو پیدا کیا جسنے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ تیرا خدا کریم ہے۔ وہ جسنے انسان کو قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ وہ جسنے انسان کو وہ باتین سکھائین جو اُسے معلوم نہ تھین۔

آپ گھر واپس تشریف لائے تو جلالِ الٰہی سے لبریز[2] تھے،

آپ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا، وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لو گئین، جو عبری زبان جانتے تھے، اور توریت و انجیل کے ماہر تھے، اُنھون نے آنحضرت صلعم سے واقعہ کی کیفیت سُنی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اُترا تھا۔

روایت مین ہے کہ آنحضرت صلعم کو ڈر پیدا ہوا! حضرت خدیجہ نے کہا کہ "آپ متردد نہون خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا"، پھر وہ آپ کو ورقہ کے پاس لو گئین اُنھون نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔

---

[1] وحی کے انواع مین سے ایک خواب بھی ہے۔ صحیح بخاری کے شروع مین ہے اول ما بدء بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرویا الصالحۃ فی النوم۔ بخاری کتاب التعبیر مین زیادہ صاف طریقہ پر یہ مسئلہ ادا کیا گیا ہے

[2] صحیح بخاری باب بدء الوحی، و کتاب التعبیر، یہ روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے لیکن حضرت عائشہ اسوقت تک پیدا نہین ہوئی تھین۔ محدثین کی اصطلاح مین ایسی روایت کو مرسل کہتے ہین۔ لیکن صحابہ کا مرسل محدثین کے نزدیک قابل حجت ہے کیونکہ متروک راوی بھی صحابہ ہی ہون گے۔

آنحضرت صلعم کی زبان سے بے شبہہ یہ الفاظ نکلے "مجھکو ڈر ہے" لیکن یہ تردد، یہ ہیبت، یہ اضطراب، جلال الٰہی کا تاثر (اور **نبوت** کے بار گران کی عظمت کا تخیل تھا) آپ نے کیا دیکھا؟ ناموس اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا مشاہدات ہوئے؟ یہ وہ نازک باتین ہین جو الفاظ کا تحمل نہین کر سکتین

صحیح بخاری باب التعبیر مین ہے کہ چند روز تک جب وحی رک گئی تو آنحضرت صلعم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے کہ اپنے آپ کو گرا دین، دفعۃً حضرت جبریل نظر آتے تھے، اور کہتے تھے "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو" اس سے آپ کو اسوقت تسکین ہو جاتی تھی لیکن جب پھر وحی کچھ دنون کے لیے رک جاتی تھی تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھکر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے اور پھر حضرت جبریل نمایان ہو کر تسکین دیتے کہ آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہین۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے حصۂ اول کی شرح مین معترضین کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ "ایک پیغمبر کو نبوت مین کیونکر شک ہو سکتا ہے، اور ہو تو کسی عیسائی کے تسکین دینے سے کیا تسکین ہو سکتی ہے" پھر ایک مشہور محدث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ "نبوت ایک امر عظیم ہے۔ اس کا تحمل دفعۃً نہین ہو سکتا۔ اس لیے پہلے آنحضرت صلعم کو خواب کے ذریعہ سے مانوس کیا گیا، پھر جب دفعۃً فرشتہ نظر آیا تو آپ اقتضاے بشریت سے خوف زدہ ہو گئے، حضرت خدیجہ نے آپ کو تسکین دی پھر جب ورقہ نے تصدیق کی تو آپ کو پورا یقین ہو گیا۔ محدث مذکور کے الفاظ یہ ہین۔

فَلَمَّا سَمِعَ كَلَامَه اَيْقَنَ بِالْحَقِّ وَاعْتَرَفَ بِهٖ — جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا آپکو حق کا یقین آگیا اور آپنے اسکا اعتراف کیا

محدث مذکور اس کے بعد لکھتے ہین کہ "وحی بار بار اس لیے رک جاتی تھی کہ آپ رفتہ رفتہ اس کے برداشت کرنے کے قابل ہو جائین[1]"

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التعبیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۱۴ مطبوعہ مصر۔

لیکن جب کہ ترمذی مین یہ حدیث موجود ہے کہ "نبوت سے پہلے سفر شام مین (بمقام بصرے) جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے تھے اسکی تمام شاخین آپ پر جھک آئین جس سے بحیرا نے آپ کے نبی ہونے کا یقین کیا" جبکہ صحیح مسلم مین یہ حدیث ہے کہ "آنحضرت صلعم فرماتے ہین کہ "مین اُس پتھر کو پہچانتا ہون جو نبوت سے پہلے مجکو سلام کیا کرتا تھا" جب کہ صحاح مین موجود ہے کہ "نبوت سے پہلے فرشتون نے آپ کا سینہ چاک کیا اور جسمانی آلایش نکال کر پھینک دی" تو خود ان روایتون کے روات کرنے والے کیونکر یہ کہہ سکتے ہین کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا جس سے آپ اس قدر خوف زدہ ہو جاتے تھے کہ ایک دفعہ تسکین ہو کر بھی بار بار اضطراب ہوتا تھا۔ اور آپ اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے، اور بار بار حضرت جبریل کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ کیا اور کسی پیغمبر کو بھی ابتدائے وحی مین کبھی شک ہوا تھا؛ حضرت موسیٰ نے درخت سے آواز سنی "کہ مین خدا ہون" تو کیا اُن کو کوئی شبہہ پیدا ہوا؟

حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کرنے کی ہم کو ضرورت نہین، ہمکو پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ خود اصل روایت بہ سند مرفوع متصل ہے، یا نہین، یہ روایت امام زہری کے بلاغات مین سے ہے؛ یعنی سند کا سلسلہ زہری تک ختم ہو جاتا ہے اور آگے نہین بڑھتا۔ چنانچہ خود شارحین بخاری نے تصریح کر دی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لیے سند مقطوع کافی نہین۔

آنحضرت صلعم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلین پیش نظر تھین اگر آپکا فرض اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا فرمائین۔ یا حضرت کلیم کی طرح اپنی قوم کو لیکر مصر سے نکل جائین، تو مشکل نہ تھی، لیکن **خاتم انبیا** کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف

عرب بلکہ تمام عالم کو فروغِ اسلام سے منور کر دینا تھا، اس لیے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پُرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے؛ اس غرض کے لیے صرف وہ لوگ انتخاب کیے جا سکتے تھے جو فیضیاب صحبت رہ چکے تھے، جنکو آپ کے اخلاق و عادات کی، ایک ایک حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا جو پچھلے تجربون کی بنا پر آپ کے صدق دعوے کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے، یہ لوگ **حضرت خدیجہ** جو آپ کی حرم محترم تھین، **حضرت علی** تھے جو آپکی آغوشِ تربیت مین پلے تھے۔ **زید** تھے؛ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے **حضرت ابوبکر** تھے جو برسون سے فیضیاب خدمت تھے، سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہ کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مومن تھین۔ پھر اور بزرگون کی باری آئی، اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے،

حضرت ابوبکررض دولتمند، ماہر انساب، صاحب الرائے، اور فیاض تھے، ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، غرض ان اوصاف کی وجہ سے مکہ مین ان کا عام اثر تھا، اور معززین شہر ان سے ہر بات مین مشورہ لیتے تھے، ارباب روایت کا بیان ہے، کبار صحابہ مین سے حضرت عثمان رض، حضرت زبیر رض، حضرت عبد الرحمن رض بن عوف۔ حضرت سعد وقاص فاتح ایران۔ حضرت طلحہ سب انہی کی ترغیب اور ہدایت سے اسلام لائے[1]، ان کی وجہ سے یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگون مین بھی پھیلا۔ اور مسلمانون کی تعداد مین اضافہ ہوتا گیا۔ ان سابقین اولین مین عمار، خباب ابن الارت۔ حضرت عثمان۔ عبد الرحمن بن عوف

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ مین بزرگان موصوف کا تذکرہ ملاحظہ کرنا چاہیے۔ [2] دیکھو ریاض النضرۃ للمحب الطبری مطبوعۂ مصر صفحہ ۵۷۔

حضرت سعد وقاص۔ طلحہ۔ ارقم۔ سعید بن زید۔ عبداللہ بن مسعود۔ عثمان بن مظعون۔ عبیدہ۔ صہیب رومی۔ زیادہ ممتاز ہین۔

لیکن جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا۔ نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ محرمانِ خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے، نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرت صلعم کسی پہاڑ کی گھاٹی مین چلے جاتے اور وہان نماز ادا کرتے۔ ابن الاثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز آپ حرم ہی مین ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب مین بھی جائز تھی۔ ایک دفعہ آپ حضرت علی کے ساتھ کسی درہ مین نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے آپ کے چچا ابوطالب آنکلے، ان کو اس جدید طریقۂ عبادت پر تعجب ہوا، کھڑے ہوگئے اور بغور دیکھتے رہے، نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کون دین ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارے دادا ابراہیم کا یہی دین تھا۔ ابوطالب نے کہا مین اس کو اختیار تو نہین کرسکتا لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہوسکے گا۔

یہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اسلام کیونکر پھیلا؟ مخالفین نے اس کا ذریعہ تلوار بنایا ہے۔ اس مسئلہ پر مفصّل بحث کتاب کے دوسرے حصّون مین آئے گی۔ لیکن ایک خاص پہلو پر یہین نگاہ ڈال لینی چاہیے، یعنی یہ کہ اوائل اسلام مین جب کہ اسلام لانا جان و مال سے ہات دھونا تھا، کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے؟

اس زمانہ مین جو لوگ اسلام لائے، ان مین چند خصائص مشترک تھے، اسی قسم کے (لیکن بالعکس) مشترک خصائص اُن لوگون مین بھی پائے جاتے تھے جنھون نے شدت سے مخالفت کی، چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔

(۱) اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاش حق مین سرگردان اور فطرةً نیک طبع اور پاکیزہ اخلاق تھے۔ مثلاً **حضرت ابوبکرؓ** جاہلیت مین بھی عفیف، پارسا، اور صدق و دیانت مین مشہور تھے، عثمان بن مظعون صوفی مزاج تھے، اور اسلام سے پہلے شراب چھوڑ چکے تھے، اسلام کے بعد چاہتے تھے کہ راہب بنجائین لیکن آنحضرت صلعم نے روکا **صُہیبؓ** عبداللہ بن جدعان کے تربیت یافتہ تھے جو اسلام سے پہلے تارک شراب ہوکر وفات پا چکے تھے، حضرت **ابوذر** جنکا اسلام لانے والون مین چھٹا یا ساتوان نمبر تھا، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بُت پرستی چھوڑ چکے تھے، اور غیر متعیّن طریقہ سے جس طرح اُن کے ذہن مین آتا تھا خدا کا نام لیتے تھے، اور نماز پڑھتے تھے۔ جب آنحضرت صلعم کا حال سنا تو اپنے بھائی کو بھیجا کہ صحیح خبر لائین۔ وہ **مکہ** مین آئے، اور آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوکر قرآن مجید کی سورتین سنین واپس جاکر **ابوذر** سے کہا کہ مین نے ایک شخص کو دیکھا جسکو لوگ مرتد کہتے ہین۔ وہ مکارم اخلاق سکھاتا ہے اور جو کلام سناتا ہے وہ شعر نہین کوئی اور چیز ہے، تمھارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے" **ابوذر** کو تسکین نہین ہوئی، خود مکہ مین آئے زبانِ مبارک سے آپ کا ارشاد سنا اور اسلام قبول کرلیا، وہ تمام عمر دنیاوی تعلقات سے الگ رہے، اُن کا عقیدہ تھا کہ جو شخص زر و مال جمع کرتا ہے وہ مسلمان نہین۔ چنانچہ اسی بنا پر حضرت عثمان نے اپنے زمانہ مین ان کو مدینہ سے دور بھیجدیا تھا۔[1]

(۲) بعض صحابہ ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے، یعنی وہ لوگ جو زمانۂ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کرچکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کا پیرو کہتے تھے، لیکن اس

[1] حضرت ابوذر کے اسلام لانے کا واقعہ بخاری و مسلم دونون مین مذکور ہے لیکن باہم اختلاف ہے مین نے دونون سے کچھ کچھ لیا ہے لیکن اختصار کے لحاظ سے بہت سی باتین چھوڑ دین۔

اجمالی اعتقاد کے سوا اور کچھ نہین جانتے تھے، اور اس لیے تلاش حق مین سرگردان تھے۔ انہی مین زید بھی تھے، جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ اُنھون نے تو آنحضرت صلعم کی بعثت سے پانچ برس پہلے وفات پائی لیکن ان کے صاحبزادے سعید موجود تھے۔ وہ باپ کے ارشادات سن چکے تھے آنحضرت صلعم سے ملے، تو ان کو وہ رہنما ہاتھ آگیا جسکی جستجو مین ان کے باپ دنیا سے چلے گئے، اور وہ اب تک سرگشتہ تھے،

(۳) یہ امر سب مین مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم مین سے کوئی منصب نہین رکھتے تھے، بلکہ اکثر ایسے تھے مثلاً عمار، خباب، ابوفکیہہ، صہیب، وغیرہ جنکو دولت وجاہ کے دربار مین جگہ بھی نہین ملسکتی تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلعم ان لوگون کو لیکر حرم مین جاتے تو روسائے قریش منہسکر کہتے،

أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا (انعام) یہی وہ لوگ ہین جنپر خدانے ہملوگون کو چھوڑکر احسان کیا ہے،

کفار کے نزدیک اُن کا افلاس اُن کی تحقیر کا سبب تھا، لیکن یہی چیز تھی جسکی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے ان ہی کے ہات آسکتی تھی، دولت ومال ان کے دلون کو سیاہ نہین کرچکا تھا۔ فخر وغرور ان کو انقیاد حق سے روک نہین سکتا تھا، ان کو یہ ڈر نہ تھا کہ اگر بت پرستی چھوڑ دین گے، تو کعبہ کا کوئی منصب عظیم ہات سے جاتا رہے گا۔ غرض اُن کے دل ہر قسم کے زنگ سے پاک تھے، اور حق کی شعاعین اُن پر دفعتہ پرتوافگن ہوسکتی تھین یہی سبب ہے کہ انبیاء کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوتے ہین۔ عیسائیت کے ارکان اولین ماہی گیر تھے حضرت نوحؑ کے مقربین خاص کی نسبت کفار کو علانیہ کہنا پڑا۔

وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا اور ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہین کہ تیری پیروی انہی لوگون نے کی

بادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ — جو رذیل ہین اور ہم تو تم مین کوئی برتری نہین پاتے

بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ (ھود) — بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو،

یہ سابقین اسلام جس قسم کا راسخ ایمان لائے تھے اسکی تفصیل آگے آتی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ **قریش** کی سخت خونخواریان، جور وظلم کے شدائد، دولت ومال کی انتہائی ترغیبین کوئی چیز ان کو متزلزل نہ کرسکی۔ اور آخر انہی کمزور ہاتون نے **قیصر و کسریٰ** کا تخت الٹ دیا۔

تین برس تک **آنحضرت** (صلے اللہ علیہ وسلم) نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا، لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہوچکا تھا، صاف حکم آیا،

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (حجر) — اور تجکو جو حکم دیا گیا ہے واشگاف کہدے۔

اور نیز حکم آیا۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (شعراء) — اور اپنے نزدیک کے خاندان والون کو خدا سے ڈرا۔

آنحضرت صلعم نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش! لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ "اگر مین تم سے یہ کہون کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟" سب نے کہا "ہان۔ کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہمنے سچ بولتے دیکھا ہے" آپ نے فرمایا "تو مین یہ کہتا ہون کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا[1]" یہ سنکر سب لوگ جن مین ابولہب آپ کا چچا بھی تھا سخت برہم ہو کر چلے گئے،

چند روز کے بعد آپ نے حضرت علی سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ درحقیقت تبلیغ اسلام

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ...

کا پہلا موقع تھا، تمام خاندانِ عبد المطلب مدعو کیا گیا، حمزہ۔ ابو طالب، عباس سب شریک تھے
آنحضرت صلعم نے کھانے کے بعد کھڑے ہوکر فرمایا کہ "مین وہ چیز لیکر آیا ہون جو دین اور دنیا
دونون کو کفیل ہے۔ اِس بارِ گران کے اُٹھانے مین کون میرا ساتھ دے گا" تمام مجلس مین
سناٹا تھا دفعۃً حضرت علی نے اُٹھکر کہا "گو مجھکو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگین تپلی ہین، اور گو مین
سب سے نوعمر ہون، تاہم مین آپ کا ساتھ دون گا"

قریش کے لیے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن مین ایک سیزدہ سالہ نوجوان
ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہین حاضرین کو بیساختہ ہنسی آگئی، لیکن آگے چلکر زمانے نے بتا دیا
کہ یہ سراپا سچ تھا۔

اب مسلمانون کی ایک معتد بہ جماعت تیار ہوگئی تھی جنکی تعداد چالیس سے زیادہ تھی، آپ
نے حرمِ کعبہ مین جاکر توحید کا اعلان کیا۔ کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی،
اس لیے دفعۃً ایک ہنگامہ برپا ہوگیا، اور ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے، آنحضرت صلعم
کے ربیب حارث بن ابی ہالہ گھر مین تھے، ان کو خبر ہوئی دوڑے ہوئے آئے، اور
آنحضرت صلعم کو بچانا چاہا، لیکن ہر طرف سے اُن پر تلوارین پڑین اور وہ شہید ہوگئے، اسلام
کی راہ مین یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی[1]۔

قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب	مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قریش کا خاندان جو تمام عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا اور جسکی وجہ سے وہ ہمسایگانِ خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندانِ الٰہی کہلاتے

[1] اصابہ فی احوال الصحابۃ ذکر حارث بن ابی ہالہ۔

تھے، اسکی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے، اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا، یہان تک کہ متعدد محکمے اور بڑے بڑے مناصب قائم کئے گئے جنکی تفصیل یہ ہے۔

منصب[1]	منصب کی تفصیل	کس خاندان کو کون منصب حاصل تھا	آنحضرت صلعم کے زمانہ مین کون لوگ ان مناصب پر ممتاز تھے
حجابۃ	کعبہ کی کلید برداری اور تولیت		عثمان بن طلحہ،
رفادہ	غریب حجاج کی خبرگیری	خاندان نوفل	حرث بن عامر
سقایۃ	حجاج کے پانی پلانے کا انتظام	خاندان ہاشم	حضرت عباس
مشورہ		خاندان اسد	یزید بن ربیعۃ الاسود
دیات ومغارم	خون بہا کا فیصلہ کرنا۔	خاندان تیم	حضرت ابوبکر
عقاب	علم برداری	خاندان امیہ	ابوسفیان
قبتہ	خیمہ وخرگاہ کا انتظام اور سوارونکی افسری	خاندان مخزوم	ولید بن مغیرہ
سفارت ومنافرت	سفیر ہوکر جانا اور جن قبیلون مین یہ نزاع پیش آئے کہ شریف تر کون ہے اس کا فیصلہ کرنا	خاندان عدی	حضرت عمر
ازلام وایسار	محکمۂ فال کا انتظام	خاندان جمح	صفوان بن امیہ
اموال	مہتمم خزانہ	خاندان سہم	حرث بن قیس

آغاز اسلام مین جو لوگ قریش کے رؤسائے اعظم تھے اور جن کی عظمت واقتدار کا اثر

[1] یہ تمام تفصیل عقد الفرید جلد دوم صفحہ ۴۳ مین ہے۔

تمام مکہ پر تھا ان کے نام یہ ہین۔

ابوسفیان بن حرب (معاویہ کا باپ)	حرب فجار مین انہی کا باپ قریش کا سپہ سالار تھا۔
ابولہب (آنحضرت صلعم کا چچا)	
ابوجہل	ولید بن مغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار۔
ولید بن مغیرہ (حضرت خالد کا باپ)	قریش کا رئیس اعظم تھا۔
عاص بن وائل سہمی (حضرت عمرو بن العاص کا باپ)	نہایت دولتمند کثیر الاولاد اور صاحب اثر تھا۔
عتبہ بن ربیعہ (امیر معاویہ کا نانا)	نہایت شریف الطبع اور صاحب ریاست تھا۔

ان کے سوا، اسود بن عبدالمطلب، اسود بن عبدیغوث۔ نضر بن الحرث بن کلدۃ، اخنس بن شریق ثقفی، ابی بن خلف، عقبہ بن معیط اموی، صاحب اثر تسلیم کیے جاتے تھے۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خاندان ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے، اور دونون مین مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی۔

پہلا سبب

نا تربیت یافتہ اور تندخو قومون کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو اُن کے آبائی رسم و عقائد کے خلاف ہو ان کو سخت برہم کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہین ہوتی، اور ان کی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہین سکتی۔ آج ہندوستان اس قدر مہذب ہو گیا ہے لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ مذہبی کی مخالفت کی جائے تو ایک حشر برپا ہو جاتا ہے، اور حکومت موجودہ اگر منتظم اور صاحب جبروت نہ ہوتی تو اس زمین پر بارہا خون کا بادل برس چکا تھا۔

عرب ایک مدت سے بت پرستی مین مبتلا تھا خلیل بُت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ

معبودون سے فرین تھی جن مین ہبل خدائے اعظم تھا، یہی بُت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے، پانی برساتے تھے، اولادین دیتے تھے، معرکہ ہائے جنگ مین فتحین دلاتے تھے، خدا، یا تو مرے سے نہ تھا یا تھا تو وجود معطّل تھا،

دوسرا سبب

اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعۃً برباد کردینا تھا لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان مین جن لوگون کو جسقدر زیادہ نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا، اُسی قدر مخالفت مین زیادہ سرگرم تھے،

قریش کا رئیس اعظم حرب بن امیہ تھا، چنانچہ حرب فجار مین وہی سپہ سالار اعظم تھا لیکن حرب کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان اس منصب عظیم کے حاصل کرنے کی قابلیت نہین رکھتا تھا اس لیے ولید بن المغیرہ نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی، ابوجہل اس کا بھتیجا تھا، اور وہ بھی قریش مین امتیاز رکھتا تھا۔

ابوسفیان گو اپنے باپ کا منصب نہ حاصل کرسکا لیکن بنوامیہ کے خاندان کا سردار وہی تھا خاندانِ ہاشم مین سب سے زیادہ کبیر السن ابولہب تھا۔ جو رسول اللہ صلعم کا حقیقی چچا تھا۔

قبیلہ سہم مین سب سے زیادہ بااثر عاص بن وائل تھا، جو نہایت دولت مند اور کثیر الاولاد تھا۔

قریش کی عنان حکومت انہی روسا کے ہاتھ مین تھی، اور یہی لوگ تھے، جنھون نے اسلام کی سخت مخالفت کی۔ قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن عبد المطلب۔ اسود بن عبد یغوث نضر بن الحرث امیہ بن خلف۔ عقبۃ بن معیط الاسدی انھین لوگون کے زیر اثر تھے، اور اس وجہ سے اعداے اسلام

مین ان کے نام ہر جگہ نمایان نظر آتے ہین۔

قریش کا یہ خیال تھا کہ **نبوت** کا منصب اعظم اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى   وہ لوگ کہتے ہین کہ قرآن کو اُترنا تھا، تو ان دو شہرون

رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (زخرف)   (مکہ وطائف) مین سے کسی رئیس اعظم پر اترنا تھا (یعنی ولید بن ربیعہ یا ابو مسعود ثقفی)

عرب مین ریاست کے لیے دولت اور اولاد سب سے پہلی اور سب سے ضروری شرط تھی، اولاد کی نسبت اکثر وحشی قومون مین (ہندوستان مین بھی) یہ خیال رہا ہے کہ جو شخص صاحب اولاد نہو، وہ عالم آخرت کی برکات سے محروم رہتا ہے۔

ہندوؤن مین بھی یہ خیال ہے کہ اولاد کے بغیر انسان کو پوری نجات نہین ملسکتی۔

قریش مین اوصاف مذکورہ کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے وہ ولید بن المغیرۃ۔ امیہ بن خلف، عاص بن وائل سہمی۔ اور ابو مسعود ثقفی تھے۔ رسول اللہ صلعم ان اوصاف سے بالکل خالی تھے، دولت کے غبار سے آپ کا دامن پاک تھا۔ اور اولاد ذکور سال دو سال سے زیادہ زندہ نہین رہی۔

تیسرا سبب

قریش کو عیسائیون سے بالطبع نفرت تھی جسکی وجہ یہ تھی ابرہۃ الاشرم (بادشاہ حبش) جو کعبہ کے ڈھانے کو آیا تھا۔ عیسائی تھا، یہی وجہ تھی کہ قریش عیسائیون کے مقابلہ مین پارسیون کو زیادہ پسند کرتے تھے ایران اور روم کی جنگ مین ایرانیون کو فتح ہوئی تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور مسلمان شکستہ ہوئے، چنانچہ یہ آیت اُتری۔

غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن   قریب کے ملک مین، رومی مغلوب ہوگئے لیکن یہ لوگ مغلوب ہونے

بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللّٰهِ (روم)

کے بعد چند سال مین پھر غالب آجائین گے۔ خدا ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی۔ اور تب مسلمان اللہ کی مدد سے خوشی منائین گے۔

اسلام اور نصرانیت مین بہت سی باتین مشترک تھین سب سے بڑھکر یہ کہ اس زمانہ مین اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا، اور مدینہ منورہ مین بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا، ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلعم عیسائیت قایم کرنا چاہتے ہین۔

چوتھا سبب

ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔ قریش مین دو قبیلہ نہایت ممتاز اور حریف یک دگر تھے، بنو ہاشم و بنو امیہ۔ عبد المطلب نے اپنے زور اور اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا لیکن ان کے بعد اس خاندان مین کوئی صاحب اثر نہین پیدا ہوا۔ ابو طالب دولت مند نہ تھے، عباس دولت مند تھے لیکن فیاض نہ تھے، ابولہب بدچلن تھا، اسپر بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ آنحضرت صلعم کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت صلعم کی مخالفت کی۔ بدر کے سوا باقی تمام لڑائیان ابو سفیان ہی نے برپا کین۔ اور وہی ان لڑائیون مین رئیس لشکر رہا۔

عقبۃ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت صلعم کا دشمن تھا، اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت مین آپ کے دوشِ مبارک پر اونٹ کی اوجھ لاکر ڈالی تھی اُموی تھا۔ بنو امیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنو ہاشم کی برابری کا دعوے تھا، وہ بنو مخزوم تھے۔ ولید بن المغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا۔ اس لیے اس قبیلہ نے بھی آنحضرت صلعم کی سخت مخالفت کی۔ ابو جہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق

ہوتی ہے۔ ایک دفعہ اخنس بن شریق ابوجہل کے پاس گیا اور کہا کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تمھاری کیا راے ہے؟" ابوجہل نے کہا ہم اور بنوعبد مناف (یعنی آلِ ہاشم) ہمیشہ حریف مقابل رہے اُنھون نے مہمانداریان کین تو ہم نے بھی کین۔ انھون نے خون بہا دیے تو ہم نے بھی دیے۔ انھون نے فیاضیان کین تو ہم نے اُن سے بڑھکر کین۔ یہان تک کہ جب ہم نے اُن کے کاندھے سے کاندھا ملا دیا تو اب بنوہاشم پیغمبری کے دعویدار ہین۔ خدا کی قسم ہم اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہین لا سکتے۔[1]

پانچوان سبب

ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش مین سخت بداخلاقیان پھیلی ہوئی تھین۔ بڑے بڑے اربابِ اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیون کے مرتکب تھے، ابولہب جو خاندان ہاشم مین سب سے زیادہ ممتاز تھا، اُسنے حرم محترم کے خزانہ سے غزال زرین چرا کر بیچ ڈالا تھا،[2] اخنس بن شریق جو بنوزہرہ کا حلیف اور روساے عرب مین شمار کیا جاتا تھا۔ نمام اور کذاب تھا۔ نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی۔ اسی طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمال شنیعہ مین گرفتار رہتے تھے، **آنحضرت** صلعم ایک طرف بت پرستی کی برائیان بیان فرماتے تھے۔ دوسری طرف ان بداخلاقیون پر سخت دار وگیر کرتے تھے جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شاہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی **قرآن مجید مین** پیہم علانیہ ان بدکارون کی شان مین آیتین نازل ہوتی تھین۔ اور گو طریقۂ بیان عام ہوتا تھا۔ لیکن لوگ جانتے تھے کہ روے سخن کس کی طرف ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ اور اس شخص کے کہنے مین نہ آنا جو بات بات مین قسم کھاتا ہو

[1] ابن ہشام صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مصر۔ [2] حرم مین ایک سونے کا ہرن مدت سے خزانہ مین محفوظ تھا۔ ابولہب نے چرا کر فروخت کر دیا۔ یہ واقعہ عموماً تاریخون مین مذکور ہے ابن قتیبہ نے بھی معارف مین اس کا ذکر کیا ہے۔

مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ (سورۂ قلم)

آبرو باختہ ہے۔ طاعن ہی چغلیان لگاتا ہی لوگون کو اچھے کامون سے روکتا ہے حد سے بڑھ گیا ہے بدہے، تندخو ہی اوران سب باتونکے ساتھ جھوٹا نسب بتاتا ہی اسلیے کہ وہ مالدار اور لڑکون والا ہی۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (سورۂ علق)

وہ سن رکھے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اُسکی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹینگے جو کہ جھوٹی اور خطا کار ہے۔

ممکن تھا کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا لیکن مدت کی عربی نخوت۔ دولت و اقتدار کا فخر، ریاست کا زعم ان چیزون کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ ہوتی وہ خبر نہ ہوتے۔ اس لیے بڑے بڑے جبار اس طرح مخاطب کیے جاتے تھے،

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا۔ (مدثر)

ہم کو اور اُس کو تنہا چھوڑ دو۔ مین نے اس کو پیدا کیا پھر بہت سا مال دیا۔ بیٹے دیے سامان دیا۔ پھر چاہتا ہے کہ ہم اسکو اور دین۔ ہرگز نہین۔ وہ ہماری آیتون کا دشمن ہے۔

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کے ساتھ ہے جو قریش کا سرتاج تھا، اور یہ الفاظ اُس شخص کی زبان سے ادا ہوتے تھے جسکو ظاہری جاہ و اقتدار حاصل نہ تھا۔

لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکسان تھا یہ تھا کہ جو معبود سیکڑون برس سے عرب کے حاجت روائے عام تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے، اسلام ان کا نام و نشان مٹاتا تھا، اور ان کی شان مین کہتا تھا،

اَنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (سُوْرَۃُ انْبِیَا) — تم اور جن چیزون کو تم پوجتے ہو سب دوزخ کے ایندھن ہون گے،

قریش کے تحمل کے اسباب

اِن اسباب کے ساتھ جن مین سے ہر ایک قریش کو سخت مشتعل کر دینے کے لیے کافی تھا۔ توقع یہ تھی کہ اعلان دعوت کے ساتھ سخت خونریزیان شروع ہو جاتین۔ لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا، اور اس کے ناگزیر اسباب تھے۔ قریش خانہ جنگیون مین تباہ ہو چکے تھے، اور حرب فجار کے بعد اس قدر عاجز آگئے تھے کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے۔ قبیلہ پرستی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی سی بات پر شروع ہو جاتی تھی کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے، مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا اور جب تک بدلا نہ لے لیا جائے یہ آگ بجھ نہین سکتی تھی، رسول اللہ صلعم کے قتل پر آمادہ ہونا قریش کے لیے نہایت آسان تھا، لیکن وہ جانتے تھے کہ بنو ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑین گے اور پھر سلسلہ بسلسلہ تمام مکہ جنگ مین مبتلا ہو جائے گا، بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے اور قریباً کوئی قبیلہ ایسا باقی نہ تھا جس مین دو ایک شخص اسلام نہ لا چکے ہون اس لیے اسلام اگر جرم تھا تو صرف ایک شخص اس کا مجرم نہ تھا۔ بلکہ سیکڑون تھے۔ اور سب کا استیصال کرنا ممکن نہ تھا،

روسائے قریش مین متعدد ایسے تھے جو شریف النفس تھے، وہ بدنفسی کیوجہ سے نہین بلکہ اپنے خیال مین نیک نیتی کی بنا پر مخالفت کرتے تھے۔ اس بنا پر وہ چاہتے تھے کہ معاملہ صلح و آشتی سے طے ہو جائے[1]

[1] یہ آیت غالباً انھین لوگون کی شان مین ہے وَھُمْ یَنْھَوْنَ عَنْہُ وَیَنْئَوْنَ عَنْہُ، (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۵ پر دیکھو

غرض جب آنحضرت صلعم نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززون نے ابوطالب سے آکر شکایت کی، ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا لیکن چونکہ بنائے نزاع قایم تھی یعنی آنحضرت صلعم اداے فرض سے باز نہ آسکتے تھے، اس لیے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی۔ اس مین تمام روسائے قریش یعنی عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ۔ ابوسفیان عاص بن ہشام۔ ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے، ان لوگون نے ابوطالب سے کہا کہ تمھارا بھتیجا ہمارے معبودون کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آبا و اجداد کو گمراہ کہتا ہے ہمکو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لیے یا تو تم بیچ مین سے ہٹ جاؤ۔ یا تم بھی میدان مین آؤ کہ ہم دونون مین سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب تحمل نہین کر سکتے اور مین تنہا قریش کا مقابلہ نہین کر سکتا۔ آنحضرت صلعم سے مختصر لفظون مین کہا کہ "جان عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال، کہ مین اُٹھا نہ سکون" رسول اللہ صلعم کی ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابوطالب تھے، آنحضرت صلعم نے دیکھا کہ اب اُن کے پاے ثبات مین بھی لغزش ہے، آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا "خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ مین سورج اور دوسرے مین چاند لا کر دے دین تب بھی مین اپنے فرض سے باز نہ آؤن گا، خدا یا اس کام کو پورا کرے گا یا مین خود اس پر نثار ہو جاؤن گا"۔ آپ کی پر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا۔ رسول اللہ صلعم سے کہا "جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا[1] نہین کر سکتا"۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴) یعنی آنحضرت صلعم کی ایذا رسانی سے تو لوگون کو منع کرتے تھے لیکن آپ کے دعواے نبوت سے دور بھٹتے تھے،، اصابہ ذکر ابی طالب بحوالہ عبد الرزاق۔ س

[1] ابن ہشام صفحہ ۱۰۹۔ امام بخاری نے بھی تاریخ مین یہ واقعہ اختصار کیساتھ نقل کیا ہے۔

آنحضرت صلعم بدستور دعوت اسلام مین مصروف ہوئے، قریش اگرچہ آنحضرت صلعم کے قتل کا ارادہ نہ کرسکے۔ لیکن طرح طرح کی اذیتین دیتے تھے۔ راہ مین کانٹے بچھاتے تھے نماز پڑھنے مین جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے۔ بدزبانیان کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حرم مین نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن معیط نے آپ کے گلے مین چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنون کے بل گر پڑے قریش متحیر تھے کہ آپ یہ سب سختیان کیون جھیلتے ہین۔ انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش کے سوا اور کیا خیال کرسکتا ہے۔ قریش نے بھی یہی خیال کیا۔ اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت صلعم کے پاس آیا اور کہا "محمد! کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے مین شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ مہیا کرسکتے ہین۔ اور اس پر بھی راضی ہین کہ کل مکہ تمہارا زیر فرمان ہوجائے لیکن ان باتون سے باز آؤ" عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا پورا یقین تھا لیکن ان سب ترغیبات کے جواب مین آپ نے قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ (حم۔ السجدة)	اے محمد کہہ دے کہ مین تمھین جیسا آدمی ہون۔ مجھ پر وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے۔ پس سیدھے اسکی طرف جاؤ اور اُسی سے معافی مانگو۔
قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ۔ (حم۔ السجدة)	کہدے کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو جسنے دو دن مین یہ زمین پیدا کی۔ اور تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو یہی سارے جہان کا پروردگار ہے

عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا، اُس نے قریش سے جاکر کہدیا کہ محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہین وہ شاعری نہین کوئی اور چیز ہے، میری راے یہ ہے کہ تم اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہوکر عرب پر غالب آجائین گے تو یہ تمھاری ہی عزت ہے۔ ورنہ عرب ان کو خود فنا کردیگا لیکن قریش نے یہ راے نامنظور کی۔

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام ۶ سنہ نبوی

آنحضرت صلعم کے اعمام مین سے حضرت حمزہ کو آپ سے خاص محبت تھی، وہ آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے۔ اور ساتھ کے کھیلے تھے۔ دونون نے ثویبہ کا دودھ پیا تھا اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ابھی تک اسلام نہین لائے تھے لیکن آپکی ہرادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، اُن کا مذاقِ طبیعت سپہگری اور شکار افگنی تھا۔ معمول تھا کہ منہ اندھیرے تیر کمان لے کر نکل جاتے، دن دن بھر شکار مین مصروف رہتے شام کو واپس آتے تو پہلے حرم مین جاتے طواف کرتے قریش کے رُؤسا صحن حرم مین الگ الگ دربار جماکر بیٹھا کرتے تھے حضرت حمزہ ان لوگون سے صاحب سلامت کرتے کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے، اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا اور سب لوگ انکی قدر و منزلت کرتے تھے۔

آنحضرت صلعم کے ساتھ مخالفین جس بیرحمی سے پیش آتے تھے بیگانون سے بھی دیکھا نہ جاسکتا تھا۔ ایک دن ابوجہل نے رُو در رُو آپ کے ساتھ نہایت سخت گستاخیان کین۔ ایک کنیز دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہ شکار سے آئے تو اُس نے تمام ماجرا کہا۔ حضرت حمزہ غصہ سے بے تاب ہوگئے تیر و کمان ہاتھ مین لیے حرم مین آئے اور ابوجہل سے کہا، مین مسلمان ہوگیا ہون"

آنحضرت صلعم کے جوش حمایت مین انہون نے اسلام کا اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعۃً کیونکر چھوڑ دون تمام دن سوچتے رہے۔ بالآخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے[۱]۔ وہی چار روز کے بعد حضرت عمر بھی اسلام لائے،

حضرت عمر کا ستائیسوان[۲] سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے۔ حضرت عمر کے گھرانے مین زید کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہین رہی تھی چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے، سعید کا نکاح حضرت عمر کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا، اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئین۔ اسی خاندان مین ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے، اُن کے کانون مین جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہان تک کہ قبیلہ مین جو لوگ اسلام لا چکے تھے اُن کے دشمن بن گئے، لبینہ اُن کے خاندان کی کنیز تھی جسنے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کو بے تحاشا مارتے، اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ "دم لے لون تو پھر مارون گا" لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زد و کوب سے دریغ نہین کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا ان تمام سختیون پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بد دل نہ کر سکے، آخر مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کے قتل کا ارادہ کیا تلوار کمر سے لگا سیدھے رسول اللہ صلعم کی طرف چلے کارکنان قضا نے کہا ع آمد آن یار یکہ ما میخواستیم۔

---

[۱] حضرت حمزہؓ کے اسلام کا واقعہ عموماً سب نے لکھا ہے لیکن یہ اخیر واقعہ مین نے صرف روض الانف مین دیکھا۔ [۲] حضرت عمرؓ کے قبول اسلام، مین الفاروق مین مفصل لکھ چکا تھا۔ اسی کو بعینہ یہان نقل کر دیا ہے کہین کہین بعض الفاظ یا ... بدل دیئے

راہ مین اتفاقاً نعیم بن عبداللہ ملگئے، ان کے تیور دیکھکر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد صلعم کا فیصلہ کرنے جاتا ہون، انہون نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ خود تمہارے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہین۔" فوراً پلٹے اور بہن کے ہان پہونچے وہ قرآن پڑھ رہی تھین ان کی آہٹ پاکر چپ ہوگئین اور قرآن کے اجزا چھپا لیے۔ لیکن آواز اُن کے کانون مین پڑچکی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ بولین کچھ نہین، اُنہون نے کہا مین سُن چکا ہون تم دونون مرتد ہوگئے ہو، یہ کہکر بہنوئی سے دست وگریبان ہوے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئین تو ان کی بھی خبر لی۔ یہان تک کہ انکا جسم لہولہان ہوگیا۔ لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی، بولین کہ "عمر جو بن آے کرو۔ لیکن اسلام اب دل سے نکل نہین سکتا"، ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، دیکھکر اور بھی رقت ہوئی فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھکو بھی سناؤ، فاطمہ نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے رکھدیے اُٹھاکر دیکھا تو یہ سورۃ تھی

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (حدید) — زمین اور آسمان مین جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا ہے اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہے۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا، یہان تک کہ جب اس آیت پر پہنچے،

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (حدید) — خدا پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ،

تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، — مین گواہی دیتا ہون کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہین اور یہ کہ محمد خدا کے پیغمبر ہین۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) **ارقم** کے مکان مین جو کوہِ صفا کی تلی مین واقع تھا پناہ گزین تھے۔ **حضرت عمر** نے آستانۂ مبارک پر پہنچکر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف گئے تھے صحابہ کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہ نے کہا "آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے۔ ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دونگا" حضرت عمر نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلعم خود آگے بڑھے، اور ان کا دامن پکڑ کے فرمایا "کیون عمر کس ارادہ سے آیا ہے؟" نبوت کی پُر جلال آواز نے انکو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ "ایمان لانے کے لیے" آنحضرت صلعم بیاختہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پکار اُٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے ملکر اس زور سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیان گونج اُٹھین[1]۔

حضرت عمر کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ مین نیا دور پیدا کر دیا، اسوقت تک اگرچہ چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے، عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہدا نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہین ادا کر سکتے تھے، اور کعبہ مین نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمر کے اسلام کے ساتھ دفعۃً یہ حالت بدل گئی۔ اُنھون نے علانیہ اسلام ظاہر کیا۔ کافرون نے اوّل اوّل بڑی شدت کی لیکن وہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ یہانتک کہ مسلمانون کی جماعت کے ساتھ کعبہ مین جاکر نماز ادا کی۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبداللہ بن مسعود کی زبانی ان الفاظ مین روایت کیا ہے۔

فلما اسلم عمر قاتل قریشا حتی صلی — جب عمر اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہانتک

---

[1] انساب الاشراف بلاذری و طبقات ابن سعد و اسد الغابہ و ابن عساکر و کامل ابن الاثیر۔

عندالکعبۃ وصلّینا معہٗ — کعبہ مین نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم لوگون نے بھی پڑھی

صحیح بخاری مین ہو کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اتفاق سے عاص بن وائل آنکلا اسنے پوچھا کیا ہنگامہ ہی لوگون نے کہا عمر مرتد ہو گئے۔ عاص بن وائل نے کہا اچھا تو کیا ہوا مین نے عمر کو پناہ دی۔

تعذیب مسلمین — رسوخ عزم، قوتِ ارادہ، شدتِ عمل، انسان کے اصلی جوہر ہین۔ اور داد کے قابل ہین لیکن انہی اوصاف کا رخ جب بدل جاتا ہے تو وہ سخت دلی۔ بیرحمی۔ درندہ طبعی اور سفاکی کا مہیب قالب اختیار کر لیتے ہین۔

اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا اور رسول اللہ صلعم اور اکابر صحابہ کو اُن کے قبیلون نے اپنے حِصار حفاظت مین لے لیا۔ تو قریش کا طیش و غضب ہر طرف سے سمٹ کر اُن غریبون پر ٹوٹا جنکا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ ان مین کچھ غلام اور کنیزین تھین، کچھ غریب الوطن تھے، جو دو ایک پشت سے مکہ مین آرہے تھے، اور کچھ کمزور قبیلون کے آدمی تھے۔ جو کسی قسم کی عظمت و اقتدار نہین رکھتے تھے، **قریش** نے انکو اس طرح ستانا شروع کیا کہ جور و ستم کی تاریخ مین اسکی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے۔

یہ آسان تھا کہ مسلمانون کی خس و خاشاک سے سرزمینِ عرب دفعۃً پاک کر دیجاتی لیکن قریش کا نشۂ انتقام اس سے اُتر نہین سکتا تھا۔ مسلمان اگر اپنے مذہب پر ثابت قدم رہ کر پیوند خاک کر دیے جاتے تو اس مین جس قدر قریش کی تعریف نکلتی اس سے زیادہ اُن بیکسون کا صبر و استقلال داد طلب ہوتا۔ قریش کی شان اسوقت قایم رہ سکتی تھی جب یہ لوگ جادۂ اسلام سے پھر کر پھر قریش کے مذہب مین آجاتے، یا شاید ان کو مسلمانون کی سخت جانی کا

امتحان لینا، اور اسکی داد دینا منظور تھا۔

قریش مین ایسے لوگ بھی تھے جنکا دل واقعی اس حالت پر جلتا تھا کہ ان کا مدتون کا بنا بنایا کارخانہ درہم برہم ہوا جاتا ہے۔ اُن کے آبا و اجداد کی تحقیر کیجاتی ہے قابل احترام معبودون کی عظمت مٹی جاتی ہے، یہ لوگ صرف حسرت و افسوس کرکے رہ جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ چند خام طبعون کے دماغ مین خلل آگیا ہے۔ **عتبہ**۔ **عاص بن وائل** وغیرہ اسی قسم کے لوگ تھے لیکن **ابوجہل**، **امیّہ بن خلف** وغیرہ کا معیار اس سے زیادہ بلند تھا۔

مسلمانون پر ظلم کے طریقے۔

بہر حال قریش نے جور و ظلم کے عبرت ناک کارنامے شروع کئے، جب ٹھیک دوپہر ہوجاتی تو وہ غریب مسلمانون کو پکڑتے، عرب کی تیز دھوپ، ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے، وہ ان غریبون کو اسی توے پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھدیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائین، بدن پر گرم بالو بچھاتے۔ لوہے کو آگ پر گرم کرکے اُس سے داغتے۔ پانی مین ڈبکیان دیتے[1]

یہ مصیبتین اگرچہ تمام بیکس مسلمانون پر عام تھین لیکن ان مین جن لوگون پر قریش زیادہ مہربان تھے اُن کے نام یہ ہین۔

خبّابرضی **بن الارتّ**، تمیم کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت مین غلام بناکر فروخت کردیے گئے تھے۔ ام انمار نے خرید لیا تھا۔ یہ اُس زمانہ مین اسلام لائے جب آنحضرت صلعم **ارقم** کے گھر مین مقیم تھے، اور صرف چھ سات شخص اسلام لاچکے تھے۔ **قریش** نے ان کو طرح طرح کی

---

[1] یہ واقعات ابن سعد نے بلال و صہیب کے حال مین بہ تفصیل لکھے ہین۔ دیکھو کتاب مذکور۔ جلد ثالث تذکرہ صحابۂ بدر۔

تکلیفین دین ایک دن کوئلے جلاکر زمین پر بچھائے اُسپر چِت لٹایا۔ ایک شخص چھاتی پر پانون رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائین۔ یہان تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہوگئے خباب نے مدتون کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھولکر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی۔[۱] (خباب جاہلیت مین لوہاری کا کام کرتے تھے، اسلام لائے تو بعض لوگون کے ذمہ ان کی بقایا تھی، مانگتے تو جواب ملتا جب تک محمد کا انکار نہ کروگے، ایک کوڑی نہ ملے گی، یہ کہتے کہ نہین۔ جب تک تم مرکر پھر جیو نہین۔[۲])

حضرت بلالؓ، یہ وہی حضرت بلال ہین جو مؤذن کے لقب سے مشہور ہین۔ حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب ٹھیک دوپہر ہوجاتی تو امیہ انکو جلتی بالو پر لٹاتا۔ اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائین۔ اِن سے کہتا کہ اسلام سے باز آ۔ ورنہ یون ہی گھٹ گھٹ کر مرجائے گا۔ لیکن اسوقت بھی ان کی زبان سے "احد"، کا لفظ نکلتا۔ جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے مین رسی باندھی اور لونڈون کے حوالہ کیا۔ وہ ان کو شہر کے اِس سرے سے اُس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے۔ لیکن اب بھی وہی رٹ تھی اَحَدٌ اَحَدٌ۔

عمارؓ، یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد "یاسر"، مکہ مین آئے۔ ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سُمیہ تھا، شادی کردی۔ عمار اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لاچکے تھے۔ قریش اُن کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بیہوش ہوجاتے ان کے والد۔ اور والدہ کے ساتھ بھی

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد سوم۔ تذکرہ خباب۔ [۲] صحیح بخاری صفحہ ۶۹۱۔

یہی سلوک کیا جاتا تھا۔

سُمیّہ، حضرت عمّار کی والدہ تھین۔ ان کو ابو جہل نے اسلام لانے کے جرم مین برچھی ماری اور ہلاک ہوگئین۔

یاسر حضرت عمار کے والد تھے۔ یہ بھی کافرون کے ہاتھ سے اذیت اُٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہوگئے۔

صُہیب۔ یہ رومی مشہور ہین لیکن درحقیقت رومی نہ تھے، ان کے والد سنان کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے حاکم تھے۔ اور ان کا خاندان موصل مین آباد تھا۔ ایک دفعہ رومیون نے اِس نواح پر حملہ کیا، اور جن لوگون کو قید کرکے لے گیے ان مین صہیب بھی تھے۔ یہ روم مین پلے اِس لیے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے۔ ایک عرب نے ان کو خریدا اور مکہ مین لایا یہان عبداللہ بن جدعان نے انکو خرید کرکے آزاد کردیا،

آنحضرت صلعم نے جب دعوت اسلام شروع کی، تو یہ اور عمار بن یاسر ایک ساتھ آنحضرت صلعم کے پاس آئے، آپ نے اسلام کی ترغیب دی اور یہ مسلمان ہوگئے[۱]، **قریش** انکو اسقدر اذیت دیتے تھے کہ اُن کے حواس مختل ہوجاتے تھے۔ جب انھون نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو، انھون نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمر جب نماز پڑھانے مین زخمی ہوئے تو اپنے بجاے انھی کو امامت دی تھی

---

[۱] ابن الاثیر، ذکر تعذیب المستضعفین۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ عمار اُسوقت ایمان لاے جب آنحضرت صلعم ارقم کے مکان مین چلے آئے تھے۔ اور جبکہ تینتیس ۳۳ شخص سے زیادہ اسلام لاچکے تھے۔

ابوفکیہہ - صفوان بن امیتہ کے غلام تھے، اور حضرت بلال کے ساتھ اسلام لائے، امیتہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُن کے پانون مین رسّی باندھی اور آدمیون سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے لیجائین اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائین - ایک "گبریلا" راہ مین جا رہا تھا امیتہ نے اُنسے کہا "تیرا خدا یہی تو نہین ہے" انھون نے کہا "میرا اور تیرا دونون کا خدا اللہ تعالیٰ ہے" اِس پر امیّہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکلگیا - ایک دفعہ اُن کے سینہ پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھدیا کہ انکی زبان نکل پڑی[۱]

لُبَینَتہ - یہ بیچاری ایک کنیز تھین، حضرت عمر[۲] اِس بیکس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے کہ "مین نے تجھکو رحم کی بنا پر نہین بلکہ اِس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہون" وہ نہایت استقلال سے جواب دیتین کہ "اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا"

زنیرہ - حضرت عمر کے گھرانے کی کنیز تھین - اور اس وجہ سے حضرت عمر (اسلام سے پہلے) ان کو جی کھولکر ستاتے، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھین جاتی رہین -

نہدیہ اور **ام عبیس**، یہ دونون بھی کنیزین تھین اور اسلام لانے کے جرم مین سخت سے سخت مصیبتین جھیلتی تھین -

حضرت ابوبکر کے دفتر فضائل کا یہ پہلا باب ہے کہ انھون نے ان مظلومون مین سے اکثرون کی جان بچائی - حضرت بلال - عامر بن فہیرہ - لبینہ - زنیرہ - نہدیہ، ام عبیس سب کو بھاری بھاری دامون پر خریدا اور آزاد کر دیا

---

[۱]
[۲] حضرت عمر اسوقت تک اسلام نہین لائے تھے،

یہ لوگ وہ تھے جنکو قریش نے نہایت سخت جسمانی اذیتین پہنچائین۔ ان سے کم درجہ پر وہ لوگ تھے جن کو طرح طرح سے ستاتے تھے۔

(حضرت عثمان جو کبیر السن اور صاحب جاہ و اعزاز تھے، جب اسلام لائے، تو دوسرون نے نہین بلکہ خود اُن کے چچا نے رسّی سے باندھ کر مارا[1]۔ حضرت ابوذر جو ساتوین مسلمان ہین جب مسلمان ہوئے اور کعبہ مین اپنے اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے مارتے مارتے انکو لٹا دیا[2]۔ حضرت زبیر بن العوام جنکا مسلمان ہونے والون مین پانچوان نمبر تھا جب اسلام لائے تو ان کے چچا ان کو چٹائی مین لپٹکر ان کی ناک مین دھوان دیتے تھے[3]۔ حضرت عمر کے چچازاد بھائی سعید بن زید جب اسلام لائے، تو حضرت عمر نے ان کو رسّیون سے باندھ دیا[4]۔ سعد بن وقاص فاتح ایران اگرچہ نہایت معزز اور اپنے قبیلہ مین نہایت مقتدر تھے، تاہم کفار کے ستم سے محفوظ نہ تھے۔ بنو اسد اسلام کے جرم پر ان کو سخت سزائین دیتے تھے[5]) لیکن یہ تمام مظالم، یہ جلّادانہ بیرحمیان، یہ عبرت خیز سفاکیان، ایک مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کرسکین۔ ایک نصرانی مورخ نے نہایت سچ لکھا۔

"عیسائی اس کو یاد رکھین تو اچھا ہو کہ محمد صلعم کے مسائل نے وہ درجہ نشہ دینی کا آپ کے پیروؤن مین پیدا کیا جس کو عیسیٰ کے ابتدائی پیروؤن مین تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔۔۔۔۔۔ جب عیسیٰ کو سولی پر لے گئے تو اُن کے پیرو بھاگ گئے، انکا

---

[1] طبقات ترجمہ عثمان بن عفان۔ [2] بخاری۔ [3] ریاض النضرۃ للمحب الطبری [4] بخاری صفحہ ۱۰۲۷۔ اس وقت تک حضرت عمر اسلام نہین لائے تھے۔ [5] صحیح بخاری صفحہ ۵۱۵۔)

نشہ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ مین گرفتار چھوڑ کر چلدیے.....

برعکس اس کے محمد (صلعم) کے پیرو، اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے، اور آپکے

بچاؤ مین اپنی جانین خطرہ مین ڈال کر کل دشمنون پر آپ کو غالب کیا۔[1]

ہجرت حبش ۵ سنہ نبوی قریش کے ظلم وتعدی کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو رحمت عالم نے

جان نثاران اسلام کو ہدایت کی کہ حبش کو ہجرت کر جائین۔ حبش قریش کا قدیم تجارت گاہ تھا

وہان کے حالات پہلے سے معلوم تھے، اہل عرب حبش کے فرمان روا کو نجاشی[2] کہتے تھے،

اور اس کے عدل وانصاف کی عام شہرت تھی۔

جان نثاران اسلام ہر قسم کی تکلیف جھیل سکتے تھے اور ان کا پیمانہ صبر لبریز نہین ہوسکتا

تھا لیکن مکہ مین رہ کر فرائض اسلام کا آزادی سے بجالانا ممکن نہ تھا، اسوقت تک حرم کعبہ مین کوئی

شخص بلند آواز سے قرآن نہین پڑھ سکتا تھا۔ عبد اللہ بن مسعود جب اسلام لائے تو انہون نے کہا

مین اس فرض کو ضرور ادا کرون گا۔ لوگون نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ حرم مین گئے اور

مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہوکر سورۂ الرحمٰن پڑھنا شروع کیا۔ کفار ہر طرف سے ٹوٹ

پڑے۔ اور ان کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کئے، اگرچہ انھون نے جہان تک پڑھنا تھا،

پڑھ کر دم لیا۔ لیکن واپس گئے تو چہرہ[3] پر زخم کے نشان لیکر گئے (حضرت ابوبکر جاہ واقتدار

مین دیگر روسائے قریش سے کم نہ تھے، لیکن آواز سے قرآن نہین پڑھ سکتے تھے، اور اِسی

---

[1] پالوجی گاڈ فری ہیگنس ترجمۂ اردو صفحہ ۶۶ و ۶۷، مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء (۲) نجاشی۔ حبشی لفظ نجوس کی تعریب ہے جس کے معنی حبشی مین بادشاہ کے ہین۔ نجاشی کا نام "اصحمہ" تھا۔ بخاری باب موت النجاشی) سس۔

[3] طبری صفحہ ۱۱۱۸۔ مطبوعہ یورپ۔

بناپرایک بار ہجرت کے لیے آمادہ ہو گئے[۱])

اس کے علاوہ ہجرت سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ جو شخص اسلام لیکر جہان جاتا وہان اسلام کی شعاعین خود بخود پھیلتی تھین۔

غرض آنحضرت صلعم کی ایما سے اوّل اوّل گیارہ مرد اور چار عورتون نے ہجرت کی جنکے نام حسب ذیل ہین۔

حضرت عثمانؓ	مع اپنی زوجۂ محترمہ رقیہ کے جو رسول کریم کی صاحبزادی تھین۔
ابو حذیفہ۔ عتبہ۔ مع اپنی زوجہ کے جنکا نام سہلہ تھا۔	انکا باپ عتبہ قریش کا مشہور سردار تھا۔ لیکن چونکہ سخت کافر تھا اس لیے ان کو گھر چھوڑنا پڑا۔
زبیر بن العوام	رسول اللہ صلعم کے پھوپھیرے بھائی اور مشہور صحابی تھے
مُصعب بن عمیر	ہاشم کے پوتے تھے۔
عبدالرحمٰن بن عوف	مشہور صحابی اور عشرۂ مبشرہ مین شمار کیے جاتے ہین۔ قبیلۂ زہرہ سے تھے اور اس بناپر آنحضرت صلعم کے ننہالی رشتہ دار تھے،
ابو سلمہ مخزومی مع اپنی زوجہ ام سلمہ کے۔	یہ ام سلمہ وہی ہین جو ابو سلمہ کے مرنے کے بعد آنحضرت صلعم کے عقد مین آئین۔
عثمان بن مظعون جمحی	مشہور صحابی ہین۔

[۱] بخاری باب ہجرت مدینہ۔)

عامرہ بن ربیعہ مع اپنی زوجہ کے جنکا نام لیلی تھا۔	سابقین اولین مین ہین۔ بدر مین بھی شریک تھے حضرت عثمان نے سفر حج مین انکو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا (اصابہ)
ابوبرۃ بن ابی رہم	ان کی مان برۃ آنحضرت صلعم کی پھوپھی تھین یہ سابقین فی الاسلام مین ہین حافظ ابن حجر نے اصابہ مین لکھا ہے کہ یہ ہجرت ثانیہ مین گئے تھے۔
حاطب بن عمرو	بدر مین شریک تھے امام زہری کا بیان ہی کہ سب سے پہلے ان ہی نے ہجرت کی (اصابہ)
سہیل بن بیضاء	
عبداللہ بن مسعود	مشہور صحابی اور مجتہدین صحابہ مین داخل ہین۔

ان لوگون نے ۵ نبوی ماہ رجب مین سفر کیا۔ حسن اتفاق یہ کہ جب یہ بندرگاہ پر پہونچے تو دو تجارتی جہاز حبش کو جارہے تھے، جہاز والون نے سستے کرایہ پر ان کو بٹھالیا ہر شخص کو صرف ۵ درہم دینے پڑے، قریش کو خبر ہوئی تو بندرگاہ تک تعاقب مین آئے۔ لیکن موقع نکل چکا تھا[۱]۔

عام مورخین کا خیال ہے کہ ہجرت اُنھی لوگون نے کی جنکا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا۔ لیکن فہرست مہاجرین مین ہر درجہ کے لوگ نظر آتے ہین۔ حضرت عثمان بنوامیہ سے تھے جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار خاندان تھا۔ متعدد بزرگ مثلاً زبیر اور مصعب خود آنحضرت

---

[۱] یہ تمام تفصیل طبری مین ہے۔

(صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان سے ہین۔ عبدالرحمن بن عوف اور ابوسبرہ معمولی لوگ نہ تھے اس بنا پر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ قریش کا ظلم وستم بیکسون پر محدود نہ تھا، بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی اُن کے ظلم وستم سے محفوظ نہ تھے،

ایک عجیب بات یہ ہو کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جنکو انگارون کے بستر پر سونا پڑا تھا، یعنی حضرت بلال، عمار، یاسر، وغیرہ ان لوگونکا نام مہاجرین حبش کی فہرست مین نظر نہین آتا۔ اس لیے یا تو ان کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا بھی ناممکن تھا یا یہ کہ درد کے لذت آشنا تھے، اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔

دلم ز جور تو آسودہ است و می نالم کہ غیر پے نہ برد لذت خدنگ ترا

نجاشی کے بدولت مسلمان حبش مین امن وامان سے زندگی بسر کرنے لگے لیکن قریش یہ خبرین سُن سُن کر پیچ وتاب کھاتے تھے۔ آخر یہ رائے ٹھیری کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مجرمون کو اپنے ملک سے نکال دو۔ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص (فاتح مصر) اس کام کے لیے منتخب ہوئے، نجاشی اور اُس کے درباریون مین سے ایک ایک کے لیے گران بہا تحفے مہیا کیے گئے اور[1] نہایت سروسامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی یہ سفراء نجاشی سے پہلے درباری پادریون سے ملے اور ان کی خدمت مین نذرین پیش کین اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانون نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے ہمنے انکو نکال دیا تو آپ کے

---

[1] ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مکہ کا بڑا تحفہ چمڑا تھا۔ اور کتابون سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ اور شام وغیرہ کو جو مال تجارت لے جاتے تھے وہ بھی چمڑا ہوتا تھا۔ (مسند امام ابن حنبل مین تصریح ہے کہ یہ تحفہ بھی چمڑا ہی تھا۔ مسند اہل البیت)

ملک مین بھاگ آئے۔ کل ہم بادشاہ کے دربار مین ان کے متعلق جو درخواست پیش کرین، آپ بھی ہماری تائید فرمائین۔ دوسرے دن سفراء دربار مین گئے اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہمکو حوالہ کر دیے جائین۔ درباریون نے بھی تائید کی۔ نجاشی نے مسلمانون کو بلا بھیجا اور کہا "تمنے یہ کونسا دین ایجاد کیاہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونون کے مخالف ہے؟"

مسلمانون نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت جعفر (حضرت علی کے بھائی) کو انتخاب کیا انھون نے اس طرح تقریر شروع کی۔

" اَیُّھَا الْمَلِکُ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بدکاریان کرتے تھے، ہمسایون کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزورون کو کھا جاتے تھے، اس اثنا مین ہم مین ایک شخص پیدا ہوا جسکی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے اُس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھرون کو پوجنا چھوڑ دین۔ سچ بولین، خونریزی سے باز آئین۔ یتیمون کا مال نہ کھائین۔ ہمسایون کو آرام دین۔ عفیف عورتون پر بدنامی کا داغ نہ لگائین۔ نماز پڑھین روزے رکھین۔ زکوٰۃ دین۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے، اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اُسی گمراہی مین واپس آجائین۔"

نجاشی نے کہا "جو کلام الٰہی تمہارے پیغمبر پر اُترا ہے کہین سے پڑھو۔" جعفر نے سورۂ مریم کی چند آیتین پڑھین۔ نجاشی پر رقت طاری ہوئی اور آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے۔ پھر کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونون ایک ہی چراغ کے پرتو ہین۔" یہ کہکر سفراے قریش سے

کہا۔ تم واپس جاؤ مین ان مظلومون کو ہرگز واپس نہ دون گا"

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار مین رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا، حضور! آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ یہ لوگ حضرت عیسےٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہین۔ نجاشی نے مسلمانون کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دین۔ ان لوگون کو تردد ہوا کہ اگر حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہین تو نجاشی عیسائی ہو ناراض ہو جائے گا۔ حضرت جعفر نے کہا، کچھ ہو، ہم کو سچ بولنا چاہیے۔

غرض یہ لوگ دربار مین حاضر ہوئے نجاشی نے کہا تم لوگ عیسیٰ ابن مریم کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت جعفر نے کہا "ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے" نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا "واللہ جو تمنے کہا عیسےٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہین ہین" بطریق جو دربار مین موجود تھے نہایت برہم ہوئے انھون سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی نجاشی نے ان کے غصہ کی کچھ پروا نہ کی، اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب آئے۔[۵]

---

[۵] مارگولس صاحب نے ہجرت حبش کی بھی بڑی نازک اور دور از نظر وجہ تلاش کر کے پیدا کی ہے۔ فرماتے مین کہ جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش سے عہدہ برا نہین ہوسکتے اور یہ پہلے سنا تھا کہ کعبہ کے گرانے کے لیے ابرہۃ الاشرم جو آیا تھا وہ حبش ہی کا تھا، اسلیے انھون نے چاہا کہ بادشاہ حبش سے سازش کر کے اسکو مکہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دین تاکہ قریش کا زور ٹوٹ جائے۔ اسی غرض سے ہجرت کا بہانہ کر کے اپنے اصحاب کو حبش بھیجا لیکن پھر سمجھے کہ نجاشی اگر مکہ مین آیا تو خود مکہ پر قابض ہو جائیگا مجھکو کیا ہات آئیگا۔ اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے" یہ بالکل بے ثبوت بات ہے، صاحب موصوف کو حضرت جعفر کی تقریر و مکالمت مین اس بنا پر شک ہو کہ نجاشی عربی زبان سے ناواقف تھا حالانکہ اس زمانہ مین اولاً تو عربی زبان عام طور سے حبش مین بے تکلف لوگ سمجھ سکتے تھے (بقیہ صفحہ ۲۲۳ پر ملاحظہ ہو)

اِسی اثنا مین کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا۔ نجاشی اس کے مقابلہ کے لیے خود گیا۔ صحابہ نے مشورہ کیا کہ ہم مین سے ایک شخص جائے اور خبر بھیجتا رہے کہ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لیے آئین۔ حضرت زبیر اگرچہ سب سے زیادہ کم سن تھے، لیکن انھون نے اس خدمت کے لیے اپنے کو پیش کیا۔ مشک کے سہارے دریائے نیل تیر کر رزمگاہ مین پہنچے، ادھر صحابہ نجاشی کی فتح کے لیے خدا سے دعا مانگتے تھے چند روز کے بعد زبیر واپس آئے اور خوشخبری سنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی۔

حبش مین کم و بیش ۸۳ مسلمان ہجرت کر کے گئے چند روز آرام سے گذرنے پائے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ کفار نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سنکر اکثر صحابہ نے مکہ معظمہ کا رخ کیا لیکن شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے۔ اس لیے بعض لوگ واپس چلے گئے، اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ مین آ گئے،

یہ روایت طبری اور اکثر تاریخون مین مذکور ہے اور ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ لیکن ان کتابون

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۲) (کہ یہ دونون زبانین باہم نہایت قریب ہین۔ ثانیاً دربارون مین ترجمان ہوتے تھے۔ جیساکہ ابوسفیان اور قیصر روم کے باہمی مکالمہ مین مذکور ہے۔ بخاری باب بدالوحی)) س

لہ یہ تمام واقعات مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۲۰۲ مین) مذکور ہین۔ ابن ہشام نے بھی تفصیل سے لکھے ہین۔ لیکن طبری اور ابن سعد نے حضرت جعفر اور نجاشی کی تقریر کا ذکر نہین کیا ہے۔ امام ابن حنبل اور ابن ہشام کا سلسلۂ روایت یہ ہے۔ محمد بن اسحاق۔ زہری ابوبکر بن عبد الرحمن بن الحرث بن ہشام مخزومی۔ ام سلمہ یہ سب رواۃ ثقہ ہین۔ اور سب سے اخیر راوی حضرت ام سلمہ جو رسول اللہ صلعم کی زوجہ محترمہ اور خود اس واقعہ مین شریک تھین۔ وہ اسوقت تک آنحضرت صلعم کے عقد مین نہین آئی تھین بلکہ اپنے پہلے شوہر ابو سلمہ بن عبد الاسد کے ساتھ حبش مین ہجرت کر کے گئی تھین۔ مورخ یعقوبی نے بھی بہ تفصیل یہ واقعہ لکھا ہے۔

ہین اس خبر کے مشہور ہونے کی وجہ یہ لکھی ہو کہ آنحضرت صلعم نے حرم مین ایک دفعہ نماز ادا کی کفار بھی موجود تھے جب آپ نے یہ آیت پڑھی وَمَنَاۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دئیے،

تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی | یعنی (یہ بُت) معظم و محترم ہین۔ اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔

اس کے بعد آنحضرت صلعم نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی۔

یہ قصہ اگرچہ سرتاپا بیہودہ اور ناقابل ذکر ہے اور اکثر کبار محدثین مثلاً **بیہقی، قاضی عیاض، علامۂ عینی، حافظ منذری، علامہ نووی**[۱] نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہے، لیکن افسوس یہ ہو کہ بہت محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے ان مین طبری۔ ابن ابی حاتم۔ ابن المنذر ابن مردویہ، ابن اسحاق۔ موسی بن عقبہ۔ ابو معشر[۲] شہرت عام رکھتے ہین۔ اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمالِ فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے اس روایت کی صحت پر اصرار ہے۔ چنانچہ لکھتے ہین[۳]۔

وقد ذکرنا ان ثلاثۃ اسانید منھا علی شرط الصحیح وھی مراسیل یحتج بمثلھا من یحتج بالمراسیل۔ | ہمنے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت کی تین سندین صحیح کی شرط کے موافق ہین اور یہ روائیتین مرسل ہین اور انسے وہ لوگ استدلال کرسکتے ہین جو مرسل روائیتونکے قائل ہین

---

[۱] دیکھو زرقانی بر مواہب لدنیہ و شفاے قاضی عیاض و عینی شرح بخاری تفسیر سورۂ نجم و نوالنبراس۔ علامہ نووی کے یہ الفاظ ہین لایصح فیہ شیٔ لامن جھۃ النقل ولا من جھۃ العقل۔ اور علامۂ عینی لکھتے ہین فلا صحۃ لہ نقلا ولا عقلا۔

[۲] دیکھو مواہب لدنیہ اور زرقانی واقعۂ ہجرت حبشہ۔ [۳] زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۳۴۴۔

حقیقت یہ ہی کہ کفار کی عادت تھی کہ جب آنحضرت صلعم قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو شور مچاتے اور اپنی طرف سے فقرے ملا دیتے، قرآن مجید کی آیت ذیل مین اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

لاتسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ	اِس قرآن کو نہ سنو، اور اس مین گڑبڑ کردو شاید
لعلکم تغلبون ٥ (حٰمٓ السجدہ)	تم غالب آؤ۔

قریش کا معمول تھا کہ جب کعبہ کا طواف کرتے تو یہ فقرے کہتے جاتے[1]،

واللات والعزےٰ ومناۃ الثالثۃ الاخرےٰ	لات، اور عزےٰ اور تیسرے بت مناۃ کی قسم
انھن الغرانیق العلےٰ وان شفاعتھن	یہ بلند و بزرگ ہین۔ اور ان کی شفاعت
لترتجی،	کی امید ہے۔

آنحضرت صلعم نے جب سورۂ والنجم کی وہ آیتین پڑھین تو کسی شیطان (کافر) نے یہی فقرے آپ کی آواز مین آواز ملا کر پڑھ دیے ہون گے، دور کے لوگون کو (کفار مین سے) شبہہ ہوا ہوگا کہ آنحضرت صلعم ہی نے وہ الفاظ ادا کیے۔ اِس واقعہ کا چرچا جب مسلمانون مین ہوا ہوگا، تو لوگون نے کہا ہوگا کہ کسی شیطان نے آپ کی طرف سے وہ فقرے کہدیے ہونگے، اِس واقعہ نے روایتون مین صورت بدل بدل کر یہ صورت اختیار کرلی کہ شیطان نے آنحضرت صلعم کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیے اور چونکہ عام مسلمان اِس بات کو تسلیم کرتے ہین کہ شیطان دوسرے شخص کی زبان سے بول سکتا ہے اِس لیے راویون نے اِس روایت کو تسلیم کرلیا۔

---

[1] معجم البلدان لفظ عزےٰ۔

یہ صرف قیاس نہین بلکہ اگلے محققین نے بھی تصریح کی ہے مواہب مین ہی۔

قیل انہ لما وصل الی قولہ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی خشی المشرکون ان یاتی بعدھا بشئ یذم آلھتھم فبادروا الی ذلک الکلام فخلطوہ فی تلاوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی عادتھم فی قولھم لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ او المراد بالشیطان شیطان الانس،

بعض لوگون نے کہا ہے کہ جب آنحضرت صلعم اس آیت پر پہنچے ومناۃ الثالثۃ الاخری تو مشرکون کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ اب ان کے معبودون کی کچھ برائی کا بیان ہوگا اس بنا پر انھون نے جھٹ سے آنحضرت صلعم کی تلاوت مین یہ فقرے خلط کر کے پڑھ دیے جیسا کہ انکی عادت تھی کہتی کہ قرآن پر کان نہ لگاؤ اور اس مین گڑبڑ مچا دو۔ یا شیطان سے شیطان آدمی مراد ہے۔

جو لوگ حبش سے واپس آگئے تھے اہل مکہ نے اب ان کو اور زیادہ ستانا شروع کیا اور اس قدر اذیت دی کہ دوبارہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے لیکن اب کی ہجرت کچھ آسان نہ تھی. کفار نے سخت مزاحمت کی تاہم جس طرح ہوسکا بہت سے صحابہ جن کی تعداد قریباً سو تک پہنچتی ہے مکہ سے نکل گئے اور حبش مین اقامت اختیار کی. جب آنحضرت صلعم نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو کچھ لوگ فوراً واپس چلے آئے اور جو لوگ رہ گئے تھے آنحضرت صلعم نے ۷ھ مین ان کو بلالیا[1]۔

کفار کی ایذا و تعدی اب کمزورون اور بیکسون پر محدود نہ تھی۔ حضرت ابوبکر کا قبیلہ معزز اور طاقتور قبیلہ تھا ان کے یار و انصار بھی کم نہ تھے، تاہم وہ بھی کفار کے ظلم سے تنگ آگئے، اور

---

[1] یہ تمام تفصیل طبقات ابن سعد مین ہے بعض مورخون نے اس ہجرت ثانیہ کا ذکر نہین کیا اور بعض نے نہایت اختصار کے ساتھ لیا ہے۔

بالآخر حبش کی ہجرت کا ارادہ کیا۔ برک الغماد جو مکہ معظمہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ ہے[1] وہان تک پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی جو قبیلۂ قارہ کا رئیس تھا، اُس نے پوچھا کہان ؟ حضرت ابوبکر نے کہا "میری قوم مجھکو رہنے نہین دیتی چاہتا ہون کہ کہین الگ جا کر خدا کی عبادت کرون،" ابن الدغنہ نے کہا "یہ نہین ہوسکتا کہ تم جیسا شخص مکہ سے نکل جائے۔ مین تمکو اپنی پناہ مین لیتا ہون،" تو حضرت ابوبکرؓ اس کے ساتھ واپس آئے، ابن الدغنہ مکہ پہنچکر تمام سرداران قریش سے ملا۔ اور کہا کہ "ایسے شخص کو نکالتے ہو جو مہمان نواز ہے۔ مفلسون کا مددگار ہے۔ رشتہ دارون کو پالتا ہے مصیبتون مین کام آتا ہے۔" قریش نے کہا لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکر نماز دن مین چھپکے جو چاہین پڑھین آواز سے قرآن پڑھتے ہین تو ہماری عورتون اور بچون پر اثر پڑتا ہے۔ حضرت ابوبکر نے چند روز یہ پابندی اختیار کی لیکن آخر انھون نے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی اور اس مین خضوع وخشوع کے ساتھ بہ آواز قرآن پڑھتے تھے، وہ نہایت رقیق القلب تھے قرآن پڑھتے تو بے اختیار روتے، عورتین اور بچے ان کو دیکھتے اور متاثر ہوتے۔ قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت کی اُسنے حضرت ابوبکر سے کہا کہ اب مین تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہین ہوسکتا، حضرت ابوبکر نے کہا "مجھ کو خدا کی حفاظت بس ہے۔ مین تمہاری جوار سے استعفا دیتا ہون"[2]۔

محرم سنہ نبوی
شعب ابوطالب مین محصور ہونا

قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے عمر اور حمزہ جیسے لوگ ایمان لاچکے، نجاشی نے مسلمانون کو پناہ دی، سفرا بے نیل ومرام واپس آئے، مسلمانون کی تعداد مین اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے اب یہ تدبیر

[1] زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۲۹۳ ذکر ہجرت ثانیہ حبش [2] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ مین ہے۔

سوچی کہ آنحضرت صلعم اور آپ کے خاندان کو محصور کرکے تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ "کوئی شخص نہ خاندان بنی ہاشم سے قرابت کریگا۔ نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا نہ ان سے ملے گا۔ نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دیگا، جب تک وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لیے حوالہ نہ کر دین[1]" یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا، اور در کعبہ پر آویزان کیا گیا۔

ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابو طالب[2] مین پناہ گزین ہوئے تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار مین بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے، حدیثون مین جو صحابہ کی زبان سے مذکور ہو کہ ہم طلح کی پتیان کھا کھا کر بسر کرتے تھے یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے چنانچہ سہیلی نے روض الانف مین تصریح کی ہے۔ حضرت سعد وقاص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا۔ مین نے اس کو پانی سے دھویا۔ پھر آگ پر بھونا اور پانی مین ملا کر کھایا[3]۔

ابن سعد نے روایت کی ہو کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی۔ قریش سُن سُن کر خوش ہوتے تھے لیکن بعض رحمدلون کو ترس بھی آتا تھا۔ ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ کا بھتیجا تھا۔ تھوڑے سے گیہون اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ کے پاس بھیجے، راہ مین ابو جہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا۔ اتفاق سے ابو البختری کہین سے آ گیا۔ وہ اگرچہ کافر تھا

[1] اس معاہدہ کا ذکر طبری نے اور ابن سعد وغیرہ نے تفصیل سے کیا ہی، لیکن یہ الفاظ کہ وہ محمد صلعم کو قتل کے لیے حوالہ کر دین صرف مواہب لدنیہ مین مذکور ہین [2] یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا۔ جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا [3] روض الانف۔

لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپی کو کچھ کھانے کے لیے بھیجتا ہے تو کیون روکتا ہے؛

متصل تین برس تک آنحضرت صلعم اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتین جھیلین، بالآخر دشمنون ہی کو رحم آیا اور خود انہی کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی، ہشام مخزومی خاندانِ بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ مین ممتاز تھا، وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلّہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا، ایک دن وہ **زبیر** کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے، گیا، اور کہا "کیون زبیر! تم کو یہ پسند ہی کہ تم کھاؤ پیو ہر قسم کا لطف اُٹھاؤ، اور تمہارے مامون کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو؟" زبیر نے کہا "کیا کرون تنہا ہون، ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو مین ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینکدون" ہشام نے کہا مین موجود ہون۔ دونون **مطعم** بن عدی کے پاس گئے، بختری، ابن ہشام۔ زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا۔ دوسرے دن سب ملکر حرم مین گئے، **زبیر** نے سب لوگون کو مخاطب کرکے کہا "اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے!! ہم لوگ آرام سے بسر کرین اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو، خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کردیا جائے گا مین باز نہ آؤن گا" ابوجہل برابر سے بولا "ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہات نہین لگا سکتا" زمعہ نے کہا "تو جھوٹ کہتا ہے۔ جب یہ لکھا تھا۔ اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے،" غرض مطعم نے ہات بڑھا کر دستاویز چاک کردی مطعم بن عدی، عدی بن قیس۔ زمعہ بن الاسود۔ ابوالبختری۔ زبیر۔ سب ہتھیار باندھ باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے، اور انکو درہ سے نکال لائے۔[1] بقول ابن سعد یہ سنہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے۔ اسی زمانہ مین **معراج** واقع ہوئی جس کی تفصیل تیسرے حصّہ مین آئے گی۔ اسی زمانہ مین نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔

---

[1] یہ تفصیل ابن ہشام، طبری وغیرہ مین مذکور ہے اخیر واقعہ صرف ابن سعد نے بیان کیا ہے۔

سنلہ نبوی۔ حضرت خدیجہ اور ابوطالب کی وفات

آنحضرت صلعم اب شعب ابی طالب سے نکلے تھے، اور چند روز قریش کے جور و ظلم سے امان ملی تھی کہ ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیا۔

ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت صلعم اُن کے پاس تشریف لے گئے، ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ پہلے سے موجود تھے۔ آپ نے فرمایا "مرتے مرتے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجیے کہ مین خدا کے ہان آپ کے ایمان کی شہادت دون" ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا "ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے" بالآخر ابوطالب نے کہا "مین عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہون" پھر آنحضرت صلعم کی طرف خطاب کرکے کہا "مین وہ کلمہ کہدیتا لیکن قریش کہین گے کہ موت سے ڈر گیا" آپ نے فرمایا "مین آپ کے لیے دعاے مغفرت کرون گا جب تک کہ خدا مجھکو اس سے منع نہ کردے[1]"

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے (جو اس وقت تک کافر تھے) کان لگاکر سنا تو آنحضرت صلعم سے کہا "کہ تمنے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابوطالب وہی کہہ رہے ہین[2]"

اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے۔ اس لیے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قایل ہین۔

لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چندان قابل حجت نہین کہ اخیر راوی مُسَیّب

---

[1] صحیح بخاری باب الجنائز اور مسلم، ابوطالب کا اخیر فقرہ مسلم مین ہے بخاری مین نہین [2] ابن ہشام مطبوعۂ مصر صفحہ ۱۴۶۔

ہین۔ جو فتح مکہ مین اسلام لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے[1]، اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح مین لکھا ہے کہ "روایت مرسل ہے" ابن اسحاق کے سلسلۂ روایت مین عباس بن عبداللہ بن معبد۔ اور عبداللہ بن عباس ہین۔ یہ دونون ثقہ ہین۔ لیکن بیچ کا ایک راوی یہان بھی رہ گیا ہے اس بنا پر دونون روایتون کے درجۂ استناد مین چندان فرق نہین۔

ابوطالب نے آنحضرت صلعم کے لیے جو جان نثاریان کین اس سے کون انکار کرسکتا ہی وہ اپنے جگر گوشون تک کو آپ پر نثار کرتے تھے، آپ کی محبت مین تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اُٹھائے، شہر سے نکالے گئے، تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش۔ یہ جان نثاریان سب ضائع جائین گی؟

ابوطالب آنحضرت صلعم سے ۳۵ برس عمر مین بڑے تھے۔ رسول اللہ صلعم کو ان سے نہایت محبت تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑے۔ آنحضرت صلعم ان کی عیادت کے لیے گئے تو انھون نے کہا، "بھتیجے! جس خدا نے تجھکو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا نہین مانگتا کہ مجکو اچھا کردے" آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہوگئے۔ آنحضرت صلعم سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے آپ نے فرمایا کہ "آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانین تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے[2]"

ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ نے بھی وفات کی۔ بعض روایتون مین ہے کہ انھون نے ابوطالب سے پہلے انتقال کیا۔ اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونون اُٹھ گئے۔ صحابہ خود اپنی حالت مین مبتلا تھے، یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور

---

[1] عینی، کتاب الجنائز [2] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ابوطالب۔

خود آنحضرت صلعم اس سال کو عام الحزن (سالِ غم) فرمایا کرتے تھے[۱]،

حضرت خدیجہ نے رمضان سنہ۱۰ نبوی مین وفات کی، ان کی عمر ۶۵ برس کی تھی، مقام حجون مین دفن کی گیئن۔ آنحضرت صلعم خود ان کی قبر مین اترے۔ اس وقت تک نماز جنازہ مشروع نہین ہوئی تھی[۲]۔

ابوطالب اور خدیجہ کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا، اب وہ نہایت بیرحمی وبیباکی سے آنحضرت صلعم کو ستاتے تھے، ایک دفعہ آپ راہ مین جارہے تھے۔ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت مین آپ گھر مین تشریف لائے۔ آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئین۔ آپ کا سر دھوتی تھین اور جوش محبت سے روتی جاتی تھین آپنے فرمایا "جانِ پدر! رو نہین، خدا تیرے باپ کو بچا لے گا[۳]"

اہلِ مکہ سے تو قطعی نا امیدی تھی۔ اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طایف تشریف لے جائین اور وہان دعوت اسلام فرمائین۔ **طایف** مین بڑے بڑے امرا اور ارباب اثر رہتے تھے ان مین عمیر کا خاندان رئیس القبایل تھا، یہ تین بھائی تھے عبد یالیل، مسعود، حبیب، آنحضرت صلعم ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینون نے جو جواب دیے وہ نہایت عبرت انگیز تھے۔ ایک نے کہا "اگر تجھکو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہی" دوسرے نے کہا "کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی نہین ملتا تھا" تیسرے نے کہا "مین بہرحال تجھ سے بات نہین کر سکتا تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ اور جھوٹا ہے

---

[۱] مواہب لدنیہ۔ [۲] یہ تفصیل ابن سعد مین ہے۔ [۳] طبری اور ابن ہشام ذکر وفات خدیجہ۔

لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپی کو کچھ کھانے کے لیے بھیجتا ہے تو کیون روکتا ہے؛

متصل تین برس تک آنحضرت صلعم اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتین جھیلین، بالآخر دشمنون ہی کو رحم آیا اور خود انہی کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی، ہشام مخزومی خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ مین ممتاز تھا، وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا، ایک دن وہ زبیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے، گیا، اور کہا "کیون زبیر! تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو ہر قسم کا لطف اُٹھاؤ، اور تمہارے مامون کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو؟" زبیر نے کہا "کیا کرون تنہا ہون، ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو مین ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینکدون" ہشام نے کہا مین موجود ہون۔ دونون ملکر مطعم بن عدی کے پاس گئے، بختری، ابن ہشام۔ زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا۔ دوسرے دن سب ملکر حرم مین گئے، زبیر نے سب لوگون کو مخاطب کر کے کہا "اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے!! ہم لوگ آرام سے بسر کرین اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو، خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا مین باز نہ آؤن گا" ابوجہل برابر سے بولا "ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہات نہین لگا سکتا" زمعہ نے کہا "تو جھوٹ کہتا ہے۔ جب یہ لکھا تھا۔ اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے"۔ غرض مطعم نے ہات بڑھا کر دستاویز چاک کر دی مطعم بن عدی، عدی بن قیس۔ زمعہ بن الاسود۔ ابوالبختری۔ زبیر۔ سب ہتھیار باندھ باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے، اور انکو درہ سے نکال لائے۔ بقول ابن سعد یہ سنہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے۔ اسی زمانہ مین معراج واقع ہوئی جس کی تفصیل تیسرے حصہ مین آئے گی۔ اسی زمانہ مین نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔

---

[۱] یہ تفصیل ابن ہشام، طبری وغیرہ مین مذکور ہے اخیر واقعہ صرف ابن سعد نے بیان کیا ہے۔

اُن سے طالبِ حمایت ہوتا تو گو دشمن ہوتا انکار نہین کر سکتے تھے۔ مطعم نے یہ درخواست منظور کی
بیٹون کو بلا کر کہا کہ "ہتھیار لگا کر حرم مین جاؤ" رسول اللہ صلعم مکہ مین تشریف لائے مطعم اونٹ پر سوار
ساتھ تھا۔ حرم کے پاس آیا تو پکارا کہ مین نے محمد (صلعم) کو پناہ دی ہے۔" آنحضرت صلعم حرم مین آئے،
نماز ادا کی اور دولت خانہ کو واپس گئے، مطعم اور اس کے بیٹے آپ کو تلوارون کے سایہ مین لائے[1]،

مطعم نے کفر کی حالت مین غزوۂ بدر سے پہلے وفات کی۔ حضرت حسّان جو دربارِ رسالت کے
شاعر تھے۔ انہون نے مرثیہ لکھا، زرقانی نے یہ مرثیہ بدر مین نقل کیا ہے[2] اور لکھا ہے کہ اس مین کچھ مضائقہ
نہین مطعم کا یہ کام بے شبہہ مدح کا مستحق تھا۔ لیکن آجکل کے مسلمان حضرت حسّان اور زرقانی سے
زیادہ شیفتۂ اسلام ہین اس لیے معلوم نہین حضرت حسّان کا یہ فعل آج بھی پسند کیا جا سکتا ہے یا نہین؟

قبائل کا دورہ آنحضرت صلعم کا معمول تھا، جب حج کا زمانہ آتا اور عرب کے قبایل ہر طرف سے آآکر
مکہ کے آس پاس اُترتے تو آپ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے، عرب
مین مختلف مقامات پر میلے لگتے تھے۔ جن مین دور دور کے قبایل آتے تھے آپ اُن میلون
مین جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے۔

ان میلون مین سے عکاظ جو اہل عرب کا قومی اور علمی دنگل تھا۔ اور مجنّہ اور ذوالمجاز
کا نام مورخین نے خاص طور پر لیا ہے۔ قبایل عرب مین سے بنو عامر، محارب۔ فزارہ۔ غسان۔
مرۃ۔ حنیفہ۔ سلیم۔ عبس۔ بنو نصر۔ کندۃ۔ کلب۔ حارث بن کعب۔ عذرہ۔ حضارمہ۔ مشہور قبایل ہین[3]۔ ان

---

[1] ابن سعد صفحہ ۱۴۲ کسی قدر تفصیل مواہب لدنیہ سے اضافہ کی گئی ہے جو ابن اسحاق کی روایت ہے تعجب ہے کہ ابن ہشام نے یہ حالات قلم انداز کیے ہین۔ [2] زرقانی جلد اول صفحہ ۳۶۹ - [3] ابن سعد نے ان تمام قبایل کا ذکر کیا ہے۔

سب قبائل کے پاس آپ تشریف لے گئے، لیکن ابولہب ہر جگہ ساتھ جاتا اور جب آپ کسی مجمع مین تقریر کرتے تو برابر سے کہتا "کہ دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہی"۔

بنی حنیفہ یمامہ مین آباد تھے۔ ان لوگون نے نہایت تلخی کے ساتھ جواب[1] دیا مسیلمہ کذاب جس نے آگے چلکر نبوت کا دعوے کیا اسی قبیلہ کا رئیس تھا،

قبیلۂ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ گئے تو حضرت ابو بکر بھی ساتھ تھے حضرت ابو بکر نے مفروق سے کہا "تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سنا ہے؟ وہ یہی ہین" مفروق نے آنحضرت صلعم کی طرف رخ کرکے کہا برادر قریش! تم کیا تلقین کرتے ہو؟ آپ نے فرمایا "خدا ایک ہی اور مین اس کا پیغمبر ہون" اور یہ آیتین پڑہین۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (انعام)	کہدو کہ آؤ مین تمہین سناؤن کہ خدا نے کیا چیزین حرام کی ہین یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور والدین کا حق خدمت بجالاؤ۔ اور اپنے بچون کو افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو، ہم تمکو اور انکو دونون کو روزی دین گے فحش باتون کے پاس نہ جاؤ۔ وہ ظاہر ہون یا پوشیدہ۔ اور آدمی کی جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے۔ ہلاک نہ کرو۔

اس قبیلہ کے روسا، مفروق۔ مثنیٰ، اور ہانی بن قبیصہ تھے، اور وہ سب اس موقع پر

[1] ابن ہشام۔

موجود تھے، ان لوگون نے کلام کی تحسین کی لیکن کہا کہ "مدتون کا خاندانی دین دفعۃً چھوڑ دینا زود اعتقادی ہے" اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہین اور معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم اور کسی کے اثر مین نہ آئین گے، "آپ نے ان کی راست گوئی کی تحسین کی، اور فرمایا کہ "خدا اپنے دین کی آپ مدد کرے گا"[1]

قبیلہ بنو عامر کے پاس گئے تو ایک شخص نے جس کا نام فراس تھا۔ آپ کی تقریر سنکر کہا "یہ شخص مجکو ہات آجائے تو مین تمام عرب کو مسخر کرلون" پھر آپ سے پوچھا کہ "اگر ہم تمہارا ساتھ دین اور تم اپنے مخالفون پر غالب آجاؤ تو تمہارے بعد ریاست ہمکو ملے گی"؟ آپ نے فرمایا "یہ خدا کے ہات ہے" اس نے کہا "ہم اپنا سینہ عرب کا آماجگاہ بنائین۔ اور حکومت غیرون کے ہات آئے ہمکو یہ غرض نہین"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی

اسباب مذکورۂ بالا کی بنا پر قریش نے آنحضرت صلعم کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپ کو اس قدر ستائین کہ آپ مجبور ہوکر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائین۔ سوء اتفاق یہ کہ جو کفار آپ کے ہمسایہ تھے یعنی ابوجہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف نضر بن حارث، منبہ بن حجاج، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص سب قریش کے سربرآوردہ رؤسا تھے، اور یہی سب سے بڑھکر آپ کے دشمن[2] تھے، یہ لوگ آنحضرت صلعم کی راہ مین کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے، سجدہ مین آپ کی گردن پر اوجھڑی لاکر ڈال دیتے۔ گلے مین چادر لپیٹکر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک مین بدھیان پڑجاتین، آپکی

[1] روض الانف بحوالہ قاسم بن ثابت۔ [2] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳۴۔

روحانی قوت اثر کو دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے، دعوائے نبوت کو سنکر مجنون کہتے، باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے[1]، نماز جماعت مین قرآن زور سے پڑھتے، تو قرآن، قرآن کے لانے والے (رسولؐ) اور قرآن کے اُتارنے والے (خدا) کو گالیان دیتے[2]،

ایک دفعہ آپ حرم مین نماز پڑھ رہے تھے، رؤساے قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا" کاش اسوقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اُٹھالاتا کہ جب محمدؐ (صلعم) سجدہ مین جاتے تو اُن کے گردن پر ڈال دیتا" عقبہ نے کہا "یہ خدمت مین انجام دیتا ہون" چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے، کسی نے جاکر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی، وہ اگرچہ اُس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھین لیکن جوش محبت سے دوڑی آئین، اور اوجھ کو ہٹاکر عقبہ کو بُرا بھلا کہا، اور بد دعائین دین[3]"

آنحضرت صلعم جب کہین کسی مجمع عام مین دعوتِ اسلام کا وعظ فرماتے تو ابولہب جو آپکے ساتھ ساتھ رہتا تھا برابر سے کہتا جاتا کہ "یہ جھوٹ کہتا ہے" ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب کہ مین اسلام نہین لاچکا تھا آنحضرت صلعم بازار ذوالمجاز مین گئے اور مجمع مین گھسکر لوگون سے کہا کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو" ابوجہل آپ پر خاک پھینکتا جاتا تھا، اور کہتا کہ اس کے فریب مین نہ آنا۔ یہ چاہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑدو[4]" طایف مین کفار نے آپ کو جو اذیتین پہنچائین، انکا بیان پیچھے گذرچکا۔

---

(1) مسند امام حنبل جلد ا صفحہ ۳۰۲ (2) صحیح بخاری (۶۸۶) (3) صحیح بخاری باب الطہارۃ والصلوۃ والجزیہ والجہاد، وصحیح مسلم، وزرقانی جلد اول صفحہ ۲۹۴۔ (4) مسند امام حنبل جلد ۴ صفحہ ۶۳۔

ایک دفعہ آپ حرم کعبہ مین نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ نے آپ کی گردن مین چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آگئے، اور آپ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے ہات سے چھڑایا اور کہا کہ "اُس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے"[1]۔

جو لوگ آنحضرت صلعم کی دشمنی مین نہایت سرگرم تھے اور رات دن اسی شغل مین رہتے تھے ان کے نام جیسا کہ ابن سعد نے طبقات مین لکھے ہین حسب ذیل ہین۔

"ابوجہل۔ ابولہب۔ اسود بن عبد یغوث۔ حارث بن قیس بن عدی۔ ولید بن المغیرہ۔ اُمیّۃ۔ ابی بن خلف۔ ابوقیس بن فاکہ بن المغیرہ۔ عاص بن وایل۔ نضر بن حارث۔ منبہ بن الحجاج زہیر بن ابی امیہ۔ سائب بن صیفی، اسود بن عبد الاسد، عاص بن سعید بن العاص، عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط۔ ابن الاصدی۔ ہذلی۔ حکم بن ابی العاص۔ عدی بن حمرا۔"

یہ سب کے سب آنحضرت صلعم کے ہمسایہ اور ان مین سے اکثر صاحب جاہ و اقتدار تھے،

یہ جو کچھ ہوا، گو نہایت درد انگیز اور حسرت خیز تھا لیکن تعجب انگیز نہ تھا، دنیا کی تاریخ مین کوئی ایسی مثال نہین ہے کہ نامانوس اور اجنبی صدائین بہ رغبت سُن لی گئی ہون، حضرت نوح علیہ السلام کو سیکڑون برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا، یونان دنیا کی شائستگی کا معلّم اول ہے تاہم اسی حکمت کدہ مین سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دار و رسن کا منظر پیش آیا، اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلۂ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی۔ لیکن غور طلب یہ ہے کہ اس کے مقابلہ مین سرورِ عالم (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کیا کیا؟

---

[1] صحیح بخاری باب ما لقی النبی صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ بمکۃ الخ،

سقراط (زہر کا) پیالہ پی کر فنا ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے مخالفت سے تنگ آکر ایک قیامت خیز طوفان کی استدعا کی اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا، حضرت عیسےٰ علیہ السلام تیس چالیس شخصون کی مختصر جماعت پیدا کر کے بروایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے، لیکن سرور کائنات صلعم کا فرض اِن سب سے بالاتر تھا۔ خباب بن الارت نے جب قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین عرض کی کہ آپ ان کے حق مین بد دعا کیون نہین فرماتے؟ تو آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا، اور فرمایا کہ تمسے پہلے وہ لوگ گزرے ہین جنکے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے، تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا یہانتک کہ شتر سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا[۱]"

کیا یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری نہین ہوئی؟۔

---

[۱] صحیح بخاری، باب مالقی النبی واصحابہ من المشرکین، ذکر ایام جاہلیۃ۔
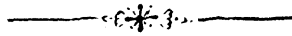
مدینۂ منوّرہ اور انصار

آفتاب کی روشنی دور پہنچکر تیز ہوتی ہے، شمیم گل باغ سے نکلکر عطر فشان بنتی ہے، آفتاب اسلام طلوع مکہ مین ہوا۔ لیکن کرنین مدینہ کے افق پر چمکین؛

مدینہ کا اصلی نام یثرب ہے۔ رسول اللہ صلعم نے جب یہان آکر قیام کیا تو اس کا نام مدینۃ النبی یعنی پیغمبر کا شہر، پڑگیا، اور پھر مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہو گیا۔

یہ شہر مدتون سے آباد ہے، بہت قدیم زمانہ مین یہودی یہان آکر آباد ہوئے، انکی نسلین کثرت سے پھیلین اور مدینہ کے اطراف ان کے قبضہ مین آ گئے، انہون نے مدینہ اور اس کے حوالی مین چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لیے تھے اور ان مین سکونت رکھتے تھے (یہود کے متعلق زائد تحقیق آگے آئے گی)

انصار اصل مین یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے تھے، یمن مین جب مشہور سیلاب آیا جس کو "سَیلِ عَرِم" کہتے ہین۔ یہ لوگ یمن سے نکلکر مدینہ مین آباد ہوئے، یہ دو بھائی تھے **اوس** اور **خزرج** تمام انصار انہی دو کے خاندان سے ہین[1]۔ یہ خاندان جب یثرب مین آیا تو **یہود** نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے، آس پاس کے مقامات ان کے قبضہ مین تھے اور دولت و مال سے مالامال تھے، چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے بیس اکیس قبیلے

[1] انصار کے نسب، اور مدینہ مین آباد ہونے کی پوری تفصیل وفاءالوفا جلد اول صفحہ ۱۱۶ تا ۱۵۲ مین مذکور ہے۔

بن گئے تھے اس لیے دور دور تک بستیان بسالی تھین۔ انصار کچھ زمانہ تک اُن سے الگ رہے لیکن ان کا زور اور اثر دیکھکر بالآخر ان کے حلیف[1] بن گئے، ایک مدت تک یہ حالت قایم رہی۔ لیکن اب انصار کا خاندان پھیلتا جاتا تھا، اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا۔ یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے ان سے معاہدہ توڑ دیا۔

یہودیون مین ایک رئیس **فطیون** پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بدکار تھا، اُس نے یہ حکم دیا کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے پہلے اس کے شبستان عیش مین آئے۔ یہود نے اس کو گوارا کرلیا تھا لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو انھون نے سرتابی کی، اس زمانہ مین انصار کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا۔ اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گزری، مالک کو غیرت آئی، اٹھکر گھر مین آیا اور بہن کو سخت ملامت کی، اس نے کہا "ہان! لیکن کل جو کچھ ہوگا اس سے بھی بڑھ کر ہے" دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دلھن بنکر فطیون کی خلوت گاہ مین گئی تو مالک بھی زنانے کپڑے پہنکر سہیلیون کے ساتھ گیا، اور فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا، یہان غسانیون کی حکومت تھی اور ابوجبیلہ حکمران تھا، اس نے یہ حالات سنے تو ایک فوج گران لیکر آیا، اور اوس اور خزرج کے رؤسا کو بلا کر انکو خلعت اور صلے دیے، پھر رؤسائے یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کرا دیا۔ یہود کا زور اب ٹوٹ گیا، اور انصار نے نئے سر سے قوت حاصل[2] کی

[1] جو قبیلے آپس مین ایک دوسرے کی اعانت و شرکت کا (بحلف) معاہدہ کرتے تھے وہ باہم حلیف کہلاتے تھے،
[2] وفاء الوفا، یہ واقعہ مختلف صورتون مین بیان کیا گیا ہے اور وفاء الوفا مین یہ تمام روایتین مذکور ہین۔

انصار نے یثرب اور حوالی مدینہ مین کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لیے۔ اوس اور خزرج ایک مدت تک، باہم متحد رہے لیکن پھر عرب کی فطرت کے موافق خانہ جنگیان شروع ہوگئین، اور سخت خونریز لڑائیان ہوئین۔ سب سے اخیر لڑائی مین جسکو **بعاث** کہتے ہین اس زور کا معرکہ ہوا کہ دونون خاندانون کے تمام نامور لڑلڑکر مر گئے؛ انصار اب اس قدر ضعیف ہوگئے کہ انہون نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہم کو حلیف بنا لیجیے لیکن ابوجہل نے معاملہ درہم برہم کردیا۔

انصار گو بت پرست تھے، تاہم چونکہ یہود سے میل جول تھا، اس لیے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے، یہود سے گو انصار اک گونہ رقابت رکھتے تھے لیکن انکے علمی فضل و کمال کے معترف تھے، یہود نے مدینہ مین جو علمی مدارس قایم کیے تھے اور جنکو بیت المدارس کہتے تھے (بخاری وغیرہ مین نام مذکور ہے) ان مین توراۃ کی تعلیم ہوتی تھی، انصار جاہل تھے اس لیے انپر یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا۔ یہانتک کہ انصار مین سے جسکے اولاد زندہ نہین رہتی تھی، وہ مَنّت مانتا تھا کہ بچہ زندہ رہے گا تو یہودی بنا دیا جائے گا[1]، یہودی عمومًا یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر ابھی اور آنے والا ہے؛ اس بنا پر انصار بھی ایک پیغمبر موعود کے نام سے آشنا تھے؛

انصار مین ایک شخص، سوید بن صامت جو شاعری اور جنگ آوری مین ممتاز تھا، اس کو امثال لقمان کا نسخہ ہاتھ آگیا تھا جس کو وہ کتاب آسمانی سمجھتا تھا؛ وہ ایک دفعہ حج کو گیا؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے حالات سنے تو خود اس کے پاس تشریف لے گئے؛ اُس نے امثال لقمان پڑھکر سنایا، آپ نے فرمایا "میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے" یہ کہکر قرآن مجید کی چند آیتین

---

[1] (کتب تفسیر مین لا اکراہ فی الدین کی تفسیر دیکھو)

پڑھین۔ سوید نے تحسین کی۔ اگرچہ وہ مدینہ واپس آکر جنگ بعاث مین مارا گیا، لیکن اسلام کا معتقد ہوچکا تھا۔
سوید شجاعت اور شاعری دونون مین کمال رکھتا تھا۔ ایسے شخص کو اہل عرب کامل کہتے تھے
اور اسی بناپر سوید اسی لقب سے پکارا جاتا تھا۔[1] سوید کے میلانِ اسلام کا اثر انصار پر پڑچکا تھا۔

اَوس اور خزرج کے معرکون مین اَوس کو جب شکست ہوئی تو اَوس کے عماید قریش کے
پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ مین انکو حلیف بنائین۔ اس سفارت مین ایاس بن معاذ بھی تھے؛
رسول اللہ صلعم کو ان لوگون کا آنا معلوم ہوا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور قرآن مجید
کی چند آیتین پڑھ کر سنائین، ایاس نے ساتھیون سے کہا کہ "خدا کی قسم تم جس غرض کے لیے آئے ہو
یہ کام اس سے بھی بہتر ہے" لیکن قافلہ سالار یعنی ابوالحیس نے کنکریان اٹھا کر ان کے منہ پر مارین
اور کہا کہ "ہم اس کام کے لیے نہین آئے" اس کے بعد بعاث کا معرکہ پیش آگیا۔ اور ایاس آنحضرت صلعم
کی ہجرت سے پہلے انتقال کرگئے، لوگون کا بیان ہو کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر تکبیر جاری تھی؛[2]

جیسا کہ اوپر گزرچکا ہے آنحضرت صلعم کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ مین روسائے قبائل کے
پاس جاکر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے؛ اس سال (رجب سنلہ نبوی) مین بھی آپ متعدد قبائل کے
پاس تشریف لے گئے، عقبہ کے پاس، جہان اب مسجد العقبہ ہی، خزرج کے چند اشخاص آپ کو نظر آئے
آپ نے اُن سے نام و نسب پوچھا، انہون نے کہا "خزرج" آپ نے دعوتِ اسلام دی۔ اور
قرآن مجید کی آیتین سنائین، ان لوگون نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا "دیکھو، یہود ہم سے

[1] سوید کا ذکر ابن ہشام مین ہے۔ لیکن روض الانف مین زیادہ تفصیل ہو۔ اصابہ مین بھی اس کا حال ہی لیکن نسب مین اختلاف ہے اور امثال لقمان کا ذکر نہین ہے۔ طبری مین بھی سوید کا پورا واقعہ مع اس کے اشعار کے مذکور ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۲۰۶۔

[2] طبری اور اصابہ مین یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہی، اصابہ مین لکھا ہے کہ ایاس کا حال امام بخاری نے تاریخ کبیر مین لکھا ہے؛

اس اولیت مین بازی نہ لیجائین" یہ کہکر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا، یہ چھ شخص تھے جنکے نام حسب[1] ذیل ہین۔

۱۔ ابوالہیثم بن تیہان۔

۲۔ اسعد بن زرارہ — سلہ مین وفات پائی۔

۳۔ عوف بن حارث

۴۔ رافع بن مالک بن عجلان — اسوقت تک جسقدر قرآن اُترچکا تھا آنحضرت صلعم نے اُنکو عنایت فرمایا جنگ احد مین شہید ہوئے

۵۔ قُطبہ بن عامر۔ — یمامہ مین شہید ہوئے،

۶۔ جابر بن عبداللہ۔

دوسرے سال بارہ شخص مدینۂ منورہ سے آئے اور بیعت کی۔ اس کے ساتھ اسبات کی بھی خواہش کی کہ احکام اسلام کے سکھانے کے لیے کوئی مُعلّم انکے ساتھ کردیا جائے۔ آنحضرت صلعم نے **مُصعب بن عُمیر** کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔ مصعب ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور سابقین اسلام مین سے تھے۔ غزوۂ بدر مین لشکر کی علمبرداری کا منصب انہی کو ملا تھا۔ وہ مدینہ مین آکر اسعد بن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے جو مدینہ کے نہایت معزز رئیس تھے۔ روزانہ

---

[1] یہ واقعات تمام تاریخون مین مذکور ہین ہمنے زرقانی کو پیش نظر رکھا ہی کیونکہ اسنے تمام مختلف روایتین جمع کردی ہین۔ ان لوگون کی تعداد بعضون نے آٹھ بیان کی ہے۔ اسعد بن زرارہ اور ابوالہیثم کا پہلےسے موجود ہونا۔ ابن سعد نے طبقات مین لکھا ہی۔ دیکھو کتاب مذکور جزو ثالث۔ انصار بدر مین صفحہ ۲۲۔ واقدی کا بیان ہے کہ اسعد بن زرارہ اس واقعہ سے پہلے مکہ مین جاکر آنحضرت صلعم پر ایمان لاچکے تھے۔

معمول تھا کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے، لوگون کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید پڑھکر سناتے۔ روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے، رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ صرف خطمہ، وایل۔ واقف کے چند گھرانے باقی رہ گئے۔ ابن سعد نے طبقات مین یہ واقعات تفصیل سے لکھتے ہین۔

قبیلۂ اوس کے سردار، حضرت سعد بن معاذ تھے۔ قبیلہ پر انکا یہ اثر تھا کہ ہر کام مین اُنکے اشارون پر چلتے تھے، مصعب نے جب ان کے پاس جاکر اسلام کی دعوت دی تو انہون نے پہلے نفرت ظاہر کی۔ لیکن جب مصعب نے قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین تو پتھر موم تھا؛ ان کا اسلام لانا، تمام قبیلۂ اوس کا اسلام قبول کرلینا تھا۔

اگلے سال بہتر شخص حج کے زمانہ مین آئے، اور اپنے ساتھیون سے (جو بت پرست تھے) چھپکر بمقام منٰے (عقبہ) آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی؛ اس موقع پر حضرت عباس بھی جو اس وقت تک اسلام نہین لائے تھے۔ آنحضرت صلعم کے ساتھ تھے، انہون نے انصار سے خطاب کرکے کہا "گروہ خزرج! محمد صلعم اپنے خاندان مین معزز اور محترم ہین۔ دشمنون کے مقابلہ مین ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہین۔ اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے جواب دیدو"

براؤ نے آنحضرت صلعم کی طرف خطاب کرکے کہا "ہملوگ تلوارون کی گود مین پلے ہین" وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابوالہیثم نے بات کاٹ کر کہا "یارسول اللہ! ہمسے اور یہود سے تعلقات ہین۔ بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائین گے، ایسا تو نہو کہ جب آپ کو قوت اور

اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہمکو چھوڑ کر اپنے وطن چلے جائین، آپ نے مسکرا کر فرمایا "نہین تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے ہو اور مین تمہارا ہون"

آپ نے اس گروہ مین سے بارہ شخص نقیب انتخاب کیے، جن کے نام خود انصار نے پیش کئے تھے، ان مین نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے، انکے نام حسب روایت ابن سعد حسب ذیل ہین؛

اسید بن حضیر — جنگ بعاث مین انہی کے باپ اوس کے سردار تھے،

ابو الہیثم بن تیہان

سعد بن خثیمہ — جنگ بدر مین شہید ہوئے،

اسعد بن زرارہ — انکا ذکر اوپر گزر چکا، یہ امام نماز تھے۔

سعد بن الربیع — جنگ احد مین شہید ہوئے،

عبد اللہ بن رواحہ — مشہور شاعر ہین۔ جنگ موتہ مین شہید ہوئے۔

سعد بن عبادہ — معزز اور مشہور صحابی ہین۔ سقیفۂ بنی ساعدہ مین انہی نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔

منذر بن عمرو — بیر معونہ مین شہید ہوئے۔

برار بن معرور، — بیعت عقبہ مین انہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی آنحضرت صلعم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے

عبد اللہ بن عمرو — جنگ احد مین شہید ہوئے۔

عبادة بن الصامت — مشہور صحابی ہین ان سے اکثر حدیثین مروی ہین۔

رافع بن مالک — جنگ احد مین شہید ہوئے۔

آنحضرت صلعم نے جن باتون پر انصار سے بیعت لی۔ یہ تھین" شرک۔ چوری۔ زنا۔ قتل اولاد اور افترار کے مرتکب نہون گے، اور رسول اللہ صلعم ان سے جو اچھی بات کہین گے، اس سے سرتابی نہ کرین[1] گے۔"

جب **انصار** بیعت کر رہے تھے تو سعد بن زرارة نے کھڑے ہو کر کہا" بھائیو! یہ بھی خبر ہے؟ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن و انس سے اعلانِ جنگ ہے" سب نے کہا ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہین۔

بارہ شخص جو نقیب انتخاب کئے گئے رئیس القبائل تھے، ان کا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا، صبح کو اس بیعت کی اڑتی سی خبر پھیلی **قریش** انصار کے پاس آئے، اور شکایت کی، انصار کے ساتھ جو بت پرست تھے انکو اس بیعت کی خبر نہ تھی، انھون نے تکذیب کی کہ" ایسا ہوتا تو ہمسے کیونکر چھپ سکتا تھا"

مدینہ مین اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائین، قریش کو معلوم ہوا تو انھون نے روک ٹوک شروع کی۔ لیکن چوری چھپے لوگون نے ہجرت شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلعم

---

[1] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ سیرت کی کتابون مین مذکور ہے کہ یہ عقبۂ اولیٰ کی شرائط ہین۔ اخیر بیعت اس بات پر لی گئی تھی کہ انصار آپ کی جان کی حفاظت کرین گے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے، جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے، وہ مدت تک نہ جا سکے۔ یہ آیت اُنہی کی شان مین ہے۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ	کمزور مرد، عورتین۔ اور بچے، جو یہ کہتے ہین
وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ	کہ اے خدا! ہم کو اس شہر سے نکال کہ یہان
اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ	کے لوگ ظالم ہین۔
اَهْلُهَا ۚ (نساء)	....

سنہ ۱ھ

ہجرت

(اسوقت جبکہ **دعوتِ حق** کے جواب مین ہرطرف سے تلوار کی جھنکارین سنائی دے رہی تھین، حافظِ عالم نے مسلمانون کو دار الامانِ مدینہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا لیکن خود وجودِ اقدس جو اِن ستمگارون کا حقیقی ہدف تھا، اپنے لیے حکم خدا کا منتظر تھا۔ مکہ کے باہر اطراف مین جو صاحب اثر مسلمان ہوچکے تھے وہ جان نثارانہ اپنی حفاظت کی خدمت پیش کرتے تھے قبیلہ دوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا۔ اُس کے رئیس طفیل بن عمرو نے اپنا قلعہ پیش کیا کہ آپ یہان ہجرت کرآئین لیکن آپ نے انکار فرمایا کہ کارساز قضا نے یہ شرف صرف انصار کے لیے مخصوص کیا تھا[1] چنانچہ قبل ہجرت آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خواب دیکھا کہ دار الہجرۃ ایک پُر باغ و بہار مقام ہے۔ خیال تھا کہ وہ یمامہ کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر مدینہ نکلا[2]۔)

نبوت کا تیرھوان سال شروع ہوا، اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق **آنحضرت** (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا؛ یہ داستان نہایت پراثر ہے۔ اور اِسی وجہ سے امام بخاری نے باوجود اختصار پسندی کے اسکو خوب پھیلا کر لکھا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کی زبانی لکھا ہے۔ حضرت عائشہؓ گو اُسوقت سات آٹھ برس کی تھین، لیکن انکا بیان درحقیقت

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۰، باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لایکفر۔ [2] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم۔

خود رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے۔ کہ اُنہی سے سنکر کہا ہوگا۔ اور ابتدائے واقعہ مین وہ خود بھی موجود تھین۔

قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ مین جاکر طاقت پکڑتے جاتے ہین۔ اور وہان اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اِس بنا پر اُنھون نے دارالندوہ مین، جو دارالشوریٰ تھا۔ اجلاسِ عام کیا، ہر قبیلہ کے رؤسا یعنی عتبہ۔ ابوسفیان۔ جبیر بن مطعم۔ نضر بن حارث بن کلدہ۔ ابوالبختری۔ ابن ہشام۔ زمعہ بن اسود بن مطلب۔ حکیم بن حزام۔ ابوجہل نبیہہ۔ ومنبہ۔ امیّہ بن خلف وغیرہ وغیرہ، یہ سب شریک تھے، لوگون نے مختلف رائین پیش کین، ایک نے کہا "محمدؐ کے ہاتھ پانون مین زنجیرین ڈالکر مکان مین بند کردیا جائے"۔ دوسرے نے کہا "جلاوطن کردینا کافی ہے"۔ ابوجہل نے کہا۔ ہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب ہو۔ اور پورا مجمع ایک ساتھ ملکر تلوارون سے اُن کا خاتمہ کردے۔ اِس صورت مین ان کا خون تمام قبائل مین بٹ جائے گا۔ اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کرسکین گے"۔ اِس اخیر رائے پر اتفاق ہوگیا۔ اور جھٹ پٹے سے آکر رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے آستانۂ مبارک کا محاصرہ کرلیا۔ اہلِ عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے۔ اس لیے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرت صلعم نکلین تو یہ فرض ادا کیا جائے۔

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) سے قریش کو اِس درجہ عداوت تھی، تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا۔ اِس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتین جمع تھین۔ آپ کو **قریش** کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہوچکی تھی۔ اس بنا پر جناب **امیر** کو بلاکر فرمایا کہ "مجکو ہجرت کا حکم ہوچکا ہے

مین آج مدینہ روانہ ہوجاؤن گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھکر سورہو، صبحکو سب کی امانتین جاکر واپس دے آنا" یہ سخت خطرہ کا موقع تھا، جناب امیر کو معلوم ہوچکا تھا کہ قریش آپکے قتل کا ارادہ کرچکے ہین۔ اور آج رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا بسترِ خواب، قتل گاہ کی زمین ہے، لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ، فرشِ گل تھا۔

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر کے گھر پر گئے، دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی۔ اجازت کے بعد گھر مین تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر سے فرمایا "کچھ مشورہ کرنا ہے، سبکو ہٹا دو" بولے کہ یہان آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہین ہے" (اس وقت حضرت عائشہ سے شادی ہوچکی تھی) آپنے فرمایا "مجھکو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے" حضرت ابوبکر نے نہایت بیتابی سے کہا "میرا باپ آپ پر فدا ہو، کیا مجکو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا؟" ارشاد ہوا "ہان" حضرت ابوبکر نے ہجرت کے لیے چار مہینہ سے دو اونٹنیان ببول کی پتیان کھلا کھلا کر تیار کی تھین۔ عرض کی کہ انمین سے ایک آپ پسند فرمائین محسنِ عالم کو کسی کا احسان گوارا نہین ہوسکتا تھا۔ ارشاد ہوا "اچھا مگر بقیمت" حضرت ابوبکر نے مجبوراً قبول کیا۔ حضرت عائشہ اُسوقت کمسن تھین۔ انکی بڑی بہن اسماء نے، جو حضرت عبد اللہ بن زبیر کی مان تھین۔ سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا، ناشتہ دان مین رکھا، نطاق، جسکو عورتین کمر سے لپیٹتی ہین پھاڑ کر اُس سے ناشتہ دان کا منھ باندھا۔ یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آجتک انکو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

کفار نے جب آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا، آنحضرت صلعم ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے، **کعبہ** کو دیکھا اور فرمایا "**مکہ**! تو مجھکو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھکو رہنے نہین دیتے"، حضرت ابوبکر سے پہلے سے قرارداد ہو چکی تھی، دونون صاحب پہلے جبل ثور کے غار مین جا کر پوشیدہ ہوئے، یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ خلائق ہے[۱]، حضرت ابوبکر کے بیٹے عبداللہ، جو نوخیز جوان تھے، شب کو غار مین ساتھ سوتے، صبح منھ اندھیرے شہر چلے جاتے، اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہین؛ جو کچھ خبر ملتی شام کو آکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے عرض کرتے، حضرت ابوبکر کا غلام کچھ رات گئے بکریان چرا کر لاتا۔ آپ اور حضرت ابوبکر ان کا دودھ پی لیتے، تین دن تک صرف یہی غذا تھی، لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو **اسماء** گھر سے کھانا پکا کر غار مین پہنچا آتی تھین، اسطرح تین راتین غار مین گزرین[۲]۔

صبحکو قریش کی آنکھین کھلین تو پلنگ پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بجائے جناب امیرؓ تھے، ظالمون نے آپ کو پکڑا اور حرم مین لیجا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا، اور چھوڑ دیا[۳]، پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلاش مین نکلے، ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آگئے، آہٹ پا کر حضرت ابوبکر غمزدہ ہوئے، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے عرض کی کہ "اب دشمن اس قدر قریب آگئے کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہمکو دیکھ لین گے"، آپ نے فرمایا،

---

[۱] یہ غار مکہ سے تین میل دہنی جانب ہے پہاڑ کی چوٹی قریبًا ایک میل بلند ہے سمندر یہان سے دکھائی دیتا ہے دیکھو زرقانی،

[۲] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری باب الہجرۃ مین ہے۔ باب مناقب المہاجرین مین بعض مزید حالات ہین وہ بھی ہمنے شامل کر لیے ہین [۳] تاریخ طبری

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (توبہ)   گھبراؤ نہین، خدا ہمارے ساتھ ہے؛

مشہور ہے کہ جب کفّار غار کے قریب آ گئے تو خدا نے حکم دیا۔ دفعۃً ببول کا درخت اُگا، اور اُسکی ٹہنیون نے پھیلکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو چھپالیا، ساتھ ہی دو کبوتر آئے اور گھونسلا بنا کر انڈے دیے۔ حرم کے کبوتر انہی کبوترون کی نسل سے ہین۔ اس روایت کو مواہب لدنیہ مین تفصیل سے نقل کیا ہے۔ اور زرقانی نے بزّاز وغیرہ سے اس کے ماخذ بتائے ہین، لیکن یہ تمام روایتین غلط ہین۔ اس روایت کا اصلی راوی عون بن عمرو ہے اسکی نسبت امام فن رجال یحیٰی بن معین کا قول ہے "لَاشَیْئَ" یعنی ہیچ ہے؛ امام بخاری نے کہا ہے کہ "وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے"، اس روایت کا ایک اور راوی ابو مصعب مکی ہے وہ مجہول الحال ہے۔ چنانچہ علامۂ ذہبی نے میزان الاعتدال مین عون بن عمرو کے حال مین یہ تمام اقوال نقل کیے ہین۔ اور خود اس روایت کا بھی ذکر کیا ہی

بہرحال، چوتھے دن آپ غار سے نکلے، عبد اللہ بن اریقط ایک کافر جسپر اعتماد تھا رہنمائی کے لیے اُجرت پر مقرر کر لیا گیا، وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا، ایک رات دن برابر چلے گئے دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) سایہ مین آرام فرمالین۔ چارون طرف نظر ڈالی۔ ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ سواری سے اُتر کر زمین جھاڑی پھر اپنی چادر بچھادی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے آرام فرمایا، تو تلاش مین نکلے کہ کہین کچھ کھانے کو ملجائے تو لائین۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریان چرا رہا تھا۔ اُس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد و غبار سے صاف کردے؛ پھر اُسکے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہایا۔ برتن کے مُنھ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے؛ دودھ لیکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم)

کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا، آپ نے پی کر فرمایا کہ "کیا ابھی چلنے کا وقت نہین آیا؟" آفتاب اب ڈھل چکا تھا، اس لیے آپ وہان سے روانہ ہوئے[1]،

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر کو گرفتار کر کے لائیگا اس کو ایک خونبہا کے برابر یعنی سَو اونٹ) انعام دیا جائیگا، سراقہ[2] بن جعشم نے سنا تو انعام کی امید مین نکلا، عین اس حالت مین کہ آپ روانہ ہو رہے تھے، اُس نے آپ کو دیکھ لیا، اور گھوڑا دوڑا کر قریب آگیا، لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، وہ گر پڑا، ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیئے یا نہین؟ جواب مین "نہین" نکلا، لیکن سَو اونٹون کا گرانبہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاتی، دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا، اور آگے بڑھا۔ ابکی گھوڑے کے پانون گھٹنون تک زمین مین دھنس گئے، گھوڑے سے اُتر پڑا اور پھر فال دیکھی، اب بھی وہی جواب تھا لیکن مکرر تجربہ نے اسکی ہمت پست کردی، اور یقین ہوگیا کہ یہ کچھ اور آثار ہین، آنحضرت صلعم کے پاس آکر قریش کے اشتہار کا واقعہ سُنایا، اور درخواست کی کہ مجھکو امن کی تحریر لکھدیجیے، حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن[3] لکھدیا۔

حُسنِ اتفاق یہ کہ حضرت زبیر شام سے تجارت کا سامان لیکر آرہے تھے، اُنھون نے

---

[1] یہ پوری تفصیل حرف بحرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین مین ہے ہمنے تمام جزئیات اسلیے نقل کین کہ اس سے حضرت ابوبکر کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ [2] سراقہ بعد مین اسلام لائے اور جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے زیورات لوٹ مین آئے، تو حضرت عمر نے انھی کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا۔

[3] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی مین بھی دوات قلم ساتھ رہتا تھا۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہٖ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت مین چند بیش قیمت کپڑے پیش کیے، جو اس بے سروسامانی مین غنیمت تھے،

ابن سعد نے طبقات مین اس مقدس سفر کی تمام منزلین گنائی ہین۔ اگرچہ عرب کے نقشون مین آج انکا نشان نہین ملتا، تاہم عقیدت مند صرف نام سے لذّت یاب ہوسکتے ہین۔ خرار، ثنیۃ المرۃ لقف، مدلجۃ، مرجح۔ حداید۔ اذاخر، رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے رستہ مین آتا ہے، یہان آپ نے مغرب کی نماز پڑھی) ذاسلم، عثانیۃ، فاحتۃ، عرج، جدوات، رکوبۃ، عقیق، جثجاثۃ۔

تشریف آوری کی خبر **مدینہ** مین پہلے پہنچ چکی تھی، تمام شہر ہمہ تن چشمِ انتظار تھا، معصوم بچے فخر اور جوش مین کہتے پھرتے تھے کہ "پیغمبر (صلے اللہ علیہٖ وسلم) آرہے ہین"۔ لوگ ہر روز تڑکے سے نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے، اور دوپہر تک انتظار کرکے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے، ایک دن انتظار کرکے واپس جاچکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ "اہلِ عرب لو تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آگیا"، تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اُٹھا، انصار ہتیار سج سج کر بیتابانہ گھرون سے نکل آئے،

مدینۂ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اُس کو عالیہ اور قُبا کہتے ہین یہان انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے، ان مین سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا۔ اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے، آنحضرت صلعم یہان پونہچے تو تمام خاندان نے جوشِ مسرت مین اللہ اکبر کا نعرہ مارا، یہ فخر ان کی قسمت مین تھا کہ میزبانِ دوعالم نے انہی کی مہمانی قبول کی۔ انصار ہر طرف سے جوق جوق آتے، اور جوشِ عقیدت کیساتھ سلام[1] عرض کرتے

[1] صحیح بخاری صفحہ ۵۶۰۔ طبقات بن سعد سیرۃ نبوی صفحہ ۱۵۰۔

اکثر اکابر صحابہ، جو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے پہلے مدینہ مین آچکے تھے، وہ بھی انہی کے گھر مین اُترے تھے، چنانچہ حضرت ابو عبیدہ، مقداد، خباب، سہیل، صفوان، عیاض، عبد اللہ بن مخرمۃ، وہب ابن سعد، معمر بن ابی سرح، عمیر بن عوف، اب تک انہی کے مہمان[1] تھے،

جناب امیر، آنحضرت صلعم سے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے وہ بھی آگئے اور یہین ٹھہرے، تمام مورخین اور ارباب سیر لکھتے ہین کہ آنحضرت صلعم نے یہان صرف چار دن قیام فرمایا لیکن صحیح بخاری مین چودہ دن ہے، اور یہی قرین قیاس ہے۔

یہان آپ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرانا تھا، کلثوم کی ایک افتادہ زمین تھی، جہان کھجورین سکھلائی جاتی تھین، یہین دستِ مبارک سے مسجد کی نبیاد ڈالی، یہی مسجد ہے جسکی شان مین قرآن مجید مین ہے،

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ	وہ مسجد جسکی نبیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری پر رکھی گئی ہو وہ اسبات
يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ	کی زیادہ مستحق ہو کہ تم اسمین کھڑے ہو۔ اسمین ایسے لوگ ہین جنکو صفائی
اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (توبہ)	بہت پسند ہے اور خدا صاف رہنے والون کو دوست رکھتا ہے

مسجد کی تعمیر مین مزدورون کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے، بھاری بھاری پتھرون کے اُٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا، عقیدت مند آتے اور عرض کرتے "ہمارے مان باپ آپ پر فدا ہون، آپ چھوڑ دین ہم اُٹھالین گے" آپ انکی درخواست قبول فرماتے، لیکن پھر اُسی وزن کا دوسرا پتھر اُٹھا لیتے[2]،

[1] ابن سعد، تذکرۂ کلثوم بن ہدم [2] وفا، الوفا بحوالہ طبرانی کبیر۔

عبداللہ بن رواحہ شاعر تھے، وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے، اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہین، وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے،

اَفلحَ من یُعالِجُ المَساجِدَا	وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے،
وَیقرءُ القران قائمًا وّقاعدًا	اور اُٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے،
وّلایبیتُ اللّیلَ عنہ راقِدًا	اور رات کو جاگتا رہتا ہے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے[1]،

قبا مین آپ کا داخلہ اسلام کے دور خاص کی ابتدا ہے، اس لیے مورخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے، اکثر مورخین کا اتفاق ہی کہ یہ آٹھ ربیع الاوّل ۱۳ نبوی (مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء) تھی؛ موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ جمعرات کا دن، اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ، اور رومی ماہ ایلول ۹۳۳ اسکندری کی دسوین تاریخ تھی[2]، مورخ یعقوبی نے ہیئت دانون سے یہ زائچہ نقل کیا ہے،

آفتاب	برج سرطان مین	۲۳ درجہ	۶ دقیقہ پر
زحل	برج اسد مین	۲ درجہ	
مشتری	برج حوت مین	۶ درجہ	

---

[1] وفاء الوفا، بحوالۂ ابن شبہ ج اص ۱۸۱ مصر[2] عینی شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۳۵۴۔ عینی مطبوعۂ قسطنطنیہ بن مطبع کی غلطی سے ۳۳۳ سبعمائۃ لکھا گیا ہے۔ اس کو تسعمائۃ پڑھنا چاہیے۔ رومی ماہ ایلول کی دسوین کے بجائے جدید طریقۂ حساب سے بیسوین ثابت ہوتی ہے، خوارزمی نے جمعرات کا دن بتایا ہی لیکن جدید حساب سے دوشنبہ کا دن آتا ہی۔)

زہرہ	برج اسد مین	۱۳ درجہ
عطارد	برج اسد مین	۱۵ درجہ

چودہ دن کے بعد (جمعہ[1] کو) آپ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے، (راہ مین بنی سالم کے محلہ مین نماز کا وقت آگیا، جمعہ کی نماز یہین ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے خطبہ دیا، یہ آنحضرت صلعم کی سب سے پہلی نماز جمعہ، اور سب سے پہلا خطبہ نماز تھا، لوگون کو جب تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوش مسرت سے پیشقدمی کے لیے دوڑے) آپ کے ننہالی رشتہ دار بنو نجار ہتھیار سج سج کر[2] آئے قبا سے مدینہ تک دورویہ جان نثارون کی صفین تھین، راہ مین انصار کے خاندان آتے تھے، ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا "حضور! یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے" آپ منت کا اظہار فرماتے اور دعائے خیر دیتے، شہر قریب آگیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونین چھتون پر نکل آئین اور گانے لگین۔

طَلَعَ البَدْرُ عَلَيْنَا	چاند نکل آیا ہے،
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ	کوہ وداع کی گھاٹیون سے،
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے،
مَا دَعَى لِلّٰهِ دَاعِ	جبتک دعا مانگنے والے دعا مانگین

[1] خوارزمی کے حساب کے مطابق روز ورود (جمعرات) نہ لیا جاوے تو ۱۴ دن کے بعد جمعہ ہوگا، [2] یہ واقعہ بخاری کے متعدد ابواب مسجد، ہجرت وغیرہ مین مذکور ہے۔ [3] وفاء الوفا، جلد اول صفحہ ۱۸۰، پہلے اشعار کے متعلق زرقانی مین نہایت محققانہ، محدثانہ بحث کی ہے اور ابن قیم کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی طرف ہے۔ نہ کہ مکہ کی طرف، مواہب مین لکھا ہے کہ یہ اشعار حلوانی نے شیخین کی شرط پر روایت کئے ہین۔ بخاری مین بھی یہ اشعار منقول ہین۔ مگر غزوۂ تبوک کے موقع پر، لیکن ان دونون روایتون مین کچھ تناقض نہین۔ ممکن ہے دونون موقعون پر یہ اشعار پڑھے گئے ہون۔

معصوم لڑکیان دف بجا بجا کر گاتی تھین،

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ ہم خاندان نجار کی لڑکیان ہین،

يَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اچھا ہمسایہ ہے،

آپ نے اِن لڑکیون کی طرف خطاب کر کے فرمایا "کیا تم مجھکو چاہتی ہو؟"، بولین "ہان"، فرمایا کہ "مین بھی تم کو چاہتا ہون"

جہان اب مسجد نبوی ہے اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاری کا گھر تھا، کوکبۂ نبوی یہان پہنچا سخت کشمکش تھی کہ آپ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو؟ قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ دولت حضرت ابوایوب[۱] کے حصہ مین آئی،

حضرت **ابوایوب**رض کا مکان دو منزلہ تھا، اُنھون نے بالائی منزل پیش کی لیکن آپنے زائرین کی آسانی کے لیے نیچے کا حصہ پسند فرمایا، ابوایوب دو وقت آپ کی خدمت مین کھانا بھیجتے اور آپ جو چھوڑ دیتے، ابوایوب اور ان کی زوجہ کے حصہ مین آتا، کھانے مین جہان آنحضرت صلعم کی انگلیون کا نشان پڑا ہوتا، ابوایوب بھی تبرکاً وہین انگلیان ڈالتے؛

---

[۱] ابوایوب کا نام خالد ہے۔ اصابہ فی احوال الصحابہ مین اسی نام سے انکا ذکر کیا ہے اور وہین یہ واقعہ لکھا ہے۔ اکثر سیر اور تواریخ کی کتابون مین لکھا ہے کہ چونکہ ہر شخص اپنے گھر مین اتارنے کی درخواست کرتا تھا، آپنے فرمایا کہ "میرے ناقہ کو چھوڑ دو، وہ خدا کی طرف سے مامور ہے"، چنانچہ ناقہ حضرت ابوایوب کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، اس لیے آپ نے انہی کے گھر پر قیام فرمایا، لیکن صحیح مسلم باب الہجرۃ مین ہے کہ جب لوگون مین آپکی میزبانی کے متعلق جھگڑا ہوا تو آپنے کہا کہ "مین بنو نجار کے ہان اترون گا جو عبد المطلب کے مامون ہین" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے عمداً ایسا کیا تھا حضرت ابوایوب اسی خاندان سے تھے، امام بخاری نے تاریخ صغیر مین تصریح کی ہے کہ ابوایوب کے گھر اترنا اسی قرابت کی وجہ سے تھا۔

ایک دن اتفاق سے بالائی منزل مین پانی کا برتن ٹوٹ گیا، اندیشہ ہوا کہ پانی بہ کر نیچے جائے، اور آنحضرت صلعم کو تکلیف ہو۔ گھر مین اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا، حضرت ابوایوب نے اس کو ڈال دیا کہ پانی جذب ہوکر رہجائے[1]؛

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سات مہینہ تک یہین قیام فرمایا، اس اثنا مین جب مسجد نبوی اور آس پاس کے حجرے طیار ہوگئے تو آپ نے نقل مکان فرمایا تفصیل آگے آتی ہے۔

مدینہ مین آکر آپ نے حضرت زید کو دو اونٹ اور پانسو درہم دیکر بھیجا کہ مکہ جاکر صاجزادیون اور حرم نبوی کو لے آئین؛ حضرت ابوبکرؓ کے صاجزادے عبداللہ بھی ساتھ گئے۔ صاجزادیون مین سے رقیہؓ حضرت عثمان کے ساتھ حبش مین تھین۔ زینب کو اُنکے شوہر نے آنے نہ دیا، زید صرف حضرت فاطمۂ زہرا، اور حضرت سودہ (زوجۂ محترم نبوی) کو لیکر آئے؛ حضرت عائشہ اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ آئین[2]؛

مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجرون کی تعمیر

مدینہ مین قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی؛ اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ مین آپ نماز پڑھا کرتے تھے، دولت کدہ کے قریب خاندانِ نجّار کی زمین تھی جس مین کچھ قبرین تھین، کچھ کھجور کے درخت تھے، آپ نے ان لوگون کو بلاکر فرمایا "مین یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہون" وہ بولے کہ "ہم قیمت لین گے لیکن آپ سے نہین بلکہ خدا سے"؛ چونکہ اصل مین وہ زمین دو یتیم بچون کی تھی آپ نے خود اُن یتیمون کو بُلا بھیجا، ان یتیم بچون نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن آپ نے گوارا نہ کیا۔ حضرت ابوایوب نے نے

[1] اصابہ، ذکر ابوایوب، اور زرقانی بحوالہ قاضی ابویوسف و حاکم و وفاء الوفاء [2] ابن سعد۔

قیمت ادا کی، قبرین اُکھڑوا کر زمین ہموار کر دی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، شہنشاہِ دو عالم، پھر مزدورون کے لباس مین تھا، صحابہ پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے آنحضرت بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے اور فرماتے[1]،

اَللّٰھُمَّ لَاخَیْرَ اِلَّاخَیْرَ الاٰخِرَۃ — اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے۔

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ — اے خدا! مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی، یعنی کچی اینٹون کی دیوارین، برگ خرما کا چھپر، کھجور کے ستون تھے، قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہوگیا تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا، فرش چونکہ بالکل خام تھا، بارش مین کیچڑ ہو جاتی تھی، ایک دفعہ صحابہ نماز کے لیے آئے تو کنکریان لیتے آئے اور اپنی اپنی نشستگاہ پر بچھا لین۔ آنحضرت صلعم نے پسند فرمایا اور سنگریزون کا فرش بنوا دیا۔

مسجد کے ایک سرے پر ایک مُسقّف چبوترہ تھا جو صُفّہ کہلاتا تھا۔ یہ اُن لوگون کے لیے تھا جو اسلام لاتے تھے اور گھر بار نہین رکھتے تھے۔

مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لیے مکان بنوائے اسوقت تک حضرت سودۃ اور حضرت عائشہ عقد نکاح مین آچکی تھین اسلیے دو ہی حجرے بنے جب اور ازواج آتی گئین تو اور مکانات بنتے گئے، یہ مکانات کچی اینٹون کے تھے، ان مین سے پانچ کھجور کی ٹٹیون سے بنے تھے، جو حجرے اینٹون کے تھے، ان کے اندرونی حجرے بھی ٹٹیون کے تھے

[1] بخاری باب المساجد و باب الہجرۃ و حج، و باب البیوع، و عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ و زرقانی۔

ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہ۔ ام حبیبہ۔ زینب۔ جویریہ۔ میمونہ۔ زینب بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے، اور حضرت عائشہ۔ صفیہ۔ سودہ مقابل جانب تھیں[1]۔ یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد مین اعتکاف مین ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر مین بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھین؛

یہ مکانات چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے، چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا، دروازون پر کمل کا پردہ پڑا رہتا تھا[2]، راتون کو چراغ نہین جلتے تھے[3]۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ہمسایہ مین جو انصار رہتے تھے ان مین سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ۔ عمارہ بن حزم، اور ابو ایوب، رئیس اور دولتمند تھے، یہ لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت مین دودھ بھیجا کرتے تھے، اور اسی پر آپ بسر فرماتے تھے۔ سعد بن عبادہ نے التزام کر لیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہان سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے، جسمین کبھی سالن، کبھی دودھ، کبھی گھی ہوتا تھا[4]، حضرت انس کی مان، ام انسؓ نے اپنی جائداد آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین پیش کی۔ آنحضرت صلعم نے قبول فرما کر اپنی دایہ ام ایمن کو دے دیا[5]، اور خود فقر و فاقہ اختیار فرمایا۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ جلد سیرت نبوی صفحہ ۱۶۱، [2] منازل نبوی کا حال طبقات ابن سعد جزء ۸ صفحہ ۱۱۷، اور وفاء الوفاء مین تفصیلاً ہے۔ [3] بخاری باب الصلوٰۃ علے الفراش [4] طبقات ابن سعد جلد کتاب النساء صفحہ ۱۱۱، [5] صحیح بخاری صفحہ ۳۵۸ باب فضل المنیحۃ۔

اذان کی ابتدا | اسلام کے تمام عبادات کا اصلی مرکز وحدت واجتماع ہے، اِس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نمازِ جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا، لوگ آگے پیچھے آتے اور جو جس وقت آتا نماز پڑھ لیتا۔ آنحضرت صلعم کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیے جائین جو وقت پر لوگون کو گھرون سے بُلا لائین لیکن اس مین زحمت تھی، صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا، لوگون نے مختلف رائین دین کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک عَلَم کھڑا کر دیا جائے لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائین گے، آپ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا، عیسائیون اور یہودیون کے ہان اعلان نماز کے جو طریقے ہین وہ بھی آپ کی خدمت مین عرض کئے گئے لیکن آپ نے حضرت عمرؓ کی راے پسند کی اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان دین[1]۔ اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف دن مین پانچ دفعہ دعوتِ اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔

صحاح ستہ کی بعض کتابون مین ہو کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زید نے پیش کی تھی، جو اُنھون نے خواب مین دیکھی تھی، ایک اور روایت مین ہو کہ حضرت عمرؓ کو بھی خواب مین توارُد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ مین کسی اور روایت کو ترجیح نہین دیجا سکتی[2]۔

بخاری مین صاف تصریح ہے کہ آنحضرت صلعم کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزین پیش کی گئین۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی اور آپ نے اس کے موافق حضرت بلال کو بلا کر اذان کا حکم دیا۔ خواب کا ذکر نہین۔

[1] ابوداؤد باب بدءالاذان وبخاری باب الاذان، بخاری مین زید کے واقعہ کا ذکر نہین۔ ([2] یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ، صحیح مسلم۔ نسائی اور ترمذی مین بھی ہے۔)

مواخاۃ مہاجرین، مکہ معظمہ سے بالکل بے سروسامان آئے تھے، گو ان مین دولت مند اور خوشحال بھی تھے لیکن کافرون سے چھپ کر نکلے تھے، اس لیے کچھ ساتھ نہ لا سکے تھے۔

اگرچہ مہاجرین کے لیے **انصار** کا گھر مہمانخانۂ عام تھا تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی، مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہین کرتے تھے، وہ دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے، تاہم چونکہ بالکل بکھرے تھے اور ایک حبہ تک پاس نہ تھا اس لیے آنحضرت صلعم نے خیال فرمایا کہ انصار اور اُن مین رشتۂ اخوت قائم کر دیا جائے جب مسجد کی تعمیر قریب ختم ہوئی تو آپ نے انصار کو طلب فرمایا۔ حضرت انس بن مالک جو اسوقت ۱۰ سالہ تھے، ان کے مکان مین لوگ جمع ہوئے۔ مہاجرین کی تعداد پینتالیس تھی۔ آنحضرت صلعم نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا "یہ تمھارے بھائی ہین،" پھر مہاجرین اور انصار مین سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ اور اب وہ درحقیقت بھائی بھائی تھے۔ **انصار** نے مہاجرین کو ساتھ لیجا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دیدیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے، سعد بن الربیع جو عبدالرحمن بن عوف کے بھائی قرار پائے، اُنکی دو بیویان تھین، عبدالرحمن سے کہا کہ ایک کو مین طلاق دیدیتا ہون آپ اس سے نکاح کر لیجیے، لیکن اُنھون نے احسان مندی کے ساتھ انکار کیا[1]۔

انصار کا مال و دولت، جو کچھ تھا نخلستان تھے، روپے پیسے تو اُس زمانہ مین تھے نہین[2] انھون نے رسول اللہ صلعم سے درخواست کی کہ یہ باغ ہمارے بھائیون مین برابر تقسیم کر دیے جائین

[1] مواخاۃ کا ذکر اور ایک ایک کا نام، ابن ہشام صفحہ ۱۸۰ مین ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوف کا واقعہ صحیح بخاری کتاب المناقب باب اخبار النبی مین ہے۔ [2] صحیح بخاری صفحہ ۳۱۲۔

مہاجرین تجارت پیشہ تھے اور اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل ناآشنا تھے، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے ان کی طرف سے انکار کیا، انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لین گے جو کچھ پیداوار ہوگی اس مین نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا، مہاجرین نے اس کو منظور کیا[۱]

یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بنگیا، کوئی انصاری مرتا تھا تو اُسکی جائداد اور مال مہاجر کو ملتا تھا اور بھائی بند محروم رہتے، یہ اس فرمانِ الٰہی کی تعمیل تھی،

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ مین
بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ	مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھون نے
اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ	ان لوگون کو پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ لوگ
(انفال رکوع آخر)	باہم بھائی بھائی ہین۔

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اتری۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ (انفال) — ارباب قرابت، ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہین۔

اُس وقت سے یہ قاعدہ جاتا رہا، چنانچہ کتب تفسیر و حدیث مین بہ تصریح مذکور ہے[۲]۔

سنہ ۴ھ مین بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے اور اُنکی زمین اور نخلستان قبضہ مین آئے تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے انصار کو بلاکر فرمایا، کہ مہاجرین نادار ہین۔ اگر تمھاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات تنہا ان کو دیدیے جائین اور تم اپنے نخلستان واپس لیلو" انصار نے عرض کی کہ نہین ہمارے نخلستان بھائیون ہی کے قبضہ مین رہنے دیجیے اور نئے بھی اُنھی کو عنایت فرمائیے[۳]۔

---

[۱] صحیح بخاری صفحہ ۳۱۲ [۲] صحیح بخاری کتاب التفسیر آیہ واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض [۳] فتوح البلدان مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۰۔

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی، لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا؟ سعد بن الربیع نے جب عبد الرحمن بن عوف کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف لے لینے کی درخواست کی تو انھون نے کہا، "خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے، مجھکو صرف بازار کا راستہ بتا دیجیے" انھون نے قینقاع کا، جو مشہور بازار تھا، جا کر راستہ بتا دیا، انھون نے کچھ گھی کچھ پنیر خریدا، اور شام تک خرید و فروخت کی، چند روز مین اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی[1]۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود انکا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہون تو سونا بنجاتی ہے، انکا اسباب تجارت سات سات سو اونٹون پر لدکر آتا تھا اور جس دن مدینہ مین پہنچتا تمام شہر مین دھوم مچ جاتی تھی[2]۔

بعض صحابہ نے دکانین کھول لین حضرت ابو بکر کا کارخانہ مقام سنح مین تھا جہان وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے[3] حضرت عثمان بنو قینقاع کے بازار مین کھجور کی خرید و فروخت کرتے تھے[4] حضرت عمر بھی تجارت مین مشغول ہو گئے تھے[5] اور شاید ان کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچگئی تھی[6]۔ اور صحابہ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی تھی، صحیح بخاری مین روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ پر لوگون نے جب کثرت روایت کی بنا پر اعتراض کیا کہ اور صحابہ تو اس قدر روایت نہین کرتے تو انھون نے کہا "اس مین میرا کیا قصور ہے۔ اور لوگ بازار مین تجارت کرتے تھے اور مین رات دن بارگاہ نبوت مین حاضر رہتا تھا"

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان انصار کو واپس کر دیے۔ صحیح مسلم باب الجہاد

---

[1] صحیح بخاری مین دو مختلف موقعون پر یہ واقعہ مذکور ہے [2] اصابہ وغیرہ مین یہ واقعہ مذکور ہے۔ [3] ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۲۹۔ [4] مسند امام حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۲۔ [5] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۴۰۰۔ [6] ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۴۷

مین ہے،

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فرغ من قتال اھل خیبر وانصرف الی المدینۃ ردّ المہاجرون الی الانصار منائحھم التی کانوا منحوھم من ثمارھم۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ واپس آئے تو مہاجرین نے انصار کے عطیے جو نخلستان کی صورت مین تھے، واپس کر دیئے۔

مہاجرین کے لیے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھرون کے آس پاس جو افتادہ زمینین تھین اُن کو دیدین۔ اور جنکے پاس زمین نہ تھی انھون نے اپنے مسکونہ مکانات دیدیے۔ سب سے پہلے حارثہ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی، بنو زہرہ مسجد نبوی کے عقب مین آباد ہوئے۔ عبد الرحمن بن عوف نے یہان ایک قلعہ (جسکو گڑھی کہنا زیادہ موزون ہوگا۔) بنوایا حضرت زبیر بن العوام کو ایک وسیع زمین ہات آئی، حضرت عثمان، مقداد، عبید کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو مین زمینین دین[1]۔

مواخاۃ کے رشتہ سے، جو لوگ آپس مین بھائی بھائی بنے ان مین سے بعض حضرات کے نام یہ ہین[2]۔

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکرؓ	خارجہ بن زید انصاری
حضرت عمرؓ	عتبانؓ بن مالک انصاری

[1] یہ پوری تفصیل معجم البلدان مدینہ منورہ کے ذکر مین ہی [2] یہ تفصیل ابن ہشام صفحہ ۹، امین ہے۔

حضرت عثمان رض	اوس رض بن ثابت انصاری
حضرت ابوعبیدہ جراح رض	سعد بن معاذ انصاری رض
حضرت زبیر رض بن العوام	سلامۃ بن وقش رض
مصعب بن عمیر رض	ابوایوب رض انصاری
عمار بن یاسر رض	حذیفہ رض بن یمان۔
ابوذر غفاری رض	منذر بن عمرو رض
سلمان فارسی رض	ابو دردا رض
حضرت بلال رض	ابورویحہ رض
ابوحذیفہ رض بن عتبہ بن ربیعہ	عباد بن بشر رض
سعید بن زید رض بن عمرو بن نفیل	ابی بن کعب رض

مُواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا کہ بے خانمان مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہوجائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔ اسلام، تہذیبِ اخلاق و تکمیلِ فضائل کی شاہنشاہی ہے۔ اس سلطنتِ الٰہی کے لیے وزراء و اربابِ تدبیر، سپہ سالارانِ لشکر، ہر قابلیت کے لوگ درکار ہین۔ شرفِ صحبت کی برکت سے **مہاجرین** مین ان قابلیتون کا ایک گروہ طیار ہوچکا تھا۔ اور ان مین یہ وصف پیدا ہوچکا تھا کہ انکی درسگاہِ تربیت سے اور ارباب استعداد بھی تربیت پاکر نکلین۔ اس بنا پر جن لوگون مین رشتۂ اخوت قائم کیا گیا اِن مین اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد مین وہ اتحادِ مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری

کے لیے ضرور ہے، تفحص اور استقصار سے معلوم ہوتا ہی کہ جو شخص جسکا بھائی بنایا گیا۔ دونون مین یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا، اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت مین سیکڑون اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا، قریبًا ناممکن ہی تو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ یہ شان نبوّت کی خصوصیات مین سے ہی۔

حضرت **سعید بن زید** عشرۂ بشرہ مین ہین، انکے والد **زید** آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے ملت ابراہیمی کے پیرو ہو چکے تھے، اور گویا اسلام کے مقدمۃ الجیش تھے، سعید نے اُن ہی کے دامن تربیت مین پرورش پائی تھی اسیلیے اسلام کا نام سننے کے ساتھ انھون نے لبّیک کہا۔ ان کی مان بھی اُن کے ساتھ یا ان سے پہلے اسلام لائین، حضرت عمرؓ انہی کے گھر مین اور ان ہی کی ترغیب سے اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے، علم و فضل کے لحاظ سے فضلائے صحابہ مین تھے اُنکی اُخوت **ابی بن کعب** سے قائم کی گئی جنھون نے یہ مرتبہ حاصل کیا کہ حضرت عمرؓ انکو سیّد المسلمین کہتے تھے، بارگاہِ نبوت مین منصبِ انشا پر سب سے پہلے وہی ممتاز ہوئے۔ فن قرأت کے وہ امام تسلیم کیے جاتے ہین[۱]۔

حضرت **ابو حذیفہ** عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے، جو قریش کا رئیس اعظم تھا، اِس مناسبت سے ان کو عباد بن بشیر کا بھائی بنایا گیا جو قبیلۂ اشہل کے سردار تھے۔

حضرت **ابو عبیدہ جرّاح** جنکو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے امین الاُمّۃ کا خطاب دیا تھا، ایک طرف تو فاتح شام ہونے کی قابلیت رکھتے تھے۔ دوسری طرف اسلام کے مقابلہ مین پدری اور فرزندی کے جذبات اُن پر کچھ اثر نہین کرسکتے تھے چنانچہ غزوۂ بدر مین جب اُنکے باپ اُنکے مقابلہ

مین آئے تو اُنھون نے پہلے حقوق اُبّوت کی مراعات کی لیکن بالآخر اسلام پر باپ کو نثار کردینا پڑا۔ انکی تربیت مین **سعد بن معاذ** دیے گئے، جو قبیلہ اوس کے رئیس اعظم تھے۔ ان مین بھی ایثار کا یہ وصف نمایان طور پر نظر آتا ہے، بنو قریظہ ان کے حلیف تھے، اور عرب مین حلیف کا رشتہ اخوت اور اُبوت کے برابر ہوتا تھا۔ تاہم غزوۂ بنی قریظہ مین جب اسلام کا مقابلہ پیش آیا، تو انھون نے اپنے چار سو حلیفون کو اسلام پر نثار کردیا۔

حضرت بلال اور ابورویحہ، سلمان فارسی اور ابودردا، عمار بن یاسر اور حذیفہ بن یمان مصعب اور ابوایوب، مین وہ وحدت موجود تھی جسکی بدولت نہ صرف شاگرد، بلکہ اُستاد بھی شاگرد سے اثرپذیر ہوسکتا تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف مدینہ مین آئے تو نہیر سر پر رکھکر بیچتے تھے، سعد بن الربیع کی صحبت مین جو امیرالامرا تھے دولت اور امارت کے جس درجہ پر پہنچے ہم اوپر لکھ آئے ہین۔

انصار نے مُہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا دنیا کی تاریخ مین اسکی نظیر نہین ملسکتی۔ بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت صلعم نے انصار کو بلاکر فرمایا کہ "مین اس کو انصار مین تقسیم کردینا چاہتا ہون" اُنھون نے عرض کی کہ "پہلے ہمارے بھائی مہاجرون کو اتنی ہی زمین عنایت فرمائیے تب ہم لینا منظور کرینگے[1]"۔

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص، آنحضرت صلعم کی خدمت مین آیا کہ سخت بھوکا ہون آپنے گھر مین دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب آیا کہ "صرف پانی" آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب

---

[1] صحیح بخاری فضائل انصار

ہوکر فرمایا کوئی ہے؟ جو انکو آج اپنا مہمان بنائے"! ابوطلحہؓ نے عرض کی "میں حاضر ہوں" غرض وہ اپنے گھر لوائے لیکن وہاں بھی برکت تھی۔ بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا موجود ہے۔ انہوں نے بیوی سے کہا چراغ بجھادو، اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لاکر رکھدو، تینوں ساتھ کھانے پر بیٹھے میاں بیوی بھوکے بیٹھے رہے اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے۔ اسی واقعہ[1] کے بارہ میں یہ آیت اُتری ہے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (طلاق)

اور گو ان کو خود تنگی ہوتا ہم اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

صُفّہ اور اصحاب صُفّہ اصحاب صفہ اسلامی لغۃ کا ایک متداول لفظ ہے، گو اسکی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہیں۔

"صُفّہ" سائبان کو کہتے ہیں، یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبوی کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا ہوا طیار کیا گیا تھا، صحابہ میں سے اکثر تو مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلعم کی تربیت پذیری پر نذر کردی تھی، ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کرلیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے، ان میں ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چُن لاتی اور بیچکر اپنے بھائیوں کے لیے کچھ کھانا مُہیا کرتی۔

یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اسی چبوترہ (صفہ)

---

[1] صحیح بخاری وفتح الباری فضائل انصار۔

پر پڑ رہتے حضرت ابوہریرہ بھی انہی لوگون مین تھے۔ ان مین سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونون
چیزین کبھی ساتھ مہیا نہ ہوسکین چادر کو گلے سے اسطرح باندھ لیتے کہ رانون تک لٹک آتی۔ اکثر
انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخین توڑ کر لاتے اور چھت مین لگا دیتے۔ کھجورین جو ٹپک ٹپک کر
گرتین۔ یہ اٹھا کر کھا لیتے۔ کبھی دو دو دن کھانے کو نہین ملتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلعم
مسجد مین تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے۔ یہ لوگ آکر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف
سے عین نماز کی حالت مین گر پڑتے باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے
ہین[۱]۔ آنحضرت صلعم کے پاس جب کہین سے صدقہ کا کھانا آتا تو مُسَلَّم انکے پاس بھیجدیتے۔ اور جب
دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے۔ اور ان کے ساتھ بیٹھکر کھاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ راتون کو آنحضرت
صلعم ان کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم کردیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو
کو اپنے ساتھ لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے۔

حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاض اور دولتمند تھے۔ وہ کبھی کبھی اسّی اسّی مہمانون کو
اپنے ساتھ لیجا[۲]کر جاتے۔ آنحضرت صلعم ان لوگون کا اس قدر خیال رکھتے تھے، کہ جب ایک دفعہ
آنحضرت صلعم سے فاطمہ زہراؓ نے درخواست کی کہ میرے ہاتھون مین چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے
ہین مجھکو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ "یہ نہین ہوسکتا کہ مین تمکو دون اور صفہ والے بھوکون مرین[۳]"
راتون کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے، انکے لیے ایک معلم مقرر تھا اسکے
پاس جاکر پڑھتے[۴]۔ اسی بنا پر ان مین سے اکثر قاری کہلاتے تھے، دعوت اسلام کے لیے کہین بھیجنا

[۱] صحیح ترمذی باب معیشۃ النبیؐ، [۲] زرقانی ذکر اصحاب صفہ و مسجد نبوی [۳] زرقانی ذکر اصحاب صفہ [۴] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۷

ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے، غزوۂ معونہ مین انہی مین سے ستر آدمی اسلام سکھانے کے لیئے بھیجے گئے تھے۔

انکی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی کل مجموعی تعداد ۴۰۰ تک پہنچی تھی لیکن کبھی ایک زمانہ مین اس قدر تعداد نہین ہوئی۔ نہ صفہ مین اس قدر گنجایش تھی، ان لوگون کا مفصل حال[1] ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی سنہ ۳۴۰ھ (جو ابن مندہ کے استاد تھے) نے ایک الگ تصنیف مین لکھا ہے۔ سلمی نے بھی انکے حالات مین ایک الگ کتاب لکھی[2] ہے۔

مدینہ کے یہود اور اُنسے معاہدہ

مورخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہود نسلاً یہودی تھے، اور اس تقریب سے عرب مین آئے تھے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے انکو عمالقہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا لیکن تاریخی قراین سے اسکی تصدیق نہین ہوتی۔ یہود گو تمام دنیا مین پھیلے لیکن انھون نے اپنے نام کہین نہین بدلے۔ آج بھی وہ جہان ہین اسرائیلی نام رکھتے ہین بخلاف اس کے عرب کے یہودیون کے نام نضیر، قینقاع، مرحب، حارث، وغیرہ ہوتے تھے، جو خالص عربی نام ہین۔ یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے ہین۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ نے ان سے لڑنے کے لیے کہا تو بولے،

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ (مائدہ ۴)	تم مع اپنے خدا کے جاؤ اور لڑو۔ ہم یہان بیٹھے رہین گے۔

---

[1] (حافظ سیوطی نے دو صفحہ کا ایک رسالہ اصحاب صفہ کے نام مین لکھا ہے اس رسالہ مین ۱۰۰ آدمیون کے نام بہ ترتیب ہجا مذکور ہین) [2] اصحاب صفہ کا حال بخاری باب المغازی وغیرہ اور صحیح مسلم مین جستہ جستہ مذکور ہے۔ زرقانی نے اور کتابون سے لیکر اضافہ کیا ہے۔ مین نے یہ واقعات بخاری و مسلم کے علاوہ زرقانی ہی کے حوالہ سے لکھے ہین۔ (نیز مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۲۰ مین بھی ہین)

بخلاف اس[1] کے مدینہ کے یہود نہایت دلیر، شجاع اور بہادر تھے۔

اِن قرائن عقلی کے علاوہ ایک بڑے مؤرخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہی کہ قریظہ اور نضیر عرب تھے جو یہودی بنگئے تھے۔

ثُمَّ کَانت وقعةُ بنی النضیر، وَھُمْ	پھر بنونضیر کا معرکہ ہوا۔ یہ قبیلۂ جذام کا ایک
فخذٌ مِنْ جِذَام، اِلَّا اِنھُمْ تھَوَّدوا	خاندان تھا۔ لیکن یہودی ہوگیا تھا اور اسی
..... وکذالکَ قریظة[2]	طرح قریظہ بھی۔

مؤرخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف والتنبیہ[3] مین ایک روایت لکھی ہی کہ "یہ جذام کے قبیلہ سے تھے کسی زمانہ مین عمالقہ سے اور انکی بت پرستی سے بیزار ہوکر حضرت موسیٰ پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکان کرکے حجاز پچلے آئے"۔

یہ تین قبیلے تھے، بنوقینقاع، بنونضیر، اور قریظہ، مدینہ کے اطراف مین آباد تھے۔ اور مضبوط برج اور قلعے بنالیے تھے۔

انصار کے جو دو قبیلے تھے، یعنی اَوس، اور خزرج، ان مین باہم جو اخیر معرکہ ہوا تھا، (جنگ بعاث) اُس نے **انصار** کا زور بالکل توڑ دیا تھا۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائین۔

---

[1] مسٹر مرگولیوس نے یہود کے متعلق تفصیل سے محققانہ بحث کی ہی۔ ان کا میلان راے یہ ہے اور غالباً صحیح ہے کہ یہودیون کی اس بڑی آبادی مین ایک دو خاندان اصلی یہود بھی تھے، عرب جو یہودی ہوتے گئے وہ بھی ان مین شامل ہوتے گئے [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ [3] مطبوعۂ یورپ صفحہ ۲۴۷۔

ان اسباب کی بنا پر جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانون اور یہودیون کے تعلقات واضح اور منضبط ہوجائین۔ آپ نے انصار اور یہود کو بلاکر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونون فریق نے منظور کیا۔ یہ معاہدہ ابن ہشام مین پورا مذکور ہے۔ خلاصہ یہ ہے۔

(۱) خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا۔

(۲) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی، اور اُنکے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہین کیا جائیگا۔

(۳) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھین گے۔

(۴) یہود یا مسلمانون کو کسی سے لڑائی پیش آئیگی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کریگا۔

(۵) کوئی فریق **قریش** کو امان نہ دیگا۔

(۶) مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونون فریق شریک یکدگر ہون گے۔

(۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

واقعات متفرقہ | اس سال **انصار** مین سے دو نہایت معزز شخصون نے جو مقربین خاص مین تھے وفات پائی، کلثوم بن ہدم اور اسعد بن زرارۃ۔ کلثوم وہ شخص ہین کہ رسول اللہ صلعم جب قبا مین تشریف لائے تو انہی کے مکان مین ٹھہرے۔ اکثر بڑے بڑے صحابہ بھی انہی کے گھر اترے تھے۔ اسعد بن زرارہ اُن چھ شخصون مین ہین جنھون نے سب سے پہلے مکہ مین جاکر آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اور ابن سعد کی روایت کے موافق اُن چھ شخصون مین جس نے

سب سے پہلے بیعت کے لیے ہات بڑھایا یہی اسعد تھے۔ یہ فخر بھی انہی کو حاصل ہی کہ سب سے پہلے انہی نے مدینہ مین آکر جمعہ کی نماز قائم کی۔

چونکہ یہ قبیلۂ بنی نجار کے نقیب تھے اس لیے انکی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ ان کے بجائے کوئی شخص اس منصب پر مقرر کیا جائے۔ چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہوگا تو اورون کو رشک ہوگا، اس لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "مین خود تمہارا نقیب ہون[1]"، چونکہ آپ کی نہال اسی قبیلہ مین تھی اس لیے اور قبائل کو رشک اور منافست کا موقع نہ تھا۔

اسعد کی وفات کا آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نہایت صدمہ ہوا۔ منافقین اور یہود نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اگر پیغمبر ہوتے تو اُن کو یہ صدمہ کیون پہنچتا" آپ نے سنا تو فرمایا۔

لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِی وَلَا لِصَاحِبِی مِن اللّٰہِ شَیْئًا۔ (طبری صفحہ ۱۲۶۱)	مین اپنے لیے اور اپنے ساتھیون کے لیے خدا کے ہان کوئی اختیار نہین رکھتا۔

یہ عجب اتفاق ہے کہ عین اسی زمانہ مین دو بڑے رئیسانِ کفر نے بھی وفات پائی۔ یعنی ولید ابن المغیرۃ جو حضرت خالد کا باپ تھا۔ اور عاص بن وائل سہمی جن کے صاجزادے عمرو بن عاص ہین۔ جو فاتح مصر اور امیر معاویہ کے وزیر اعظم تھے۔

اسی زمانہ مین حضرت عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی، اُن کے والد زبیر آنحضرت صلعم

---

[1] طبری صفحہ (۱۲۶۱ و ۱۲۶۲)

کے پھوپھیرے بھائی تھے اور اُنکی والدہ (اسماء) حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہ کی ماں جائی بہن تھیں۔ اب تک مہاجرین مین سے کسی کے اولاد نہین ہوئی تھی اسلیے یہ مشہور ہوگیا تھا کہ یہودیون نے جادو کر دیا ہے۔ عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو مہاجرین نے خوشی کا نعرہ مارا۔

اب تک نمازون مین صرف دو رکعتین تھین۔ اب ظہر و عصر، و عشاء مین چار چار ہوگئین لیکن سفر کےلیے اب بھی وہی دو رکعتین قائم رہین۔

سنہ ۲ھ

تحویل قبلہ و آغاز غزوات

(اس سال سے اسلام کی زندگی مین دو عظیم الشان واقعات پیدا ہوتے ہین، ایک یہ کہ اسلام اپنے لیے ایک خاص قبلہ قرار دیتا ہی جو اب ۴۵ کرور قلوب کا مرکز ہے۔ دوسرا یہ کہ دشمنان اسلام اب مخالفت کے لیے تلوار اُٹھاتے ہین اور مسلمان اسکی مدافعت کے لیے طیار ہوتے ہین)

تحویل قبلہ شعبان سنہ ۲ھ | ہر گروہ، ہر قوم، اور ہر مذہب کے لیے ایک خاص امتیازی شعار ہوتا ہی جسکے بغیر اُس قوم کی مستقل ہستی قائم نہین ہوسکتی۔ اسلام نے یہ شعار قبلۂ نماز قرار دیا جو اصل مقصد کے علاوہ اور بہت سے حکم و اسرار کا جامع ہے۔ اسلام کا خاص نمایان وصف مُساواتِ عام، جمہوریت اور توحیدِ عمل ہے، یعنی تمام مسلمان یکسان اور متحد الجہۃ نظر آئین۔ مذہبِ اسلام کا رکن اعظم نماز ہے جس سے ہر روز پانچ وقت کام پڑتا ہے۔ نماز کی اصلی صورت یہ ہے کہ جمعیت اور افراد کثیر کے ساتھ ادا کیجائے، لیکن اسطرح کہ ہزارون لاکھون اشخاص کی منفرد ہستیان مٹ کر ایک ہستی بنجائے، اِسی بنا پر نماز جماعت مین ایک امام ہوتا ہے کہ مقتدیون کی ایک ایک حرکت اُس کے اشارون سے وابستہ ہوتی ہے اس لیے ضرور ہے کہ سب کا مرجع عمل بھی ایک نظر آئے، یہی اصول ہے جسکی بنا پر نماز کے لیے ایک قبلہ قرار پایا اور اس شعار کا دائرہ اس قدر وسیع کیا گیا کہ اس قبلہ کی طرف رخ کرنا ہی کفر کے دائرہ سے نکل آنا ہے۔ اب صرف یہ بحث باقی تھی کہ قبلہ کس سمت قرار دیا جائے

یہودی اور عیسائی بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے تھے، کیونکہ انکی قومی اور مذہبی ہستی بیت المقدس سے وابستہ تھی، لیکن ابراہیمؑ بت شکن کے جانشین کے لیے صرف کعبہ قبلہ ہوسکتا تھا۔ جو اُس موحدِ اعظم کی یادگار اور توحیدِ خالص کا سب سے بڑا مظہر ہے۔

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) جب تک مکہ مین تھے دو ضرورتین ایک ساتھ درپیش تھین، ملت ابراہیمی کی تاسیس وتجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رُخ کرنے کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ مشکل تھی کہ قبلہ کی جو اصلی غرض ہے یعنی امتیاز اور اختصاص وہ نہین حاصل ہوتی تھی، کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے، اس بنا پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مقام ابراہیم کے سامنے نماز ادا کرتے تھے جسکا رُخ بیت المقدس کی طرف تھا، اس طرح دونون قبلے سامنے آجاتے تھے، مدینہ مین دو گروہ آباد تھے، مشرکین جنکا قبلہ کعبہ تھا اور اہل کتاب جو بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے شرک کے مقابلہ مین یہودیت اور نصرانیت دونون کو ترجیح تھی اسلیے آنحضرت صلعم نے ایک مدت یعنی تقریباً (۱۶) مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی۔ لیکن جب مدینہ مین اسلام زیادہ پھیل گیا تو اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اصل قبلہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رُخ کیا جاتا۔ اس بنا پر یہ آیت اُتری اور دفعۃً قبلہ بدل گیا۔[۱]

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ	تو اپنا مونھ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو اور جہان
مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (بقرہ)	کہین رہو اسی طرف منھ پھیرو۔

تحویلِ قبلہ نے یہودیون کو سخت برہم کر دیا۔ اُن کو مشرکین کے مقابلہ مین مذہبی تفوق کا دعویٰ

---

[۱] اس مضمون مین جس قدر واقعات ہین وہ صحیح بخاری (حدیث قبلۂ نماز) اور فتح الباری شرح صحیح بخاری سے ماخوذ ہین۔

تھا، اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی اُنکے مذہبی امتیاز کے معترف تھے، یہانتک کہ (جیسا ابو داؤد
مین روایت ہے) جن لوگون کی اولاد زندہ نہین رہتی تھی وہ منتین مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہیگا تو
ہم اس کو یہودی بنائین گے، اسلام نے انکے اس مذہبی اعزاز کو صدمہ پہنچایا۔ تاہم چونکہ ابتک
اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا اس لیے وہ فخر کرتے تھے کہ اسلام بھی انہی کے قبلہ کی طرف
رُخ کرتا ہے، جب اسلام نے قبلہ بھی بدلدیا تو انکی ناراضی اور برہمی کا پیالہ بالکل لبریز ہوگیا۔ انھون
نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) چونکہ ہر بات مین ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہین
اس لیے قبلہ بھی مخالفت کے ارادہ سے بدل دیا ہے۔ دو دلے اور ضعیف الایمان مسلمانون کو
یہ بات کھٹکتی تھی، کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہین۔ اور اس سے بے استقلالی اور تزلزلِ اعتقاد کا اظہار ہوتا ہی
اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویل قبلہ کی مصالح کی متعلق چند آئتین اُترین جن سے یہ
مشکلین حل ہوتی ہین۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

سفہا یہ اعتراض کرین گے کہ مسلمانون کا جو قبلہ تھا اس سے ان کو کس نے پھیر دیا۔ کہدو کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کا ہی،

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ،

تیرا جو پہلے قبلہ تھا (کعبہ) اسکو جو ہمنے پھر قبلہ کردیا تو اسکی یہ وجہ ہی کہ یہ معلوم ہوجائے کہ پیغمبر کا پیرو کون ہی، اور الٹے پھر جانے والا کون ہے۔ اور بے شبہہ یہ قبلہ نہایت گران اور ناگوار ہی بجز ان لوگون کے جنکو خدانے ہدایت کی ہی۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ	پورب پچھم رُخ کرنا کوئی ثواب کی بات نہین ثواب
وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	تو یہ ہے کہ آدمی خدا پر، قیامت پر، ملائکہ پر، خدا کی
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى	کتابون پر، پیغمبرون پر ایمان لائے، اور خدا کی
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	محبت مین عزیزون کو، یتیمون کو، مسکینون کو
وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ	مسافرون کو، سائلون کو، غلامون کو اپنی
وَفِي الرِّقَابِ ۚ (بقرہ)	دولت دے دے۔

ان آیتون مین خدا نے پہلے یہ بتایا کہ **قبلہ** خود کوئی مقصود بالذات چیز نہین، خدا کی عبادت کے لیے پورب پچھم سب برابر ہین، خدا ہر جگہ ہے، ہر سمت ہے، ہر طرف ہے۔ پھر قبلہ کی تعیین کی ضرورت بتائی کہ وہ اختصاصی شعار ہے اور اصلی اور نمایشی مسلمانون کو الگ کر دیتا ہے بہت سے یہودی تھے جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانون کے ساتھ نماز مین بھی شرکت کرتے تھے یہ اسلام کے لیے مار آستین تھے لیکن جب قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ سے بدل گیا تو نفاق کا راز بالکل فاش ہو گیا۔ کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہین کر سکتا تھا کہ جو چیز اسکی قومیت، مذہب، بلکہ اسکی ہستی کی بنیاد ہے (یعنی بیت المقدس) اسی سے اسکا رشتہ ٹوٹ جائے۔ پھر دوبارہ خدا نے اِس نکتہ کو زیادہ واضح کر دیا کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رُخ کرنا اصلی ثواب نہین۔ بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمال صالحہ کا نام ہے۔

سلسلۂ غزوات

کیا عجیب بات ہے، ارباب سیر، مغازی کی داستان جس قدر زیادہ درازنفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہین، یورپ اُسی قدر اس کو زیادہ شوق سے جی لگاکر سنتا ہے اور چاہتا ہی کہ یہ داستان اور پھیلتی جائے، کیونکہ اُس کو اسلام کے جور وستم کا جو مرقع آراستہ کرنا ہے اُس کے نقش ونگار کے لیے لہو کے چند قطرے نہین بلکہ چشمہ ہاے خون درکار ہین۔

یورپ کے تمام مورخون نے سیرت نبوی کو اس انداز مین لکھا ہے کہ وہ لڑائیون کا ایک مسلسل سلسلہ ہی جس کا مقصد یہ ہی کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائین۔

لیکن یہ خیال چونکہ واقع مین غلط اور سرتاپا غلط ہی اس لیے **مغازی** کی ابتدا سے پہلے ضرور ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کیا جائے۔

عام خیال یہ ہی کہ اسلام جب تک مکہ مین تھا، مصائب گوناگون کا آماج گاہ تھا۔ مدینہ مین آکر اسکی کلفتین دور ہوئین۔ مگر یہ خیال صحیح نہین مکّہ مین جو مصیبت تھی گو سخت تھی لیکن تنہا اور منفرد تھی مدینہ مین آکر وہ متعدد اور گوناگون بن گئی۔ مکہ کل ایک قوم تھا، مدینہ مین انصار کے ساتھ یہود بھی تھے

لہ غزوات کا سلسلہ جن اسباب سے پیدا ہوا اور جس قسم کے واقعات غزوات مین پیش آئے انکے لیے ہمنے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہی کیونکہ ضمنی طریقے سے وہ ادا نہین ہو سکتے تھے لیکن یہ عنوان اچھی طرح سے اُسیوقت ذہن نشین ہو سکتا ہی کہ ایک دفعہ تمام غزوات سرسری نظر سے گزر جائین اسلیے ہمنے اسکو تمام غزوات کے بعد لکھا ہے۔ ناظرین ابھی سے اسکا خیال رکھین۔

جو عادات، خصایل، مذہب اور دیانت مین انصار سے بالکل مختلف اور اُن کے حریف مقابل تھے
اس پر ایک تیسری قسم (منافقین) کا اضافہ ہوا، جو مار آستین ہونے کی وجہ سے دونان سے زیادہ
خطرناک تھے۔ مکہ اگر قابو مین آجاتا تو حرم کی وسعت اثر کی وجہ سے تمام عرب کی گردنین خم ہوجاتین
لیکن مدینہ کا اثر چار دیواری تک محدود تھا۔ مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے بالکل مطمئن تھا۔
لیکن رسول اللہ ؐ کی قیام گاہ ہونے نے اس کو قریش کے غیظ و غضب کا تاراج گاہ بنا دیا۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب مکہ سے چلے آئے تو چند ہی روز کے بعد قریش نے عبد اللہ
بن اُبی کو جو واقعۂ ہجرت کے قبل رئیس الانصار تھا۔ اور انصار نے اسکی تاجپوشی کی شاہانہ رسم ادا کرنے
کے لیے تاج طیار کر لیا تھا[1]، خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے۔

انکم آویتم صاحبنا وانا نقسم باللہ	تمنے ہمارے آدمی کو اپنے ہان پناہ دی ہی ہم خدا کی
لتقاتلنہ او تخرجنہ او لنسیرن الیکم	قسم کھاتے ہین کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو۔ یا مدینہ
باجمعنا حتی نقتل مقاتلتکم ونستبیح نسائکم	سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کرینگے اور تمکو فنا کرکے
(سنن ابو داؤد صفحہ ۷۰ جلد ۲ باب خبر النضیر)	تمہاری عورتون پر تصرف کرینگے۔

جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ عبد اللہ کے پاس تشریف لے گئے
اس کو سمجھایا کہ "کیا تم خود اپنے بیٹون اور بھائیون سے لڑوگے"، چونکہ انصار اکثر مسلمان ہوچکے تھے
اس لیے عبد اللہ اس نکتہ کو سمجھا اور قریش کے حکم کی تعمیل نہ کرسکا۔ بدر کے بعد پھر قریش نے اسی مضمون
کا خط لکھا چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئیگی۔

---

[1] بخاری باب السلام علی جماعۃ فیہا المسلم والکافر۔

(تاہم قریش کی شہ سے منافقین و یہود مدینہ کا سر پھر چکا تھا۔ اسی زمانہ مین یعنی بدر سے پہلے آنحضرت صلعم بنو الحارث بن خزرج کے محلہ مین سوار ہو کر تشریف لے گئے ایک جگہ مشرکین و منافقین مدینہ، یہود اور بعض مسلمان بیٹھے تھے۔ گدھے کے چلنے سے گرد اڑی تو عبداللہ بن اُبی نے منہ پر کپڑا ڈال دیا، اور حقارت سے بولا گرد نہ اڑاؤ، آنحضرت صلعم نے مجمع کو سلام کیا اور کچھ قرآن کی آیتین سنائین عبداللہ نے کہا[1] "اے شخص مجھکو یہ پسند نہین، اگر تمھاری بات سچ بھی ہو، تو ہماری مجلس مین آکر ہمکو نہ ستایا کرو، جو تمھارے پاس جائے اُس سے بیان کیا کرو" مسلمان اس تحقیر سے برافروختہ ہوگئے اور قریب تھا کہ کشت وخون ہو جائے، آخر آنحضرت صلعم نے دونون کو ٹھنڈا کیا۔)

اِسی زمانہ کے قریب سعد بن معاذ جو قبیلۂ اَوس کے رئیس الاعظم تھے۔ عمرہ کرنے کے لیے مکہ معظمہ گئے۔ اُمیّہ بن خلف سے اور اُن سے مدت کا یارانہ تھا اور یہ تعلق اسلام کے بعد بھی قائم رہا۔ اس تعلق سے سعد اب بھی اُمیّہ ہی کے مہمان ہوئے، ایک دن وہ اُمیّہ کو لے کر کعبہ کے طواف کو نکلے اتفاق سے ابوجہل سامنے سے آگیا۔ اُمیّہ سے اُسنے پوچھا کہ یہ تھارے ساتھ کون ہے؟ اُمیّہ نے کہا "سعد ہین" ابوجہل نے کہا "تم لوگون نے صابیون (کُفّار، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل اسلام کو صابی یعنی مُرتد کہتے تھے) کو پناہ دی ہے۔ مین کبھی یہ نہین دیکھ سکتا کہ تم کعبہ مین آسکو۔ خدا کی قسم اگر تم اُمیّہ کے ساتھ نہ ہوتے تو بچکر واپس نہین جاسکتے تھے"، سعد نے کہا "اگر تمنے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمھارا مدینہ کا راستہ روک[2] دین گے" (یعنی شام کی تجارت کا راستہ)

حرم کی تولیت اور مجاورت کیوجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا۔ اور مکہ سے مدینہ تک

[1] صحیح مسلم صفحہ ۹۳ جلد ۲۔ و بخاری باب مذکور۔ [2] یہ پورا واقعہ مزید تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری باب المغازی کی ابتدا مین مذکور ہے۔

جو قبائل پھیلے ہوئے تھے سب قریش کے زیر اثر تھے[1]، اس بنا پر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا، ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آنحضرت صلعم کے پاس نہین پہنچ سکتے تھے چنانچہ سنہ ۶ھ مین جب بحرین سے عبد القیس کی سفارت آئی تو لوگون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کی کہ مضر کے قبائل ہمکو آپ تک پہنچنے نہین دیتے، اس لیے ہم صرف ایام حج مین جب کہ لڑائی عموماً موقوف ہوجاتی ہے آپ کی خدمت مین آ سکتے ہین[2]۔

قریش نے انہی باتون پر اکتفا نہین کیا۔ بلکہ جیسا کہ اُنھون نے عبد اللہ بن اُبی کو لکھا تھا، اسکی طیاریان کررہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کرکے اسلام کا استیصال کردین۔ مدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) راتون کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے صحیح نسائی مین ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ما قدم المدینۃ یسھر من اللیل۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول جب مدینہ مین آئے تو راتون کو جاگا کرتے تھے۔

صحیح بخاری باب الجہاد مین ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا" چنانچہ سعد وقاص نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا تب آپ نے آرام فرمایا۔ اس سے بڑھکر حاکم کی روایت ہے جسکے یہ الفاظ ہین۔

عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول اللہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ جب مدینہ آئے اور

---

[1] ابن ہشام واقعات وفود مین ہے وذلک ان قریشاً کانوا امام الناس ... وقادۃ العرب لاینکرون ذلک وکانت قریش ھی التی نصبت الحرب لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ [2] وفد بنی عبد القیس کے ذکر مین صحیح بخاری اور دیگر تمام کتابون مین یہ واقعہ مذکور ہے۔

صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ المدینۃ و آوتھم الانصار رمتھم العرب عن قوس واحدۃ وکانوا لا یبیتون الا بالسلاح ولا یصبحون الا فیہ[1]، | انصار نے اُن کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ اُن سے لڑنے کو آمادہ ہوگئے، صحابہ صبح تک ہتھیار باندھکر سوتے تھے۔

مورخین مغازی کی ابتدا انہی واقعات سے کرتے ہین۔ کہ اسی سال خدا نے جہاد کی اجازت دی۔ لیکن ایک دقیقہ بین اُنہی کی تصریحات سے پتہ لگا سکتا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا مواہب لدنیہ اور زرقانی مین لکھا ہے کہ خدا نے ۱۲ صفر ۲ھ مین جہاد کی اجازت دی اسکی سند مین امام زہری کا قول نقل کیا ہے۔

اول آیۃ نزلت فی الاذن بالقتال اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ۔ (زرقانی بحوالہ صحیح نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۶۶) | پہلی آیت جو قتال کی اجازت مین نازل ہوئی وہ یہ ہی اُذِنَ لِلَّذِیْنَ الخ یعنی جن سے لڑائی کی جاتی ہی (مسلمان) انکو بھی اب لڑنے کی اجازت دیجاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا جا رہا ہے اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

تفسیر ابن جریر مین ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے۔

قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ | خدا کی راہ مین اُن لوگون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہین۔

لیکن غور سے دیکھو کہ دونون آیتون مین اُنہی لوگون سے لڑنے کی اجازت ہے جو پہلے

---

[1] لباب فی اسباب النزول للسیوطی سورۂ نور آیت وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ۔ الخ مسند دارمی مین بھی یہ روایت مذکور ہے۔

مسلمانون سے لڑنے آتے ہین اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کیے جاتے تھے۔

بہرحال واقعہ یہ ہے کہ مدینہ مین آکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا سب سے پہلا کام حفاظت خود اختیاری کی تدبیر تھی، نہ صرف اپنی اور مہاجرین کی بلکہ انصار کی بھی۔ کیونکہ اس جرم مین کہ انصار نے مسلمانون کو پناہ دی ہے قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کرلیا اور اپنے تمام قبائل متحدہ مین یہ آگ بھڑکا دی تھی، اس بنا پر آپ نے دو تدبیرین اختیار کین **اوّل** یہ کہ قریش کی شامی تجارت جو ان کا مایۂ غرور تھی بند کر دی جائے تاکہ وہ صلح پر مجبور ہو جائین۔ اور یاد ہو گا کہ سعدؓ بن معاذ نے مکہ مین ابوجہل کو اسی کی دھمکی دی تھی۔ **دوسرے** یہ کہ مدینہ کے قرب و جوار کے جو قبائل ہین اُن سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے۔

غرض ان حالات کی بنا پر غزوۂ بدر سے پہلے سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیان مکہ کی طرف روانہ کی جانے لگین۔ ابواء کی مہم سے پہلے بذات خاص آپ نے کسی مہم مین شرکت نہین کی۔ اس ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر سنہ ۲ھ مین واقع ہوئی اور جس مین آپ نے خود شرکت فرمائی تھی، ارباب سیر نے تین مہم کا ذکر کیا ہے جنکو ان کی زبان مین "سریہ" کہتے ہین، سریۂ حمزہ۔ سریۂ عبیدہ بن حارث سریۂ سعد بن وقاص۔ لیکن ان مین سے کسی مہم مین کوئی کشت وخون نہین ہوا۔ یا بیچ بچاؤ ہو گیا۔ یا بچکر نکل گئے۔ ارباب سیر نے ان سرایا کا مقصد یہ بتایا ہے کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے کے لیے بھیجے جاتے تھے یعنی حضرت سعدؓ کی تہدید کے مطابق ان کی شامی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا۔ مخالفین کہتے ہین کہ صحابہ کو غارت گری کی تعلیم دیجاتی تھی لیکن یہ الزام کس قدر جہالت پر مبنی ہے

کہ اوّل تو اسلام کی شریعت مین یہ سخت ترگناہ ہی ثانیاً واقعہ کیا بتاتا ہے؟ کیا ان مین سے کسی مہم مین بھی یہ مذکور ہے کہ صحابہ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا؟ ثالثاً اگران سرایا کا مقصد لوٹنا اور ڈاکہ ڈالنا ہی ہوتا تھا تو قریش کے قافلۂ تجارت کے سوا، یہ مقصد کہین اورنہین حاصل ہوسکتا تھا؟)

اطراف کے جن قبائل کے پاس معاہدہ کے لیے مہم بھیجی گئی۔ ان مین سب سے پہلے جہینہ کا قبیلہ ہے جُہینہ کا قبیلۂ مدینہ سے تین منزل پرآباد تھا اوران کا کوہستان دورتک پھیلا ہوا تھا۔ ان سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین سے یکسان[1] تعلقات رکھین گے۔ یعنی دونون سے الگ رہین گے۔

صفر ۲ھ مین آپ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ اورابوا تک گئے۔ جس کو وَدّان بھی کہتے ہین اورجہان آپ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے۔ ابوا کا صدر مقام فرع ہی جوایک وسیع قصبہ ہی اورجہان قبیلہ مُزینہ آباد ہی اور جو مدینہ سے تقریباً ۸ منزل (۸۰ میل) ہی، یہ مدینہ کی اخیر سرحد ہے۔ ان اطراف مین قبیلہ بنوضمرہ آباد تھا اور یہ نواح ان کی حدود حکومت مین داخل تھے، یہان آپ نے چند روز قیام کرکے بنوضمرہ سے معاہدہ کیا۔ جن کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا۔ معاہدہ کے یہ الفاظ تھے۔

هٰذا الكتاب من محمد رسول الله لبني ضمرة	یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہی بنوضمرہ کے لیے
انهم امنون على اموالهم وانفسهم	ان لوگون کا جان اور مال محفوظ رہیگا اور جو شخص اُنپر حملہ
وان لهم النصر على من رامهم الا ان	کرے گا اُسکے مقابلہ مین ان کی مدد کی جائیگی بجز اِس

[1] اس واقعہ کا ذکر مؤرخین نے مستقل طور پر نہین کیا بلکہ جہان سب سے پہلے سریۂ ضمرہ کا ذکر کیا ہی وہان مجدی جہینی (رئیس قبیلہ) کی نسبت لکھا ہے۔ کان موادعًا للفریقین، یعنی دونون فریق سے صلح کررکھی تھی۔

یخاربوا فی دین اللہ ما بلّ بحرٌ صوفۃ — صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ مین لڑین اور
وان النبیّ اذا دعاھم لنصرۃ اجابوہ۔ — پیغمبر جب ان کو مدد کے لیے بلائین[۱] گے تو یہ مدد کو
[۱] (روض الانف وزرقانی جلد ۱ صفحہ ۴۷۷) — آئین گے۔

تمام محدثین، مغازی کی ابتدا اسی واقعہ سے کرتے ہین صحیح بخاری مین بھی اسی کو اول الغزوات قرار دیا ہے۔

قریباً ایک مہینہ کے بعد کرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے روسا[۱] مین تھا۔ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مویشی لوٹ لیے، اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ بچکر نکل گیا تھا،

جمادی الثانی یعنی اس واقعہ کے تیسرے مہینے آپ دو سو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذو العشیرۃ پہنچکر بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے ۹ منزل پر ینبوع کے نواحی مین ہے۔

بنو مدلج، بنو ضمرہ کے حلیف تھے اور چونکہ بنو ضمرہ پہلے اسلام کے معاہدہ مین داخل ہو چکے تھے اس لیے اُنھون نے آسانی سے یہ شرطین منظور کرلین[۲]۔

---

[۱] اصابہ ذکر کرز فہری۔

[۲] مین تسلیم کرتا ہون کہ مورخین نے دونون پہلے واقعون کی نسبت لکھا ہے کہ ان کا مقصد قریش کے کاروان کا لوٹنا تھا لیکن اتفاق سے کاروان ہات نہ آیا اور بچ بچکر نکل گیا" لیکن مین واقعات کا پابند ہون۔ راے اور قیاس سے غرض نہین اسقدر واقعہ ہے کہ آنحضرت صلعم ان مقامات تک گئے اور وہان کے قبائل سے معاہدہ کیا۔ اس سے آگے مورخین کا قیاس ہے کہ قریش کے کاروان پر حملہ کرنا مقصود تھا، گو یہ مقصود نہ حاصل ہوسکا۔ اگر خدا نخواستہ کاروان کا لوٹنا ہی مقصود ہوتا تو آنحضرت صلعم کو عیاذاً باللہ اس قدر بے تدبیر فرض کرنا پڑیگا کہ ہر مرتبہ ناکامیابی ہوتی تھی اور قافلہ بچ بچکر نکل جاتا تھا یہانتک کہ بار بار تجربہ کے بعد بھی بدر مین اسی قسم کی ناکامیابی ہوئی اور قافلہ صحیح و سلامت نکل گیا۔

چند روز کے بعد یعنی رجب ۲ھ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عبد اللہ بن جحش کو بارہ[۱۲] آدمیون کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا، یہ مقام مکہ اور طایف کے بیچ مین مکہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہے۔ آپ نے عبد اللہ کو ایک خط دیکر فرمایا تھا کہ دو دن کے بعد اس کو کھولنا عبد اللہ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ "مقام نخلہ مین قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ، اور اطلاع دو"۔ اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لیے آتے تھے سامنے سے نکلے، عبد اللہ نے اُن پر حملہ کیا، ان مین سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ دو گرفتار ہوئے اور مال غنیمت ہاتھ آیا، عبد اللہ نے مدینہ مین آکر یہ واقعہ بیان کیا۔ اور غنیمت کی چیزین پیش کین۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "مین نے تم کو یہ اجازت نہین دی تھی"، غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار فرمایا، صحابہ نے عبد اللہ سے نہایت برہم ہو کر کہا،

صَنعتُم مَا لم تؤمروا بہ وَقَاتلتُم فی الشہرِ الحرام ولم تؤمروا بقتالٍ (طبری صفحہ ۱۲۷۰) — تمنے وہ کام کیا (قافلہ لوٹنا) جس کا تمکو حکم نہین دیا گیا تھا اور ماہ حرام مین لڑے حالانکہ اس مہینہ مین تمکو لڑنے کا حکم نہ تھا۔

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو مقتول ہوا عبد اللہ حضرمی کا بیٹا تھا، جو حرب بن امیہ (امیر معاویہ کا دادا) کا حلیف[۱] تھا حرب قریش کا رئیس اعظم تھا۔ اور عبد المطلب کے بعد ریاستِ عام اُسی کو حاصل ہوئی تھی۔ جو لوگ گرفتار ہوئے، یعنی عثمان ونوفل دونون مغیرہ کے پوتے[۲] تھے، مغیرہ ولید کا باپ حضرت خالد کا دادا، اور حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا، اس بنا پر اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا۔ اور ثار یعنی انتقام خون

---

[۱] اصابہ ترجمہ علا حضرمی، [۲] طبری صفحہ ۱۲۷۰۔

کی بنیاد قائم ہوگئی، معرکۂ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر حضرت عائشہ کے بھانجے تھے، اُنھوں نے تصریح کی ہے کہ غزوۂ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئین سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے۔ علامۂ طبری لکھتے ہین۔

وکان الذی هاج وقعة بدر وسائر	اور جس چیز نے بدر کے واقعہ کو اُبھارا، اور وہ
الحروب التی کانت بین رسول اللہ صلی	تمام لڑائیان چھیڑ دین جو آنحضرت صلے اللہ
اللہ علیه وسلم وبین مشرکی قریش فیما	علیہ وسلم اور مشرکین قریش مین پیش آئین۔
قال عروة بن الزبیر ما کان من قتل واقد	سب کا سبب یہی تھا کہ واقد سہمی نے
بن عبد اللہ السهمی عمرو بن الحضرمی،	حضرمی کو قتل کر دیا تھا۔

چونکہ غزوۂ بدر تمام غزوات کی اصلی بنیاد ہے اس لیے ہم پہلے اِس واقعہ کو سادہ صورت مین لکھ کر پھر تفصیل سے اس کے متعلق گفتگو کرین گے۔
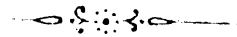
غزوۂ بدر

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ط

رمضان سنہ ۲ھ | بدر ایک گاؤن کا نام ہے جہان سال کے سال میلہ لگتا ہے۔ یہ مقام اُس نقطہ کے قریب ہے جہان شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گزار گھاٹیون مین سے ہو کر گزرتا ہی مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہی،

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین **قریش** نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی طیاریان شروع کر دی تھین، عبد اللہ بن اُبیؔ کو انھون نے خط لکھ بھیجا کہ یا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو، یا ہم آکر اُن کے ساتھ تمھارا بھی فیصلہ کر دیتے ہین۔ قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان مدینہ کی طرف گشت لگاتی رہتی تھین کرز فہری مدینہ کی چراگاہون تک آکر غارت گری کرتا تھا۔

حملہ کے لیے سب سے بڑی ضروری چیز مصارفِ جنگ کا بندوبست تھا، اس لیے اب کے موسم مین قریش کا جو کاروانِ تجارت شام کو روانہ ہوا، اس سرو سامان سے روانہ ہوا کہ مکہؔ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کُل کی کُل دیدی[1]۔

---

[1] ابن سعد صفحہ مین ابوسفیان سردار قافلہ کا قول لکھا ہے واللہ ما بمکۃ من قرشی ولا قرشیۃ لہ نشٌّ وصاعداً الا بعث بہ معنا ہمارے مورخین کو اسباب و نتائج کی جستجو نہین ہوتی اس لیے انھون نے اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کی حیثیت سے لکھ دیا لیکن انکو احساس نہین کہ مکہ کو تمام سرمایہ کے کُل دینے کی ضرورت کیا تھی۔

نہ صرف مرد بلکہ عورتین جو کاروبار تجارت مین بہت کم حصہ لیتی ہین۔ انکا بھی ایک ایک فرد اس مین شریک تھا۔ قافلہ ابھی شام سے روانہ نہین ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آگیا جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔

اسی اثنا مین یہ غلط خبر مکہ معظمہ مین پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ کے لوٹنے کو آرہے ہین قریش کے غیظ و غضب کا بادل بڑے زور شور سے اُٹھا اور تمام عرب پر چھا گیا

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اِن حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور واقعہ کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابوبکر وغیرہ نے جان نثارانہ تقریرین کین لیکن رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) انصار کی طرف دیکھتے تھے، کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اسوقت تلوار اُٹھائینگے جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئین۔ سعد بن عبادہ (سردار خزرج) نے اُٹھکر کہا "کیا حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم آپ فرمائین تو ہم سمندر مین کود پڑین"۔

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے، بخاری مین ہے کہ مقداد نے کہا کہ "ہم موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہ کہینگے کہ آپ اور آپ کا خدا جاکر لڑین، ہم لوگ آپ کے داہنے سے بائین سے سامنے سے پیچھے سے لڑینگے" اُنکی اس تقریر سے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ چمک اُٹھا۔

غرض ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپ تقریباً تین سو جان نثارون کے ساتھ شہر سے نکلے، ایک میل چلکر فوج کا جائزہ لیا، جو کم عمر تھے واپس کر دیے گئے[1]۔ کہ ایسے پرخطر موقع پر بچون کا کام نہین عمیر بن ابی وقاص ایک کمسن بچہ تھے جب اُنسے واپسی کو کہا گیا تو رو دیے۔ آخر آنحضرت صلعم نے

[1] ابن سعد صفحہ ۶۔

اجازت دیدی عمیر کے بھائی سعد بن ابی وقاص نے کمسن سپاہی کے گلے مین تلوار حمائل کی[1]، اب فوج کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جس مین ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ چونکہ غیبت کی حالت مین منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان نہ تھا، اِسلیے ابولبابہ بن عبد المنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ اور حکم دیا کہ مدینہ کو واپس جائین۔ عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) پر عاصم بن عدی کو مقرر فرمایا۔ ان انتظامات کے بعد آپ بدر کی طرف بڑھے جدھر سے اہل مکہ کی آمد کی خبر تھی، دو خبر رسان بسبسہ اور عدی آگے روانہ کردیے گئے تھے کہ قریش کی نقل وحرکت کی خبر لائین۔ روحا، منصرف۔ ذات اجذال، معلاۃ۔ اثیل سے گذرتے ہوئے، ۱۷ رمضان کو بدر کے قریب پہنچے۔ خبر رسانون نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آگئے ہین۔ آنحضرت صلعم یہین رُک گئے اور فوجین اُتر پڑین۔

مکہ معظمہ سے قریش بڑے سروسامان سے نکلے تھے۔ ہزار آدمی کی جمعیت تھی۔ سنو سوارون کا رسالہ تھا۔ روسائے قریش سب شریک تھے **ابولہب** مجبوری کی وجہ سے نہ آسکا تھا اس لیے اپنی طرف سے اسنے قایم مقام بھیجدیا تھا۔ رسد کا یہ انتظام تھا کہ امرائے قریش یعنی عباس۔ عتبہ بن ربیعۃ۔ حرث بن عامر۔ نضر بن الحارث۔ ابوجہل۔ اُمیّہ وغیرہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگون کو کھلاتے تھے[2]۔ عتبہ بن ربیعۃ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔

قریش کو بدر کے قریب پہنچکر جب معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہے تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے سردارون نے کہا "اب لڑنا ضرور نہین"۔ لیکن ابوجہل نے نہ مانا

---

[1] منتخب کنز العمال بروایت ابن عساکر۔ بدر۔ [2] معارف ابن قتیبہ۔

زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے۔ باقی فوج آگے بڑھی۔

قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے انھون نے مناسب موقعون پر قبضہ کرلیا تھا، بخلاف اسکے مسلمانون کی طرف چشمہ یا کنوان تک نہ تھا۔ زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹون کے پانون ریتی مین دھنس دھنس جاتے تھے حُباب بن منذر نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو سے ہے؟ یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ "وحی نہین ہے" حُباب نے کہا تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کرلیا جائے اور آس پاس کے کنوئین بیکار کردیے جائین[1]۔ آپ نے یہ راے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ تائید ایزدی اور حُسنِ اتفاق سے مینہ برس گیا جس سے گرد جم گئی، اور جابجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنالیے گئے کہ وضو اور غسل کے کام آئین، اس قدرتی احسان کا خدا نے **قرآن مجید** مین بھی ذکر کیا ہے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ — اور جبکہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے۔

پانی پر اگرچہ قبضہ کرلیا گیا لیکن ساقی کوثر کا فیض عام تھا اس لیے دشمنون کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی[2]۔ یہ رات کا وقت تھا، تمام صحابہ نے کمر کھول کھول کر رات بھر آرام کیا لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبوی) جو صبح تک بیدار اور معروف دعا رہی۔ صبح ہوئی تو لوگون کو نماز کے لیے آواز دی۔ بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا[3]۔

قریش جنگ کے لیے بیتاب تھے۔ تاہم کچھ نیک دل بھی تھے۔ جن کے دل خونریزی سے لرزتے تھے۔ ان مین حکیم بن حزام (جو آگے چلکر اسلام لائے) نے سردار فوج عتبہ سے

---

[1] ابن ہشام۔ [2] ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱٦۔ [3] منتخب کنز العمال غزوۂ بدر بروایت مسند ابن حنبل و ابن ابی شیبہ۔

جاکر کہا "آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہجاے"۔ عتبہ نے کہا کیونکر؟ حکیم نے کہا قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ صرف حضرمی کا خون ہے۔ وہ آپ کا حلیف تھا۔ آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجئے، عتبہ نیک نفس آدمی تھا، اُسنے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ لیکن چونکہ ابوجہل کا اتفاقِ راے ضرور تھا حکیم عتبہ کا پیغام لے کر گئے۔ ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر پھیلا رہا تھا۔ عتبہ کا پیغام سنکر بولا "ہاں عتبہ کی ہمت نے جواب دیدیا" عتبہ کے فرزند ابوحذیفہ اسلام لا چکے تھے۔ اور اس معرکہ مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ آئے تھے اس بنا پر ابوجہل نے یہ بدگمانی کی کہ عتبہ اس لیے لڑائی سے جی چراتا ہے، کہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آے۔

ابوجہل نے حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا، دیکھتے ہو! تمھارا خون بہا تمھاری آنکھ کے سامنے آکر نکلا جاتا ہے، عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور گرد اُڑا کر واعمرٰہ واعمرٰہ کا نعرہ مارنا شروع کیا۔ اس واقعہ نے تمام فوج مین آگ لگا دی۔

عتبہ نے ابوجہل کا طعنہ سنا تو غیرت سے سخت برہم ہوا، اور کہا میدانِ جنگ بتا دیگا کہ نامردی کا داغ کون اُٹھاتا ہے۔ یہ کہکر مغفر مانگا۔ لیکن اس کا سر اس قدر بڑا تھا کہ کوئی مغفر اسکے سر پر ٹھیک نہ اُترا۔ مجبوراً سر سے کپڑا لپیٹا اور لڑائی کے ہتیار سجے۔

چونکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہین فرماتے تھے صحابہؓ نے میدان کے کنارے ایک چھپر کا سائبان طیار کیا کہ آپ اس مین تشریف رکھین، سعد بن معاذ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوئے کہ کوئی اِدھر نہ بڑھنے پائے۔

اگرچہ بارگاہ الٰہی سے فتح ونصرت کا وعدہ ہو چکا تھا۔ عناصرِ عالم آمادۂ مدد تھے۔ ملائکہ کی

فوجین ہم رکاب تھین تاہم عالم اسباب کے لحاظ سے آپ نے اصولِ جنگ کے مطابق فوجین مرتب کین، مہاجرین کا علم مصعب بن عمیر کو عنایت فرمایا، خزرج کے علمبردار حباب بن منذر اور اوس کے سعد بن معاذ مقرر ہوئے۔

صبح ہوتے ہوتے آپ نے صف آرائی شروع کی۔ دستِ مبارک مین ایک تیر تھا اسکے اشارہ سے صفین قائم کرتے تھے، کہ کوئی شخص تِل بھر آگے یا پیچھے نہ رہنے پائے، لڑائی مین شور و غل عام بات ہے لیکن منع کر دیا گیا کہ کسی کے منھ سے آواز تک نہ نکلنے پائے۔

اس موقع پر بھی جبکہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی اور مسلمانون کی طرف ایک آدمی بھی آکر بڑھجاتا تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی آنحضرت صلعم ہمہ تن وفا تھے۔ ابو حذیفہ بن الیمان اور ابو حسیل دو صحابی مکہ سے آرہے تھے، راہ مین کفار نے روکا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کو جا رہے ہو؟ اُنھون نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا۔ آنحضرت صلعم کے پاس آئے تو صورتِ حال عرض کی، فرمایا ہم ہرحال مین وعدہ وفا کرین گے۔ ہمکو صرف خدا کی مدد درکار[۱] ہے۔

صحیح مسلم

اب دو صفین آمنے سامنے مقابل تھین۔ حق و باطل۔ نور و ظلمت۔ کفر و اسلام۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ ، (آل عمران)

جو لوگ باہم لڑے ان مین تمہارے لیے عبرت کی نشانیان ہین۔ ایک خدا کی راہ مین لڑرہا تھا اور دوسرا منکر خدا تھا۔

یہ عجیب منظر تھا، اتنی بڑی وسیع دنیا مین توحید کی قسمت صرف چند جانون پر منحصر تھی صحیح مین ہے کہ آنحضرت صلعم پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی، دونون ہات پھیلا کر فرماتے تھے۔

"خدایا! تونے مجھسے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر" محویت اور بیخودی کے عالم مین چادر کندھے پر سے گرگر پڑتی تھی اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی، کبھی سجدہ مین گرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "خدایا! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا"

اس بیقراری پر بندگانِ خاص کو رقت آگئی حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی "حضور خدا اپنا وعدہ وفا کرے گا" آخر روحانی تسکین کے ساتھ

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (قمر) فوج کو شکست دیجائے گی اور وہ پشت پھیر دین گے،

پڑھتے ہوئے لبِ مبارک فتح کی پیشینگوئی سے آشنا ہوئے،

قریش کی فوجین اب بالکل قریب آگئین تاہم آپ نے صحابہ کو پیش قدمی سے روکا اور فرمایا کہ جب دشمن پاس آجائین تو تیر سے روکو،

یہ معرکہ، ایثار اور جان بازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا، دونون فوجین سامنے آئین تو لوگون کو نظر آیا کہ خود اُن کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہین۔ حضرت ابوبکر کے بیٹے (جو اتک کافر تھے) میدانِ جنگ مین بڑھے تو حضرت ابوبکر تلوار کھینچکر[1] نکلے، عتبہ میدان مین آیا تو حضرت حذیفہ (عتبہ کے فرزند تھے) اس کے مقابلہ کو نکلے، حضرت عمرؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی[2]۔

لڑائی کا آغاز یون ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی جسکو بھائی کے خون کا دعوی تھا۔ آگے بڑھا، مِھجع حضرت عمر کا غلام اس کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا۔

عُتبہ جو سردار لشکر تھا۔ ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا سب سے پہلے وہی بھائی اور

---

[1] استیعاب ذکر عبدالرحمن بن ابی بکر [2] سیرت ابن ہشام۔

بیٹے کو لیکر میدان مین نکلا، اور مبارزطلبی کی۔ عرب مین دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان جنگ مین جاتے تھے، عتبہ کے سینہ پر شترمرغ کے پر تھے، عوف، معاذ، عبداللہ بن رواحہ مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے نام ونسب پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ انصار ہین تو عتبہ نے کہا ہم کو تمسے غرض نہین، پھر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف خطاب کرکے پکارا کہ محمدؐ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہین ہیں[1]۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہ علی۔ عبیدہ میدان مین آئے، چونکہ ان لوگون کے چہرون پر نقاب[2] تھی، عتبہ نے پوچھا تم کون ہو سب نے نام ونسب بتائے۔ عتبہ نے کہا "ہان اب ہمارا جوڑ ہے"۔

عتبہ حضرت حمزہ سے اور ولید حضرت علی سے مقابل ہوا اور دونون مارے گئے۔ لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کیا حضرت علی نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ صلعم کی خدمت مین لائے، عبیدہ نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا مین دولت شہادت سے محروم رہا؟ آپ نے فرمایا "نہین تمنے شہادت پائی"۔ عبیدہ نے کہا آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ اُن کے اس شعر کا مستحق مین ہون[3]،

---

[1] کتب حدیث مین جو الفاظ ہین مختلف ہین۔ ابو داؤد (کتاب الجہاد) مین ہے کہ عتبہ نے کہا کہ ہمکو اپنے برادران عم زاد سے غرض ہے تمسے کام نہین۔ انصاری محدثین نے اس کا مطلب یہ قرار دیا ہے کہ "اس سے انصار کی توہین منظور نہ تھی بلکہ یہ غرض تھی کہ انتقام خون کا مطالبہ قریش سے ہے انصار سے نہین"، لیکن اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ مکہ والے انصار کو اپنا ہمسر نہین سمجھتے تھے، صحیح روایتون مین مذکور ہے کہ جب بوجہل انصار کے ہات سے مارا گیا تو مرتے وقت اُسنے کہا کاش مجھکو فلاحون (کاشتکار) کے سوا کسی اور نے مارا ہوتا، انصار کھیتی کا پیشہ کرتے تھے جو قریش کے نزدیک معیوب تھا[2] زرقانی۔ [3] زرقانی ان واقعات مین روایتین مختلف ہین، اور قریباً سب ہمرتبہ ہین۔ اس لیے جو روایت اختیار کرلی جائے قابل الزام نہین۔

جا کر کہا " آپ چاہین تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہجائے" عتبہ نے کہا کیونکر؟ حکیم نے کہا قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ صرف حضرمی کا خون ہے۔ وہ آپ کا حلیف تھا۔ آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجئے،، عتبہ نیک نفس آدمی تھا، اُسنے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ لیکن چونکہ ابوجہل کا اتفاقِ راے ضرور تھا حکیم عتبہ کا پیغام لے کر گئے۔ ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر پھیلا رہا تھا۔ عتبہ کا پیغام سنکر بولا" ہان عتبہ کی ہمت نے جواب دیدیا" عتبہ کے فرزند ابو حذیفہ اسلام لا چکے تھے۔ اور اس معرکہ مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ آئے تھے اس بنا پر ابوجہل نے یہ بدگمانی کی کہ عتبہ اس لیے لڑائی سے جی چراتا ہے، کہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آے۔

ابوجہل نے حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا، دیکھتے ہو! تمھارا خون بہا تمھاری آنکھ کے سامنے آکر نکلا جاتا ہی، عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور گرد اُڑا کر واعمرہ واعمرہ کا نعرہ مارنا شروع کیا۔ اس واقعہ نے تمام فوج مین آگ لگا دی۔

عتبہ نے ابوجہل کا طعنہ سنا تو غیرت سے سخت برہم ہوا، اور کہا میدانِ جنگ بتا دیگا کہ نامردی کا داغ کون اُٹھاتا ہے۔ یہ کہکر مغفر مانگا۔ لیکن اس کا سر اس قدر بڑا تھا کہ کوئی مغفر اسکے سر پر ٹھیک نہ اُترا۔ مجبوراً سر سے کپڑا لپیٹا اور لڑائی کے ہتیار سجے۔

چونکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہین فرماتے تھے صحابہ نے میدان کے کنارے ایک چھپّر کا سائبان طیار کیا کہ آپ اس مین تشریف رکھین، سعد بن معاذ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوئے کہ کوئی ادھر نہ بڑھنے پائے۔

اگرچہ بارگاہ الٰہی سے فتح و نصرت کا وعدہ ہو چکا تھا۔ عناصرِ عالم آمادۂ مدد تھے۔ ملائکہ کی

فوجین ہمرکاب تھین تاہم عالمِ اسباب کے لحاظ سے آپ نے اصولِ جنگ کے مطابق فوجین مرتب کین، مہاجرین کا علم مصعب بن عمیر کو عنایت فرمایا، خزرج کے علمبردار حباب بن منذر اور اوس کے سعد بن معاذ مقرر ہوئے۔

صبح ہوتے ہوتے آپ نے صف آرائی شروع کی۔ دستِ مبارک مین ایک تیر تھا اسکے اشارہ سے صفین قائم کرتے تھے، کہ کوئی شخص تِل بھر آگے یا پیچھے نہ رہنے پائے، لڑائی مین شور و غُل عام بات ہے لیکن منع کردیا گیا کہ کسی کے منھ سے آواز تک نہ نکلنے پائے۔

اس موقع پر بھی جبکہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی اور مسلمانون کی طرف ایک آدمی بھی آکر بڑھجاتا تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی آنحضرت صلعم ہمہ تن وفا تھے۔ ابو حذیفہ بن الیمان اور ابوحسیل دو صحابی مکہ سے آرہے تھے، راہ مین کفار نے روکا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی مدد کو جا رہے ہو؟ اُنھون نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا۔ آنحضرت صلعم کے پاس آئے تو صورتِ حال عرض کی، فرمایا ہم ہر حال مین وعدہ وفا کرین گے۔ ہمکو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔

اب دو صفین آمنے سامنے مقابل تھین۔ حق و باطل۔ نور و ظلمت۔ کفر و اسلام۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ	جو لوگ باہم لڑے ان مین تمہارے لیے عبرت
تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ ،	کی نشانیان ہین۔ ایک خدا کی راہ مین لڑرہا
(آل عمران)	تھا اور دوسرا منکر خدا تھا۔

یہ عجیب منظر تھا، اتنی بڑی وسیع دنیا مین توحید کی قسمت صرف چند جانون پر منحصر تھی صحیحین مین ہے کہ آنحضرت صلعم پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی، دونون ہات پھیلا کر فرماتے تھے۔

ونسلمه حتے نصرع حولہ — ہم محمد کو اسوقت دشمنون کے حوالہ کرین گے جب اُنکے گرد

ونذھل عن ابنائنا و الحلائل — لڑکر مرجائین اور ہم محمد کے لیے اپنے بیٹون اور بیبیوں کو بھول جاتے ہین

سعید بن العاص کا بیٹا (عبیدہ) سر سے پانون تک لوہے مین ڈوبا ہوا صف سے نکلا، اور پکارا کہ مین ابو کرش ہون" حضرت زبیر اس کے مقابلہ کو نکلے، اور چونکہ صرف اسکی آنکھین نظر آتی تھین، تاک کر آنکھ مین برچھی ماری وہ زمین پر گرا اور مرگیا۔ برچھی اسطرح پیوست ہوگئی تھی کہ حضرت زبیر نے اسکی لاش پر پانون اڑا کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکلی، لیکن دونون سرے خم ہوگئے، یہ برچھی یادگار رہی یعنی حضرت زبیر سے آنحضرت صلعم نے مانگ لی۔ پھر چار دن خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی، پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر لڑکے کے پاس آئی۔

حضرت زبیر نے اس معرکہ مین کئی کاری زخم اُٹھائے۔ شانہ پر جو زخم تھا اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہوجانے پر اس مین انگلی چلی جاتی تھی۔ چنانچہ ان کے بیٹے (عروہ) بچپن مین ان زخمون سے کھیلا کرتے تھے۔ جس تلوار سے لڑے تھے وہ لڑتے لڑتے کر گئی تھی۔ چنانچہ جب عبد اللہ بن زبیر شہید ہوئے تو عبد الملک نے عروہ سے کہا تم زبیر کی تلوار پہچان لوگے؟ اُنھون نے کہا ہان، عبد الملک نے پوچھا کیونکر؟ بولے کہ بدر کے معرکہ مین اس مین دندانے پڑگئے تھے، عبد الملک نے تصدیق کی اور یہ مصرع پڑھا، بھن فلول من قراع الکتائب، عبد الملک نے تلوار عروہ کو دیدی انھون نے اسکی قیمت انکوائی تو تین ہزار ٹھہری، اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا[1]

اب عام حملہ شروع ہوگیا، مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے۔ لیکن ادھر سرور عالم سربسجدہ

[1] صحیح بخاری غزوۂ بدر مین یہ روایت منقول ہے یہ پوری تفصیل صحیح بخاری غزوۂ بدر کے ذکر مین ہے

صرف خدا کی قوت کا سہارا ڈھونڈھ رہا تھا۔

ابوجہل کی شرارت اور دشمنی اسلام کا عام چرچا تھا، اس بنا پر انصار مین سے معوذ اور معاذ دو بھائیون نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہان نظر آجائے گا یا اس کو مٹا دین گے یا خود مٹ جائین گے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ مین صف مین تھا کہ دفعۃً مجھکو داہنے بائین دو نوجوان نظر آئے ایک نے مجھسے کان مین پوچھا کہ ابوجہل کہان ہے؟ مین نے کہا برادرزادہ! ابوجہل کو پوچھکر کیا کریگا؟ بولا کہ مین نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہان دیکھ لونگا یا اُسے قتل کر دون گا یا خود لڑکر مارا جاؤن گا۔ مین جواب نہین دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھسے کانون مین یہی باتین کہین، مین نے دونون کو اشارہ سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے۔ بتانا تھا کہ دونون باز کی طرح جھپٹے، اور ابوجہل خاک پر تھا، یہ دونون جوان عفرا کے بیٹے[1] تھے "معوذ و معاذ" ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آکر معاذ کے بائین شانہ پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا۔ معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا، وہ بچکر نکل گیا۔ معاذ اسی حالت مین لڑ رہے تھے لیکن ہات کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی ہات کو پانون کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہوگیا۔ اور اب وہ آزاد تھے۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ "کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہین ان مین ایسے بھی لوگ ہین جو خوشی سے نہین بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہین" اِن لوگون کے نام بھی آپ نے بتا دیئے تھے۔ ان مین ابوالبختری بھی تھا مجذر انصاری کی نظر ابوالبختری پر پڑی مجذر نے کہا چونکہ رسول اللہ صلعم نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے تجھ کو چھوڑ دیتا ہون، ابوالبختری

[1] بعض روایتون مین معاذ بن عمرو معاذ بن عفرا ہے۔

کے ساتھ اُس کا ایک رفیق بھی تھا، ابوالبختری نے کہا اسکو بھی؟ مجذر نے کہا "نہین" ابوالبختری نے کہا تو مین خاتونانِ عرب کا یہ طعنہ نہین سُن سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لیے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا، یہ کہکر ابوالبختری یہ رجز پڑھتا ہوا مجذر پر حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔

لَنْ یُسْلِمَ ابنُ حُرَّةٍ زمیلَہ — شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہین سکتا۔

حتّٰی یموتَ اَوْ یری سبیلَہ — جب تک کہ مر نہ جائے یا موت کا راستہ نہ دیکھے،

عتبہ اور ابوجہل کے مارے جانے سے **قریش** کا پائے ثبات اُکھڑ گیا، اور فوج مین بے دلی چھا گئی۔

آنحضرت صلعم کا شدید دشمن اُمیّہ بن خلف بھی جنگ بدر مین شریک تھا حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اس سے کسی زمانہ مین معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ مین آئے گا تو یہ اسکی جان کے ضامن ہونگے بدر مین اس دشمنِ خدا سے انتقام لینے کا خوب موقع تھا لیکن چونکہ عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہی حضرت عبدالرحمن بن عوف نے چاہا کہ وہ بچکر نکل جائے، اسکو لے کر ایک پہاڑ پر چلے گئے اتفاق یہ کہ حضرت بلال نے دیکھ لیا، انصار کو خبر کر دی۔ دفعةً لوگ ٹوٹ پڑے، انھون نے امیّہ کے بیٹے کو آگے کر دیا لوگون نے اس کو قتل کر دیا لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی اور امیّہ کی طرف بڑھے۔ انھون نے امیّہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ۔ وہ لیٹ گیا تو یہ اسپر چھا گئے کہ لوگ اس کو مارنے نہ پائین لیکن لوگون نے انکی ٹانگون کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا حضرت عبدالرحمن کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتون تک قائم رہا[1]۔

[1] یہ پورا واقعہ صحیح بخاری مین ہے لیکن چونکہ کتاب المغازی مین نہین بلکہ کتاب الوکالہ مین ہے اسلیے ارباب سیر کی نظر نہین پڑی۔

ابوجہل اور عتبۃ وغیرہ کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈال دی اور مسلمانون نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

حضرت عباس، عقیل (حضرت علی کے بھائی) نوفل، اسود بن عامر، عبد بن زمعۃ، اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوئے۔

آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ کوئی شخص جا کر خبر لائے ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟ عبداللہ بن مسعود نے جا کر لاشون مین دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا، بولے تو ابوجہل ہی؟ اُسنے کہا "ایک شخص کو اسکی قوم[1] نے قتل کردیا تو یہ فخر کی کیا بات ہے" ابوجہل نے ایک دفعہ ان کو تھپڑ مارا تھا، انھون نے اِسکے انتقام مین اسکی گردن پر پانون رکھا۔ ابوجہل نے کہا اُو بکری چرانے والے! دیکھ تو کہان پانون رکھتا ہے عبداللہ بن مسعود اس کا سر کاٹ لائے اور آنحضرت صلعم کے قدمون پر ڈال دیا۔

مغربی مورخین کو جن کے نزدیک عالم اسباب مین جو کچھ ہے صرف اسباب ظاہری کے نتائج ہین حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیون نے ایک ہزار پر جن مین سو سوارون کا رسالہ تھا کیونکر فتح پائی؟ لیکن تائید آسمانی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہین۔ تاہم اس واقعہ مین ظاہر بینون کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہین۔ اوّل تو قریش مین باہم اتفاق نہ تھا۔ عتبۃ سردار لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا۔ قبیلۂ زہرہ کے لوگ بدر تک آکر واپس چلے گئے۔ پانی برسنے سے موقع جنگ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ قریش جہان صف آرا تھے وہان کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا۔ قریش مرعوب ہوکر اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے یعنی اصل تعداد سے دوگنا۔ چنانچہ قرآن مجید مین ہے۔

---

[1] بخاری۔

یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ (آل عمران) وہ اپنی آنکھون سے مسلمانون کو اپنے آپ سے دوگنا دیکھ رہے تھے

کفار کی فوج مین کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی، بخلاف اس کے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خود دست مبارک مین تیر لے کر نہایت ترتیب سے صفین درست کی تھین مسلمان رات کو اطمینان سے سوئے تھے، صبح اُٹھے تو تازہ دم تھے۔ بخلاف اس کے کفار بے اطمینانی کی وجہ سے رات کو سو نہ سکے تھے۔

تاہم یہ اسباب ہین انکا اجتماع اور تہیہ یہی تائید الٰہی ہے۔ پھر قریش اور مسلمانون کی فوج کا باہم مقابلہ کرو تو نظر آئے گا کہ عام فوجی نظر کیا مسلمانون کی فتح کی مقتضی تھی قریش کی فوج مین بڑے بڑے دولت مند تھے، جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کرتے تھے مسلمانون کے پاس کچھ نہ تھا۔ قریش کی تعداد ایک ہزار تھی مسلمان صرف ۳۰۰ تھے۔ قریش مین سو سوار تھے مسلمانون کی فوج مین صرف دو گھوڑے تھے مسلمانون مین بہت کم سپاہی تمام ہتھیارون سے پورے تھے۔ اور اُدھر قریش کا ہر سپاہی لوہے مین غرق تھا۔

بااین ہمہ خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانون مین سے صرف ۱۴ شخصون نے شہادت پائی جن مین ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی، رؤسائے قریش جو شجاعت مین نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے۔ ان مین شیبہ۔ عتبہ۔ ابو جہل، ابو البختری۔ زمعہ بن الاسود۔ عاص بن ہشام۔ اُمیہ بن خلف۔ نبیہ بن الحجاج، قریش کے سرتاج تھے۔ قریباً ۷۰ آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اسیران جنگ مین سے عقبہ اور نضر بن حارث قتل کر دیے گئے۔ باقی گرفتار ہو کر مدینہ مین آئے۔ ان مین حضرت عباس عقیل (حضرت

علی کے بھائی) ابو العاص (آنحضرت صلعم کے داماد) بھی تھے۔

لڑائیون مین آنحضرت صلعم کا معمول تھا کہ جہان کوئی لاش نظر آتی تھی آپ اس کو زمین مین دفن کرا دیتے تھے۔ لیکن اسموقع پر کشتون کی تعداد زیادہ تھی اس لیے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا۔ ایک وسیع کنوان تھا۔ تمام لاشین آپ نے اس مین ڈلوا دین لیکن امیہ کی لاش پھول کر اس قابل نہین رہی تھی کہ جگہ سے ہٹائی جا وے۔ اس لیے وہین خاک مین دبا دی گئی۔

اسیران جنگ جب مدینہ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سامنے آئے تو حضرت سودہ (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) کی زوجہ محترمہ) بھی تشریف رکھتی تھین۔ ان قیدیون مین اُن کے عزیز سہیل بن عمر بھی تھے اُن پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اُٹھین کہ تمنے عورتون کی طرح خود بیڑیان پہن لین۔ یہ نہ ہوسکا کہ لڑکر مر جاتے[1]۔

اسیران جنگ دو دو، چار چار صحابہ کو تقسیم کر دیے گئے، اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائین، صحابہؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے[2] ان قیدیون مین ابو عزیز بھی تھے جو حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ مجھکو جن انصاریون نے اپنے گھر مین قید کر رکھا تھا جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھدیتے اور خود کھجورین اُٹھا لیتے۔ مجھکو شرم آتی اور مین روٹی ان کے ہاتھ مین دیدیتا لیکن وہ ہات بھی نہ لگاتے اور مجھی کو واپس دیتے۔ اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت صلعم نے تاکید کی تھی کہ قیدیون کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے[3]،

---

[1] روض الانف۔ [2] ابن ہشام۔ [3] طبری صفحہ ۱۳۳۸

(قیدیون مین ایک شخص سہیل بن عمرو تھا، جو نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعون مین آنحضرت صلعم کے خلاف تقریرین کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اس کے دو نچلے دانت اُکھڑوا دیجیے، کہ پھر اچھا نہ بول سکے، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مین اگر اس کے عضو بگاڑونگا (مثلہ) تو گو نبی ہون، لیکن خدا اسکی جزا مین میرے اعضا بھی بگاڑیگا،[1])

اسیرانِ جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، آنحضرت صلعم نے سب کو کپڑے دلوائے۔ لیکن حضرت عباس کا قد اسقدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتہ اُن کے بدن پر ٹھیک نہین اترتا تھا۔ عبداللہ بن اُبیؔ (رئیس المنافقین) نے کہ حضرت عباس کا ہم قد تھا، اپنا کرتہ منگوا کر دیا صحیح بخاری مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے عبداللہ کے کفن کے لیے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا تھا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔[2]

عام روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے مدینہ مین آکر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیرانِ جنگ کے معاملہ مین کیا کیا جائے، حضرت ابوبکر نے عرض کی کہ سب اپنے ہی عزیز اقارب ہین فدیہ لے کر چھوڑ دیے جائین۔ لیکن حضرت عمر کے نزدیک اسلام کے مسئلہ مین دوست دشمن، عزیز و بیگانہ، قریب و بعید کی تمیز نہ تھی۔ اس لیے انھون نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دیے جائین۔ اور ہم مین سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے۔ آنحضرت صلعم نے صدیق اکبر کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا اس پر خدا کا عتاب آیا اور یہ آیت اُتری۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (انفال) اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تمنے لیا، اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔

---

[1] طبری صفحہ ۱۳۴۴۔ [2] صحیح بخاری صفحہ ۴۴۲۔

آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ یہ عتاب ربانی سنکر رو پڑے۔

یہ روایت تمام تاریخون مین مذکور اور احادیث مین بھی موجود ہے لیکن سبب عتاب کے بیان مین اختلاف ہی، ترمذی مین جو روایت ہے اسکا ماحصل یہ ہے کہ اُس وقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہین آئے تھے۔ عرب کے عام دستور کے موافق صحابہ غنیمت مین مصروف ہو گئے۔ اس پر عتاب آیا۔ لیکن چونکہ اس کے متعلق پہلے کوئی حکم نہین دیا گیا تھا اس لیے یہ جرم معاف کر دیا گیا۔ اور حکم آیا کہ مال غنیمت جو ہات آیکا حلال ہے۔

قرآن مجید مین عتاب کے بعد یہ الفاظ ہین۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (انفال) تو جو تمنے لوٹا ہے اب کھاؤ کہ حلال طیب ہے،

اس آیت مین صاف تصریح ہے کہ مال جو ہات آیا تھا وہ حلال کر دیا گیا۔ اور وہ مال غنیمت تھا، غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے، یا مال غنیمت کے لوٹنے پر تھا صحیح مسلم مین یہ الفاظ ہین، کہ جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپ رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا أَبْكِي الَّذِي عُرِضَ عَلَىَّ أَصْحَابُكَ مِنْ أَخْذِهِمُ الْفِدَاءَ یعنی تمھارے ساتھیون نے جو فدیہ لیا، اس پر جو خدا کی طرف سے پیش کیا گیا اس پر مین رو رہا ہون"، عموماً لوگون نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ عتاب اس پر آیا کہ اسیران جنگ کو قتل کیون نہین کر ڈالا چنانچہ لوگون نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ (انفال) کسی نبی کو یہ مناسب نہین کہ بغیر اچھی طرح خونریزی کرنے کے لوگون کو قیدی بنائے۔

لیکن اس آیت کا صرف یہ حاصل ہو کہ میدانِ جنگ مین جب تک کافی خونریزی نہ ہو چکے قیدی بنانا مناسب نہین، اس سے یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ اگر خونریزی سے پہلے لوگ گرفتار کر لیے گئے تو لڑائی کے بعد بھی وہ قتل کیے جا سکتے ہین۔

بہرحال اسیرانِ جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا، لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہین کر سکتے تھے وہ چھوڑ دیے گئے ان مین سے جو لکھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچون کو لکھنا سکھا دین[1] تو چھوڑ دیے جائین گے۔ حضرت زید بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا[1]؛

انصار نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین عرض کی کہ حضرت عباس ہمارے بھانجے ہین ہم اُن کا فدیہ چھوڑ دیتے ہین لیکن آنحضرت صلعم نے مساوات کی بنا پر گوارا نہین فرمایا[2] اور اُنکو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا، فدیہ کی عام مقدار ۴ ہزار درہم تھی۔ لیکن امراء سے زیادہ لیا گیا۔ حضرت عباس دولتمند تھے اس لیے اُن سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی۔ اُنھون نے آنحضرت صلعم سے شکایت کی؛ لیکن ان کو کیا معلوم تھا کہ اسلام نے جو مساوات قائم کی اس مین قریب وبعید، عزیز و بیگانہ، عام و خاص کے تمام تفرقے مٹ چکے تھے۔ (لیکن ایک طرف تو ادائے فرض کی یہ مساوات تھی، دوسری طرف محبت کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت عباس کی کراہ سنکر رات کو آپ آرام نہ فرما سکے لوگون نے ان کی گرہ کھولی تو آپ نے آرام فرمایا)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے داماد ابو العاص بھی اسیرانِ جنگ مین آئے تھے اُنکے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی۔ آنحضرت صلعم کی صاحبزادی زینب کو (جو انکی زوجہ تھین اور مکہ مین تھین) کہلا

---

[1] مسند ابن حنبل جلد اصفحہ ۲۴۷ [2] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۴ [3] بخاری صفحہ ۵۰۲

بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیجدین۔ حضرت زینب کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز مین انکو ایک قیمتی ہار دیا تھا، حضرت زینبؓ نے وہی ہار گلے سے اُتار کر بھیجدیا، آنحضرت صلعم نے دیکھا تو ۲۵ برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آگیا۔ آپ بے اختیار رو پڑے اور صحابہ سے فرمایا کہ تمھاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کردو۔ سب نے تسلیم کی گردنین جھکا دین اور وہ ہار واپس کردیا۔[1]

(ابو العاص رہا ہو کر مکہ آئے اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیجدیا۔ ابو العاص بہت بڑے تاجر تھے۔ چند سال کے بعد بڑے سروسامان سے شام کی تجارت لیکر نکلے، واپسی مین مسلمان دستون نے اُنکو مع تمام مال و اسباب گرفتار کرلیا۔ اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہوگیا۔ یہ چھپکر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے، اُنھون نے پناہ دی۔ آنحضرت صلعم نے لوگون سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابو العاص کا اسباب واپس کردو۔ پھر تسلیم کی گردنین جھک گئین اور سپاہیون نے ایک ایک دھاگا تک لا لاکر واپس کردیا، اب یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا۔ ابو العاص مکہ آئے اور تمام شرکاء کو حساب سمجھا کر دولتِ اسلام سے فائز ہوئے، اور کہدیا کہ مین اس لیے یہان آکر اور حساب سمجھا کر جاتا ہون تاکہ یہ نہ کہو کہ ابو العاص ہمارا روپیہ کھا کر تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہوگیا۔[2])

بدر کی خبر مکہ مین پہنچی تو گھر گھر ماتم تھا۔ لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرادی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے، اس لڑائی مین اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے، اُسکا دل امنڈا آتا تھا۔ لیکن قومی عزت کے خیال سے رو نہین سکتا تھا۔ اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے رونے کی آواز آئی، سمجھا کہ قریش نے رونے کی اجازت دے دی ہے۔ نوکر سے کہا دیکھنا کون روتا ہے؟

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۳۴۸ و ابو داؤد۔ [2] تاریخ طبری۔

کیا رونے کی اجازت ہوگئی، میرے سینہ مین آگ لگ رہی ہو جی کھولکر رولون تو تسکین ہوجائے،
آدمی نے آکر کہا ایک عورت کا اونٹ گم ہوگیا ہے اُس کے لیے رو رہی ہے اسود کی زبان سے
بے اختیار یہ شعر نکلے،

اتبکی ان یضل لها بعیر	اونٹ کے گم ہونے پر رو رہی ہو اور اُسکو
ویمنعها من النوم السهود	نیند نہین آتی (اونٹ پر مت رو، بدر
ولا تبکی علی بکر و لکن	پر آنسو بہا، جہان قسمت نے کمی کی،
علی بدر تقاصرت الجدود	تجھکو رونا ہو تو عقیل پر رو، اور حارث پر رو
فبکی ان بکیت علی عقیل	جو شیرون کا شیر تھا، (عقیل و حارث
وبکی حارثا اسد الاسود	اسود کے بیٹون کے نام ہین۔)

(عمیر بن وہب قریش مین اسلام کا سخت دشمن تھا، وہ اور صفوان بن اُمیۃ حجر مین بیٹھے ہوئے
مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے، صفوان نے کہا" خدا کی قسم اب جینے کا مزہ نہین" عمیر نے کہا
سچ کہتے ہو، اگر مجھپر قرض نہ ہوتا اور بچون کا خیال نہ ہوتا تو مین سوار ہو کر جاتا، اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو
قتل کر آتا، میرا بیٹا بھی وہان قید ہے، صفوان نے کہا تم قرض کی اور بچون کی فکر نہ کرو ان کا مین ذمہ دار
ہون، عمیر نے گھر آکر تلوار زہر مین بجھائی اور مدینہ پہنچا، حضرت عمر نے اس کے تیور دیکھ لیے، گلا دبا کے
اُسکو آنحضرت صلعم کی خدمت مین لائے، آپ نے فرمایا عمر! چھوڑ دو، عمیر قریب آجاؤ، پوچھا کس ارادہ
سے آئے، جواب دیا کہ بیٹے کو چھڑانے آیا ہون، فرمایا پھر تلوار کیون حمائل ہے؟ عمیر نے کہا آخر
تلوارین بدر مین کس کام آئین؛ فرمایا، کیون نہین، تم نے اور صفوان نے حجر مین بیٹھکر میرے قتل

کی سازش نہین کی؟ عمیر یہ کی بات سنکر سناٹے مین آگیا، بے اختیار ہوکر بولا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بیشک تم پیغمبر ہو، بخدا میرے اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی، قریش جو آنحضرت صلعم کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے انھون نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی،

عمیر مسلمان ہوکر بہادرانہ مکہ مین آئے جہان کا ہر ذرہ اس وقت مسلمانون کے خون کا پیاسا تھا، انکو اسلام کے دوستون سے جس شدت کے ساتھ عداوت تھی، اسی شدت سے وہ اب دشمنانِ اسلام کے دشمن تھے، یہان پہنچکر انھون نے اسلام کی دعوت کو پھیلایا اور ایک مجمع کثیر کو اس روشنی سے منور کردیا،[1]

غزوۂ بدر کا بیان قرآن مین (اس غزوہ کو دیگر غزوات پر جو امتیازات حاصل ہین اُن مین ایک یہ بھی ہے کہ خود خدا نے اپنے کلام پاک مین اس کا مفصل ذکر کیا ہے اور ایک خاص سورہ (انفال) بدر کے احسانات ونعم کی تفصیل اور بعض مسائل متعلقۂ بدر کی توضیح کے لیے مخصوص کردیا ہے۔ واقعہ کی اصل حقیقت جاننے کے لیے آسمان کے نیچے اس سے زیادہ کوئی صحیح ماخذ موجود نہین،

(۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ	مومن وہ ہین کہ جب خدا کا نام لیا جائے تو اُن کے دل دہل
قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیَاتُہٗ زَادَتْھُمْ	جائین، اور جب اُسکی آیتین پڑھکر سنائی جائین تو انکا ایمان
اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ج اَلَّذِیْنَ	بڑھ جاتا ہو اور وہ اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہین، جو نماز بہ پابندی
یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ط	پڑھتے ہین اور خدا نے جو انکو روزی دی ہی، اُس سے
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجَاتٌ	راہِ خدا مین بھی کچھ دیتے ہین۔ یہ ہین سچے مومن، انکے

[1] (یہ تمام واقعات تاریخ طبری مین بحوالۂ عروہ بن زبیر مذکور ہین، صفحہ ۱۳۵۴)

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ كَمَآ
اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ص وَاِنَّ
فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ
فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ
وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى
الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ
الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ
الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝
اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ
مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا
جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ
وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝
اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ
عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ
عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ
وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝ اِذْ يُوْحِىْ رَبُّكَ اِلَى

لیے خدا کے پاس رتبے ہیں بخشش ہی اور اچھی روزی ہے۔
جسطرح اے پیغمبر تیرا خدا تجکو حق پر تیرے گھر سے (بدر تک)
نکال لایا، حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس سے ناخوش
تھا، وہ تجھسے حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی جھگڑتا ہے۔ گویا کہ وہ
موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں۔ اور وہ موت کو دیکھ
رہے ہیں۔ اور جب خدا تمسے قریش کے قافلہ اور قریش
کی فوج میں سے ایک کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمہارے لیے
ہے، تم چاہتے ہو کہ بےخرخشہ والا گروہ تمکو ملجائے (یعنی
قافلہ) اور خدا یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کرے اور
باطل کو مٹائے، گو گنہگار اس سے رنجیدہ ہوں، یاد کرو، جب
تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے، اُسنے تمہاری سنی
(اور کہا) میں تمہاری لگاتار ہزار فرشتوں سے مدد کرونگا
خدا نے یہ صرف مسلمانوں کی خوشی اور اطمینان قلب کے
لیے کہا اور فتح تو صرف خدا کے پاس ہی، خدا غالب دانا ہے،
یاد کرو، جب تمہاری تسکین کے لیے اپنی طرف سے اونگھ
تم پر طاری کر رہا تھا اور آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ تم کو
پاک کرے اور شیطان کی ناپاکی تمسے دور کرے اور تمہارے

الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ
فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ، فَاضْرِبُوْا
فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ،
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ
يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ
عَذَابَ النَّارِ ، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا
لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْ
هُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ
اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ، فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ
وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۝
وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ، ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ
الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۝
وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا

دل مضبوط کرے اور ثابت قدم رکھے، یاد کرو جب خدا فرشتونکو
حکم دے رہا تھا کہ مین تمھارے ساتھ ہون، مسلمانون کو ثابت
قدم رکھنا، مین کافرون کے دلمین رعب ڈال دونگا، کافرون
کی گردنین مارو اور ہر جوڑ پر مارو یہ اسلیے کہ اُنھون نے خدا
اور خدا کے رسول سے دشمنی کی ہی اور جو خدا اور خدا کے رسول
سے دشمنی کریگا خدا اسکو سخت عذاب دینے والا ہی۔ یہ ہی عذاب
اس کا مزہ چکھو، کافرون کے لیے عذاب دوزخ ہی، مسلمانو:
جب میدان جنگ مین کافرون کے مقابل آؤ تو پشت نہ پھیرو
اور بجز اسکے کہ لڑنے کے لیے مڑے یا کسی دستہ کیطرف پھرے
جو کوئی پشت پھیرے وہ خدا کا غضب لائیگا اور اس کا ٹھکانا
جہنم ہوگا۔ اور وہ کیا بُرا ٹھکانا ہی، مسلمانو! ان کافرون کو
تمنے نہین مارا لیکن خدا نے مارا۔ اور اے محمد! تمنے نہین پھینکا
جب تمنے پھینکا لیکن خدا نے پھینکا۔ تا کہ اپنی طرف سے
اہل ایمان کو اچھا انعام دے۔ خدا دانا اور بینا ہی
اور کافرون کے داؤ پیچ کو کمزور کرنے والا ہے
اگر فتح چاہتے تھے تو فتح آ چکی۔ اگر اب رُک جاؤ تو بہتر
ہے۔ اور اگر تم پھر مخالفت پر آمادہ ہوگے تو ہم پھر

نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّ
لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ،

(٢) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ
وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ
اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى
الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِذْ اَنْتُمْ
بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى
وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ
فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ
مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ
وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ۝ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ
قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ
فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ
اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ ،

مسلمانون کی مدد کرین گے۔ یاد رکھو کہ تمھاری جمعیت کچھ مفید نہین
گو وہ کتنی ہی کثیر ہو۔ اور خدا مومنون کے ساتھ ہے۔

(۲) جان لو کہ جو مال غنیمت ملے تو اُسکا پانچوان حصہ خدا
کے لیے اور اُسکے رسول کے لیے، اہل قرابت کے لیے،
یتیمون کے لیے، مسکینون کے لیے اور مسافرون کے لیے ہے
اگر خدا پر تم ایمان لا چکے ہو، اور حق و باطل مین فرق کرنے
والے دن مین (یعنی بدر مین) خدا نے اپنے بندہ پر جو (فتح)
اتاری، اسکو مان چکے جب دونون فوجین آمنے سامنے
آگئین اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جب تم قریب
کے میدان مین اور قریش کی فوج دور کے میدان مین
اور قافلہ تمسے نیچے تھا۔ اگر تم ایک دوسرے سے وقت
مقرر کرکے آتے تو وقت مین اختلاف ہو جاتا لیکن (خدا نے
یہ اسلیے کر دیا) تاکہ جو ہونے والا تھا۔ خدا اسکو کر دے تاکہ
جس کو مرنا ہو وہ بھی دلیل دیکھ کے مرے، اور جسکو زندہ
رہنا ہے وہ بھی دلیل دیکھ کے زندہ رہے، اور خدا سننے
والا اور جاننے والا ہے۔ یاد کرو جب خدا تم کو جنگ کی حالت
مین انکو تھوڑا دکھا رہا تھا، اگر زیادہ کرکے دکھاتا تو تم سست

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ط وَاِلَى
اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ه يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا
لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا
تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ، وَلَا تَكُوْنُوْا
كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ
النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ
بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ٥

(۳) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى
حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ط تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ
الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ٥ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ
لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ،
فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ، يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ
فِيْ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ

پڑجاتے اور باہم جھگڑے پڑتے لیکن خدا نے محفوظ رکھا وہ سینونکے
بھید سے واقف ہے جب تمہاری نظر مین خدا انکو تھوڑا دکھا رہا تھا اور تمکو انکی
نگاہ مین تاکہ جو ہونیوالا ہے خدا اسکو پورا کرے اور اسی کیطرف تمام معاملے
پھرتے ہین۔ مسلمانو! اب جب کسی دستہ فوج سے مقابلہ پڑے تو ثابت قدم
رہو اور خدا کو اکثر یاد کیا کرو تاکہ کامیاب ہو۔ اور خدا اور اسکے رسول
کی اطاعت کرو، اور جھگڑا نہ کرو، ورنہ سست پڑجاؤ گے اور تمہاری
ہوا اکھڑ جائیگی مستقل رہو۔ خدا مستقل لوگونکے ساتھ ہے اور اُن لوگون یعنی
قریش کیطرح نہ ہو جو اپنے گھرونسے مغرورانہ نمایش اور دکھاوے کیساتھ
اور خدا کی راہ سے لوگونکو روکتے ہوئے نکلے اور خدا انکے تمام کامونکو گھیرے ہوے ہے

(۳) پیغمبر کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی
ہون، تا آنکہ خوب زمین مین لڑ نہ لے۔ تم دنیا کی دولت
چاہتے ہو (قیدی ہون گے تو فدیہ ہاتھ آئے گا) اور خدا
آخرت چاہتا ہے۔ خدا دانا اور توانا ہے۔ اگر خدا کی تقدیر پہلے
نہ ہو چکی ہوتی تو تم نے جو قیدیون سے لے لیا۔ اس پر تمکو
دردناک عذاب پہنچتا۔ اب جو کچھ تم کو غنیمت مین ملا، کھاؤ
وہ حلال وطیب ہے۔ اور خدا سے ڈرا کرو، خدا آمرزگار اور
مہربان ہے اے پیغمبر تمہارے ہاتھ مین جو قیدی ہین اُن سے کہو

فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ، (انفال)۔	کہ خدا اگر تمھارے دلوں میں کچھ نیکی دیکھیگا تو تمسے جو لیا گیا ہی اُسکے بدلہ وہ نیکی عطا کریگا۔ اور تمھیں معاف کریگا وہ بخشش اور مہربانی والا ہی، اور اگر یہ قیدی تجھسے خیانت کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے وہ خدا کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں۔ اسی لیے تو خدا نے اُنکو تمھارے قابو میں کر دیا۔ خدا دانا اور باخبر ہے،)

خدانے اسی احسان کو اُحد کے موقع پر یاد دلایا ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ، (توبہ)	یقیناً خدا نے تمھاری بدر میں مدد کی جب تم کمزور تھے، تو خدا سے ڈرو تا کہ تم شکرگذار بن جاؤ۔

غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر

سادہ واقعات بیان کرنے کے بعد اب وقت آیا ہی کہ محققانہ طور سے اس بات پر بحث کیجائے کہ غزوۂ بدر کا مقصد جیسا کہ عام مورخین نے بیان کیا ہے، کاروانِ تجارت کو لوٹنا تھا، یا قریش کے حملہ کا دفاع تھا،

مین اس بات سے خوب واقف ہون کہ تاریخ اور محکمۂ عدالت مین فرق ہے۔ مجھکو یہ بھی معلوم ہے کہ تاریخ کا انداز بیان مقدمۂ دیوانی یا فوجداری کے فیصلہ لکھنے سے بالکل مختلف ہی مین اسکو بھی تسلیم کرتا ہون کہ میرا منصب واقعہ نگاری ہے، فیصلہ نویسی نہین، لیکن موقع ایسا آپڑا ہے کہ ایک واقعۂ تاریخی نے مقدمۂ عدالت کی حیثیت حاصل کر لی ہے، اس لیے مجھکو اپنے منصب سے ہٹ کر فصل مقدمہ کا قلم ہاتھ مین لینا پڑتا ہے۔

اِس بات کا مجھکو مطلق خوف نہین کہ اس فیصلہ مین عام مورخین اور ارباب سیر میرے حریف مقابل ہین نہایت جلد نظر آجائے گا کہ حق اکیلا تمام دنیا پر فتح پا سکتا ہے۔ سلسلۂ کلام کے اچھی طرح پیش نظر رکھنے کے لیے سب سے پہلے ہمکو بتا دینا چاہیے کہ (ہماری تحقیقات کی روسے) واقعہ کی اصلی صورت کیا تھی

واقعہ یہ ہے کہ حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوشِ انتقام سے لبریز کر دیا تھا، اور اس سلسلہ مین چھوٹی چھوٹی لڑائیان بھی پیش آگئین۔ دونون فریق ایک دوسرے سے پُرحذر رہتا تھا۔ اور جیسا کہ ایسی حالتون مین عام قاعدہ ہی غلط خبرین خود بخود مشہور ہو کر پھیل جاتی ہین۔ اسی اثنا ءمین ابوسفیان

قافلہ تجارت کے ساتھ شام گیا، اور ابھی وہ شام ہی مین تھا کہ یہ خبر وہان مشہور ہوگئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہین۔ ابوسفیان نے وہین سے مکہ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہوجائے، قریش نے لڑائی کی طیاریان شروع کردین۔ مدینہ مین یہ مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیت عظیم لے کر مدینہ آرہے ہین آنحضرت صلعم نے مدافعت کا قصد کیا اور بدر کا معرکہ پیش آیا۔

اس بحث کے فیصلہ کے لیے سب سے پہلے اُن واقعات کو یکجا لکھدینا چاہیے جنپر دونون فریق کا اتفاق ہے تاکہ وہ انفصال بحث مین اصول موضوعہ کے طور پر کام آئین۔ وہ یہ ہین۔

(۱) قرآن مجید مین اگر کسی واقعہ کا صاف ذکر ہے تو اُس کے مقابلہ مین کسی روایت اور تاریخ کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

(۲) کتب حدیث مین صحت کے لحاظ سے باہم جو فرق مراتب ہے اس کا لحاظ رکھا جائیگا۔

اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ جب آنحضرت صلعم کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ قریش بڑی طیاری کے ساتھ مکہ سے نکلے ہین۔ تو آپ نے صحابہ سے مخاطب ہوکر انکا استمزاج کیا، مہاجرین نے نہایت جوش کے ساتھ آمادگی ظاہر کی۔ لیکن آنحضرت صلعم انصار کی مرضی دریافت کرنا چاہتے تھے۔ یہ دیکھکر سعد یا اور کوئی معزز انصاری اُٹھے اور کہا، یارسول اللہ! کیا آپ کا روے سخن ہماری طرف ہے؟ ہم وہ لوگ نہین ہین جنھون نے موسیٰ سے کہا تھا کہ تم اور تمھارا خدا دونون جاکر لڑو ہم یہین بیٹھے رہین گے خدا کی قسم اگر آپ حکم دین تو ہم آگ اور سمندر مین کود پڑین۔

یہ بھی مسلّم ہے کہ صحابہ مین کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو شرکت سے ہچکچاتے تھے۔ چنانچہ خود قرآن مجید مین تصریح ہے۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ اور مسلمانون کا ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا۔

عموماً ارباب سیر اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے انصار کی رضامندی جو خاص طور پر دریافت کی اسکی وجہ یہ تھی کہ انصار نے مکہ مین جب آپکے ہاتھ پر بیعت کی تو صرف یہ اقرار کیا تھا کہ "جب کوئی دشمن خود مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو انصار مقابلہ کرین گے"۔ یہ اقرار نہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر بھی لڑین گے، ان واقعات کے بعد اب مرکز بحث یہ ہے کہ "یہ واقعات کہان پیش آئے؟ ارباب سیر لکھتے ہین کہ مدینہ سے جب آپ نکلے تو صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود تھا، دو چار منزل چلکر معلوم ہوا کہ قریش فوجین لیے چلے آتے ہین اسوقت آپ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا کہ ان کا عندیہ دریافت فرمائین۔ آگے کے واقعات یہین پیش آئے، لیکن کتب سیر، تاریخ، اور تمام دیگر شہادتون سے بالاتر ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہے (قرآن) جسکے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہیے

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (انفال۔ پہلا رکوع)

جسطرح تجھکو تیرے خدا نے تیرے گھر سے حق پر نکالا دران حالیکہ مسلمانونکا ایک گروہ اسکو پسند نہین کرتا تھا۔ یہ لوگ حق کے ظاہر ہوئے پیچھے تجھ سے حق بات مین جھگڑا کرتے تھے گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہین۔ اور موت کو آنکھون سے دیکھ رہے ہین۔ اور جبکہ خدا تمسے یہ وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتون مین کوئی جماعت تمکو ہاتھ آئیگی۔ اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے والی جماعت تمکو ہاتھ آجائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتونسے قائم کردے اور کافرون کی جڑ کاٹ دے۔

(۱) ترکیب نحوی کے روسے وَاِنَّ مین جو واؤ ہے، حالیہ ہے، جسکے معنی ہین کہ مسلمانون کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چُراتا ہے۔ یہ موقع عین وہ موقع تھا جب آپ مدینہ سے نکل رہے تھے۔ نہ کہ مدینہ سے نکلکر جب آپ آگے بڑھے کیونکہ واؤ حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت، اور اس گروہ کے جی چُرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے۔

(۲) آیت مذکورہ مین بتصریح مذکور ہے کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے اُس وقت دو گروہ سامنے تھے ایک کاروانِ تجارت۔ اور ایک قریش کی فوج جو مکہ سے آرہی تھی" ارباب سیر کہتے ہین کہ آیت قرآنی مین یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے جب آنحضرت صلعم بدر کے قریب پہنچ چکے تھے لیکن بدر کے قریب پہنچکر تو کاروانِ تجارت صحیح سلامت بچکر نکل گیا تھا اس وقت یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ دونون مین سے ایک کا وعدہ ہے" اس لیے یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیے جب دونون گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہوسکتا ہو۔ اور یہ صرف وہ وقت ہوسکتا ہے جب آنحضرت صلعم مدینہ مین تھے۔ اور دونون طرف کی خبرین آگئین تھین کہ اُدھر ابوسفیان کاروانِ تجارت لیکر چلا ہے اور ادھر قریش جنگ کے سروسامان کے ساتھ مکہ سے نکل چکے ہین۔

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیت مذکورۂ بالا مین کفار کے دو فریق کا خدا نے بیان کیا ہے ایک قافلۂ تجارت اور دوسرا صاحب شوکت یعنی کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے آرہے تھے، آیت مین تصریح ہے کہ مسلمانون کی ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروانِ تجارت پر حملہ کیا جائے، خدا نے ان لوگون پر ناراضی ظاہر کی اور فرمایا،

تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ — تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ والا گروہ تم کو ہاتھ آجائے

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (انفال رکوع ۱)

اور خدا یہ چاہتا ہے کہ اپنی باتون سے حق کو قائم کردے اور کافرون کی جڑ کاٹ دے۔

ایک طرف وہ لوگ ہین جو قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہین - دوسری طرف خدا ہے، جو چاہتا ہے کہ حق کو قائم کردے اور کافرون کی جڑ کاٹ دے - اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم ان دو مین کس کے ساتھ ہین؟ عام روایتون کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا؛ مین اس تصور سے کانپ اُٹھتا ہون؛

(۴) اب واقعہ کی نوعیت پر غور کرو، واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہین کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر وانصار ساتھ ہین - ان مین فاتح خیبر، اور حضرت امیر حمزہ سید الشہدا بھی ہین جن مین سے ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے، باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید مین بہ تصریح مذکور ہے) ڈر کے مارے بہت سے صحابہ کا دل بیٹھا جاتا ہے اور اُن کو نظر آتا ہے کہ کوئی ان کو موت کے منھ مین لیے جاتا ہے۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ۔

مسلمانون کی ایک جماعت کارہ تھی، وہ تجھسے حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی جھگڑا کرتی تھی - گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہین۔

اگر صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف، یہ اضطراب، یہ پہلو تہی کس بنا پر تھی - اس سے پہلے بارہا (بقول ارباب سیر) قافلۂ قریش پر حملہ کرنے کے لیے تھوڑے تھوڑے آدمی بھیجدیے گئے تھے اور کبھی ان کو ضرر نہین پہنچا تھا - اس دفعہ اسی قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب فوج ہے اور

پھر لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے ہین۔ یہ قطعی دلیل ہو کہ مدینہ ہی مین یہ خبر آگئی تھی کہ قریش مکہ سے جمعیت عظیم لے کر مدینہ پر آرہے ہین۔

(۵) قرآن مجید مین ایک اور آیت اسی بدر کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہو، اور اُسوقت جب آپ مدینہ ہی مین تشریف رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری تفسیر سورۂ انفال مین تصریحًا مذکور ہو؛ آیت یہ ہے،

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً (نساء)	بجز معذورون کے، وہ لوگ جو بیٹھ رہے، اور وہ لوگ جو خدا کی راہ مین اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہین برابر نہین ہو سکتے، خدا نے مجاہدین کو جو مال اور جان سے جہاد کرتے ہین۔ درجہ مین فضیلت دی ہے۔

صحیح بخاری مین اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ یعنی وہ لوگ جو بدر مین نہین شریک ہوئے، اور وہ جو شریک ہوئے، دونون برابر نہین ہو سکتے صحیح بخاری مین یہ بھی ہو کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پہلے غیر اولی الضرر کا جملہ نہ تھا یہ آیت سنکر عبد اللہ ابن مکتوم آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور اپنے اندھے پن کا عذر کیا، اُس پر دفعۃً یہ جملہ نازل ہوا غیر اولی الضرر "یعنی معذورون کے سوا" یہ صاف اس بات کی دلیل ہو کہ مدینہ ہی مین معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہین بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے۔

(۶) کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے بدر مین آئے اُنکی نسبت قرآن مجید مین ہو۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ

(ان لوگون کی طرح نہ ہو) جو اپنے گھرون سے مغرورانہ نمائش اور خدا کی راہ سے روکتے ہوے نکلے۔

اگر قریش صرف قافلہ تجارت کے بچانے کے لیے نکلتے تو خدا یہ کیون کہتا کہ وہ اظہار شان اور دکھاوے کے لیے خدا کی راہ سے لوگون کو روکتے ہوے نکلے؟ اس مین اظہار شان اور دکھاوے کی کیا بات تھی، اور خدا کی راہ سے لوگون کو روکنا کیا تھا؟ البتہ چونکہ درحقیقت وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے تھے جس سے مقصود اپنے زور اور قوت کا اعلان و نمائش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا، اس لیے خدا نے اس کو غرور و نمائش اور صدعن سبیل اللہ کہا۔

(قرآن مجید کے بعد احادیث نبوی کا درجہ ہی، احادیث کی متعدد کتابون مین غزوۂ بدر کا مفصل و مجمل ذکر ہے لیکن کعب بن مالک والی حدیث کے سوا، اور کسی حدیث مین یہ واقعہ میری نظر سے نہین گذرا کہ آنحضرت صلعم بدر مین قریش کے قافلۂ تجارت کے لوٹنے کے لیے نکلے تھے۔ کعب بن مالک کی حدیث متعدد وجوہ سے قابل بحث ہی۔

(۱) حضرت کعب بن مالک غزوۂ بدر مین شریک نہین تھے، اس لیے انکی روایت اس موقع پر شاہدہ و واقفیت کی روایت نہین۔

(۲) اس واقعہ کی روایت سے انکا مقصود یہ ہی کہ غزوۂ بدر کی اہمیت کم ہوجاے تاکہ عدم شرکت سے انکا وزن کم نہو، حالانکہ بدر کو تاریخ اسلام مین جو اہمیت حاصل ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن نے اس کو یوم الفرقان کہا ہی، خدا نے تمام شرکاے بدر کے گناہ معاف کردیے ہین۔ بدری صحابہ کی یہ عزت تھی کہ حضرت عمرؓ کے عہد مین اونکے وظائف سب سے زیادہ تھے کسی صحابیؓ کے نام کے

ساتھ بدری کہنا خاص امتیاز کا سبب شمار کیا جاتا تھا،

حضرت کعب کی حدیث یہ ہے،

عن عبد اللہ بن کعب قال کعب لم اتخلف
عن رسول اللہ صلعم فی غزوۃ غزاھا الا غزوۃ
تبوک، غیر انی کنت تخلفت فی غزوۃ بدر،
و لم یعاتب احد تخلف عنھا، انما خرج
النبی صلعم یرید عیر قریش، حتے جمع
اللہ بینہ و بینھم علی غیر میعاد

کعب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی
غزوہ سے پیچھے نہیں رہا، بجز غزوۂ تبوک کے، اور ہاں
غزوۂ بدر میں بھی شریک نہ تھا، اور جو اس میں شریک
نہ ہوا اُس پر کچھ عتاب نہیں ہوا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے لیے نکلے تھے کہ خدا نے دونوں
فریق کو اچانک مقابل کر دیا۔

اِس کے برخلاف حضرت انس کی حدیث ہے جو بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے،

۱۔ عن انس ان رسول اللہ صلعم شاور حین
بلغہ اقبال ابی سفیان قال فتکلم ابو بکر
فاعرض عنہ، فتکلم عمر فاعرض عنہ فقام سعد
بن عبادۃ فقال ایانا ترید یا رسول اللہ
والذی نفسی بیدہ لو امرتنا ان نخیضھا
البحر لاخضناھا۔ ولو امرتنا ان نضرب اکبادھا
الی برک الغماد لفعلنا قال فندب رسول
اللہ صلعم الناس فانطلقوا حتی نزلوا بدرا

۱۔ انس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب
ابو سفیان کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے مشورہ
طلب کیا۔ حضرت ابو بکر بولے تو آپ نے توجہ نہ فرمائی۔ پھر حضرت
عمر بولے۔ آپ نے انکی طرف بھی توجہ نہ کی۔ پھر سعد بن عبادہ کھڑے
ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپکا روئے خطاب ہم انصار کیطرف ہے؟ خدا
کی قسم اگر دریا میں سواری ڈالنے کا آپ حکم دیں تو ہم ڈالدینگے اور اگر
برک الغماد تک جانیکا حکم دینگے تو ہم کرینگے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ اسکے
بعد آپنے لوگوں کو شرکت جنگ کی دعوت دی۔ لوگ چل پڑے اور بدر پر اُترے

۲- و وردت علیهم روایا قریش وفیهم غلام اسود لبنی الحجاج فاخذوہ فکان اصحاب رسول اللہ صلعم یسالون عن ابی سفیان واصحابہ فیقول مالی علم بابی سفیان ولکن ھذا ابو جھل و عتبۃ وشیبۃ وامیۃ بن خلف فاذا قال ذلک ضربوہ فقال نعم انا اخبرکم ھذا ابو سفیان فاذا ترکوہ فقال مالی بابی سفیان من علم ھذا ابو جھل و.... رسول اللہ صلعم قائم یصلی فلما رای ذلک الضرب قال والذی نفسی بیدہ لتضربوہ اذا صدقکم وتترکوہ اذا اکذبکم؛	۲- اور (پہلے) قریش کا ہراول آگر اترا۔ اس مین بنی حجاج کا ایک حبشی غلام تھا مسلمانون نے اُسکو گرفتار کرلیا۔ اور اُس سے ابو سفیان کا حال پوچھنے لگے۔ وہ کہتا تھا مجھے ابوسفیان کی خبر نہین لیکن یہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف آرہے ہین۔ جب وہ یہ کہتا تو لوگ اسکو مارتے۔ وہ کہتا اچھا ابوسفیان کو بتاتا ہون تب اس کو چھوڑ دیتے، تو پھر وہ کہتا مجکو ابوسفیان کی خبر نہین لیکن ابوجہل وغیرہ روساے قریش آرہے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز مین مشغول تھے۔ آپ نے یہ دیکھکر فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتھ مین میری جان ہے جب وہ سچ کہتا ہے تو تم اُسکو مارتے ہو، اور جب جھوٹ بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو۔

حدیث کے پہلے ٹکڑے سے ظاہر ہوتا ہی کہ جب ابوسفیان کے آنے کا حال معلوم ہوا اُسی وقت آپنے مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا اور انصار سے اعانت کی خواہش کی، اور یہ متفقاً ثابت ہی کہ ابوسفیان کی آمد کا حال مدینہ ہی مین معلوم ہوچکا تھا، اس بنا پر یہ محقق طور پر ثابت ہوگیا کہ اس غزوہ کی شرکت کے لیے آپ نے انصار سے مدینہ ہی مین خواہش کی تھی، ورنہ اگر باہر نکل کر یہ معاملہ پیش آتا جیسا کہ کتب سیرت مین مذکور ہے تو اُس وقت انصار وہان کہان ہوتے؟ اور نیز اسی ٹکڑے مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے مشورہ کے بعد لوگون کو شرکت کی دعوت دی۔ حالانکہ ارباب سیرت کے مطابق واقع یہ ہونا چاہئے

کہ انصار معاہدہ اور معمول سابق کے خلاف شرکت کے لیے نکلے! آنحضرت صلعم نے پھر انکا عندیہ دریافت فرمایا! اور اسکے بعد شرکت کے لیے آمادہ کیا! ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک مجنونانہ بات ہی؛

حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے بوضاحت تمام محقق ہوتا ہی کہ آنحضرت صلعم کو وحی کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقے سے یہ پہلے ہی سے معلوم تھا کہ تجارتی قافلہ کا نہین بلکہ جنگی فوج کا مقابلہ ہے گو عام لوگون کو یہ معلوم نہ ہو۔

اس حدیث مین ایک گرہ اور کھولنا ہی، اگر پہلے صرف ابوسفیان کا آنا معلوم ہوا تھا اور قریش کے حملہ کی خبر نہ تھی تو آنحضرت صلعم اس اصرار اور سروسامان سے کیون اجتماع کا اہتمام فرماتے؟ اس لیے ابوسفیان کی آمد کے بجائے موقع کا اقتضا یہ ہی کہ یہ ہو کہ "جب مشرکینِ مکہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی" چنانچہ اسی واقعہ کو انھین الفاظ کے ساتھ امام احمد بن حنبل نے مسند[1] مین، ابن ابی شیبہ نے مصنف[2] مین، ابن جریر نے تاریخ مین اور بیہقی نے دلائل مین روایت کیا ہے اور اس کو "صحیح" کہا ہے اور اسکے راوی معرکہ بدر کے ہیرو اسد اللہ علی ابن ابی طالب ہین۔

عن علی قال لما قدمنا المدینۃ اصبنا	حضرت علی فرماتے ہین کہ جب ہم مدینہ آئے تو وہان پھل
من ثمارھا فاجتویناھا واصابنا بھا وعک	کھانے کو ملے جو ہمارے ناموافق مزاج تھے اس لیے ہم لوگ
وکان النبی صلعم یتخبر عن بدر فلما	بیمار ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو پوچھا کرتے
بلغنا ان المشرکین قد اقبلوا سار رسول	تھے۔ جب ہمکو خبر ملی کہ مشرکین آرہے ہین تو رسول اللہ
اللہ صلعم الی بدر وبدر بئر فسبقنا	صلعم بدر کو چلے، بدر ایک کنوان کا نام ہی جہان ہم

[1] جلد اول صفحہ ۱۱۷۔ [2] منتخب کنز العمال غزوہ بدر [3] جلد ۳ صفحہ ۱۲۰۹۔

المشرکین الیها (اسکے بعد بدر کے تمام واقعات وجزئیات مذکور ہین) ہم مشرکین سے پہلے پہونچ گئے۔
اس مین صاف تصریح ہی کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سنکر آپ نکلے تھے اور بدر پر آکر قیام فرمایا تھا۔ اس
پوری حدیث مین ابوسفیان کے قافلۂ تجارت کا ذکر تک نہین ہی۔)
ان قطعی نصوص کے بعد اگرچہ کسی اور استدلال کی ضرورت نہین لیکن لیطمئن قلبی کے طور پر واقعات
ذیل پر لحاظ کرنا چاہیے۔
(۱) آنحضرت صلعم نے اس سے پہلے قریش کے قافلون پر حملہ کرنے کے لیے جسقدر سرایا بھیجے اور جنمین
بیس تیس آدمی سے لے کر سو سو، دو دو سو تک کی جمعیت تھی۔ ان مین کبھی کسی انصاری کو نہین بھیجا؛ ارباب
سیر اس خاص امر کو بہ تصریح لکھتے ہین اور اس تصریح کی اس لیے ضرورت سمجھتے ہین کہ انصار نے بیعت
کے وقت مدینہ سے باہر نکلنے کا اقرار نہین کیا تھا۔ اس بنا پر اگر اس دفعہ بھی مدینہ سے نکلنے کے وقت صرف
قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو انصار ساتھ نہ ہوتے۔ حالانکہ اس واقعہ مین انصار کی تعداد مہاجرین
سے زیادہ تھی یعنی کل فوج ۳۰۵ تھی جن مین ۷۴ مہاجرین اور باقی سب انصار تھے۔
یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ جس وقت مدینہ سے آپ نکلے یہ خبر آچکی تھی کہ قریش مدینہ پر آرہے
ہین اسی بنا پر آپ نے انصار کو مخاطب کیا کیونکہ معاہدۂ بیعت کے موافق اب انصار سے کام لینے کا
وقت آچکا تھا۔
(۲) مکہ سے جو قافلہ تجارت کے لیے شام کو جایا کرتا تھا، مدینہ کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا، مدینہ سے
مکہ تک جسقدر قبایل آباد تھے عموماً قریش کے زیر اثر تھے، بخلاف اس کے مدینہ سے شام تک کے حدود
تک قریش کا اثر نہ تھا اس بنا پر اگر کاروان تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو شام کی طرف بڑھنا تھا یہ بالکل

خلافِ قیاس ہے۔ کہ کاروانِ تجارت شام سے آرہا ہے۔ آنحضرت صلعم کو خبر ہوچکی ہے اور آپ بجائے اس کے کہ شام کی طرف بڑھین مکہ کی طرف جاتے ہین اور پانچ منزل مکہ کی طرف جاکر خبر آتی ہو کہ قافلہ بچکر نکل گیا اور قریش سے جنگ پیش آجاتی ہے۔

(۳) واقعات کی ترتیب یہ ہے۔

۱۔ قریش نے عبداللہ بن اُبی کو خط لکھا کہ "محمدؐ اور اُنکے رُفقا کو مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم مدینہ آکر تمکو بھی برباد کردین گے" (بحوالہ سنن ابی داؤد اوپر گزرچکا)

۲۔ ابوجہل نے سعد بن معاذ سے کہا کہ تم نے ہمارے مجرمون کو پناہ دی ہے۔ اگر اُمیّہ کی ضمانت نہوتی تو مین تمکو قتل کردیتا۔

۳۔ کرز بن جابر نے جمادی الثانی ۲ھ مین مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اونٹ لوٹ لیے۔

۴۔ اس کے بعد ہی رجب ۲ھ مین آنحضرت صلعم نے عبداللہ بن جحش کو تجسس کے لیے بھیجا کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائین۔

۵۔ عبداللہ بن جحش نے (آنحضرت صلعم کی مرضی کے خلاف) قریش کا ایک مختصر سا قافلہ لوٹ لیا اور ایک آدمی قتل اور دو اسیر کیے۔

قریش نے مکہ مین جوکچھ مسلمانون کے ساتھ کیا تھا اس کو پیش نظر رکھو پھر یہ خیال کرو کہ انکا جوش انتقام کسی طرح کم نہین ہوتا اور وہ عبداللہ ابن اُبی کو لکھتے ہین کہ ہم مدینہ آکر تمکو اور محمدؐ دونون کو فنا کردین گے کرز فہری مدینہ پر چھاپہ مارتا ہے۔ اسی اثنا مین قریش کا اشتعال اس سے اور بڑھ جاتا ہے کہ عبداللہ

بن حجش نے ان کا قافلہ لوٹ لیا۔ اوران کے دو معزز خاندان کے ممبر اسیر کرلیے، ان تمام باتوں کے ساتھ قریش صبر کرتے ہیں اور کسی قسم کے انتقام کا ارادہ نہیں کرتے۔ جب آنحضرت صلعم ان کے قافلہ کو جس میں مکہ کی کل کائنات تھی لوٹنے کے لیے نکلتے ہیں تب مجبوراً اُن کو مدافعت کے لیے نکلنا پڑتا ہے، اسپر بھی بدر کے قریب پہنچکر جب ان کو معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ بچکر نکل گیا تو ان کے بڑے بڑے سردار اور خود عتبہ جو سالار لشکر تھا، رائے دیتا ہے کہ اب لڑنے کی ضرورت نہیں واپس چلنا چاہئے کیا واقعات کا یہ نقشہ قریش کے جوشِ عداوت اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شانِ نبوت کے موافق ہے؟

(۴) ارباب سیر عموماً لکھتے ہیں کہ "جب آنحضرت صلعم نے مدینہ منورہ میں صحابہ کو کاروانِ تجارت پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو لوگوں نے چنداں مستعدی ظاہر نہیں کی۔ کیونکہ لوگ سمجھے کہ کوئی مہم اور معرکہ و جہاد نہیں ہے بلکہ صرف تحصیل غنیمت ہے، اس لیے جن لوگوں کو مال کی حاجت تھی وہ گئے"۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انصار میں جس قدر اعیان قوم اور سرلشکر تھے۔ سب گئے۔ زر و مال کے محتاج اگر تھے تو مہاجرین تھے۔ لیکن جانے والوں میں انصار کی تعداد مہاجرین سے دُگنی تگنی ہے۔

آنحضرت صلعم کے استمزاج کے جواب میں جن لوگوں نے جان نثارانہ فقرے کہے تھے۔ مہاجرین میں حضرت ابوبکر و عمر و مقداد تھے، اور انصار میں سعد بن عبادہ تھے[۵]، سعد بن عبادہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے۔ اور مدینہ سے باہر نہیں جاسکے تھے اسلئے قطعاً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سعد نے یہ جواب مدینہ ہی میں دیا تھا اور وہیں قریش کے حملہ کا حال معلوم ہوگیا تھا اور اس لیے یہ قطعی ہے کہ مدینہ ہی میں اس بات کی ضرورت پیش آئی تھی کہ انصار کا استمزاج لیا جائے۔

---

[۵] صحیح مسلم وصحیح بخاری غزوہ بدر

(۸) عام ارباب سیر، بلکہ احادیث کی کتابوں مین بھی منقول ہے کہ غزوۂ بدر مین جب آنحضرت صلعم نے لوگون کو چلنے کی ترغیب دی تو بہت سے لوگ آمادہ نہ ہوئے اور کسمسائے جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ جہاد یا غزوہ نہین ہے۔ صرف قافلہ کا مال لوٹنا ہے اسلیے یہ اپنی مرضی پر موقوف ہے جسکا جی چاہے جائے جس کا جی نہ چاہے نہ جائے۔ طبری مین ہے،

قالوا لما سمع رسول اللہ بابی سفیان مقبلا من الشام ندب المسلمین الیھم وقال ھذہ عیر قریش فیھا اموالھم فاخرجوا الیھا لعل اللہ ان ینفلکموھا فانتدب الناس فخف بعضھم وثقل بعضھم وذلک انھم لم یظنوا ان رسول اللہ یلقی حربا، (صفحہ ۱۲۹۲)	لوگون نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے ابوسفیان کا شام سے روانہ ہونا سنا تو مسلمانون کو بلایا اور فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ آرہا ہے جس مین ان کا مال ہے۔ چلو شاید خدا تمکو اس مین سے مال غنیمت دلوا دے۔ لوگ آمادہ ہوئے لیکن بعضون نے پہلوتہی کی۔ کیونکہ وہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی لڑائی تو پیش نہین آئے گی۔

لیکن یہ واقعات صریح آیات قرآنی کے خلاف ہین۔ قرآن مجید مین بہ تصریح موجود ہے کہ جو لوگ مدینہ سے نکلنے ہوئے کسمساتے تھے، وہ عدم ضرورت کی وجہ سے نہین بلکہ اس وجہ سے کہ انکو یہ نظر آتا تھا کہ موت کے منہ مین جا رہے ہین۔

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکَارِھُوْنَ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ (انفال)	اور مسلمانون کا ایک فریق نکلنے سے ناراض تھا وہ تجھ سے حق کے متعلق جھگڑتا تھا بعد اسکے کہ حق ظاہر ہو گیا تھا، وہ گویا موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہین۔

(۶) تمام کتب احادیث اور سیر مین تصریح ہی کہ مدینۂ منورہ سے ایک میل چلکر (مقام بیرابی عنبہ مین) آپ نے فوج کا جائزہ لیا اور حضرت عبد اللہ بن عمرو غیرہ اس بنا پر واپس بھیجدیے گئے کہ انکی عمرین پندرہ برس سے کم تھین۔ یا یہ کہ سن بلوغ کو نہین پہنچے تھے۔ اگر صرف قافلہ کا لوٹنا مقصود ہوتا تو یہ کام نوخیز نوجوان زیادہ خوبی سے انجام دے سکتے ہین لیکن چونکہ واقع مین جہاد مقصود تھا جو ایک فریضۂ الٰہی ہی اور اس کے لیے بلوغ کی قید ہے اس لیے نابالغ لوگ واپس کردیے گئے کہ ابھی اس کے اہل نہین

(۷) حافظ ابن عبد البر نے استیعاب[۱] مین روایت کی ہی کہ جب آنحضرت صلعم نے لوگون کو قافلۂ قریش پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو خیثمہؓ نے جو ایک انصاری تھے، اپنے بیٹے سعد سے کہا کہ مجھے جانے دو، اور تم یہان مستورات کی خبرگیری کرو۔ سعد نے کہا حضور! اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ضرور مین آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیتا۔ لیکن یہ شہادت کا درجہ ہے مین اسکو کیونکر چھوڑ سکتا ہون"۔ چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی اور سعد کے نام قرعہ نکلا سعد شریک جنگ ہوکر شہید ہوے۔

اس سے صاف ثابت ہی کہ قافلہ لوٹنا نہین بلکہ جہاد پیش نظر تھا۔ اور لوگون کو دولت شہادت کے حاصل ہونے کی آرزو تھی۔

غزوۂ بدر کا اصلی سبب

عرب کا خاصۂ قومی تھا کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی آدمی کسی طریقہ سے کسی کے ہاتھ سے قتل ہوجاتا تھا تو ایک سخت ہنگامۂ کارزار قایم ہوجاتا تھا۔ دونون طرف ٹڈی دل اُمنڈ آتا تھا اور خون کی ندیان بہجاتی تھین۔ یہ لڑائیان مدتون تک قایم رہتی تھین قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے تھے، تاہم

[۱] استیعاب تذکرہ سعد بن خیثمہ اصابہ اور طبقات مین یہ واقعہ باختلاف الفاظ منقول ہے،

یہ سلسلہ بند نہین ہوتا تھا، عرب لکھے پڑھے نہ تھے تاہم مقتول کا نام کاغذ پر درج ہوکر خاندان مین وراثۃً چلا آتا تھا، بچون کو یہ نام یاد کرایا جاتا تھا کہ بڑے ہوکر اس خون کا انتقام لینا ہے۔ داحس اور بسوس کی قیامت خیز لڑائیان جو چالیس چالیس برس قایم رہین اور جن مین ہزارون لاکھون جانین برباد ہوگئین اسی بنا پر ہوئین۔ عربی زبان مین اس انتقام کو ثار کہتے ہین۔ اور یہ عرب کی قومی تاریخ کا سب سے بڑا اہم لفظ ہے۔

جیساکہ ہم اوپر لکھ آئے ہین عبداللہ بن جحش کے واقعہ مین **عمرو بن حضرمی** قتل کردیا گیا تھا **حضرمی** عتبہ بن ربیعہ کا حلیف تھا جو تمام قریش کا سردار تھا۔ بدر اور تمام غزوات کا سلسلہ اسی خون کا انتقام تھا۔ عروہ بن زبیر (حضرت عائشہ کے بھانجے) نے اس واقعہ کو بتصریح بیان کیا ہے،

وکان الذی ھاج وقعۃ بدر وسائر الحروب التی کانت بین رسول اللہ صلعم وبین مشرکی قریش فیما قال عروۃ بن الزبیر ماکان من قتل واقد بن عبد اللہ التمیمی عمرو بن الحضرمی،	جس چیز نے غزوہ بدر اور دیگر وہ تمام لڑائیان برپا کین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین عرب کے درمیان واقع ہوئین وہ جیساکہ عروہ بن زبیر کا بیان ہے عمرو بن حضرمی کا قتل کیا جانا ہے جس کو واقد بن عبداللہ تمیمی نے قتل کردیا تھا۔

ایک عام غلطی جس نے واقعہ بحث طلب مین غلطی پیدا کردی ہے یہ ہے کہ سب سے پہلے

[1] عبداللہ بن جحش جن کی سرداری مین یہ قتل واقع ہوا حضرت حمزہ کے بھانجے اور آنحضرت صلعم کے ماموں زاد بھائی تھے۔ قاتل یعنی واقد بن عبداللہ حضرت عمر کے خاندان کے حلیف تھے اور حضرت عمر کے آغاز خلافت تک زندہ رہے۔ دیکھو طبقات ابن سعد ذکر عبداللہ بن جحش و واقد بن عبداللہ۔

جو لڑائی کفار سے ہوئی وہ **بدر** تھی۔ حالانکہ بدر سے پہلے لڑائیاں شروع ہو چکی تھیں، **عروہ بن الزبیر** نے غزوۂ بدر کے متعلق **عبد الملک** کو جو خط لکھا تھا اُس کے ابتدائی فقرے یہ ہیں۔

ان ابا سفیان بن حرب اقبل من الشام فی قریب من سبعین راکبا من قبایل قریش فذکر والرسول اللہ صلعم و اصحابہ وقد کانت الحرب بینھم فقتلت قتلی وقتل ابن الحضرمی فی اناس بنخلۃ واسرت اساری من قریش .... وکانت تلک الوقعۃ ھاجت الحرب بین رسول اللہ صلعم و بین قریش واول ما اصاب بہ بعضھم بعضا من الحرب وذلک قبل مخرج ابی سفیان واصحابہ الی الشام (طبری صفحہ ۱۲۸۵)

ابو سفیان بن حرب تقریباً ستر سوار کے ساتھ شام سے آرہا تھا جو کل کے کل قریشی تھے آنحضرت صلعم اور صحابہ سے اس کا تذکرہ ہوا۔ اور دونوں فریق میں لڑائی شروع ہو چکی تھی اور اُدھر کے چند لوگ جن میں ابن حضرمی بھی تھا۔ مارے جا چکے تھے۔ اور کچھ قید بھی ہو چکے تھے .... اور اسی واقعہ نے آنحضرت صلعم اور قریش میں جنگ برپا کر دی تھی اور یہی سب سے پہلا واقعہ تھا جس میں دونوں فریق نے ایک دوسرے کو صدمہ پہنچایا۔ اور یہ لڑائی ابو سفیان کی روانگی شام سے پہلے وقوع میں آچکی تھی۔

اس میں تصریح ہے کہ ابو سفیان جب شام کو روانہ بھی نہیں ہوا تھا اُسی وقت لڑائی شروع ہو چکی تھی غزوۂ بدر ابو سفیان کی واپسیِ شام کے بعد واقع ہوا ہے۔

اصلیت واقعہ کی تحقیق کا سب سے بڑا اصلی ذریعہ یہ ہے کہ خود حریفانِ جنگ کی شہادت بہم پہنچائی جائے۔ اس قسم کی شہادتیں بہت کم ہاتھ آسکتی ہیں لیکن خوش قسمتی سے یہاں اس قسم کی شہادت موجود ہے۔ حکیم بن حزام (حضرت خدیجہ کے بھتیجے) غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ اور اُسوقت

تک کافر تھے۔ وہ عمر مین **آنحضرت** (صلے اللہ علیہ وسلم) سے پانچ برس بڑے تھے، اور گو زمانۂ جاہلیت مین آنحضرت صلعم سے نہایت محبّت رکھتے تھے اور نبوت کے بعد بھی یہ محبّت قایم رہی تاہم فتح مکہ تک ایمان نہین لائے، وہ رؤسائے قریش مین تھے۔ حرم کا ایک بڑا منصب یعنی رفادہ انہی کے ہاتھ مین تھا۔ دارالندوہ کے مہتمم اور مالک بھی وہی تھے[1]، وہ مروان بن حکم کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے۔ ایک دفعہ وہ مروان سے ملنے گئے، مروان نے نہایت تعظیم و تکریم کی، صدر مجلس سے اُٹھکر اُن کے پاس آبیٹھا، اور کہا بدر کا واقعہ بیان کیجیے۔ اُنھون نے واقعہ کے ابتدائی حالات بیان کرکے کہا کہ جب ہماری فوجین میدان مین اُترین تو مین عتبہ کے پاس گیا، اور مین نے اُس سے یہ کہا،

یا ابا الولید ھل لك ان تذھب بشرف	اے ابوالولید! کیا تم چاہتے ہو کہ تمام عمر کے لیے ساری نیکنامی
ھذا الیوم ما بقیت، قال افعل ماذا؟	تم ہی کو ہاتھ آئے؟ عتبہ نے کہا کیونکر؟ مین نے کہا، تم (یعنی
قلت انکم لا تطلبون من محمد الا دم ابن	قریش) محمد سے ابن حضرمی کے خون کے سوا اور کچھ نہین چاہتے
الحضرمی وھو حلیفك تحمل دیتہ فترجع	اور وہ تمھارا حلیف تھا، اس لیے تم اُس کا خون بہا ادا
بالناس[2] ،	کردو کہ سب لوگ واپس چلے جائین۔

عتبہ نے یہ تجویز پسند کی لیکن ابوجہل نے نہ مانا، اور **حضرمی** کے بھائی عامر حضرمی کو بلا کر کہا خون کا بدلا سامنے ہے کھڑے ہوکر قوم سے دُھائی دو عامر عرب کے دستور کے موافق ننگا ہوگیا اور پکارا[3]،

---

[1] اصابہ تذکرہ حکیم بن حزام۔ [2] طبری صفحہ ۱۳۱۲۔ [3] یہ پوری تفصیل طبری صفحہ ۱۳۱۴ تا ۱۳۱۶ مین ہی۔

واعمراہ واعمراہ   ہائے عمر (حضرمی)! ہائے عمر!

آغاز جنگ کے وقت سب سے پہلے جو شخص میدانِ جنگ مین نکلا، وہ یہی عامر حضرمی تھا۔

حکیم بن حزام، اور عامر حضرمی غزوۂ بدر تک کافر تھے، عتبہ وابوجہل جو سردارانِ قریش تھے کفر پر تا دمِ مرگ قایم رہے، اگر اس درجہ کے لوگ غزوۂ بدر کو حضرمی کے خون کا انتقام سمجھتے تھے اور سمجھتے رہے، تو ہم کو کچھ پروا نہین کرنی چاہیے کہ اورون نے جو اس کے سیکڑون برس بعد پیدا ہوئے اس کا سبب قافلہ تجارت کا بچانا سمجھا، وشتان بینھما۔

ایک ضروری نکتہ | گو یہ امر اب قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ غزوۂ بدر کا سبب کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا تاہم اس گرہ کا کھولنا ضرور ہے کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام اربابِ سیر نے متفقاً کیون غلطی کی؟ اور صحیح بخاری وغیرہ مین یہ تصریحات کیون پائی جاتی ہین کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی،

اصل یہ ہے کہ اصول جنگ کے موافق، اکثر غزوات مین یہ ظاہر نہین کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا اور کس غرض سے جانا مقصود ہے؟ صحیح بخاری (غزوہ تبوک) مین حضرت کعب بن مالک، جو مشہور صحابی ہین اُن کا قول نقل کیا ہے،

ولم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرید غزوۃ الا وریٰ بغیرھا،   اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے توکسی اور موقع کا توریہ فرماتے تھے۔

"توریہ" کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہین کہ "آپ ایسے موقع پر مبہم اور محتمل المعنیین الفاظ استعمال فرماتے تھے"۔ گو میرے نزدیک یہ کلیہ اس معنی مین صحیح نہین تاہم واقعات کی استقصا سے

یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض موقعوں پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں سعد بن خیثمہ کو پہلے ہی سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ قافلہ نہیں بلکہ فوج کا مقابلہ ہے، بخلاف اس کے صحیح بخاری مین انہی کعب بن مالک کا قول منقول ہے کہ بدر مین صرف قافلہ سے تعرض کرنا مقصود تھا،

دیباچہ مین ہم لکھ آئے ہین کہ راوی (جس مین صحابہ بھی داخل ہین) بہت سے موقعون پر جو واقعہ بیان کرتا ہے وہ حقیقت مین واقعہ نہیں بلکہ اُس کا استنباط ہوتا ہے یعنی اُسنے اس کو یون ہی سمجھا، بدر مین بھی یہی صورت پیش آئی اور اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ صحابہؓ نے مختلف قیاس کیے اور جو قیاس مذاق عام کے مناسب تھا وہی پھیل گیا۔

بدر کے نتائج (بدر کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالت پر گوناگون اثرات پیدا کیے، اور حقیقت مین یہ اسلام کی ترقی کا قدم اوّلین تھا، قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جن مین سے ایک ایک اسلام کی ترقی کی راہ مین سدِ آہن تھا۔ فنا ہوگئے، عتبہ اور ابوجہل کی موت نے قریش کی ریاست عامہ کا تاج ابوسفیان کے سر پر رکھا جس سے دولتِ اموی کا آغاز ہوا لیکن قریش کے اصلی زور وطاقت کا معیار گھٹ گیا

مدینہ مین اب تک عبداللہ بن ابی بن سلول علانیہ کافر تھا لیکن اب بظاہر وہ اسلام کے دائرہ مین آگیا۔ گو تمام عمر منافق رہا۔ اور اسی حالت مین جان دی، قبائلِ عرب جو سلسلہ واقعات کا رُخ دیکھتے تھے اگرچہ رام نہیں ہوئے لیکن سہم گئے۔

ان موافق حالات کے ساتھ مخالف اسباب مین بھی انقلاب شروع ہوگیا۔ یہود سے معاہدہ ہوچکا تھا کہ وہ ہر معاملہ مین یکسو رہین گے لیکن اس فتح نمایان نے ان مین حسد کی آگ بھڑکا دی اور

وہ اس کو ضبط نہ کر سکے، چنانچہ اسکی تفصیل یہودیون کے واقعات مین بالتفصیل آتی ہے،

قریش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا، بدر کے بعد گھر ماتم کدہ تھا، اور مقتولین بدر کے انتقام کے لیے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا، چنانچہ **سویق** کا واقعہ اور اُحُد کا معرکہ اسی جوش کا مظہر تھا)

غزوۂ سویق ذی حجہ ۲ھ

ابوسفیان اب قریش کا رئیس تھا اور اس منصب کا سب سے بڑا فرض، غزوۂ بدر کا انتقام تھا، اُس نے بدر سے واپس جاکر منت مانی تھی کہ جب تک مقتولان بدر کا انتقام نہ لے گا نہ غسل جنابت کرے گا، نہ سر مین تیل ڈالے گا، چنانچہ دو سو شتر سوارون کے ساتھ مدینہ پر بڑھا، یہود کی نسبت معلوم تھا کہ وہ مسلمانون کے مقابلہ مین مدد دین گے، اس لیے پہلے حُیی بن اخطب کے پاس گیا لیکن اُس نے دروازہ نہ کھولا، مایوس ہوکر سلام بن مشکم کے پاس آیا، وہ یہود بنو نضیر کا سردار تھا، اور تجارتی خزانہ اُسی کے زیر اہتمام رہتا تھا، اُس نے بڑے جوش سے استقبال کیا، خوشگوار کھانے کھلائے شراب پلوائی۔ مدینہ کے مخفی راز بتائے، صبح کو ابوسفیان عریض پر حملہ آور ہوا، جو مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر ہے، ایک انصاری کو جن کا نام سعد بن عمرو تھا قتل کیا، چند مکانات اور گھانس کے انبار جلادیے ان باتون سے اُس کے نزدیک قسم پوری ہوگئی، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا۔ ابوسفیان کے پاس رسد کا سامان صرف ستو تھا۔ گھبراہٹ مین ستو کے بورے پھینکتا گیا جو مسلمانون کے ہاتھ آئے، عربی مین ستو کو سویق کہتے ہین اس لیے یہ واقعہ غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہے،

حضرت فاطمہ زہرا کی شادی ذیحجہ ۲ھ

حضرت فاطمہؓ جو آنحضرت صلعم کی صاحبزادیون مین سب سے کمسن تھین، اب اُنکی عمر ۱۸ برس کی ہوچکی تھی، اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ

جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی، اُن کو بھی آپ نے کچھ جواب نہین دیا۔ بلکہ وہی الفاظ فرمائے۔ لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہین معلوم ہوتی، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین ابن سعد کی اکثر روائتین حضرت فاطمہؓ کے حال مین روایت کی ہین لیکن اسکو نظرانداز کردیا ہی۔

بہرحال حضرت علی نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی وہ چپ رہین۔ یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا، آپ نے حضرت علی سے پوچھا کہ تمھارے پاس مہر مین دینے کے لیے کیا ہے، بولے کچھ نہین۔ آپ نے فرمایا" اور وہ حطیمة زرہ کیا ہوئی (جنگ بدر مین ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہی، آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے،

ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی، لیکن اگر وہ اسکی مقدار جاننا چاہتے ہین تو جواب یہ ہی کہ صرف سوا روپیے (عہ)۔ زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علی کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی، حضرت علی نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہرا کے نذر کیا، حضرت علی ابتک آنحضرت صلعم ہی کے پاس رہتے تھے، شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لین، حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے، جن مین سے وہ کئی آنحضرت صلعم کو نذر کر چکے تھے، حضرت فاطمہ نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ انھی سے کوئی اور مکان دلوا دیجیے، آپ نے فرمایا کہ کہان تک؛ اب اُن سے کہتے شرم آتی ہے، حارثہ نے سُنا تو دوڑے آئے کہ حضور مین اور میرے پاس جو کچھ ہے، سب آپکا ہی، خدا کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہین مجھکو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے۔ غرض اُنھون نے اپنا ایک مکان خالی کردیا۔ حضرت فاطمہ اس مین اُٹھ گئین۔

شہنشاہ کونین نے سیدۂ عالم کو جو جہیز دیا، وہ بان کی چارپائی۔ چمڑے کا گدا جس کے

اندر، روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک دو چکیان۔ اور دو مٹی کے گھڑے

حضرت فاطمہ جب نئے گھر مین جالین تو آنحضرت صلعم اُن کے پاس تشریف لے گئے، دروازہ پر کھڑے ہوکر اذن مانگا، پھر اندر آئے، ایک برتن مین پانی منگوایا، دونون ہات اس مین ڈالے اور حضرت علی کے سینہ اور بازؤن پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ کو بُلایا، وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئین، ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ مین نے اپنے خاندان مین سب سے افضل تر شخص سے تمھارا نکاح کیا ہی[1]

واقعات متفرقہ سنہ ۲ھ (مورخین کے بیان کے مطابق اسی سال رمضان مبارک کے روزے فرض ہوے

صدقہ عید الفطر کا حکم بھی اسی سال سے جاری ہوا، پہلے آپ نے ایک خطبہ دیا جس مین اس صدقہ کے فضائل بیان فرمائے، پھر صدقہ کا حکم دیا،

عید الفطر کی نماز با جماعت عید گاہ مین بھی اسی سال ادا فرمائی، اس سے پہلے عید کی نماز نہین ہوتی تھی،

ارباب سیر کی ترتیب کے مطابق غزوۂ بنی قینقاع کا ذکر بھی اسی سال کے واقعات مین ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اتصال و تسلسل واقعہ کی بنا پر وہ آیندہ مذکور ہوگا)

[1] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد اور اصابہ سے ماخوذ ہے۔

سنہ ۳ ھ

غزوۂ اُحُد[1]

(وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ - آل عمران)[2]

عرب مین صرف ایک شخص کا قتل لڑائی کا ایک سلسلہ چھیڑ دیتا تھا جو سیکڑون برس تک ختم نہین ہو سکتا تھا، طرفین مین سے جس کو شکست ہوتی تھی وہ انتقام کو ایسا فرض مؤبد جانتا تھا جس کے ادا کیے بغیر اسکی ہستی قایم نہین رہ سکتی تھی، بدر مین قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے جن مین اکثر وہ تھے جو قریش کے تاج و افسر تھے، اس بنا پر تمام مکہ جوش انتقام سے لبریز تھا۔

قریش کا کاروانِ تجارت جو جنگ بدر کے زمانے مین نفع کثیر کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا، اس کا راس المال حصہ دارون کو تقسیم کر دیا گیا تھا، لیکن زر منافع امانت کے طور پر محفوظ تھا۔

قریش کو کشتگان بدر کے ماتم سے فرصت ملی تو اس فرض کے ادا کا خیال آیا۔ چند سردارانِ قریش جن مین ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، اُن لوگون کو جن کے عزیز و اقارب جنگ بدر مین قتل ہو چکے تھے، ساتھ لیکر ابوسفیان کے پاس گئے، اور کہا کہ محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا، اب انتقام کا وقت ہے، ہم چاہتے ہین کہ مال تجارت کا جو نفع اب تک جمع ہے وہ اس کام مین صرف

---

[1] مدینہ منورہ سے شمالی جانب قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔ [2] (صحیح بخاری باب غزوۂ اُحُد مین ہے کہ یہ آیت غزوۂ اُحُد مین نازل ہوئی)

کیا جائے - یہ ایک ایسی درخواست تھی جو پیش ہونے سے پہلے قبول کرلی گئی تھی۔ لیکن قریش کو اب مسلمانون کے قوت و زور کا اندازہ ہوچکا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جنگ بدر مین جس سامان سے وہ گئے تھے اُس سے اب کچھ زیادہ درکار ہے۔ عرب مین جوش پھیلانے اور دلون کے گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر تھا، قریش مین دو شاعر، شاعری مین مشہور تھے، عمرو جمحی، اور مسافع، عمر جمحی غزوہ بدر مین گرفتار ہوگیا تھا، لیکن رسول اللہ صلعم نے اقتضائے رحم سے اُس کو رہا کردیا تھا۔ قریش کی درخواست پر، وہ، اور مسافع مکہ سے نکلے اور تمام قبایل قریش مین اپنی آتش بیانی سے آگ لگا آئے۔

لڑائیون مین ثابت قدمی اور جوشِ جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونانِ حرم تھین۔ جس لڑائی مین خاتونین ساتھ ہوتی تھین، عرب جانون پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوگی تو عورتین بےحرمت ہونگی، بہت سی عورتین ایسی تھین جنکی اولاد جنگ بدر مین قتل ہوچکی تھی اس لیے وہ خود جوش انتقام سے لبریز تھین اور اُنھون نے منتین مانی تھین کہ اولاد کے قاتلون کا خون پی کر دم لین گے۔ غرض جب فوجین تیار ہوئین تو بڑے بڑے معزز گھرانون کی عورتین بھی فوج مین شامل ہوئین۔ انین سے بعض کے نام حسب ذیل ہین

ہند	عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی مان۔
ام حکیم	عکرمہ (فرزند ابوجہل) کی بیوی۔
فاطمہ	حضرت خالد کی بہن۔
برزۃ	مسعود ثقفی جو طائف کا رئیس تھا اُسکی بیٹی۔
ریطہ	عمرو بن العاص کی زوجہ۔
خناس	حضرت مصعب بن عمیر کی مان۔

حضرت حمزہ نے ہند کے باپ عتبہ کو بدر مین قتل کیا تھا۔ جبیر بن مطعم کا چچا بھی حضرت حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اس بنا پر ہند نے وحشی کو جو جبیر کا غلام اور حربہ اندازی مین کمال رکھتا تھا حضرت حمزہ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ مین وہ آزاد کر دیا جائے گا،

حضرت عباس رسول اللہ صلعم کے چچا گو اسلام لا چکے تھے۔ لیکن اب تک مکہ ہی مین مقیم تھے۔ انھون نے تمام حالات لکھکر ایک تیز رو قاصد کے ہات رسول اللہ صلعم کے پاس بھیجے، اور قاصد کو تاکید کی کہ تین رات دن مین مدینہ پہنچ جائے۔

آنحضرت صلعم کو یہ خبرین پہنچین تو آپ نے پانچوین شوال ۳ھ کو دو خبر رسان جن کے نام انس اور مونس تھے، خبر لانے کے لیے بھیجے، اُنھون نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا اور مدینہ کی چراگاہ (عریض) کو انکے گھوڑون نے صاف کر دیا

آپ نے حباب بن منذر کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائین۔ اُنھون نے آکر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی، چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا، ہر طرف پہرے بٹھا دیے گئے، حضرت سعد بن عبادۃ، اور سعد بن معاذ ہتیار لگا کر تمام رات مسجد نبوی کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے۔

صبح کو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، مہاجرین نے عموماً اور انصار مین سے اکابر نے رائے دی کہ عورتین باہر قلعون مین بھیجدی جائین اور شہر مین پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے، عبداللہ بن ابی سلول جو اب تک کبھی شریک[1] مشورہ نہین کیا گیا تھا، اُسنے بھی یہی راے دی۔ لیکن اُن نوخیز صحابہ نے جو جنگ بدر مین شریک نہ ہو سکے تھے اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے

---

[1] طبری۔

آنحضرت صلعم گھر مین تشریف لے گئے اور زرہ پہنکر باہر تشریف لائے، اب لوگون کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ صلعم کو خلاف مرضی نکلنے پر مجبور کیا، سب نے عرض کی کہ ہم اپنی راے سے باز آتے ہین، ارشاد ہوا کہ پیغمبر کو زیبا نہین کہ ہتیار پہنکر اُتار دے،

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہِ اُحُد پر پڑاؤ ڈالا، آنحضرت صلعم جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھکر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکلے۔ عبداللہ بن اُبَیّ، تین سَو کی جمعیت لیکر آیا تھا۔ لیکن یہ کہکر واپس چلا گیا کہ "محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے میری رائے نہ مانی" آنحضرت صلعم کے ساتھ اب صرف سات سَو صحابہ رہ گئے، اِن مین ایک سو زرہ پوش تھے، مدینہ سے نکلکر فوج کا جائزہ لیا گیا، اور جو لوگ کمسن تھے، واپس کردیے گئے، اِن مین حضرت زید بن ثابت، براء بن عازب، ابوسعید خدری عبداللہ بن عمر، اور عرابۃ اوسی بھی تھے، لیکن جان نثاری کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانون مین سے جب رافع بن خدیج سے کہا گیا کہ تم عمر مین چھوٹے ہو واپس جاؤ، تو وہ انگوٹھون کے بَل تن کر کھڑے ہوگئے کہ قد اونچا نظر آئے۔ چنانچہ ان کی یہ ترکیب چلگئی اور وہ لے لیے گئے[1]، سمرۃ ایک نوجوان، جو ان کے ہمسن تھے اُنھون نے یہ دلیل پیش کی کہ مین رافع کو لڑائی مین پچھاڑ لیتا ہون اس لیے اگر اُن کو اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہیے۔ دونون کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرۃ نے رافع کو زمین پر دے مارا، اِس بناپر ان کو اجازت مل گئی۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُحُد کو پشت پر رکھکر صف آرائی کی مصعب بن عمیر کو علم عنایت کیا زبیر بن العوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے، حضرت حمزہ کو اُس حصّہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۱۔

نہ[1] تھے، پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئین اس لیے پچاس تیراندازون کا ایک دستہ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ گو لڑائی فتح ہو جائے تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹین، عبد اللہ بن جبیر ان تیراندازون کے افسر مقرر ہوئے،

قریش کو بدر مین تجربہ ہو چکا تھا اس لیے اُنھون نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابو جہل کے فرزند تھے، سوارون کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان مین تھا، جو قریش کا مشہور رئیس تھا، تیراندازون کے دستے الگ تھے، جن کا افسر عبد اللہ بن ابی ربیعہ تھا طلحہ علمبردار تھا۔ دو سو گھوڑے کوتل رکاب مین تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئین۔

سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے خاتونانِ قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھین جن مین کشتگان بدر کا ماتم اور انتقامِ خون کے رجز تھے۔ ہند (ابوسفیان کی بیوی) آگے آگے اور چودہ عورتین ساتھ ساتھ تھین، اشعار یہ تھے،

نحنُ بناتُ طارق	ہم آسمان کے تارون کی بیٹیان ہین
نمشی علی النمارِق	ہم قالینون پر چلنے والیان ہین
ان تقبلوا نعانق	اگر تم بڑھکر لڑوگے تو ہم تمسے گلے ملین گے
او تدبروا نفارِق	اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تمسے الگ ہوجائین گے؛

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابو عامر جو مدینۂ منورہ کا ایک مقبولِ عام شخص تھا، اور مدینہ

---

[1] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۴۔

چھوڑ کر مکہ مین آباد ہوگیا تھا، ڈیڑھ سو آدمیون کے ساتھ میدان مین آیا، اسلام سے پہلے زہد اور پارسائی کی بنا پر تمام مدینہ اس کی عزت کرتا تھا چونکہ اُس کو خیال تھا کہ انصار جب اُس کو دیکھین گے، تو رسول اللہ صلعم کا ساتھ چھوڑ دین گے، میدان مین آکر پکارا "مجھکو پہچانتے ہو؟ مین ابو عامر ہون" انصار نے کہا "ہان او بدکار! ہم تجھکو پہچانتے ہین۔ خدا تیری آرزو بر نہ لائے"

قریش کا علمبردار طلحہ صف سے نکلکر پکارا، کیون مسلمانو! تم مین کوئی ہے؟ کہ یا مجھکو جلد دوزخ مین پہنچا دے یا خود میرے ہاتون بہشت مین پہنچ جائے[1]" علی مرتضیٰ نے صف سے نکلکر کہا "مین ہون" یہ کہکر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی، طلحہ کے بعد اُس کے بیٹے عثمان نے جسکے پیچھے پیچھے عورتین اشعار پڑھتی آتی تھین علم ہات مین لیا اور رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا،

اِنَّ عَلٰی اَھْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا	علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون مین رنگ
اَنْ نَخْضِبَ الصَّعْدَةَ اَوْتَنْدَقَّا	دے یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے۔

حضرت حمزہ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اُتر آئی، ساتھ ہی اُنکی زبان سے نکلا کہ "مین ساقیِ حُجّاج کا بیٹا ہون"

اب عام جنگ شروع ہوگئی، حضرت حمزہ، حضرت علی، ابو دجانہ، فوجون کے دل مین گھسے اور صفین کی صفین صاف کردین، ابو دجانہ عرب کے مشہور پہلوان تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دستِ مبارک مین تلوار لیکر فرمایا "کون اس کا حق ادا کرتا ہے؟" اس سعادت کے لیے دفعتًہ بہت سے ہاتھ بڑھے۔ لیکن یہ فخر ابو دجانہ کے نصیب مین تھا۔ اس غیر متوقع عزت نے ان کو مغرور کردیا، سر پر سُرخ

---

[1] یہ اس بات پر طنز تھا کہ مسلمان ایسا سمجھتے ہین۔

رومال باندھا اور اکڑتے تنتے ہوئے فوج سے نکلے، آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہی لیکن اسوقت پسند ہے"، ابو دجانہ فوجون کو چیرتے لاشون پر لاشے گراتے بڑھتے چلے جاتے تھے یہانتک کہ ہند سامنے آگئی، اُس کے سر پر تلوار رکھکر اُٹھالی کہ رسول اللہ صلعم کی تلوار اس قابل نہین کہ عورت پر آزمائی جائے،

حضرت حمزہ دودستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفین کی صفین صاف ہوجاتی تھین۔ اسی حالت مین سباع غبشانی سامنے آگیا۔ پکارے کہ "او ختّانۃ النساء کے بچے! کہان جاتا ہے" یہ کہکر تلوار ماری وہ خاک پر ڈھیر تھا،

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا، اور جس سے جبیر بن مطعم اُس کے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہ کو قتل کردے تو آزاد کردیا جائے گا، وہ حضرت حمزہ کی تاک مین تھا حضرت حمزہ برابر آئے تو اُسنے چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہین اور جو حبشیون کا خاص ہتھیار ہے پھینک کر مارا، جو ناف مین لگا اور پار ہوگیا حضرت حمزہ نے اُسپر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کرگئی[1]

کفار کے علمبردار لڑلڑکر قتل ہوجاتے تھے تاہم علم گرنے نہین پاتا تھا، ایک کے گرنے سے پہلے دوسرا جانباز بڑھکر علم کو ہات مین لے لیتا تھا، ایک شخص نے جس کا نام صواب تھا جب علم ہات مین لیا تو کسی نے بڑھکر اس زور سے تلوار ماری کہ دونون ہاتھ ساتھ کٹکر گر پڑے۔ لیکن وہ قومی علم کو اپنی آنکھون سے خاک پر نہین دیکھ سکتا تھا، علم کے گرنے کے ساتھ سینہ کے بل زمین پر گرا، اور علم کو سینہ سے دبالیا۔ اسی حالت مین یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ "مین نے اپنا فرض ادا کردیا"[2] علم دیر تک خاک

---

[1] صحیح بخاری باب قتل حمزہ۔ صفحہ ۵۸۳ [2] ابن ہشام و طبری

پڑا رہا آخر ایک بہادر خاتون (عمرۃ بن علقمہ) دلیرانہ بڑھی اور عَلَم کو ہات مین لیکر بلند کیا، یہ دیکھکر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اُکھڑے ہوئے پانون پھر جم گئے۔

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا، لیکن اسکے صاحبزادے حضرت حنظلہ اسلام لاچکے تھے اُنھون نے آنحضرت صلعم سے باپ کے مقابلہ مین لڑنے کی اجازت مانگی لیکن رحمتِ عالم نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اُٹھائے، حنظلہ نے کفار کے سپہ سالار (ابوسفیان) پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ اُن کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کردے دفعتہً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹکر اُن کے وار کو روکا اور اُن کو شہید کردیا، تاہم لڑائی کا پلّہ مسلمانون ہی کی طرف بھاری تھا، علمبردارون کے قتل اور حضرت علی اور ابودجانہ کے بے پناہ حملون سے فوج کے پانون اُکھڑ گئے، بہادر نازنینین جو رجز سے دلون کو اُبھار رہی تھین بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹین اور مطلع صاف ہوگیا۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانون نے لوٹ شروع کردی۔ یہ دیکھکر تیرانداز جو پشت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے،

عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا لیکن وہ رک نہ سکے[1]، تیراندازون کی جگہ خالی دیکھکر خالد نے عقب سے حملہ کیا۔ عبداللہ بن جبیر چند جانبازون کے ساتھ جمکر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہوئے اب راستہ صاف تھا، خالد نے سوار دستہ کیساتھ نہایت بےجگری سے حملہ کیا۔ لوگ لوٹنے مین مصروف تھے، مڑکر دیکھا تو تلوارین برس رہی ہین۔ بدحواسی مین دونون فوجین اس طرح باہم ملگئین کہ خود مسلمان مسلمانون کے ہات سے مارے گئے۔ مصعب بن عمیر جو آنحضرت صلعم سے صورت مین مشابہ اور عَلَم بردار تھے۔ ابن قمیہ نے اُن کو شہید کردیا اور غل مچگیا کہ آنحضرت صلعم نے شہادت پائی

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ اُحُد صفحہ ۵۷۹۔

اس آوازسے عام بدحواسی چھاگئی، بڑے بڑے دلیرون کے پانون اُکھڑ گئے، بدحواسی مین اگلی صفین پچھلی صفون پر ٹوٹ پڑین اور دوست دشمن کی تمیز نرہی۔ حضرت حذیفہ کے والد (یمان) اِس کشمکش مین آگئے اور اُن پر تلوارین برس پڑین۔ حضرت حذیفہ چلّاتے رہے کہ میرے باپ ہین لیکن کون سنتا تھا، غرض وہ شہید ہوگئے، اور حضرت حذیفہ نے ایثار کے لہجہ مین کہا "مسلمانو! خدا تم کو بخش دیگا"۔ رسول اللہ صلعم نے مڑکر دیکھا تو صرف گیارہ جان نثار پہلو مین ہین جنمین جناب علی مرتضیٰ۔ حضرت ابوبکر۔ حضرت سعد وقاص۔ زبیر بن العوام۔ ابودجانہ۔ طلحہ کا نام بتخصیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری مین یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ صرف طلحہ اور سعد رہ گئے تھے۔[1]

اِس ہلچل اور اضطراب مین اکثرون نے تو بالکل ہمت ہار دی لیکن جانبازون کا بھی زور نہین چلتا تھا، جو جہان تھا وہین گھر کر رہ گیا تھا۔ آنحضرت صلعم کی کسی کو خبر نہ تھی۔ حضرت علی تلوار چلاتے اور دشمنون کی صفین اُلٹتے جاتے تھے۔ لیکن کعبۂ مقصود (رسول اللہ صلعم) کا پتہ نہ تھا۔ حضرت انس کے چچا ابن نضر لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے۔ دیکھا تو حضرت عمر[2] نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیا ہے، پوچھا یہان کیا کرتے ہو؟ بولے اب لڑ کر کیا کرین! رسول اللہ صلعم نے تو شہادت پائی۔" ابن نضر نے کہا "اُن کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کرین گے" یہ کہکر فوج مین گھس گئے اور لڑکر شہادت پائی۔ لڑائی کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی تو اسّی سے زیادہ تیر۔ تلوار، اور نیزہ کے زخم تھے کوئی شخص پہچان تک نہ سکا، انکی بہن نے اُنگلی دیکھکر پہچانا۔[3]

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ اُحد صفحہ ۵۸۱۔ [2] یہ عام ارباب سیر کی روایت ہے صحیح بخاری مین یہ واقعہ مذکور ہے لیکن حضرت عمر کا نام نہین۔ ([3] صحیح بخاری غزوۂ احد صفحہ ۵۷۸ و صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۸۔ باب ثبوت الجنۃ للشہید۔)

جان نثاران خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہین سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ڈھونڈھتی تھین۔ سب سے پہلے کعب بن مالک کی نظر پڑی، چہرۂ مبارک پر مغفر تھا لیکن آنکھین نظر آتی تھین۔ کعب نے پہچان کر پکارا "مسلمانو! رسول اللہ صلعم یہ ہین" یہ سن کر ہر طرف سے جان نثار ٹوٹ پڑے، کفار نے اب ہر طرف سے ہٹکر اسی رخ پر زور دیا۔ دل کا دل ہجوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹکر رہ جاتا تھا۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا تو آنحضرت صلعم نے فرمایا "کون مجھپر جان دیتا ہے؟" زیاد بن سکن پانچ انصاری لیکر اس خدمت کے ادا کرنے کے لیے بڑھے، اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑکر جانین فدا کر دین[1] زیاد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ ان کا لاشہ قریب لاؤ، لوگ اٹھا کر لائے، کچھ کچھ جان باقی تھی، قدمونپر منھ رکھدیا، اور اسی حالت مین جان دی۔

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہان نیاز مندے — کہ بوقتِ جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

(ایک بہادر مسلمان اس عالم مین بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجورین کھا رہا تھا، اُس نے بڑھکر پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر مین مارا گیا تو کہان ہونگا" آپ نے فرمایا "جنت مین" اس بشارت سے بیخود ہوکر وہ اسطرح کفار پر ٹوٹ پڑا کہ مارا گیا[2]۔)

عبد اللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا صفون کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت صلعم کے قریب آگیا اور چہرۂ مبارک پر تلوار ماری اس کے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیان چہرۂ مبارک مین چبھکر رہ گئین چارون طرف سے تلوارین اور تیر برس رہے تھے یہ دیکھکر جان نثارون نے آپکو دائرہ مین لے لیا ابودجانہ جھک

[1] صحیح مسلم غزوۂ اُحد مین ہے کہ سات انصاری تھے اور ساتون نے باری باری اپنی جانین فدا کین۔ [2] بخاری غزوۂ اُحد صفحہ ۵۷۹

سپر بنگئے اب جو تیر آتے تھے انکی پیٹھ پر آتے تھے، طلحہ نے تلوارون کو ہات پر روکا۔ ایک ہات کٹ کر گر پڑا، بے درد رحمتِ عالم پر تیر برسا رہے تھے۔ اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔[1]

رَبِّ اغفر قومی فانھم لا یعلمون — اے خدا! میری قوم کو بخشدے وہ جانتے نہین۔

ابو طلحہ جو حضرت انس کے علاتی باپ تھے، مشہور قدر انداز تھے اُنھون نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانین اُنکے ہات مین ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئین، اُنھون نے سپر سے آنحضرت صلعم کے چہرہ پر اوٹ کر لیا تھا کہ آپ پر کوئی وار نہ آنے پائے، آپ کبھی گردن اُٹھا کر دشمنون کی فوج کی طرف دیکھتے تو عرض کرتے کہ آپ گردن نہ اُٹھائین ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے، یہ میرا سینہ سامنے ہے،[2] حضرت سعد وقاص بھی مشہور تیر انداز تھے، اور اس وقت آپ کے رکاب مین حاضر تھے، آنحضرت صلعم نے اپنا ترکش اُنکے آگے ڈال دیا، اور فرمایا "تم پر میرے مان باپ قربان، تیر مارتے جاؤ"[3]

اسی حالت مین آپ کی زبان سے عبرت کے لہجہ مین یہ لفظ نکلا "وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہو" بارگاہِ خداوندی مین یہ الفاظ پسند نہ آئے اور یہ آیت اُتری۔

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ — تم کو اس معاملہ مین کچھ اختیار نہین،

چنانچہ صحیح بخاری غزوۂ احد مین یہ واقعہ مذکور ہے۔

رسول اللہ صلعم ثابت قدمون کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ کہ دشمن ادھر نہین آسکتے تھے، ابوسفیان نے دیکھ لیا، فوج لیکر پہاڑی پر چڑھا لیکن حضرت عمر اور چند صحابہ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔[4]

[1] صحیح مسلم غزوۂ احد [2] صحیح بخاری غزوۂ اُحُد صفحہ ۵۸۱ [3] صحیح بخاری غزوۂ احد صفحہ ۵۸۰ [4] طبری صفحہ ۱۴۱۰ و ۱۴۱۱

آپ کی وفات کی خبر مدینہ مین پہنچی تو اخلاص شعار نہایت بے تابی کے ساتھ دوڑے۔ جناب فاطمۂ زہرا نے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری ہے۔ حضرت علی سپر مین بھر کر پانی لائے، جناب سیدہ دھوتی تھین لیکن خون نہین تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا، اور زخم پر رکھدیا خون فوراً تھم گیا[1]۔

ابوسفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھکر پکارا کہ "یہان محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہین؟" آپ نے حکم دیا کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لیکر پکارا، اور جب کچھ آواز نہ آئی تو پکار کر بولا سب مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہوسکا، بول اُٹھے "او دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہین"۔

ابوسفیان نے کہا

اُعلُ ھُبَل[2] — اے ہبل تو اونچا رہ۔

صحابہ نے آنحضرت صلعم کے حکم سے کہا

اَللہُ اَعلیٰ وَاَجلّ — خدا اونچا اور بڑا ہے۔

ابوسفیان نے کہا

لَنَا العُزّیٰ[3] وَلَا عُزّیٰ لَکُم — ہمارے پاس عزیٰ ہے تمہارے پاس نہین۔

صحابہ نے کہا

اَللہُ مَولَانَا وَلَا مَولیٰ لَکُم — خدا ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہین۔

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ احد، [2] بت کا نام۔ [3] بت کا نام ہے لفظی معنی عزت کے ہین۔

ابوسفیان نے کہا "آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے، فوج کے لوگون نے مُردون کے ناک کان کاٹ لیے ہین۔ مین نے یہ حکم نہین دیا تھا لیکن مجھکو معلوم ہوا تو کچھ رنج بھی نہین ہوا"[1]

آنحضرت صلعم نے مستورات اور بچون کو یمان اور ثابت کی حفاظت مین مدینہ کے پاس کے قلعون مین بھیجدیا تھا، اِن لوگون کو شکست کی خبر معلوم ہوئی تو سب کو چھوڑکر اُحد کی طرف بڑھے ثابت مشرکون کے ہاتھ سے مارے گئے، یمان کو مسلمان ہجوم عام مین پہچان نہ سکے، اُن پر تلوارین برس پڑین انکے صاحبزادے حذیفہ نے ہرچند "ہان ہان" کہا اور بچیخا یا کہ "میرے باپ ہین" لیکن ہنگامہ مین کون سنتا تھا۔ حذیفہ یہ کہکر رہ گئے کہ "مسلمانو! خداتمہارے اس گناہ کو بخشدے" آنحضرت صلعم سے یمان کا خونبہا مسلمانون کی طرف سے اداکرنا چاہا لیکن حذیفہ نے معاف کردیا۔ ابن ہشام مین یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے۔ صحیح بخاری مین بھی ہے لیکن مختصر ہے۔

خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش مین مسلمانون کی لاشون سے بھی بدلہ لیا۔ انکے ناک کان کاٹ لیے۔ ہند (امیرمعاویہ کی مان) نے ان پھولون کا ہار بنایا۔ اور اپنے گلے مین ڈالا حضرت حمزہ کی لاش پر گئی اور انکا پیٹ چاک کرکے کلیجہ نکلا، اور چبا گئی۔ لیکن گلے سے اتر نہ سکا، اس لیے اُگل دینا پڑا۔ تاریخون مین ہند کا لقب جوجگرخوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔ ہند فتح مکہ مین ایمان لائی لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے تفصیل آگے آے گی۔

اس غزوہ مین اکثر خاتونانِ اسلام نے بھی شرکت کی۔ حضرت عائشہ اور ام سُلیم جو حضرت انس کی مان تھین زخمیون کو پانی پلاتی تھین صحیح بخاری مین حضرت انس سے منقول ہے کہ مین نے عایشہ

---

[1] یہ تمام تفصیل بخاری غزوۂ اُحُد کے ذکر مین ہے۔

اور ام سلیم کو دیکھا کہ پائنچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھین اور زخمیون کو پانی پلاتی تھین۔ مشک خالی ہو جاتی تھی تو جا کر بھر لاتی تھین[1]" ایک اور روایت مین ہے کہ ام سلیط نے بھی جو حضرت ابو سعید خدری کی مان تھین یہی خدمت انجام دی[2]

عین اسوقت جبکہ کافرون نے عام حملہ کر دیا تھا، اور آپ کے ساتھ صرف چند جان نثار رہ گئے تھے، اُمّ عمارۃ آنحضرت صلعم کے پاس پہونچین اور اپنا سینہ سپر کر دیا۔ کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھین۔ ابن قمیہ جب دُرّاتا ہوا آنحضرت صلعم کے پاس پہنچ گیا تو ام عمارۃ نے بڑھکر روکا، چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا، انھون نے بھی تلوار ماری۔ لیکن وہ دُھری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لیے کارگر نہ ہوئی[3]۔

حضرت صفیہ (حضرت حمزہ کی بہن) شکست کی خبر سنکر مدینہ سے نکلین، آنحضرت صلعم نے انکے صاحبزادے زبیر کو بلا کر ارشاد کیا کہ حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائین۔ زبیر نے آنحضرت صلعم کا پیغام سنایا۔ بولین کہ مین اپنے بھائی کا ماجرا سُن چکی ہون لیکن خدا کی راہ مین یہ کوئی بڑی قربانی نہین۔ آنحضرت صلعم نے اجازت دی، لاش پر گئین۔ خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہوئے تھے لیکن اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہکر چپ ہو رہین اور مغفرت کی دعا مانگی[4]۔

انصار مین سے ایک عفیفہ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ مین مارے گئے تھے باری باری تین سخت حادثون کی صدا اُس کے کانون مین پڑتی جاتی تھی لیکن وہ ہر بار صرف یہ پوچھتی تھی کہ رسول اللہ صلعم کیسے ہین؟ لوگون نے کہا بخیر ہین، اُس نے پاس آکر چہرۂ مبارک دیکھا اور

---

[1] (صفحہ ۵۸۱ کتاب المغازی غزوۂ اُحد) [2] صحیح بخاری صفحہ ۴۰۳ ذکر ام سلیط۔ [3] ابن ہشام صفحہ ۸۴۰۔ [4] طبری۔

بے اختیار پکار اٹھی[۱]

کُلُّ مُصِیبَۃٍ بَعدَکَ جَلَلٌ — ترے ہوتے سب مصیبتین ہیچ ہین۔

مین بھی، اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا — اے شہِ دین ترے ہوتے ہوے کیا چیز ہین ہم

(مسلمانون کی طرف ستر آدمی مارے گئے، جن مین زیادہ تر انصار تھے لیکن مسلمانون کے افلاس کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہدا کی پردہ پوشی ہوسکتی۔ مصعب بن عمیر ایک صحابی تھے کہ انکا پانون چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پانون کھل جاتا، آخر پانون اذخر کی گھاس سے چھپادئیے گئے۔ یہ وہ حیرت انگیز منظر تھا کہ بعد کو بھی یہ واقعہ مسلمانون کو یاد آجاتا تو آنکھین تر ہوجاتین شہدا بے غسل اسی طرح خون مین لتھڑے ہوئے دو دو ملاکر ایک ایک قبر مین دفن کئے گئے جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اُس کو مقدم کیا جاتا۔ ان شہدا پر نماز جنازہ بھی اُسوقت نہین پڑھی گئی۔ آٹھ برس کے بعد وفات سے ایک دو برس پہلے جب آپ ادھر سے گذرے تو بے اختیار آپ پر رقت طاری ہوئی اور اسطرح آپ نے پُر درد کلمات فرماے جیسے کوئی زندون اور مردون سے رخصت ہورہا ہو، اور اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا کہ "مسلمانو! تم سے یہ خوف نہین کہ پھر مشرک بنجاؤ گے۔ لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا مین نہ پھنس جاؤ"[۲]

دونون فوجین جب میدان سے الگ ہوئین تو مسلمان زخم سے چور تھے تاہم یہ خیال کرکے کہ ابوسفیان مسلمانون کو مغلوب سمجھکر دوبارہ حملہ آور نہو۔ آپ نے مسلمانون کی طرف رُوے خطاب کرکے فرمایا کہ کون اُن کا تعاقب کرے گا۔ فوراً ستر آدمیون کی ایک جماعت اِس مہم کے لیے طیار ہوگئی جنمین حضرت ابوبکر و زبیر بھی داخل[۳] تھے۔)

---

[۱] طبری ۱۴۲۵۔ [۲] یہ تمام واقعات صحیح بخاری غزوۂ احد کے متفرق ابواب مین ہین [۳] صحیح بخاری صفحہ ۵۸۴۔

ابوسفیان، اُحد سے روانہ ہوکر جب مقام روحا پہنچا، یہان خیال آیا کہ کام ناتمام رہگیا
آنحضرت صلعم کو پہلے ہی سے گمان تھا۔ دوسرے ہی دن آپ نے اعلان کرادیا کہ کوئی واپس
نہ جائے، چنانچہ **حمرا**ءالاسد تک جو **مدینہ** سے ۸ میل ہی تشریف لے گئے۔ قبیلۂ **خزاعۃ** اس وقت
تک ایمان نہین لایا تھا لیکن درپردہ اسلام کا طرفدار تھا، اس کا رئیس معبد خزاعی، شکست
کی خبر سنکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوا، اور واپس جاکر ابوسفیان سے ملا۔ ابوسفیان نے
اپنا ارادہ ظاہر کیا، **معبد** نے کہا "مین دیکھتا آتا ہون **محمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سروسامان سے آرہے
ہین کہ اُن کا مقابلہ ناممکن ہے" غرض ابوسفیان واپس گیا[1] یہی واقعہ ہے جسکو مورخین نے تکثیر غزوات
کے شوق مین ایک نیا غزوہ بنالیا ہے، اور حمراءالاسد کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا، آپ جس
طرف سے گزرتے تھے گھرون سے ماتم کی آوازین آتی تھین، آپ کو غیرت ہوئی کہ سب کے
عزیز واقارب ماتم داری کا فرض اداکررہے ہین لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خوان نہین ہے۔ رقّت
کے جوش مین آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا،

أَمَّا حَمْزَةُ فَلَا بَوَاكِيَ لَهُ — لیکن حمزۃ کا کوئی رونے والا نہین۔

انصار نے یہ الفاظ سُنے تو تڑپ اُٹھے، سب نے جاکر اپنی بیویون کو حکم دیا کہ دولتکدہ
پر جاکر حضرت حمزہ کا ماتم کرو، آنحضرت صلعم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ تھی اور حمزہؓ کا ماتم
بلند تھا، انکے حق مین دعائے خیر کی اور فرمایا مین تمہاری ہمدردی کا شکرگزار ہون، لیکن مُردون پر

[1] طبری صفحہ ۱۴۳۸-۱۴۳۹-

پر نوحہ کرنا جائز نہین۔ عرب مین دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایام مین عورتین اپنے مقتول عزیزونکا ماتم کرتی تھین۔ اس واقعہ کے بعد سے مدتون تک معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حضرت حمزہ سے شروع کی جاتی تھی۔ اور یہ پابندی رسم نہ تھی بلکہ حضرت حمزہ کی حقیقی محبت تھی۔

(قرآن مجید مین سورۂ آل عمران مین غزوۂ اُحُد کا مفصل ذکر موجود ہے)

واقعات متفرقہ ۳ھ | اِس سال یعنی ۳ھ حضرت **امام حسنؑ** علیہ السلام کی ولادت ہوئی، رمضان کی پندرھوین تاریخ تھی۔ اسی سال آنحضرت صلعم نے حضرت حفصہ سے جو حضرت عمر کی صاحبزادی تھین اور غزوہ بدر کے زمانہ مین بیوہ ہوگئین تھین نکاح کیا۔ اسی سال حضرت عثمان نے آنحضرت صلعم کی صاحبزادی ام کلثوم سے شادی کی،

(وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا۔ اب تک وراثت مین ذوی الارحام کا کوئی حِصّہ نہ تھا، انکے حقوق کی بھی تفصیل کی گئی۔ مشرکہ کا نکاح مسلمان سے اب تک جائز تھا۔ اس سال اس کی بھی تحریم نازل ہوئی۔)

* * *

۴ھ
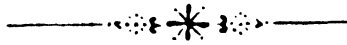
سلسلۂ غزوات و سرایا

تمام قبائل عرب، بجز ایک دو کے، اسلام کے دشمن تھے، دشمنی زیادہ تر اس بنا پر تھی کہ ہر قبیلہ بت پرستی کو اپنا دین و آئین سمجھتا تھا، اسلام اسی کو مٹاتا تھا، اس کے ساتھ قریش کا اثر تمام عرب پر تھا، حج کے زمانہ مین تمام قبائل مکہ مین جمع ہوتے تھے اور قریش ان کو اسلام کی دشمنی پر برانگیختہ کرتے تھے، ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ تمام قبائل کی وجہ معاش لوٹ اور غارت گری تھی۔ اور اسلام اس کو نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی روکتا تھا اس لیے وہ جانتے تھے کہ اسلام اگر قائم ہو گیا تو ہمارے ذرائع معاش بند ہو جائین گے، تاہم بدر کی فتح نے ایک عام رعب بٹھا دیا تھا جسکی وجہ سے تمام قبیلے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے، لیکن اُحُد کی شکست نے حالت بدل دی اور دوبارہ تمام قبائل دفعتہً اُٹھ کھڑے ہوئے، سیرت نبوی مین سرایا (چھوٹی چھوٹی لڑائیان) کا جو ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے اسی زنجیر کی کڑیان ہین۔ عام مورخون نے اگرچہ اپنی عادت کے موافق ان لڑائیون کے ذکر مین ان کے اسباب سے بحث نہین کی لیکن ابن سعد نے طبقات مین، اور اور ائمۂ فن نے قریباً ہر واقعہ کا سبب لکھدیا ہے یعنی کسی خاص قبیلہ نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا

[1] غزوہ اور سریہ مین جو فرق ہے اسکی نسبت علمائے سیرت مختلف الرائے ہین۔ زیادہ مقبول یہ راے ہے کہ جس واقعہ مین آنحضرت صلعم خود شریک ہوئے وہ غزوہ کے نام سے موسوم ہے اور جس مین صحابہ افسر مقرر کرکے بھیجدیے جاتے تھے وہ سریہ کہلاتا تھا۔

اور آنحضرت صلعم نے مدافعت کے لیے فوجین بھیجین۔

سریۂ ابی سلمۃ

سب سے پہلے محرم ۴ھ مین طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو فید کے کوہستانی علاقہ قطن مین رہتا تھا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو آپ نے ابوسلمۃ کو ایکسو پچاس مہاجرین اور انصار کے ساتھ اُس طرف روانہ کیا۔ یہ خبر سنکر ان کی جماعت منتشر ہوگئی۔[1]

سریۂ ابن انیس

اس کے بعد محرم ۴ھ مین سفیان بن خالد جو قبیلہ لحیان کا تھا اور جو کوہستان عرنۃ کا رئیس تھا مدینہ پر حملہ کا قصد کیا،[2] اس کے مقابلہ کے لیے آپ نے عبداللہ بن انیس کو بھیجا جنھون نے لطائف الحیل سے موقع حاصل کیا اور سفیان کو قتل کردیا،

صفر ۴ھ مین ابوبراء کلابی جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا، آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوا۔ اور درخواست کی کہ چند لوگون کو میرے ساتھ کر دیجیے کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دین، آپ نے فرمایا "مجکو نجد کی طرف سے ڈر ہے"[3] ابوبراء نے کہا "ان کا مین ضامن ہون" آپ نے منظور فرمایا اور ستر انصار ساتھ کردیے، یہ لوگ نہایت مقدس اور درویش تھے اور اکثر اصحابِ صُفّہ مین سے تھے، ان کا معمول تھا کہ دن بھر لکڑیان چنتے شام کو فروخت کرکے کچھ اصحاب صُفّہ کے نذر کرتے، کچھ اپنے لیے رکھتے۔

---

[1] ابن سعد صفحہ ۳۵۔ اصل عبارت یہ ہے بلغ رسولَ اللهُ انّ طلحة وسلمة ابنا خویلد قد سارا فی قومهما ومن اطاعهما یدعوهم الی حرب رسول الله۔ (صلے اللہ علیہ وسلم) [2] طبقات ابن سعد صفحہ ۳۵۔ اصل عبارت یہ ہے و ذلک انه بلغ رسول الله ان سفین بن خالد الهذلی.... قد جمع الجموع لرسول اللہ صلعم، [3] (اور یہ کچھ بیجا بھی نہ تھا عامر بن طفیل جو ان اطراف کا رئیس تھا اُس نے آنحضرت صلعم سے کہا تھا کہ "میرے تمہارے درمیان تین باتین ہین۔ بادیہ کے مالک تم ہو۔ اور شہرون کا مین ہون، یا اپنے بعد مجکو اپنا جانشین بناؤ۔ ورنہ غطفان کو لیکر مین چڑھ آؤنگا" آنحضرت صلعم نے منظور نہین فرمایا تھا اس لیے اسکی طرف سے ڈر تھا۔ (صحیح بخاری غزوۃ الرجیع ورعل و ذکوان)

بیرمعونہ

اِن لوگون نے بیرمعونہ پہنچکر قیام کیا، اور حرام بن ملحان کو آنحضرت صلعم کا خط دیکر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا جو قبیلہ کا رئیس تھا، عامر نے حرام کو قتل کردیا اور آس پاس کے جو قبائل تھے یعنی عصیتہ، رعل، ذکوان، سب کے پاس آدمی دوڑا دیے کہ طیار ہوکر آئین۔ ایک بڑا لشکر طیار ہوگیا اور عامر کی سرداری مین آگے بڑھا صحابہ حرام کی واپسی کے منتظر تھے۔ جب دیر لگی تو خود روانہ ہوئے، راستہ مین عامر کی فوج کا سامنا ہوا۔ کفار نے ان کو گھیر لیا۔ اور سب کو قتل کردیا صرف عمرو امیّہ کو عامر نے یہ کہکر چھوڑ دیا کہ "میری مان نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی مین تجھکو آزاد کرتا ہون"۔ یہ کہکر اُن کی چوٹی کاٹی اور چھوڑ دیا۔ آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی نہین ہوا۔ مہینہ بھر نماز فجر مین ان ظالمون کے حق مین بددعا کی۔ عمرو اُمیّہ نے جو دو آدمیون کو قتل کردیا تھا اس پر آپ نے ناراضی ظاہر فرمائی اور دونون کا خونبہا اُنکے قبیلہ مین بھیجدیا۔

واقعۂ رجیع

انہی دنون عضل اور قارۃ جو دو مشہور قبیلے ہین ان کے چند آدمی آنحضرت صلعم کے پاس آئے کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ چند لوگون کو ہمارے ہان بھیجیے کہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائین۔ آپ نے دس شخص ساتھ کردیے جن کے سردار عاصم بن ثابت تھے۔ یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہونچے جو عسفان اور مکہ کے وسط مین ہے، تو ان غدّارون نے بدعہدی کی اور قبیلۂ بنو لحیان کو اشارہ کیا کہ ان کا کام تمام کردین۔ بنو لحیان دو سَو آدمی لیکر جن مین ایک سو تیرانداز تھے، ان لوگونکے تعاقب مین چلے، اور ان کے قریب آگئے۔ ان لوگون نے بڑھکر ایک ٹیکرے پر پناہ لی تیراندازون نے ان سے کہا کہ "اُترآؤ ہم تمکو امن دیتے ہین"۔ عاصم نے کہا "مین کافر کی پناہ مین نہین آتا"۔ یہ کہکر

خدا سے خطاب کیا کہ اپنے پیغمبر کو خبر پہنچا دے" غرض وہ مع سات آدمیوں کے لڑکر تیر اندازون کے ہاتھ سے شہید ہوئے (قریش نے چند آدمیون کو بھیجا کہ عاصم کے بدن سے گوشت کا ایک لوتھڑا کاٹ لائین کہ انکی شناخت ہو، قدرت خداوندی نے شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی شہد کی مکھیون نے لاش پر پرا ڈالدیا قریش ناکام پھر گئے۔) لیکن دو شخصون نے جن کے نام خبیب اور زید تھے، کافرون کے وعدہ پر اعتماد کیا اور ٹیکرے سے اُتر آئے، کافرون نے بدعہدی کرکے انکی مشکین کس لین۔ اور مکہ مین لیجا کر بیچڈالا، **خبیبؓ** نے جنگ اُحد مین حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ اس لیے ان کو حارث کے لڑکون نے خریدا کہ باپ کے بدلہ مین قتل کرین گے۔ چند روز انہی کے گھر مین رہے۔ ایک دن حارث کی نواسی کو کھلا رہے تھے اتفاق سے ہات مین چھُری[1] تھی، بچی کی مان اتفاقاً کہین سے آگئی، دیکھا کہ **خبیبؓ** کے ہات مین ننگی چھُری ہے، کانپ اُٹھی، خبیب نے کہا کیا تو یہ سمجھی کہ مین اس کو قتل کردون گا؟ ہمارا یہ کام نہین" خاندان حارث ان کو حرم کے حدود سے باہر لیگیا، اور قتل کرنا چاہا، انھون نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی، قاتلون نے اجازت دی، اُنھون نے دو رکعت نماز پڑھکر کہا "دیر تک نماز پڑھنے کو جی چاہتا تھا لیکن تمکو خیال ہوگا کہ موت سے ڈرتا ہون" پھر یہ اشعار پڑھے:

و ما ان ابالی حین اقتل مسلما	جب مین اسلام کے لیے قتل کیا جا رہا ہون
علی ای شق کان للہ مصرعی	تو مجکو اسکی پرواہ نہین کہ کس پہلو پر قتل کیا جاؤنگا،
و ذلک فی ذات الالٰہ وان یشأ	یہ جو کچھ ہے خالصاً خدا کے لیے ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو

[1] (صحیح بخاری مین استرہ لکھا ہے۔)

یبارک علی اوصال شلو ممزع جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑون پر برکت نازل کریگا۔

اسی زمانہ سے دستور ہی کہ کسی کو قتل کرتے ہین تو مقتول پہلے دو رکعت نماز ادا کرلیتا ہی[1]

دوسرے صاحب زید تھے، ان کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادہ سے خریدا تھا، انکے قتل کے وقت قریش کے معزز سردار تماشا دیکھنے آئے، جن مین ابوسفیان بھی تھا، جب قاتل نے تلوار ہاتھ مین لی تو ابوسفیان نے کہا "سچ کہنا اسوقت تمھارے بدلے محمد (صلعم) قتل کیے جاتے تو کیا تم اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے؟" بولے خدا کی قسم، مین تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہین رکھتا کہ رسول اللہ صلعم کے تلوون مین کانٹا چبھ جائے، صفوان کے غلام نسطاس نے اُن کی گردن مار دی۔

ان لڑائیون کا سلسلہ یہود کی لڑائیون سے ملجاتا ہے اور چونکہ یہود کے واقعات اور اُن کی سرگزشت تاریخ اسلام سے گوناگون تعلقات رکھتی ہے اِس لیے ہم انکے واقعات مستقل حیثیت سے لکھتے ہین اور اس غرض کے لیے کسی قدر ہمکو پچھلے زمانہ کی طرف واپس آنا پڑے گا۔

واقعات متفرقہ سنہ ۴ھ | اسی سال شعبان مین امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

اسی سال ازواج مطہرات مین سے حضرت زینب بنت خزیمہ نے انتقال فرمایا۔ جن سے اسی سال نکاح بھی ہوا تھا۔

اسی سال آنحضرت صلعم نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ عبرانی زبان لکھنا پڑھنا سیکھ لین

[1] طبری صفحہ ۱۴۳۳۔ وطبقات ابن سعد اشعار اور اکثر جزئیات واقعہ صحیح بخاری غزوۃ الرجیع سے لیے گئے ہین۔ نیز صحیح بخاری ہل یستاسر ومن لم یستاسر وصلی رکعتین عند القتل۔

اور فرمایا کہ مجھکو یہود پر اطمینان نہین، تاریخون مین لکھا ہے کہ حضرت زید نے صرف پندرہ دن مین عبرانی زبان سیکھ لی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ مین عبری زبان سے لوگ بہت کچھ آشنا تھے۔

اسی سال شوال مین آنحضرت صلعم نے حضرت ام سلمہ سے نکاح فرمایا۔

اسی سال یہودیون نے آپ کے سامنے ایک یہودی کا مقدمہ پیش کیا اور آپنے توراۃ کے مطابق رجم کا حکم دیا۔ (تفصیل ان واقعات کی دوسرے حصّون مین آئے گی۔)

بعض مورخون کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا لیکن اس مین روائتین نہایت مختلف ہین۔ پوری تحقیق احکام شرعیہ کے ذکر مین آے گی۔

یہودیون کے ساتھ معاہدہ اور جنگ

سنہ ۲ھ و سنہ ۳ھ و سنہ ۴ھ

اوپر گزر چکا ہے کہ یہود، مدت دراز سے مدینہ پر فرمان روا تھے، انصار نے آکر ان کے ساتھ تعلقات پیدا کیے اور رفتہ رفتہ حریفانہ اقتدار حاصل کیا لیکن جنگ بعاث نے انکی قومی طاقت توڑدی اور اب وہ اس قابل نہین رہے تھے کہ یہود سے ہمسری کا دعویٰ کرسکتے۔

یہود کے تین قبیلے تھے، قینقاع، نضیر، قریظہ، یہ سب مدینہ کے اطراف اور حوالی مین آباد تھے، اور عموماً زمیندار، دولتمند تجارت پیشہ اور صناع تھے۔ قینقاع زرگری کا پیشہ کرتے تھے، اور چونکہ سب مین زیادہ بہادر اور شجاع تھے اسلیے ہمیشہ انکے پاس اسلحۂ جنگ کے ذخیرے مُہیّا رہتے تھے، انصار عموماً اُنکے مقروض اور زیر بار تھے، ملکی اور تجارتی افسری کے ساتھ ان لوگون کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا، انصار عموماً بت پرست اور جاہل تھے، اِس بنا پر وہ یہود کو عزت کی آنکھ سے دیکھتے، اور ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے، جن لوگون کے بچے زندہ نہین رہتے تھے، وہ منت مانتے تھے کہ ہمارا بیٹا زندہ رہے گا تو ہم اس کو یہودی بنادین گے۔ چنانچہ مدینہ مین اس قسم کے بہت سے جدید الیہودیۃ موجود تھے۔[1]

یہود مین امتداد زمانہ سے نہایت اخلاق ذمیمہ پیدا ہوگئے تھے۔ ان کے امتیازی خصائص

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب الاسیر۔

زندگی یہ تھے کہ ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا۔ اور تمام آبادی ان کے قرضون مین زیربار تھی اور چونکہ تنہا وہی صاحب دولت تھے اس لیے نہایت بیرحمی سے سود کی بڑی شرحین مقرر کرتے تھے اور قرضہ کی کفالت مین لوگون کے بال بچے یہانتک کہ مستورات کو رہن رکھواتے تھے۔ کعب اشرف نے خود اپنے انصاری دوستون سے یہی درخواست کی تھی[1]، اور مختلف طریقون سے لوگون کے مال اور جائداد پر تصرف کرتے تھے۔

طماعی اور حرص کی شدت سے یہ حالت تھی کہ معصوم بچون کو دو چار روپے کے زیور کے لیے پتھر سے مار ڈالتے تھے[2]۔ دولت کی بہتات سے زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا اور چونکہ زیادہ تر امرا اسکے مرتکب ہوتے تھے اسیلیے ان کو سزا نہیں دے سکتے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے ایک یہودی سے دریافت فرمایا کہ "کیا تمھاری شریعت مین، زنا کی سزا صرف دُرّہ مارنا ہے؟" اس نے کہا نہین بلکہ سنگسار کرنا ہے۔ لیکن ہمارے شرفا مین زنا کی کثرت ہوگئی اور جب کوئی شریف اس جرم مین پکڑا جاتا تو ہم اسکو چھوڑ دیتے تھے۔ البتہ عام آدمیون کو یہ سزا دیتے تھے۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ سنگسار کرنے کی سزا دُرّہ سے بدل دی جائے تاکہ شریف اور رذیل سب کو یکسان سزا دیجاسکے[3]

اسلام مدینہ مین آیا تو یہود کو نظر آیا کہ اب اُن کا جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار قائم نہین رہ سکتا اسلام جس قدر روز بروز مدینہ مین پھیلتا جاتا تھا اُسیقدر یہودیون کے مذہبی وقار کو جو اُن کو مدتون سے حاصل تھا، زوال ہوتا جاتا تھا، مدینہ کے مشرکین مین یہودیت جو تدریجاً پھیل رہی تھی دفعةً رک گئی نئے

---

[1] بخاری و مسلم ذکر قتل کعب اشرف۔ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۶۔ [3] اسباب النزول۔ واحدی صفحہ ۱۴۸ مصر۔ (و صحیح مسلم ذکر رجم الیہود)

نئے فتوحات کی بدولت انصار جس قدر دولت مند ہوتے جاتے تھے، یہودیون کے قرض کے شکنجون سے آزاد ہوتے جاتے تھے، یہودیون مین جو اخلاق بد عموماً پھیلے ہوئے تھے اور جنپر دولتمندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا، اب ان کا راز فاش ہونے لگا۔

آنحضرت صلعم نے اگرچہ ان سے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے جان و مال سے کچھ تعرض نہین کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہو گی لیکن منصب نبوت کی حیثیت سے، ذمائم اخلاق پر وعظ اور تذکیر آپ کا فرض نبوت تھا۔ قرآن مجید مین اُن کے اخلاق کی پردہ دری پر صاف صاف آئتین نازل ہوتی تھین۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ)	وہ جھوٹ باتون کے سننے والے، اور مال حرام کے ٹھپے کھانے والے ہین۔
وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ)	اور تو ان مین سے اکثرون کو دیکھے گا کہ گناہ اور تعدی کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہین۔
وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (نساء)	اور چونکہ یہ سود خوری کرتے ہین حالانکہ انکو سود سے منع کر دیا گیا تھا۔ اور چونکہ یہ لوگون کا مال خورد برد کر جاتے ہین۔

ان اسباب نے تمام یہود مین اسلام کی طرف سے سخت ناراضی پھیلا دی، اور اب اُنھون نے طرح طرح سے آنحضرت صلعم کو اذیتین دینی اور اسلام کے خلاف کوششین کرنی شروع کین لیکن آنحضرت صلعم کو حکم تھا کہ ان کی ہر طرح کی ایذا رسانیون کی برداشت کرین۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ	اور اہل کتاب اور مشرکون سے تم بہت سی ایذا
مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى	(کی باتین) سنو گے، اور اگر صبر کیے رہو، اور
كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ	پرہیزگاری پر قائم رہو تو یہ ہمت کے
ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۭ (آل عمران۔ رکوع ۱۹)	کام ہین۔

یہودیون نے معمول کر لیا تھا کہ آنحضرت صلعم سے سلام عَلَیْکُمْ کرتے تو بجاے السلام علیک کے السّام علیک کہتے، تھے جسکے معنی یہ ہین کہ "تجھکو موت آئے"۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ بھی موجود تھین۔ انھون نے سنا تو ان کو سخت غصہ آیا۔ اور بے اختیار ہو کر بول اُٹھین کہ "کمبختو! تمکو موت آئے"۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "نرمی سے کام لو" حضرت عائشہ نے کہا "آپ نے کچھ سنا بھی کہ اِن لوگون نے کیا کہا؟" آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہان لیکن یہ کافی ہے کہ مین نے علیک کہدیا[۱]

آنحضرت صلعم صرف مجاملت اور درگزر ہی پر اکتفا نہین فرماتے تھے اکثر معاشرت کی باتون مین یہود کے ساتھ اتفاق فرماتے، اور اُن کی مذہبی توقیر قایم رکھنا چاہتے تھے۔ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ بالون مین مانگ نکالتے تھے، بخلاف اس کے یہودی بالون کو یون ہی چھوڑ دیتے تھے آنحضرت صلعم بھی یہودیون ہی کی موافقت کرتے تھے۔ صحیح بخاری مین ہے۔

وَكَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ	اور آنحضرت صلعم اُن چیزون مین جن مین
اَهْلِ الْكِتَابِ فِيْمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيْهِ	کوئی خاص حکم الٰہی نہین ہوتا تھا۔ اہل
بِشَيْءٍ (بخاری کتاب اللباس باب الفرق)	کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔

[۱] یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب مین مذکور ہے۔

آنحضرت صلعم جب مدینہ مین تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے آپ نے بھی حکم دیا کہ لوگ عاشورہ کا روزہ رکھین[1]۔ کسی یہودی کا جنازہ گزرتا تو آپ تعظیماً کھڑے ہوجاتے[2]

ایک دفعہ ایک یہودی نے حضرت موسیٰؑ کی فضیلت اسطرح بیان کی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ آنحضرت صلعم سے بھی افضل ہین۔ اس پر ایک انصاری کو غصّہ آگیا، اُنھون نے اس کو تھپڑ مارا یہودی نے آنحضرت صلعم سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا "مجھکو اور پیغمبرون پر فضیلت نہ دو۔ قیامت کے دن لوگ بیہوش ہوجائین گے اور سب سے پہلے مجکو ہوش آئے گا۔ اس وقت مین دیکھون گا کہ موسےٰ عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہین[3]۔

احکام الٰہی جو قرآن مجید مین نازل ہو رہے تھے، سرتاپا، اہل کتاب کے ساتھ مُدارات اور معاشرت کی ترغیب مین تھے۔

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ — اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے

عموماً ان کی قدر و منزلت کا خیال دلایا جاتا تھا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ، — اے بنی اسرائیل! میری نعمتون کا خیال کرو جو مین نے تم کو دین اور یہ کہ مین نے تمکو تمام عالم پر فضیلت دی ہے۔

تبلیغ اسلام کی حیثیت سے جو کچھ اس وقت انکے سامنے پیش کیا جاتا تھا، صرف اس قدر تھا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ — کہدو کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جس کو ہم تم دونون یکسان مانتے ہین۔ وہ یہ کہ ہم

[1] بخاری جلد اول صفحہ ۲۶۲ [2] بخاری کتاب الجنائز [3] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۸ تفسیر سورۂ اعراف۔

بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ	خدا کے سوا کسی کو نہ پوجین اور اس کا کسی کو شریک بنائین
دُوْنِ اللّٰهِ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا	اور ہم مین سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسیکو اپنا رب نہ بنائے، تو
بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران۔ رکوع ۹)	اگر وہ منہ پھیر لین تو تم کہدو کہ اچھا تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہین

ان باتون مین سے ایک بھی انکے معتقدات اور مزعومات کے خلاف نہ تھی، لیکن ان تمام مہربانیون اور اظہار لطف و مدارات کا جو صلہ تھا یہ تھا کہ انھون نے ہر طرح سے اسلام کی خانہ براندازی کا عزم کرلیا۔

اسلام کی عظمت اور وقار کم کرنے کے لیے مشرکون سے کہتے تھے کہ مذہب مین مسلمانون سے تو تم ہی اچھے ہو۔

وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى	اور کافرون کی نسبت کہتے ہین کہ مسلمانون
مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، (نساء)	سے یہ زیادہ ہدایت یافتہ ہین۔

مذہب اسلام کی بے اعتباری پھیلانے کے لیے یہانتک آمادہ ہوئے کہ مسلمان ہوکر پھر مرتد ہوجائین تاکہ لوگون کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کرکے کوئی کیون چھوڑ دیتا۔

وَقَالَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا	اور اہل کتاب مین سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانون
بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ	پر جو اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے
وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔	پھر جاؤ۔ شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر
(آل عمران۔ رکوع ۸)	جائین۔

ان باتون کے علاوہ، اسلام کی بربادی کی ملکی تدبیرین اختیار کین، وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانون کو جو قوت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ انصار کے دو قبیلے "اوس" اور "خزرج" جو باہم

لڑتے بھڑتے رہتے تھے، اسلام نے ان کو باہم متحد کر دیا ہے۔ اِن دونون کو اگر پھر لڑا دیا جائے تو اسلام خود بخود فنا ہو جائے گا۔ عرب مین پچھلی کینہ آوریون کو تازہ کر دینا نہایت آسان کام تھا۔ ایک دفعہ دونون قبیلون کے بہت سے آدمی جلسہ مین بیٹھکر بات چیت کر رہے تھے، چند یہودیون نے اس صحبت مین جاکر جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑا۔ یہ وہ لڑائی تھی جس مین انصار کے یہ دونون قبیلے آپس مین لڑے تھے۔ اور اسی لڑائی نے انکی تمام قوت برباد کر دی تھی، اس لڑائی کے تذکرہ نے دونون کو پُرانے واقعے یاد دلائے اور دفعتہً عداوت کی دبی ہوئی آگ بھڑک اُٹھی، لعن وطعن سے گزر کر تلوارین کھنچ گئین، حُسنِ اتفاق سے آنحضرت صلعم کو خبر ہو گئی۔ آپ نے فوراً موقع پر پہنچکر وعظ و پند سے دونون فریق کو ٹھنڈا کیا، اسی پر یہ آیت اُتری۔[1]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا	مسلمانو! اگر تم اہلِ کتاب کے بعض لوگون کا کہا مانوگے
مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ	تو وہ تم کو ایمان لائے بعد پھر کافر بنا
إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ، (آل عمران)	دین گے

منافقین کا ایک گروہ پہلے سے موجود تھا، جو اگرچہ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن درحقیقت اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اس گروہ کا سردار عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول تھا۔ یہودیون نے اس کو نہایت آسانی سے درپردہ مِلا لیا۔ اور اُنکے ساتھ ملکر سازش شروع کی، اتفاق یہ کہ عبداللہ بن اُبَیّ پہلے سے بھی بنی نضیر کا حلیف اور ہم پیمان تھا۔

قریش نے بدر سے پہلے عبداللہ بن اُبَیّ کو لکھا تھا کہ "مسلمانون کو نکال دو، ورنہ ہم

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ للحافظ ابن حجر العسقلانی، مطبوعہ مصر جلد اصفحہ ۸۸۔

اگر تمہارا استیصال کردین گے لیکن جب اس مین کامیابی نہین ہوئی جسکی تفصیل اوپر گزر چکی ہے تو بدر کے بعد انھون نے یہود کو خط لکھا،

اِنَّکُمْ اَھْلُ الْحَلْقَۃِ وَالْحُصُوْنِ وَاِنَّکُمْ	تم لوگون کے پاس اسلحۂ جنگ اور قلعجات ہین۔
تقاتلنّ صاحبنا او لنفعلنّ کذا وکذا،	تم ہمارے حریف (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑو ورنہ ہم
وَلَا یحول بیننا وبین خدم نسآئکم	تمہارے ساتھ یہ یہ کرینگے اور کوئی چیز ہمکو تمہاری عورتون
شیٔ[1]	کے گردن تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی۔

ابوداؤد نے چونکہ بنونضیر کے ذکر مین اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اسیلیے صرف بنونضیر کا نام لیا ہے۔ ورنہ قریش کا خط عام یہود کے نام تھا اور نتیجہ بھی عام تھا۔ اسی بنا پر محدث **حاکم** نے بنونضیر اور قینقاع دونون کے واقعہ کو ایک ہی واقعہ خیال کیا ہے۔ غرض اب حالت یہ ہوگئی تھی کہ آنحضرت صلعم راتون کو گھر سے نکلتے تھے تو یہودیون کی وجہ سے جان کا خطرہ رہتا تھا۔ طلحہ بن برا ایک صحابی تھے۔ وہ مرنے لگے تو وصیت کی کہ اگر مین رات کے وقت مرون تو آنحضرت صلعم کو خبر نہ کرنا اسیلیے کہ یہود کی طرف سے ڈر ہے۔ ایسا نہو کہ میری وجہ سے آپ پر حادثہ گزر جائے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ مین ابوداؤد وغیرہ کی سند سے پورا واقعہ نقل کیا ہے[2]۔

غزوۂ بنی قینقاع
شوال سنہ ۲ھ

بدر کی فتح نے یہود کو زیادہ اندیشہ ناک کردیا۔ انکو علانیہ نظر آیا کہ اسلام اب ایک طاقت بنا جاتا ہے اور چونکہ قبائلِ یہود مین سب سے زیادہ جری اور بہادر قینقاع[3] تھے۔ اس لیے سب سے پہلے انہی نے اعلانِ جنگ کی جرأت کی۔ آنحضرت صلعم سے جو معاہدہ

---

[1] سنن ابی داؤد۔ ذکر نضیر [2] دیکھو اصابہ ترجمہ طلحہ بن برا۔ [3] طبقات ابن سعد۔

کیا تھا سب سے پہلے انہی نے اس کی عہد شکنی کی۔ ابن ہشام و طبری نے ابن اسحاق کی روایت سے عاصم بن قتادہ انصاری کی روایت نقل کی ہے۔

اِنَّ بنی قینقاع کانوا اوّل یھود نقضوا ما بینھم و بین رسول اللّٰہ، و حاربوا فیما بین بدرٍ و احدٍ	بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنھوں نے اُس معاہدہ کو جو اُن مین اور آنحضرت صلعم مین تھا توڑ ڈالا۔ اور بدر اور اُحد کے درمیانی زمانہ مین مسلمانون سے لڑائی کی۔

ابن سعد نے غزوۂ بنو قینقاع کے ذکر مین لکھا ہے۔

فلما کانت وقعۃ بدر اظھروا البغی والحسد و نبذوا العھد والمدۃ،	واقعۂ بدر مین یہودیون نے شورش اور حسد ظاہر کیا اور عہد کو توڑ دیا۔

ایک اتفاقیہ سبب پیش آگیا جس نے اِس آگ کو اور بھڑکا دیا، ایک انصاری عورت مدینہ کے بازار مین ایک یہودی کی دکان مین آئی۔ یہودیون نے اسکی بےحرمتی کی۔ ایک مسلمان یہ دیکھکر غیرت سے بیتاب ہوگیا اور اس نے یہودی کو مار ڈالا۔ یہودیون نے مسلمان کو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلعم کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو ان کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ "خدا سے ڈرو، ایسا نہو تم پر بھی بدر والون کی طرح عذاب آئے"، بولے کہ ہم قریش نہین ہین۔ ہم سے معاملہ پڑیگا تو ہم دکھا دین گے کہ لڑائی اس کا نام ہے"۔ چونکہ اُن کی طرف سے نقض عہد اور اعلانِ جنگ ہوگیا تھا۔ مجبور ہوکر آنحضرت صلعم نے لڑائی کی، وہ قلعہ بند ہوئے پندرہ دن تک محاصرہ رہا بالآخر اس پر راضی ہوئے کہ رسول اللہ صلعم جو فیصلہ کرین گے۔ اُن کو منظور ہوگا۔ عبداللہ بن اُبَیّ اُن کا حلیف تھا، اُسنے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے درخواست کی کہ وہ جلاوطن

کردیئے[1] جائین۔ غرض وہ اذرعات مین جو شام کے علاقہ مین ہے، جلا وطن کردیئے گئے۔ یہ سات سو شخص تھے جن مین تین سو زرہ پوش تھے۔ یہ شوال سنہ ۲ھ کا واقعہ ہے۔

قتل کعب بن اشرف
ربیع الاول سنہ ۳ھ

یہودیون مین **کعب بن اشرف** ایک مشہور شاعر تھا، اس کا باپ قبیلۂ طے سے تھا۔ مدینہ مین بنو نضیر کا حلیف ہوکر اُس نے اس قدر عزت اور اعتبار پیدا کیا کہ ابو رافع ابن ابی الحقیق جو یہود کا مقتدا اور تاجر الحجاز جس کا خطاب[2] تھا اسکی لڑکی سے شادی کی۔ کعب[3] اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس دوطرفہ رشتہ داری کی بنا پر **کعب** یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اس کا عام اثر تھا۔ رفتہ رفتہ دولتمندی کی وجہ سے تمام یہودیان عرب کا رئیس بنگیا۔ یہودی علما اور پیشوایان مذہب کی تنخواہین مقرر کین۔ آنحضرت صلعم جب مدینہ مین تشریف لائے۔ اور علمائے یہود اس سے ماہوارین لینے آئے تو اس نے ان لوگون سے آنحضرت صلعم کے متعلق راے دریافت کی۔ اور جب اپنا ہمخیال بنالیا تب اُن کے مقررہ روزینے جاری[4] کیے۔

اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ بدر کی لڑائی مین سرداران قریش مارے گئے تو اس کو نہایت صدمہ ہوا۔ تعزیت کے لیے **مکہ** گیا کشتگان بدر کے پُردرد مرثیے جنمین انتقام کی ترغیب تھی لوگون کو جمع کرکے نہایت درد سے پڑھتا اور روتا اور رُلاتا تھا۔ ابن ہشام نے اِن واقعات کے ساتھ

---

[1] عام ارباب سیر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم انکو قتل کردینا چاہتے تھے۔ عبداللہ بن اُبی کے اصرار سے مجبور ہوگئے لیکن سنن ابی داؤد مین جس طرح یہ واقعہ مذکور ہے اس سے اِس قیاس کی غلطی ثابت ہوتی ہے [2] صحیح بخاری باب قتل النائم المشرک۔ [3] الخمیس صفحہ ۴۶۴ [4] زرقانی بحوالہ ابن اسحاق وغیرہ۔

اشعار بھی نقل کیے ہین اگرچہ اس قسم کے اشعار اکثر مصنوعی ہین، تاہم جہانتک اُس زمانہ کی زبان معلوم ہوتی ہے ہم ایک دو شعر نقل کرتے ہین۔

طحنت رحی بدر لمھلک اھلہ	جنگ بدر کی چکی نے اہل بدر کو پیس ڈالا
ولمثل بدر تستھل وتدمع	بدر جیسے واقعات کے لیے رونا پٹینا چاہیے۔
کم قد اُصِیبَ بہ من ابیض ماجدٍ	کتنے شریف سپید و بارونق چہرے جنکے
ذی بھجۃ تأوی الیہ الضیع	یہان اہل حاجت پناہ لیتے تھے۔ مارے گئے

مدینہ مین واپس آیا تو آنحضرت صلعم کی ہجو مین اشعار کہنا، اور لوگون کو آنحضرت صلعم کے برخلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا[1]۔

عرب مین شاعری کا وہ اثر تھا جو آج یورپ مین بڑے بڑے ملکی مدبرون کی پرجوش تقریرون اور نامور اخبارات کی تحریرون کا ہوتا ہے۔ تنہا ایک شاعر قبیلہ کے قبیلہ مین شعر کے اثر سے آگ لگا دیتا تھا۔

ایک روایت مین ہے کہ مکہ مین چالیس آدمی لیکر گیا۔ وہان ابوسفیان سے ملا اور اس کو بدر کے انتقام پر برانگیختہ کیا۔ اور ابوسفیان سب کو لیکر حرم مین آیا۔ سب نے حرم کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لین گے[2]۔

---

[1] ابوداؤد مین ہے و کان کعب بن الاشرف یھجو النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویحرض علیہ کفار قریش (ابوداؤد جلد دوم باب کیف کان اخراج الیہود) ابن سعد مین ہے کان رجلا شاعرا یھجو النبیؐ واصحابہ ویحرض علیھم۔

[2] خمیس صفحہ ۱۷۵ غالباً یہ وہی پہلا واقعہ ہو۔ ابن خمیس نے اسکے متعلق مزید تفصیل بیان کی ہے۔

اس پر اکتفا نہ کر کے قصد کیا کہ چپکے سے آنحضرت صلعم کو قتل کرا دے۔ علامہ یعقوبی اپنی تاریخ مین بنو نضیر کے واقعہ مین لکھتے ہین۔

کعب بن الاشرف الیھودی	کعب بن اشرف یہودی جسنے آنحضرت صلعم کو دھوکے
الذی اراد ان یمکر برسول اللہ صلعم	سے قتل کر دینا چاہا

اِس روایت کی تائید اُس روایت سے ہوتی ہے جو حافظ بن حجر نے فتح الباری مین (ذکر کعب اشرف) مین عکرمہ کی سند سے نقل کی ہے کہ کعب نے آنحضرت صلعم کو دعوت مین بلایا اور لوگون کو متعین کر دیا کہ جب آپ تشریف لائین تو دھوکے سے آپ کو ہلاک کر دین۔ حافظ بن حجر نے گو لکھا ہے کہ اس روایت کی سند مین ضعف ہے لیکن جب قراین اور دیگر شواہد موجود ہین تو یہ ضعف رفع ہو جاتا ہے۔

فتنہ انگیزی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو آپ نے بعض صحابہ سے شکایت کی اور آپ کی مرضی سے محمد بن مسلمۃ نے بشورہ روسائے اوس جا کر اس کو ربیع الاول ۳ھ مین قتل کر دیا۔ ارباب روایت نے لکھا ہے کہ محمد بن مسلمۃ نے آپ کی خدمت مین یہ بھی عرض کیا تھا کہ "ہمکو کچھ کہنے کی اجازت دیجائے" ارباب سیر نے اِسکے معنی یہ لگائے ہین کہ انھون نے جھوٹ باتین کہنے کی اجازت مانگی اور آنحضرت صلعم نے اجازت دیدی کیونکہ اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ یعنی لڑائی مین دھوکا دینا جائز ہے۔ لیکن بخاری کی روایت مین صرف یہ لفظ ہے۔

اِئْذَنْ لنا فلنقل	ہم کو اجازت دی جائے کہ ہم گفتگو کرین

---

[1] ابن سعد مغازی صفحہ ۲۱۔

اِس سے غلط کوئی کی اجازت کہان نکلتی ہے؟ لیکن جو گفتگو ہوئی اُس سے کعب اور عموماً یہود کے اخلاق اور دلی خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ محمد بن سلمہ نے کہا "ہمنے محمد صلعم کو پناہ دیکر تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ اب اُن سے کچھ مانگتے ہین تو دیتے بھی نہین۔ اب تمھین سے کچھ رکھکر قرض لینا ہے" کعب نے کہا تم خود محمد صلعم سے اُکتا جاوٴگے۔ اچھا قرض کے لیے اپنی بیویون کو رہن رکھو۔ محمد ابن سلمہ نے کہا "تمھارے اس حسن وجمال کے سبب سے ہمکو اپنی بیویون پر وفاداری کا یقین نہین" اس نے کہا "اچھا اپنے بچون کو گرو رکھو" اُنھون نے کہا اس سے تو تمام عرب مین ہماری بدنامی ہوگی۔ ہم اپنے ہتھیار گرو رکھین گے۔ اور تم جانتے ہو آجکل ان کی جیسی ضرورت ہے")

صحیح بخاری مین جو روایت ہے اس مین قتل کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ ان لوگون نے دوستانہ طریقہ سے اس کو گھر سے باہر بلایا پھر بال سونگھنے کے بہانہ سے اسکی چوٹی پکڑلی اور قتل کر ڈالا[1] لیکن روایت مین یہ مذکور نہین کہ آنحضرت صلعم نے ان باتون کی اجازت دی تھی؛ اُس وقت تک عرب مین ان طریقون سے قتل کرنا معیوب بات نہ تھی۔ آگے چلکر نہایت مفصل طور سے ایک مستقل عنوان مین یہ بحث آئے گی کہ آنحضرت صلعم نے کس طرح تدریج کے ساتھ عرب کے ان طریقون کی اصلاح کی۔

غزوۂ بنونضیر ربیع الاول سنہ ۴ھ

عمرو امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل کر دے تھے۔ اور اُن کا خونبہا ابتک واجب الادا تھا۔ اور جس کا ایک حصہ معاہدہ کی روسے یہود بنی نضیر پر واجب الادا تھا اُس کے مطالبہ کے لیے آنحضرت صلعم بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ اُنھون نے قبول کیا۔ لیکن

---

[1] صحیح بخاری باب قتل کعب۔

درپردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالاخانہ پر چڑھکر آنحضرت صلعم پر پتھر گرادے۔ اتفاق سے اُسوقت آپ بالاخانہ کی دیوار کے سایہ مین کھڑے تھے عمرو بن حجاش ایک یہودی اس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا۔ آپ کو اُس کے ارادہ کا حال معلوم ہوگیا، اور آپ فوراً مدینہ واپس چلے آئے۔[1]

اوپر گزرچکا ہے کہ قریش نے بنونضیر کو کہلا بھیجا تھا کہ محمد (صلعم) کو قتل کردو، ورنہ ہم خود آکر تمھارا بھی استیصال کردین گے۔ بنونضیر پہلے سے اسلام کے دشمن تھے قریش کے پیغام نے انکو اور زیادہ آمادہ کیا۔ بنونضیر نے آنحضرت صلعم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ تیس آدمیون کو لیکر آئین، ہم بھی اپنے احبار لے کر آئین گے۔ آپ کا کلام سنکر اگر ہمارے احبار آپ کی تصدیق کرین گے تو ہمکو بھی کچھ عذر نہوگا چونکہ وہ بغاوت کی طیاری کرچکے تھے۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم ایک معاہدہ نہ لکھدو مین تم پر اعتماد نہین کرسکتا۔ لیکن وہ اِس پر راضی نہ ہوئے، آپ یہود بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے اور اُن سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی، انہون نے تعمیل کی۔ بنونضیر کے لیے یہ نظیر موجود تھی کہ اُن کے برادران دینی نے معاہدہ لکھدیا ہے۔ لیکن وہ کسی طرح معاہدہ کرنے پر راضی نہ ہوئے۔[2] بالآخر انھون نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین پیغام بھیجا کہ آپ تین آدمی لیکر آئین۔ ہم بھی تین عالم ساتھ لیکر آتے ہین یہ علما، اگر آپ پر ایمان لائین گے تو ہم بھی لائین گے۔ آپ نے منظور فرمایا۔ لیکن راہ مین آپ کو

---

[1] یہ روایت ابن ہشام وغیرہ مین مذکور ہے۔ زرقانی نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے جو صحیح ترین مغازی ہے۔ یہ عبارت نقل کی ہے۔ وکانوا قد دسّوا الی قریش فی قتاله صلی اللہ علیه وسلم فحضوهم علی القتال ودلوهم علی العورة (زرقانی صفحہ ۹۳ جلد ۲) یعنی ان لوگون نے قریش سے درپردہ سازش کرکے ان کو آمادۂ جنگ کیا اور انکو مخفی موقع بتلائے

[2] یہ تمام تفصیل سنن ابی داؤد مین ہے۔ تعجب ہے کہ ارباب سیرت ابوداؤد کی اس روایت سے بالکل بیخبر ہین۔

ایک صحیح ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہود تلوارین باندھ کر طیار ہین کہ جب آپ تشریف لائین تو آپ کو قتل کردین[1]۔

بنو نضیر کی سرکشی کے مختلف اسباب تھے۔ وہ نہایت مضبوط قلعون مین پناہ گزین تھے جنکا فتح کرنا آسان نہ تھا۔ اِس کے ساتھ عبداللہ بن اُبَیّ نے کہلا بھیجا تھا کہ "تم اطاعت نہ کرنا بنو قریظہ تمھارا ساتھ دین گے، اور مین دو ہزار آدمی لیکر تمھاری اعانت کو آؤن گا" قرآن مجید مین ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِہِمُ	تمنے دیکھا! منافق اپنے کافر بھائیون سے کہتے ہین کہ تم
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَہْلِ الْکِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ	نکلوگے تو ہم بھی تمھارے ساتھ نکلین گے اور ہم تمھارے
لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْکُمْ اَحَدًا اَبَدًا	باب مین کسی کا کہنا نہ مانین گے۔ اور اگر تمسے کوئی لڑا تو ہم بھی
وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّکُمْ۔ (سورۂ حشر)	تمھاری مدد کو آئین گے۔

لیکن بنو نضیر کے تمام خیالات غلط نکلے۔ بنو قریظہ نے ان کا ساتھ نہین دیا، اور منافق علانیۃً اسلام کے مقابلہ مین آنہین سکتے تھے۔

آنحضرت صلعم نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا۔ قلعہ کے گرد جو اُنکے نخلستان تھے اُنکے

---

[1] فتح الباری واقعہ غزوۂ بنو نضیر جلد سابع صفحہ ۲۵۵۔ فتح الباری مین یہ روایت ابن مردویہ سے نقل کی ہی اور لکھا ہی کہ اسکی سند صحیح ہے۔ صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنو نضیر نے آنحضرت صلعم کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا۔ بخاری مین ترجمۃ الباب یہ ہی باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیہم فی دیۃ الرجلین وما ارادوا من الغدر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چند درخت کٹوا دیے، سہیلی نے روض الانف مین لکھا ہے کہ سب نخلستان نہین کاٹا گیا، بلکہ صرف لینتہ جو ایک خاص قسم کی کھجور ہے اور عرب کی عام خوراک نہین ہے اُس کے درخت کٹوا دیے گئے تھے۔ قرآن مجید مین بھی اس کا ذکر ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (سورۂ حشر)	تمنے لینتہ کے جو درخت کٹوائے اور جس قدر قائم رہنے دیے سب خدا کے حکم سے تھا۔ تاکہ خدا فاسقون کو رسوا کرے۔

ممکن ہے کہ درختون کے جھنڈ سے کمین گاہ کا کام لیا جاتا ہو اس لیے وہ صاف کرا دیے گئے کہ محاصرہ مین کوئی چیز حائل نہ ہو۔

بالآخر بنو نضیر اس شرط پر راضی ہوئے کہ جس قدر مال و اسباب اونٹون پر لیجا سکین لے جائین۔ اور مدینہ سے باہر نکل جائین۔ چنانچہ سب گھرون کو چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے۔ ان مین سے معزز رؤسا مثلاً سلام بن ابی الحقیق۔ کنانہ بن الربیع، حُیَیّ بن اخطب خیبر چلے گئے۔ وہان لوگون نے ان کا اس قدر احترام کیا کہ خیبر کا رئیس تسلیم کر لیا[1]۔ اس واقعہ کو اس غرض سے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ غزوۂ خیبر کی داستان کا دیباچہ ہے۔

بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے۔ لیکن اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا اونٹون پر سوار تھے، ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا۔ مطربہ عورتین دف بجاتی اور گاتی جاتی تھین۔ عُروۃ بن الورد عبسی، مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید لیا تھا۔ وہ بھی ساتھ تھی۔ اہل مدینہ کا بیان ہے،

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۵۲۔

کہ اس سروسامان کی سواری کبھی ان کی نظر سے نہین گزری تھی[1]۔ ہتیارون کا ذخیرہ جوان لوگون نے چھوڑا، اس مین پچاس زرہین، پچاس خود، اور تین سو چالیس[2] تلوارین تھین۔ اُنکے جانے کے بعد یہ جھگڑا پیش آیا کہ انصار کی اولاد جنھون نے یہودی مذہب اختیار کرلیا تھا۔ اور یہودی انکو اتحاد مذہب کی وجہ سے ساتھ لیے جاتے تھے انصار نے اُن کو روک لیا کہ ہم اِن کو نہ جانے دین گے۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ   یعنی مذہب مین زبردستی نہین ہے۔

ابوداؤد نے کتاب الجہاد باب "فی الاسیر یکرہ علے الاسلام" کے عنوان کے نیچے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے نقل کیا ہے۔

---

[1] یہ تفصیل طبری مین ہے۔

۵ھ

غزوہ مریسیع، واقعۂ افک، وغزوۂ احزاب

قریش اور یہود کی متفقہ سازش نے اب مکہ سے لیکر مدینہ تک آگ لگادی جس قدر قبائل تھے سب نے مدینہ پر حملہ کی طیاریاں شروع کردین۔ سب سے پہلے انمار اور ثعلبہ نے یہ ارادہ کیا لیکن آنحضرت صلعم کو خبر ہوگئی، ۱۰ محرم ۵ھ کو آپ مدینہ سے چار سو صحابہ کو لیکر نکلے، ا ذات الرقاع تک تشریف لے گئے، لیکن آپ کی آمد سنکر وہ پہاڑون مین بھاگ[1] گئے۔

ربیع الاول ۵ھ مین یہ خبر آئی کہ دومۃ الجندل مین کفار کی ایک عظیم الشان فوج جمع ہورہی ہے۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ایکہزار کی جمعیت لیکر مدینہ سے نکلے۔ ان کو خبر ہوئی تو وہ بھاگ گئے

غزوۂ مریسیع، یا بنی مصطلق شعبان ۵ھ

خزاعۃ ایک قبیلہ تھا جو قریش کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ قریش کو ایک زمانہ مین یہ خیال آیا کہ ہم ابراہیمؑ کی نسل سے ہین۔ اسلیے ہم کو اورون سے ہر باب مین ممتاز

---

[1] ابن سعد غزوۂ ذات الرقاع صفحہ ۴۳ ہ صحیح بخاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع خندق کے بعد واقع ہوا صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ مین ادا کی گئی) (۲ ابن اسحاق نے جسکی پیروی طبری اور ابن ہشام نے کی ہے اس غزوہ کو ۴ھ مین ذکر کیا ہے، موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے کہ ۵ھ مین واقع ہوا امام بخاری نے بھی صحیح مین اس اختلاف کا ذکر کیا ہے لیکن غلطی سے ۵ھ کے بجائے ابن عقبہ کی طرف ۴ھ کی نسبت کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۷ صفحہ ۳۳۲) مین بیہقی، حاکم، موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر کی روایتون سے ۵ھ کو ترجیح دی ہے ابن سعد نے بھی ۵ھ ہی لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو فتح الباری۔)

ہونا چاہیے۔ حج کا ایک بڑا رکن عرفات کے میدان مین قیام کرنا ہے۔ لیکن چونکہ یہ میدان، حرم کی حدود سے باہر ہے، قریش نے یہ قاعدہ قرار دیا کہ لوگ عرفات جائین لیکن ہمکو عرفات کے بجائے مزدلفہ مین ٹھہرنا چاہیے جو حدودِ حرم کے اندر ہے۔ اسی قسم کی اور امتیازی باتین قائم کین۔ ان خصائص کی بنا پر اپنا لقب **احمس** رکھا، لیکن اس قدر فیاضی کی کہ جو لوگ ان پابندیون کو قبول کر لیتے تھے، ان کو بھی یہ لقب دیدیتے۔ اور اُن سے رشتہ ناتہ کرتے تھے۔ قبیلہ خزاعہ[1] کو بھی یہ شرف عطا کیا تھا۔

خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا۔ وہ مقام مریسیع مین جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے آباد تھا۔ اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا۔ اُس نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریان شروع کین۔ آنحضرت صلعم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو مزید تحقیقات کے لیے زید بن خصیب کو بھیجا، انھون نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی۔ آپ نے صحابہ کو طیاری کا حکم دیا۔ ۲ شعبان کو فوجین مدینہ سے روانہ ہوئین۔ مریسیع مین خبر پہنچی تو حارث کی جمعیت منتشر ہوگئی۔ اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا لیکن مریسیع مین جو لوگ آباد تھے۔ اُنھون نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے۔ مسلمانون نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو اُن کے پانون اُکھڑ گئے۔ ۱۰ آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہو گئے جنکی تعداد تقریبًا ۶۰۰ تھی۔ غنیمت مین دو ہزار اونٹ اور پانچہزار بکریان ہاتھ آئین۔

یہ ابن سعد کی روایت ہے۔ صحیح بخاری[2] اور صحیح مسلم[3] مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے بنو المصطلق پر اِس حالت مین حملہ کیا کہ وہ بالکل بے خبر اور غافل تھے۔ اور اپنے مویشیون کو پانی پلا رہے تھے۔ ابن سعد[4] نے

---

[1] یہ واقعات ابن ہشام نے تفصیل سے لکھے ہین (صفحہ ۷۶ جلد اول) [2] باب العتق۔ [3] کتاب الجہاد والسیر۔
[4] طبقات ابن سعد جلد مغازی صفحہ ۴۵ و ۴۶۔

اِس روایت کو بھی نقل کیا ہے لیکن لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے"۔ اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین لکھا کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتون کو ترجیح نہین ہوسکتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی روایت بھی اصول حدیث کی رو سے قابل حجت نہین کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچکر ختم ہوجاتا ہے۔ اور جنگ مین شریک ہونا تو ایک طرف، نافع نے آنحضرت صلعم کو دیکھا بھی نہ تھا۔ اس لیے یہ روایت اصطلاح محدثین مین منقطع ہے۔

یہ لڑائی ایک معمولی لڑائی تھی لیکن اتفاق سے بعض شہرت پذیر واقعات ایسے پیش آئے جنکی وجہ سے اس لڑائی کا خاص عنوان قایم کیا جاتا ہے۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ غنیمت کے لالچ سے بہت سے منافقین بھی فوج مین داخل ہوگئے تھے۔ یہ بدباطن ہر موقع پر فتنہ گری کی کوشش کرتے تھے۔ ایک دن چشمہ سے پانی لینے پر ایک مُہاجر اور انصاری مین جھگڑا ہوگیا۔ انصاری نے عرب کے قدیم طریقہ پر یاللانصار کا نعرہ مارا (انصار کی جے) مہاجر نے بھی یامعشر المہاجرین کے نعرہ سے جواب دیا۔ نعرے سُنکر قریش وانصار نے تلوارین کھینچ لین۔ اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے لیکن چند لوگون نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا۔ اس کو موقع ہات آیا، انصار سے مخاطب ہوکر کہا "تمنے یہ بلا خود مول لی، مہاجرین کو تمنے بلاکر اتنا کردیا کہ اب وہ خود تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہین۔ اب بھی موقع ہاتھ سے نہین گیا ہے تم دستگیری سے ہاتھ اُٹھالو تو وہ خود یہان سے نکل جائین گے"۔

یہ واقعہ لوگون نے آنحضرت صلعم سے آکر کہا، حضرت عمرؓ بھی موجود تھے غصّہ سے بیتاب ہوگئے اور عرض کی کہ کسی کو ارشاد ہو اس منافق کی گردن اُڑا دے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ چرچا

پسند کرتے ہو کہ "محمدؐ اپنے ساتھ والون کو قتل کردیا کرتے ہین"[1]۔

یہ عجیب بات ہو کہ عبداللہ بن اُبی جس درجہ کا منافق اور دشمن اسلام تھا، اُس کے صاحبزادے کہ انکا نام بھی عبداللہ تھا، اُسی قدر اسلام کے جان نثار تھے۔ آنحضرت صلعم کی ناراضی کی بنا پر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ آپ عبداللہ بن اُبیّ کے قتل کا حکم دینے والے ہین۔ یہ سنکر وہ خدمتِ اقدس مین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ "دُنیا جانتی ہے کہ مین باپ کا کس قدر خدمت گزار ہون۔ لیکن اگر یہ مرضی ہو تو مجھی کو حکم ہو، مین ابھی اُس کا سر کاٹ لاتا ہون۔ ایسا نہو کہ آپ کسی اور کو حکم دین اور مین غیرت ومحبت کے جوش مین آکر قاتل کو قتل کر دون"[2]۔ آپ نے اطمینان دلایا کہ قتل کی بجائے مین اُس پر مہربانی کرونگا یہ ارشاد اِسطرح پورا ہوا کہ جب وہ مرا تو کفن کے لیئے آپ نے خود پیراہن مبارک عنایت فرمایا۔ جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت عمرؓ نے دامن تھام لیا کہ آپ منافق کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہین! لیکن دریائے کرم کا بہاؤ کون روک سکتا تھا۔

حضرت جویریہ کا واقعہ

لڑائی مین جو لوگ گرفتار ہوئے، ان مین حضرت جویریہؓ بھی تھین، جو حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی تھین۔ ابن اسحاق کی روایت ہے جو بعض حدیث کی کتابون مین بھی ہو کہ تمام اسیرانِ جنگ لونڈی غلام بناکر تقسیم کر دیے گئے حضرت جویریہ ثابت بن قیس کے حصہ مین آئین۔ اُنھون نے ثابت سے درخواست کی کہ "مکاتبت کرلو، یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لیکر چھوڑ دو"، ثابت نے منظور کیا۔ حضرت جویریہ کے پاس روپیہ نہ تھا، چاہا کہ لوگون سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کردین

---

[1] دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۷۲۸۔ [2] یہ تمام واقعات نہایت تفصیل سے ابن سعد اور طبری نے لکھے ہین۔ اور صحیح بخاری کے مختلف ابواب مین بھی مذکور ہین۔

آنحضرت صلعم کے پاس بھی آئین۔ حضرت عائشہؓ بھی وہان موجود تھین۔

ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً ان کی ذاتی رائے ہے، کہ چونکہ جویریہؓ نہایت شیرین ادا تھین، مین نے اُن کو آنحضرت صلعم کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھی کہ آنحضرت صلعم پر بھی اُن کے حسن و جمال کا وہی اثر ہو گا جو مجھپر ہوا۔ غرض وہ آنحضرت صلعم کے پاس گئین، (آپ نے فرمایا اگر اس سے بہتر برتاؤ تمھارے ساتھ کیا جائے تو قبول کرو گی، اُنھون نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تمھاری طرف سے مین روپیہ ادا کر دون اور تمکو اپنی زوجیت مین لے لون جویریہ نے کہا مین نے منظور کیا[1]) آپ نے تنہا وہ تمام رقم ادا کر دی، اور اُن سے شادی کر لی"۔

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جو ابن ہشام اور ابو داؤد، دونون مین موجود ہے لیکن دوسرے طریق روایت مین اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا۔ حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئین تو حارث آنحضرت صلعم کی خدمت مین آیا۔ اور کہا کہ میری بیٹی کنیز نہین بن سکتی۔ میری شان اس سے بالاتر ہے، آپ اُس کو آزاد کر دین۔ آپ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہو گا کہ خود جویریہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ حارث نے جا کر جویریہ سے کہا کہ محمدؐ نے تیری مرضی پر رکھا، دیکھنا مجھکو رسوا نہ کرنا۔ اُنھون نے کہا مین رسول اللہ صلعم کی خدمت مین رہنا پسند کرتی ہون" چنانچہ آنحضرت صلعم نے اُن سے شادی کر لی۔

یہ روایت حافظ ابن حجر نے اصابہ مین، ابن مندہ سے نقل کر کے لکھا ہے کہ اسکی سند صحیح ہے"

---

[1] ابو داؤد کتاب العتاق۔

ابن سعد مین بھی یہ روایت مذکور ہی۔ ابن سعد نے طبقات مین یہ روایت بھی کی ہے کہ حضرت جویریہ کے والد نے اُن کا زرِ فدیہ ادا کیا۔ اور جب وہ آزاد ہوگئین تو آنحضرت صلعم نے اُن سے نکاح کیا،

اس نکاح کا اثر،

حضرت جویریہ سے جب آپ نے نکاح کیا تو تمام اسیرانِ جنگ جو اہل فوج کے حصہ مین آگئے تھے دفعۃً رہا کر دیے گئے، فوج نے کہا کہ جس خاندان مین رسول اللہ صلعم نے شادی کرلی وہ غلام نہین ہو سکتا[1]،

واقعۂ افک

واقعۂ اِفک یعنی حضرت عائشہ پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی، وہ اسی لڑائی سے واپسی مین پیش آیا تھا، احادیث اور سیر کی کتابون مین اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے نقل کیا ہی لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید مین صاف مذکور ہے کہ سننے کے ساتھ لوگون نے یہ کیون نہین کہدیا کہ "بالکل افترا ہے" اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چندان ضرورت نہین۔

البتہ اس واقعہ سے یہ اندازہ کرنا چاہیے کہ محض جھوٹ اور بیہودہ خبر بھی کس طرح پھیل جاتی ہی، یہ خبر اصل مین منافقین نے مشہور کی تھی لیکن بعض مسلمان بھی دھوکے مین آگئے جنکو تہمت لگانے کی سزا دیگئی جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ مین مذکور ہے۔

آجکل کے عیسائی مورخون نے بھی قدیم منافقون کی طرح اس واقعہ کو اس جوش مسرت سے لکھا ہے کہ خود بخود اُنکے قلم مین روانی آگئی ہے لیکن ہم اُن سے توقع بھی یہی کرسکتے تھے۔

یہ تمام لڑائیان اُس عام جنگ کا پیش خیمہ تھین جو تمام عرب اور یہود متفقہ قوت سے کرنا چاہتے تھے اور جس کو جنگ احزاب کہتے ہین۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب العتاق۔

غزوۂ احزاب
یعنی تمام عرب کی متحدہ جنگ
ذوقعدہ ۵ھ

بنونضیر[1] مدینہ سے نکل کر **خیبر** پہنچے تو انھون نے ایک نہایت عظیم الشان سازش شروع کی، اُن کے روسا مین سے سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظمہ گئے اور قریش سے ملکر کہا "اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا استیصال کردیا جاسکتا ہے" قریش اس کے لیے ہمیشہ طیار رہتے تھے - قریش کو آمادہ کرکے یہ لوگ قبیلۂ غطفان کے پاس گئے اور ان کو لالچ دیا کہ **خیبر** کا نصف محاصل انکو ہمیشہ دیا کرین گے، (اور یہ پہلے سے بھی طیار تھے قصۂ غزوۂ معونہ مین یاد ہوگا کہ عامر رئیس قبیلہ نے اسی غطفان کے حملہ کی دھمکی[2] دی تھی - اس لیے یہ فوراً طیار ہوگئے) بنو اسد غطفان کے حلیف تھے، غطفان نے اُن کو لکھ بھیجا کہ تم بھی فوجین لیکر آؤ قبیلۂ بنوسلیم سے قریش کی قرابت تھی، اس تعلق سے انھون نے بھی ساتھ دیا، بنوسعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا، اس بنا پر یہود نے ان کو بھی آمادہ کیا - غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گران طیار ہوکر مدینہ کی طرف بڑھا، فتح الباری مین تصریح ہے کہ ان کی تعداد ۲۴ ہزار سے زاید تھی -

---

[1] طبری مین ہے کان الذی جرّ غزوۃ رسول اللہ الخندق فیما قیل ما کان من اجلاء رسول اللہ بنی النضیر عن دیارھم مغازی کی سب سے زیادہ معتبر کتاب مغازی موسیٰ بن عقبہ ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری غزوۂ احزاب کے ذکر مین اس کی یہ عبارت نقل کی ہے خرج حیی بن اخطب بعد قتل بنی نضیر الی مکۃ یحرض قریشا علی حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخرج کنانۃ بن الربیع بن ابی الحقیق یسعی فی بنی غطفان ویحضھم علی قتال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان لھم نصف تمر خیبر فاجابہ عیینۃ بن حصن بن حذیفۃ بن بدر الفزاری الی ذالک وکتبوا الی حلفائھم من بنی اسد فاقبل الیھم طلحۃ بن خویلد فیمن اطاعہ، الخ،

[2] صحیح بخاری غزوۃ الرجیع،

یہ لشکر تین مستقل فوجون مین تقسیم کیا گیا، غطفان کی فوجین عُیَینہ بن حصن فزاری کی کمان مین تھین جو عرب کا مشہور سردار تھا۔ بنو اسد طلحہ کی افسری مین تھے، اور ابوسفیان سپہ سالار کل تھا۔

آنحضرت صلعم نے یہ خبرین سُنین توصحابہ سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ سے واقف تھے، اُنھون نے راے دی کہ کھُلے میدان مین نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت نہین، ایک محفوظ مقام مین لشکر جمع کیا جائے اور گرد خندق کھودلی جائے خندق دراصل فارسی لفظ کند کا معرب ہے جس کے معنی کھودے گئے کے ہین۔ کاف، خ، سے اور ہاے ہوز قاف سے بدل گئی ہے جس طرح پیادہ سے بیدق ہوگیا ہے۔

تمام لوگون نے اس راے کو پسند کیا اور خندق کھودنے کے آلات مُہیّا کیے گئے۔

مدینہ مین تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا، جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا صرف شامی رُخ کھُلا ہوا تھا۔ آنحضرت صلعم نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکلکر اسی مقام مین خندق کی تیاریان شروع کین۔ یہ ذوقعدہ ۵ھ کی ۸ تاریخ تھی۔

آنحضرت صلعم نے حدود خود قایم کیے، داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیون پر دس دس گز زمین تقسیم کی۔ خندق کا عمق پانچ گز رکھا گیا، بیس دن مین ۳ ہزار متبرک ہاتون سے انجام پائی۔

یاد ہوگا کہ جب مسجد نبوی بن رہی تھی تو سرور دو جہان مزدورون کی صورت مین تھے، آج بھی وہی عبرت انگیز منظر ہے، جاڑے کی راتین ہین، تین تین دن کا فاقہ ہے۔ مہاجرین اور انصار اپنی پیٹھون پر مٹی لادلادکر پھینکتے ہین اور جوش محبت مین ہم آواز ہوکر کہتے ہین۔

نحن الذین بایعوا محمدا　　　علی الجهاد ما بقینا ابدا

سرورِ عالم بھی مٹی پھینک رہے ہین شکم مبارک پر گرد اٹ گئی ہے، اسی حالت مین یہ رجز زبان پر ہے۔

واللہِ لولا اللہُ ما اھتدینا — ولا تصدقنا ولا صلّینا

فانزِلنَّ سکینۃً علینا — وثبت الاقدام اِن لاقینا

ان الاولی قد بغوا علینا — اذا ارادوا فتنۃً ابینا

ابینا کا لفظ جب آتا تھا تو آواز زیادہ بلند ہو جاتی تھی، اور مکرر کہتے تھے[1]، اس کے ساتھ انصار کے حق مین دعا بھی دیتے جاتے تھے اور یہ موزون الفاظ زبان پر آتے تھے۔

اللھم انہ لاخیر الاخیر الاخرۃ فبارک فی الانصار والمھاجرۃ

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی، کسی کی ضرب کام نہین دیتی تھی، رسول اللہ صلعم تشریف لائے، تین دن کا فاقہ تھا اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا، آپ نے دست مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودۂ خاک تھی[2]۔

سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھکر صف آرائی کی گئی، مستورات شہر کے محفوظ قلعون مین بھیجدی گئین۔ اور چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا اس لیے سلمۃ بن اسلم ۲۰۰ آدمیون کے ساتھ متعین کیے گئے کہ اُدھر سے حملہ نہ ہونے پائے۔

بنو قریظہ کے یہود اب تک الگ تھے لیکن بنو نضیر نے اُن کے ملا لینے کی کوشش کی، حُیی بن اخطب (حضرت صفیہؓ کا باپ) خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا، اُس نے ملنے سے

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ احزاب [2] ایضاً

انکار کیا، حیی نے کہا "مین فوجون کا دریائے بیکران لایا ہون، قریش اور تمام عرب اُمنڈ آیا ہے، اور ایک محمدؐ کے خون کا پیاسا ہے، یہ موقع ہاتھ سے دینے کے قابل نہین، اب اسلام کا خاتمہ ہے" کعب اب بھی راضی نہ تھا۔ اس نے کہا مین نے محمدؐ کو ہمیشہ صادق الوعد پایا، اُن سے عہد شکنی کرنا خلافِ مُرَوت ہے، لیکن حُیی کا جادو رائیگان نہین جاسکتا تھا،

آنحضرت صلعم کو یہ حال معلوم ہوا تو تحقیق اور اتمام حجت کے لیے سعد بن معاذ، اور سعد بن عبادہ کو بھیجا اور فرمایا کہ اگر درحقیقت بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے، تو وہان سے آکر اس خبر کو مبہم لفظون مین بیان کرنا کہ لوگون مین بے دلی نہ پھیلنے پائے، دونون صاحبون نے بنو قریظہ کو معاہدہ یاد دلایا، تو اُنھون نے کہا "ہم نہین جانتے محمدؐ کون ہین اور معاہدہ کیا چیز ہے"

غرض بنو قریظہ نے اس بے شمار فوج مین اور اضافہ کر دیا۔ قریش، یہود، اور قبایلِ عرب کی ۲۴ ہزار فوجین تین حصون مین تقسیم ہو کر مدینہ کے تین طرف اس زور و شور سے حملہ آور ہوئین کہ مدینہ کی زمین دہل گئی۔

اس معرکہ کی تصویر خود خدا نے کھینچی ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ	جب کہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف
مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ	سے آپڑے اور جب آنکھین ڈگنے لگین اور کلیجے منھ
الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ	مین آگئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان
الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ	کرنے لگے تب مسلمانون کی جانچ کا وقت آگیا
وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (سورۂ احزاب)	اور وہ زور سے لرزنے لگے۔

فوج اسلام مین منافقون کی تعداد بھی شامل تھی۔ جو بظاہر مسلمانون کے ساتھ تھے لیکن موسم کی سختی، رسد کی قلت، متواتر فاقے، راتون کی بے خوابی، بیشمار فوجون کا ہجوم، ایسے واقعات تھے جنہون نے اُن کا پردہ فاش کردیا۔ آآکر آنحضرت صلعم سے اجازت مانگنی شروع کی کہ ہمارے گھر محفوظ نہین ہم کو شہر مین واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے۔

يَقُولُونَ اِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَّمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ	کہتے ہین کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہین، اور وہ کھلے نہین
اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا (احزاب)	بلکہ اُن کو بھاگنا مقصود ہے۔

لیکن جان نثاران اسلام کا طلائے اخلاص اسی کسوٹی پر آزمانے کے قابل تھا۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا	جب مسلمانون نے قبایل کی فوجین دکھین تو بول اُٹھے
مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ	کہ یہ وہی ہے جسکا وعدہ خدا نے اور اُس کے رسول نے
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا	کیا تھا، اور خدا اور اُس کا رسول دونون سچے تھے اور اِس
وَّتَسْلِيْمًا ؕ (احزاب)	بات نے اُنکے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔

قریباً ایک مہینہ تک اس سختی سے محاصرہ قایم رہا کہ آنحضرت صلعم اور صحابہ پر تین تین فاقے گذر گئے، ایک دن صحابہ نے بے تاب ہوکر آنحضرت صلعم کے سامنے اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہین۔ لیکن جب آپ نے شکم مبارک کھولا، تو ایک کے بجائے دو پتھر[1] تھے۔ محاصرہ اس قدر شدید اور پُرخطر ہوگیا تھا۔ کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے لوگون سے خطاب کرکے فرمایا کہ کوئی ہے، جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے۔ تین دفعہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے۔ لیکن حضرت **زبیر** رض کے سوا

[1] شمایل ترمذی۔ عرب کی عادت تھی کہ سخت بھوک مین پتھر باندھتے تھے جس سے کمر نہین جھکنے پاتی تھی۔

اور کوئی صدا نہین آئی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی موقع پر حضرت زبیر کو حواری کا لقب دیا[1]،

محاصرین نے اُدھر تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا، اِدھر دوسری سمت اس غرض سے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا کہ آنحضرت صلعم اور صحابہ کے اہل و عیال یہین قلعون مین پناہ گزین تھے۔

محاصرین خندق کو عبور نہین کر سکتے تھے، اس لیے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے، آنحضرت صلعم نے خندق کے مختلف حصّون پر فوجین تقسیم کر دین تھین جو محاصرین کے حملون کا مقابلہ کرتی تھین ایک حصّہ خود آپ کے اہتمام مین تھا۔

محاصرہ کی سختی دیکھکر آپ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو انصار ہمت ہار جائین، اس لیے آپ نے غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث ان کو دیدیا جائے، سعد بن عبادہ، اور سعد بن معاذ کو جو رؤسائے انصار تھے، بلاکر مشورہ کیا، دونون نے عرض کی کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہین، لیکن اگر رائے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت مین بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے۔ یہ استقلال دیکھکر تسلی و اطمینان ہوا، سعد نے معاہدہ کا کاغذ ہاتھ مین لے کر تمام عبارت مٹا دی[2]، اور کہا ان لوگون سے جو بن آئے کر دکھائین

اب مشرکون کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ **قریش** کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار بن الخطاب، جبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا، ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج کو لے کر لڑتا تھا۔ خندق کو عبور نہین کر سکتے تھے۔ لیکن خندق کا عرض

---

[1] صحیح بخاری ذکر غزوۂ احزاب۔ [2] طبری صفحہ ۱۴۷۴۔

چونکہ زیادہ نہ تھا، اس لیے باہر سے پتھر اور تیر برساتے تھے،

چونکہ اس طریقہ مین کامیابی نہین ہوئی اس لیے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے تمام فوجین یکجا ہوئین قبایل کے تمام سردار آگے آگے تھے، خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی، یہ موقع حملہ کے لیے انتخاب کیا گیا، عرب کے مشہور بہادرون یعنی ضرار، جبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدود نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑون کو مہمیز کیا تو اُس پار تھے، ان مین سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا، وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا جنگ بدر مین زخمی ہوکر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لون گا بالون مین تیل نہ ڈالونگا، اس وقت اسکی عمر ۹۰ برس کی تھی، تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے موافق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے، حضرت علی نے اُٹھ کر کہا "مین" لیکن آنحضرت صلعم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے، حضرت علی بیٹھ گئے، لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہین آتا تھا، عمرو دوبارہ پکارا، اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب مین تھی۔ تیسری دفعہ جب آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے، تو حضرت علی نے عرض کی ہان مین جانتا ہون کہ یہ عمرو ہے۔ غرض آپ نے اجازت دی، خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا۔

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا مین اگر مجھ سے تین باتون کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کر دن گا۔ حضرت علی نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہے۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

حضرت علی — مین درخواست کرتا ہون کہ تو اسلام لا۔

عمرو — یہ نہین ہو سکتا۔

حضرت علی — لڑائی سے واپس چلا جا۔

عمرو — مین خاتونان قریش کا طعنہ نہین سُن سکتا۔

حضرت علی — مجھ سے معرکہ آرا ہو،

عمرو ہنسا، اور کہا مجھکو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی۔ حضرت علی پیادہ تھے، عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا، گھوڑے سے اُتر آیا، اور پہلی تلوار گھوڑے کے پانون پر ماری کہ کونچین کٹ گیئن، پھر پوچھا کہ تم کون ہو، آپ نے نام بتایا، اُسنے کہا مین تم سے لڑنا نہین چاہتا۔ آپ نے فرمایا "ہان، لیکن مین چاہتا ہون" عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا، پرتلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھکر وار کیا۔ حضرت علی نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر مین ڈوب کر نکل آئی، اور پیشانی پر لگی، گو زخم کاری نہ تھا تاہم یہ طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہگیا قاموس مین لکھا ہے کہ حضرت علی کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے، جسکی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخمون کے نشان تھے، ایک عمرو کے ہات کا اور ایک ابن ملجم کا، دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علی نے وار کیا۔ ان کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اُتر آئی، ساتھ ہی حضرت علی نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا، اور فتح کا اعلان ہوگیا۔ عمرو کے بعد ضرار اور جبیرۃ نے حملہ کیا۔ لیکن جب ذوالفقار کا ہات بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت عمر فاروق نے ضرار کا تعاقب کیا۔ ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا۔ لیکن روک لیا، اور کہا عمر! اِس احسان کو یاد رکھنا۔

نوفل بھاگتے ہوئے خندق مین گرا۔ صحابہ نے تیر مارنے شروع کیے۔ اُس نے کہا مسلمانو! مین شریفانہ موت چاہتا ہون۔ حضرت علی نے اس کی درخواست منظور کی اور خندق

مین اُتر کر تلوار سے مارا کہ شریفون کے شایان تھا۔[1]

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا۔ تمام دن لڑائی رہی، کفار ہر طرف سے تیر اور پتھر دن کا مینھ برسا رہے تھے اور ایک دم کے لیے یہ بارش تھمنے نہ پاتی تھی، یہی دن ہے جسکا ذکر احادیث مین ہے کہ آنحضرت صلعم کی متصل[2] چار نمازین قضا ہوئین متصل تیراندازی اور سنگ باری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا۔

مستورات جس قلعہ مین تھین بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا، یہودیون نے یہ دیکھکر کہ تمام جمعیت آنحضرت صلعم کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کیا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈھ رہا تھا۔ حضرت صفیہ (آنحضرت کی پھوپھی) نے دیکھ لیا۔ مستورات کی حفاظت کے لیے حضرت حسّان (شاعر) متعیّن کردیے گئے تھے۔ حضرت صفیہ نے اُن سے کہا کہ اُتر کر اس کو قتل کردو، ورنہ یہ جاکر دشمنون کو پتہ دیگا، حضرت حسان کو ایک عارضہ ہوگیا تھا جس نے ان مین اس قدر جُبن پیدا کردیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اُٹھاکر بھی نہین دیکھ سکتے تھے۔ اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ مین اس کام کا ہوتا تو یہان کیون ہوتا، حضرت صفیہ نے خیمہ کی ایک چوب اُکھاڑ لی اور اُتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا حضرت صفیہ چلی آئین۔ اور حسّان سے کہا کہ ہتیار اور کپڑے چھین لاؤ۔ حسّان نے کہا جانے

---

[1] یہ حالات اگرچہ اجمالاً تمام کتابون مین ہین لیکن ہمنے جو تفصیل لکھی ہے ابن سعد اور خمیس سے ماخوذ ہے۔

[2] اس امر مین محدثین مین سخت اختلاف ہے کہ چار نمازین قضا ہوئین یا ایک؛ اور چار قضا ہوئین تو ایک ہی دن، یا کئی دن کی ملاکر۔ زرقانی مین یہ بحث مفصل ہے۔

دیجیے مجھکو اسکی کوئی ضرورت نہین، حضرت صفیہ نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہوجائین، لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ ہی کو انجام دینا پڑی، یہودیون کو یقین ہوا کہ قلعہ مین بھی کچھ فوج متعین ہے اس خیال سے پھر اُنھون نے حملہ کی جرأت[1] نہ کی،

محاصرہ کو جس قدر طول ہوتا جاتا تھا محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے۔ ۲۴ ہزار آدمیون کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا۔ اتفاق یہ کہ باوجود سردی کے موسم کے اس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آگیا خیمون کی طنابین اُکھڑ اکھڑ گئین، کھانے کے دیگچے چولھون پر اُلٹ اُلٹ جاتے تھے۔ اس اتفاقی واقعہ نے فوجون سے بڑھ کر کام دیا، اسی بنا پر قرآن مجید نے اس باد صرصر کو عسکر الٰہی سے تعبیر کیا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا، (احزاب)	مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب کہ تم پر فوجین آپڑین تو ہمنے اُن پر آندھی بھیجی اور فوجین بھیجین جو تم کو دکھائی نہین دیتی تھین۔

نعیم بن مسعود ثقفی ایک غطفانی رئیس تھے، قریش اور یہود دونون ان کو مانتے تھے، وہ اسلام لاچکے تھے لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہ تھا، انہون نے قریش اور یہود سے الگ الگ جا کر اس قسم کی باتین کین جس سے دونون مین پھوٹ پڑگئی۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نعیم نے اس تفرقہ اندازی مین دونون سے جھوٹ باتین کین، اور اس بنا پر کہین کہ خود آنحضرت صلعم نے اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ کی تعلیم کی تھی، لیکن ابن اسحاق نے

---

[1] زرقانی بحوالہ طبرانی و بزار و ابویعلی بہ سند صحیح۔ دیکھو صفحہ ۱۲۹ جلد ۲۔ و ابن ہشام۔

روایت کی سند نہین نقل کی، اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحاق کا یہ پایہ نہین کہ ایسا واقعہ محض اُن کی سند سے قبول کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ واقعات اِس قسم کے جمع تھے کہ دونون فریقون کا اتحاد بغیر اِس کے توڑ دیا جا سکتا تھا کہ کوئی غلط بات بیان کی جائے۔ ابن اسحاق کی روایت مین بھی اس قدر مذکور ہے کہ نعیم نے یہود سے کہا کہ قریش تو چار دن کے بعد یہان سے چلے جائین گے تمھارا اور مسلمانون کا ہموطنی کا ساتھ ہے اس لیے تم کیون بیچ مین پڑکر ہمیشہ کے لیے لڑائی مول لیتے ہو، اور اگر اس پر آمادہ ہی ہو تو قریش سے کہو کہ وہ کچھ معزز آدمی ضمانت کے طور پر تمھارے ہان بھجوا دین کہ اگر قریش لڑائی کا فیصلہ کیے بغیر جانا چاہین تو تم ان لوگون کو روک لینا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہود بنو قریظہ اوّل اوّل نقض عہد پر راضی نہ تھے اور کہتے تھے کہ ہم محمدؐ سے معاہدہ کیون توڑین۔ لیکن حیی بن اخطب نے اِسی شرط پر ان کو راضی کیا تھا کہ "قریش چلے گئے تو مین خیبر چھوڑ کر تمھارے پاس آجاؤن گا" قریش اس قسم کی ضمانت نہین منظور کر سکتے تھے۔ اِس لیے جب اُنھون نے انکار کیا ہوگا تو دونون مین خود پھوٹ پڑ گئی ہوگی، اس کے لیے ایک صحابی کو دروغ بیانی کے داغ اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔

بہر حال موسم کی سختی محاصرہ کا امتداد، آندھی کا زور، رسد کی قلت، یہود کی علیحدگی یہ تمام اسباب ایسے جمع ہوگئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات اب ٹھہر نہین سکتے تھے۔ ابوسفیان نے فوج سے کہا، رسد ہو چکی، موسم کا یہ حال ہے، یہود نے ساتھ چھوڑ دیا اب محاصرہ بے کار ہے، یہ کہکر طبلِ رحیل بجنے کا حکم دیا، غطفان بھی اس کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ بنو قریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعون مین چلے آئے اور مدینہ کا افق ۲۰-۲۲ دن تک غبار آلود رہ کر صاف ہوگیا۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ،

اور خدانے کافرونکو غصہ مین بھرا ہوا ہٹا دیا کہ انکو کچھ ہات نہ آیا اور مسلمانون کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔

اِس معرکہ مین فوجِ اسلام کا جانی نقصان کم ہوا، لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا، یعنی حضرت سعد بن معاذ جو قبیلۂ اَوس کے سردار تھے زخمی ہوئے اور پھر جان بر نہو سکے، انکے زخم کھانے کا واقعہ موثر اور عبرت انگیز ہے۔

حضرت عائشہ جس قلعہ مین پناہ گزین تھین، سعد بن معاذ کی مان بھی وہین اُنکے ساتھ تھین۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ مین قلعہ سے نکلکر باہر پھر رہی تھی۔ عقب سے پانون کی آہٹ معلوم ہوئی، مڑکر دیکھا تو سعد ہات مین حربہ لیے جوش کی حالت مین بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے ہین اور یہ شعر زبان پر ہے۔

لَبِّثْ قَلِيْلًا تُدْرِكُ الْهَيْجَا جَمَلْ ۔۔۔ لَا بَأْسَ بِالْمَوْتِ إِذَا الْمَوْتُ نَزَلْ

ذرا ٹھہر جانا کہ لڑائی مین ایک اور شخص پہنچ جائے ۔۔۔ وقت جب آگیا تو موت سے کیا ڈر ہے

سعد کی مان نے سنا تو پکارین بیٹا دوڑکر جا تونے دیر لگا دی، سعد کی زرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ انکے دونون ہاتھ باہر تھے۔ حضرت عائشہ نے سعد کی مان سے کہا کاش سعد کی زرہ لمبی ہوتی۔ اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہوئے ہات پر تیر مارا۔ جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی۔ خندق کا معرکہ ہوچکا تو آن حضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُن کے لیے مسجد کے صحن مین ایک خیمہ کھڑا کرایا اور اُن کی تیمارداری شروع کی۔ اس لڑائی مین رفیدہ ایک خاتون

لہ ابن ہشام وطبری وخمیس، ۲ہ یہ خمیس کا بیان ہے، حافظ ابن حجر نے اصابہ (ذکر رفیدہ) (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

شریک تھین جو اپنے پاس دوائین رکھتی تھین اور زخمیون کی مرہم پٹی کرتی تھین۔ یہ خیمہ اُنہی کا تھا اور وہ علاج کی نگران تھین، آنحضرت صلعم نے خود دست مبارک مین مشقص سے کر داغا، لیکن پھر ورم کر آیا۔ دوبارہ داغا، لیکن پھر فائدہ نہ ہوا، کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انھون نے وفات پائی۔

بنو قریظہ کا خاتمہ

اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلعم نے آغاز قیام مین یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور اُنکو جان و مال و مذہب ہر چیز مین امن و آزادی بخشی لیکن جب قریش نے ان کو تحریف و تہدید کا خط لکھا تو وہ آمادۂ بغاوت ہو گئے، آنحضرت صلعم نے اِن لوگون سے تجدید معاہدہ کرنی چاہی۔ بنو نضیر نے انکار کیا اور وہ جلا وطن کر دئے گئے۔ لیکن بنو قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا۔ چنانچہ انکو امن دیدیا گیا۔ صحیح مسلم مین ان واقعات کو اختصار کے ساتھ اِن الفاظ مین بیان کیا ہے۔

عن ابن عمر ان یھود بنی النضیر و قریظة حاربوا رسول الله صلی الله علیه وسلم فاجلی رسول الله صلی الله علیه وسلم بنی النضیر واقر قریظة ومَنَّ علیھم (صحیح مسلم ذکر اجلاء الیھود من الحجاز)	حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ بنو نضیر اور قریظہ کے یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کی تو آپ نے بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا اور قریظہ کو رہنے دیا۔ اور ان پر احسان کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۷) مین امام بخاری کی ادب المفرد سے نقل کیا ہے کہ رفیدہ ایک خاتون تھین جو زخمیون کا علاج کرتی تھین حضرت سعد انھین کے پاس علاج کے لیے رکھے گئے تھے، ابن سعد نے رفیدہ کے ذکر مین لکھا ہے کہ انکا ایک خیمہ مسجد نبوی کے پاس تھا اس مین وہ بیمارون اور زخمیون کا علاج کرتی تھین صحیح بخاری مین بھی رفیدہ کے خیمہ اور انکے جراح خانہ کا ذکر ہے۔

بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے تو اُنکے رئیس الاعظم **حیی بن اخطب** ابو رافع سلام ابن ابی الحقیق خیبر مین جاکر آباد ہوئے اور وہان ریاست عام حاصل کرلی جنگ احزاب انہین کی کوششون کا نتیجہ تھی، قبائل عرب مین دورہ کرکے تمام ملک مین آگ لگادی اور قریش کے ساتھ ملکر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اسوقت تک قرنیظہ معاہدہ پر قایم تھے لیکن حیی بن اخطب نے ان کو بہکاکر توڑ لیا۔ ورُان سے وعدہ کیا کہ خدانخواستہ اگر قریش حملہ سے دست بردار ہوکر چلے گئے تو مین **خیبر** چھوڑکر یہین آرہون گا، چنانچہ اُس نے یہ عہد وفا کیا۔

قرنیظہ نے احزاب مین علانیہ شرکت[1] کی اور شکست کھاکر ہٹ آئے تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو ساتھ لائے[2]،

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا آخری فیصلہ کیا جائے، آنحضرت صلعم نے احزاب سے فارغ ہوکر حکم دیا، کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولین اور قرنیظہ کی طرف بڑھین۔ قرنیظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آتے تو قابل اطمینان تصفیہ کے بعد انکو امن دیا جاتا لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کرچکے تھے، فوج سے آگے بڑھکر جب حضرت علی اُن کے قلعون کے پاس پہنچے تو انہون علانیہ آنحضرت صلعم کو (نعوذ باللہ) گالیان دین[3]۔ غرض انکا محاصرہ کیا گیا اور تقریباً ایک مہینے محاصرہ رہا۔ بالآخر اُنھون نے درخواست پیش کی

[1] سر ولیم میور صاحب ارباب سیر کی یہ روایت تسلیم نہین کرتے کہ بنو قرنیظہ نے اس جنگ مین کوئی عملی حصہ لیا تھا ان کا استدلال یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید مین جہان احزاب کا ذکر ہے وہان اس کا ذکر ضرور ہوتا لیکن قرآن مین صاف یہ الفاظ ہین۔ وانزل الذین ظاہروھم من اہل الکتاب، **مظاہرۃ** سے بڑھکر اور کون لفظ درکار ہے۔ [2] طبری و ابن ہشام صفحہ ۶۸۴ جلد دوم [3] طبری مین ہے۔ حتی اذا دنا من الحصون سمع منھا مقالۃ قبیحۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھم،

کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کرین ہم کو منظور ہے۔

حضرت سعد بن معاذ اور انکا قبیلہ (اَوس) قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا، عرب مین یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھکر تھا، آنحضرت صلعم نے انکی درخواست منظور کی۔

قرآن مجید مین جب تک کوئی خاص حکم نہین آتا تھا آنحضرت صلعم توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے، چنانچہ اکثر مسائل مثلاً قبلۂ نماز۔ رجم۔ قصاص بالمثل وغیرہ وغیرہ مین جب تک خاص وحی نہین آئی آنحضرت صلعم نے توراۃ ہی کی پابندی فرمائی، سعد نے جو فیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کیے جائین۔ عورتین اور بچے قید ہون۔ مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے[1]۔ توراۃ کے مطابق تھا۔ توراۃ کتاب تثنیہ، اصحاح ۲۰۔ آیت ۱۰ مین ہے۔

"جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لیے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے۔ اگر وہ صلح تسلیم کرلین اور تیرے لیے دروازے کھول دین تو جتنے لوگ وہان موجود ہون سب تیرے غلام ہوجائینگے۔ لیکن اگر صلح نہ کرین تو تو انکا محاصرہ کر۔ اور جب تیرا خدا تجکو انپر قبضہ دلادے تو جس قدر مرد ہون، سب کو قتل کردے، باقی بچے۔ عورتین جانور اور جو چیزین شہر مین موجود ہون سب تیرے لیے مالِ غنیمت ہونگی۔"

احادیث مین مذکور ہے کہ سعد نے جب یہ فیصلہ کیا تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تمنے یہ آسمانی

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷، اور نیز بخاری مین یہ واقعہ مفصل مذکور ہے۔ مارگولیس صاحب فرماتے ہین کہ چونکہ سعد بن معاذ کو اس جنگ مین ایک قریظی نے تیر سے زخمی کیا تھا جس سے وہ بالآخر ہلاک ہوگئے اسلیے انہون نے بنو قریظہ کی نسبت ایسا بیرحمانہ فیصلہ کیا۔ لیکن وہ تیرانداز ابن العرقہ قریشی تھا۔ قریظی نہ تھا صحیح بخاری و مسلم مین صاف یہ تصریح ہے۔

فیصلہ کیا۔ یہ اسی توراۃ کے حکم کی طرف اشارہ تھا، یہودیون کو جب یہ حکم سنایا گیا تو جو فقرے ان کی زبان سے نکلے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اِسی فیصلہ کو حکم الٰہی کے موافق سمجھتے تھے۔

حُیَیّ بن اخطب جوان تمام فتن کا بانی تھا مقتل مین لایا گیا تو آنحضرت صلعم کی طرف اُس نے نظر اُٹھا کر دیکھا اور یہ فقرے کہے۔

اَمَا و اللّٰہ ما لمتُ نفسی فی عداوتک	ہان خدا کی قسم مجکو اس کا افسوس نہین کہ مین نے کیون تیری عداوت
و لکنہ من یخذل اللّٰہ یخذل۔	کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے، خدا بھی اُسکو چھوڑ دیتا ہے۔

پھر لوگون کی طرف مخاطب ہو کر کہا،

ایھا الناس انہ لا بأس بامر اللّٰہ	لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل مین کچھ مضائقہ نہین۔ یہ ایک
کتاب و قدر و ملحمۃ کتبھا اللّٰہ علیٰ	حکم الٰہی تھا۔ یہ لکھا ہوا تھا، ایک سزا تھی۔ جو خدا نے
بنی اسرائیل۔[1]	بنو اسرائیل پر لکھی تھی

حُیَیّ بن اخطب کی نسبت یہ بات خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جب وہ جلا وطن ہو کر خیبر جا رہا تھا تو اُس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ آنحضرت صلعم کی مخالفت پر کسی کو مدد نہ دے گا[2]، اِس معاہدہ پر اُس نے خدا کو ضامن کیا تھا لیکن احزاب مین اُس نے اِس معاہدہ کی جس طرح تعمیل کی اس کا حال ابھی گزر چکا۔

بنو قریظہ کے متعلق مخالفین اسلام نے بڑے زور کے ساتھ ظلم و بیرحمی کا اعتراض کیا ہے، لیکن واقعات حسب ذیل ہین:-

---

[1] یہ دونون عبارتین ابن ہشام مین ہین طبری مین بھی قریباً یہی الفاظ ہین۔ [2] بلاذری مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۲۔

۱- آنحضرت صلعم نے مدینہ مین آکر اُن کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا جس مین اُن کے مذہب کو پوری آزادی دی گئی اور جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا۔

۲- بنو قریظہ رتبہ مین بنو نضیر سے کم تھے یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اُس کو صرف آدھا خون بہا دینا پڑتا تھا بخلاف اِس کے بنو قریظہ پورا خون بہا ادا کرتے تھے آنحضرت صلعم نے قریظہ پر یہ احسان کیا کہ ان کا درجہ بنو نضیر کے برابر کر دیا[۱]۔

۳- آنحضرت صلعم نے بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی۔

۴- باوجود ان باتون کے عہد شکنی کی اور جنگ احزاب مین شریک ہوئے

۵- ازواج مُطہّرات قلعہ مین حفاظت کے لیے بھیجدی گئی تھین انپر حملہ کرنا چاہا۔

۶- حُیی بن اخطب جو بغاوت کے جرم مین جلا وطن کر دیا گیا تھا جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کر کے جنگ احزاب قایم کر دی تھی۔ اس کو اپنے ساتھ لائے جو آتشِ جنگ کے اشتعال کا دیباچہ تھا۔

اِن حالات کے ساتھ بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جا سکتا تھا۔

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ عرب مین مخالفت کا معاہدہ اخوتِ حقیقی کے برابر تھا۔ بنو قریظہ انصار کے حلیف تھے اور اسی بنا پر تمام انصار (اوس) نے انکی نہایت الحاح کے ساتھ سفارش کی سعد بن معاذ اوس کے سردار تھے اور دراصل معاہدہ کے وہی ذمہ دار تھے، وہ سخت کشمکش مین تھے۔ اُن کے حلیفون کی موت و حیات کا مسئلہ تھا جن کی حمایت پر کُل انصار (اوس) مُصر تھے۔

---

[۱] ابوداؤد۔ ذکر احکام دیۃ۔

لیکن سعد بن معاذ اس فیصلہ کے سوا اور کیا کر سکتے تھے ؟

مقتولین کی تعداد ارباب سیر نے ۶۰۰ سے زائد بیان کی ہے لیکن صحاح مین ۴۰۰ ہے۔ ان مین صرف ایک عورت تھی اور وہ اس قصاص مین ماری گئی تھی کہ اُسنے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خِداش) کو قتل کر دیا تھا۔ اس عورت نے جس جرأت اور دلیری سے جان دی، سنن ابی داؤد مین حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے۔

اُس کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولین کی فہرست مین اُس کا نام بھی ہے قتل گاہ مین مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک کا نام پکارا جا رہا تھا اور یہ ہوش رُبا صدا بار بار اُسکے کانون مین آتی تھی لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہ سے باتین کرتی جاتی اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی، دفعۃً قاتل نے اس کا نام پکارا، وہ بے تکلف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہان ؟ بولی مین نے ایک جُرم کیا تھا اس کی سزا اُٹھانے جاتی ہون۔ خوشی خوشی قتل گاہ مین آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھدیا۔

حضرت عائشہ جب اس واقعہ کو بیان کرتی تھین تو نہایت حیرت کے لہجہ مین بیان کرتی تھین۔

ریحانہ کا غلط واقعہ

متعدد ارباب سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے قریظہ کے قیدیون مین سے ایک یہودی عورت جس کا نام ریحانہ تھا اسکی نسبت حکم دیا کہ الگ کر لی جائے اور پھر چند روز کے بعد اُسکو اپنے حرم مین داخل کر لیا، چنانچہ جن مورخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم لونڈیون سے بھی متمتع ہوتے تھے، اُنھون نے دو مثالین پیش کی ہین۔ ایک یہی ریحانہ۔ اور دوسری ماریہ قبطیہ۔ عیسائی مورخون نے اس واقعہ کو صحیح قرار دیکر نہایت ناگوار صورت مین دکھایا ہے، ایک مؤرخ نہایت طعن آمیز الفاظ مین

لکھا ہے کہ بانی اسلام جب سات سو مقتولین کی لاشوں کے تڑپنے کا تماشا دیکھ چکا تو گھر پر آکر تفریح خاطر کے لیے ....

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہے۔

ریحانہ کے حرم مین داخل ہونے کی جسقدر روایتین ہین سب واقدی یا ابن اسحاق سے ماخوذ ہین لیکن واقدی نے بتصریح بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان سے نکاح کیا تھا، ابن سعد نے واقدی کی جو روایت نقل کی ہے اس مین خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہین:۔

فاعتقنی وتزوج بی — پھر آنحضرت صلعم نے مجھکو آزاد کر دیا۔ اور مجھ سے نکاح کر لیا۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ مین محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے جو روایت نقل کی ہے اسکے یہ الفاظ ہین:۔

وکانت ریحانۃ القرظیۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسکنہ۔ — اور ریحانہ قرظیہ جو آنحضرت صلعم کی زوجہ (محترم) تھین اس مکان مین رہتی تھین۔

حافظ ابن مندہ کی کتاب (طبقات الصحابہ) تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہے اس مین یہ الفاظ ہین[1]۔

واستسریٰ ریحانۃ من بنی قریظۃ ثم اعتقھا فلحقت باھلھا واحتجبت وھی عند اھلھا۔ — ریحانہ کو گرفتار کیا اور پھر آزاد کر دیا تو وہ اپنے خاندان مین چلی گئین۔ اور وہین پردہ نشین ہو کر رہین۔

حافظ ابن حجر اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہین۔

---

[1] دیکھو اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ریحانہ رضؓ

وهذه فائدة جليلة اغفلها ابن الاثير،

حافظ ابن مندہ کی عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اُنکو آزاد کر دیا تھا، اور وہ اپنے خاندان مین جاکر بیویون کی طرح پردہ نشین ہو کر رہین -

ہمارے نزدیک محقق واقعہ یہی ہے، اور اگر یہی مان لیا جائے کہ وہ حرم نبوی مین آئین تب بھی قطعاً وہ منکوحات مین تھین کنیز نہ تھین -

حضرت زینبؓ سے نکاح ۵ھ | اس سال آنحضرت صلعم نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، نکاح ایک معمولی بات ہے اور اسکی تفصیل کا موقع ازواج مُطہّرات کا عنوان ہے لیکن اس واقعہ مین ایسے حالات جمع ہو گئے جنھون نے مخالفین کے نزدیک اس کو ایک مہتم بالشان مسئلہ بنا دیا - عیسائی مورخون نے اس واقعہ کو نہایت آب ورنگ سے لکھا ہے اور آنحضرت صلعم کی تنقیص و نکتہ چینی (عیاذاً باللہ) کے لیے اُن کے نزدیک اور کوئی واقعہ بکارآمد نہیں ہو سکتا -

ہم اس واقعہ کو تفصیل سے لکھتے ہین جس سے اِس نکتہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات پر نکتہ چینی کا موقع جو دشمنون کو ہاتھ آتا ہے، اس کا اصلی مخرج کیا ہے ؟

آنحضرت صلعم نے زید کو جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے مُتبنّٰی بنا لیا تھا، جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچے تو آپ نے ان کی شادی حضرت زینبؓ سے کرنی چاہی جو آنحضرت صلعم کی حقیقی پھوپھیری بہن تھین۔ (ان کی ماں اُمیمۃ، عبد المطلب کی بیٹی تھین) لیکن چونکہ وہ غلام رہ چکے تھے اس لیے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی -

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارادان یزوجھا زید بن حارثہ مولاہ فکرھت ذلک[1]،

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنے غلام زید سے کردینا چاہا، تو انہوں نے ناپسند کیا۔

لیکن بالآخر آنحضرت صلعم کی تعمیل ارشاد کے لحاظ سے راضی ہوگئین۔ قریبًا ایک سال تک زید کے نکاح مین رہین لیکن دونون مین ہمیشہ شکررنجی رہتی تھی یہان تک کہ زید نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین آکر شکایت کی اور اُن کو طلاق دینا چاہا۔

جاء زید بن حارثہ فقال یا رسول اللہ ان زینب اشتد علی لسانھا، وانا ارید ان اطلقھا[2]،

زید آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے اور عرض کی کہ زینبؓ مجھ سے زبان درازی کرتی ہین اور مین انکو طلاق دینا چاہتا ہون۔

لیکن آنحضرت صلعم بار بار انکو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دین۔ قرآن مجید مین ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰہَ، (احزاب)

اور جبکہ تم اُس شخص سے جسپر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح مین لیے رہو اور خدا سے خوف کرو۔

لیکن کسی طرح صحبت برآر نہ ہوسکے، اور آخر حضرت زید نے انکو طلاق دیدی۔ حضرت زینبؓ آنحضرت صلعم کی بہن تھین اور آپ ہی کی تربیت مین پلی تھین۔ آپ کے زمانے سے انھون نے یہ رشتہ

---

[1] فتح الباری تفسیر سورۂ احزاب، بحوالہ ابن ابی حاتم، [2] فتح الباری تفسیر سورۂ احزاب، بحوالہ روایت عبدالرزاق از معمر از قتادہ۔

منظور کر لیا تھا۔ جو ان کے نزدیک ان کے خلاف شان تھا لیکن آنحضرت صلعم جو مساوات اسلامی قایم کرنا چاہتے تھے اس مین آزاد و غلام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ بہرحال جب وہ مطلقہ ہوگئین تو آپ نے ان کی دلجوئی کے لیے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا۔ لیکن عرب مین اس وقت تک متبنّیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے عام لوگون کے خیال سے آپ تامل فرماتے تھے لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (احزاب)

اور تم اپنے دل مین وہ بات چھپاتے ہو جسکو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگون سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے۔

غرض آپ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا، اور جاہلیت کی ایک قدیم رسم کہ متبنّیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے، مٹ گئی، اس پر منافقون اور بدگویون نے بہت طعنے دیے۔ لیکن امر حق کے اجراء مین مطاعن کا آماجگاہ بننا لازمی ہے۔

واقعہ کی اصلی اور سادہ حقیقت یہ تھی مخالفون نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے، گو سر تا پا کذب و افترا ہے لیکن ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انھون نے رنگ آرائی کے لیے سیاہی ہمارے ہی ہان سے مستعار لی ہے۔

تاریخ طبری مین ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم زید سے ملنے کے لیے اُن کے گھر گئے۔ زید نہ تھے زینبؓ کپڑے پہن رہی تھین، اسی حالت مین آنحضرت صلعم نے اُن کو دیکھ لیا اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے،

سُبْحَانَ اللهِ العظیم سبحان الله — پاک ہے خدائے برتر۔ پاک ہے وہ خدا

مُصَرِّف القلوب[1]۔ جو دلون کو پھیر دیتا ہے۔

زید کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اُنھون نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین عرض کی کہ زینب اگر آپ کو پسند آگئی ہون تو مین انکو طلاق دیدون۔

مین نے یہ بیہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کرکے نقل کی ہو نقل کفر کفر نباشد یہی روایت ہے جو عیسائی مورخون کا مایۂ استناد ہے لیکن ان غریبون کو یہ علوم نہین کہ اصول فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے، مورخ طبری نے یہ روایت **واقدی** کے ذریعہ سے نقل کی ہے جو مشہور کذاب اور دروغگو ہے، اور جس کا مقصد اس قسم کی بیہودہ روایتون سے یہ تھا کہ عباسیون کی عیش پرستی کے لیے سندہات آئے۔

طبری کے علاوہ اور لوگون نے بھی اس قسم کی بیہودہ روایتین نقل کی ہین لیکن محدثین نے ان کو اس قابل نہین سمجھا کہ اُن سے تعرض کیا جائے۔ حافظ ابن حجر سخت روایت پرست ہین تاہم فتح الباری (سورۂ احزاب کی تفسیر) مین جہان اس واقعہ سے بحث کی ہے لکھتے ہین۔

و وردت آثار اخرجها ابن ابی حاتم والطبری ونقلها کثیر من المفسرین لا ینبغی التشاغل بها،	اور اور بہت سی روایتین آئی ہین جنکو ابن ابی حاتم اور طبری نے روایت کیا ہے اور اکثر مفسرین نے انکو نقل کردیا ہے ان روایتون مین مشغول نہونا چاہیے۔

حافظ ابن کثیر جو مشہور محدثین مین ہین اپنی تفسیر مین لکھتے ہین۔

ذکر ابن ابی حاتم وابن جریر ههنا آثارا	ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس موقع پر بعض اسلاف

---

[1] تاریخ طبری آغاز واقعات ۵ہجری۔

عن بعض السلف رضی اللہ عنھم احببنا ان نضرب عنہا صفحا لعدم صحتہا فلا نوردھا وقد روی الامام احمد ھھنا ایضا من روایۃ حماد بن زید عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ فیہ غرابۃ ترکنا سیاقہ ایضا۔

سے چند روایتین نقل کی ہین جنکو ہم اس لیے نظرانداز کر دینا چاہتے ہین کہ وہ غلط ہین۔ اور امام احمد نے بھی اس واقعہ کے متعلق انس سے ایک روایت نقل کی ہے جو غریب ہے۔ ہم نے اسکا ذکر بھی چھوڑ دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت منافقون کا بہت زور تھا، حضرت عائشہؓ پر لوگون نے جو تہمت لگائی وہ بھی اسی سال کا واقعہ ہے۔ منافقین ان خبرون کو اس طرح پھیلاتے تھے کہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتی تھین۔ یہان تک کہ حضرت عائشہؓ کی تہمت مین خود چند مسلمان بھی آلودہ ہوگئے جنکو شریعت کے موافق قذف کی سزا دی گئی یہی روایتین ہین جو بچی کھچی غیر محتاط کتابون مین باقی رہگئین لیکن وہ محدثین جنکا معیار تحقیق بلند ہے اور عدالت روایت کے حاکمان مجاز ہین۔ مثلاً امام بخاری، امام مسلم وغیرہ، ان کے ہان، ان روایتون کا ذکر تک نہین آتا۔

واقعات متفرقہ سنہ ۵ھ | اس سال کی تاریخ مذہبی مین سب سے اہم واقعات عورتون کے متعلق متعدد احکام اصلاحی کا نزول ہے۔ اب تک مسلمان عورتین عام جاہلانہ طریق سے چلتی پھرتی تھین۔ اور اسی قسم کے لباس و زیور پہنتی تھین۔ اب حکم ہوا کہ شریف عورتین گھر سے نکلین تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگھٹ نکال لیا کرین جس سے منہ بھی چھپ جائے۔ آنچل سینہ پر ڈال کر چلین، پانون جھنک جھنک کر نہ چلین، پردہ کی اوٹ سے بولین۔ تصنع اور بناوٹ کی بولی نہ بولین۔ ازواج مطہراتؓ کے لیے غیر مردون کے سامنے آنا قطعاً ممنوع ہوا۔

منھ بولے لڑکے کی بیوی سے جاہلیت مین بیاہ ناجائز تھا اِس رسم کی اصلاح بھی اسی سال ہوئی، زنا کی سزا سنو کوڑے بھی اسی سال نازل ہوئی، عفیف عورتون پر الزام لگانا جاہلیت کا ایک معمولی فعل تھا، اوران کمزورون کے پاس اس حملہ کے روکنے کے لیے کوئی قانونی سپر نہ تھی۔ اِس سال "حدِ قذف" نازل ہوئی جس کی روسے بغیر شہادت کے تنہا اتہام جرم قرار دیا گیا۔ بصورت عدم وجود شہادت **لعان** کا طریقہ بتایا گیا یعنی زن وشو دونون اپنی سچائی اور فریق ثانی کی دروغگوئی کا بحلف اظہار کرین اوراس کے بعد ان مین تفرقہ کردیا جائے۔

عرب مین ایک قسم کی طلاق جاری تھی جس کو **ظہار** کہتے ہین۔ اِس سال اس قسم کی طلاق غیر موثر قرار دی گئی اوراس کے لیے کفارہ مقرر کیا گیا۔

پانی نہ ملنے کی حالت مین **تیمم** کی مشروعیت بھی اسی سال کا حکم ہے۔ بروایت صحیح نماز خوف کا حکم قرآن مجید مین اسی سال نازل ہوا جسکی تفصیل مناسب موقع پر آئے گی۔

---

[۱] بخاری جلد ۲ ص ۷۰۰ وسیرت گازرونی قلمی۔ ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۲ نیز فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ دیکھنا چاہیے۔ یہ تمام احکام سورۂ نور مین بتقریب واقعۂ افک ۵ھ مین نازل ہوئے۔

سنہ ۶

صلح حدیبیہ وبیعت رضوان

ذو قعدہ سنہ ۶

مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہی جسکو حدیبیہ کہتے ہین، گانون بھی اسی کوین کے نام سے مشہور ہوگیا چونکہ عاہدہ صلح یہین لکھا گیا اس لیے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کہتے ہین۔

تاریخ اسلام مین یہ واقعہ نہایت اہم یعنی اسلام کی تمام آیندہ کامیابیون کا دیباچہ ہی، اور اسی بناپر باوجود اس کے کہ وہ صرف ایک صلح کا معاہدہ تھا، اور صلح بھی بظاہر مغلوبانہ تھی۔ تاہم خدا نے قرآن مجید مین اس کو فتح کا لقب دیا ہے۔

کعبہ اسلام کا اصلی مرکز تھا، اسلام کی بنیاد حضرت ابراہیم نے قائم کی تھی اور یہ لقب اسلام بھی انہی کی ایجاد ہے۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج) ابراہیم ہی ہے جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو شریعت ملی وہ کوئی نئی شریعت نہ تھی بلکہ وہی ابراہیمی شریعت تھی۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج) تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب۔

زمانہ کے امتداد سے گو انہی کی اولاد بت پرست بن گئی تھی تاہم کعبہ جو ابراہیمی یادگار تھا عرب کا قبلہ گاہِ عام تھا تمام عرب اس کو اپنا مشترک ورثہ آبائی سمجھتا تھا۔ نہ صرف وہ لوگ جو حضرت ابراہیم کے خاندان سے تھے، بلکہ وہ بھی جو قحطانی تھے اور جن کا سلسلہ نسب اس خاندان سے الگ تھا عرب کے

قبائل سال بھر آپس مین لڑتے رہتے تھے اور یہی غارت گریان ان کی بقائے زندگانی کا ذریعہ تھین۔کیونکہ انکی معاش بھی اسی پر منحصر تھی، تاہم چار مہینے تک جو اشہر حرم کہلاتے تھے تمام لڑائیان بند ہو جاتی تھین قبائلِ عرب دُور دُور سے سفر کرکے آتے اور اس قبلہ گاہِ عام مین عبادت اور عقیدت کے رسوم بجالاتے تھے۔ وہ قبائل جن مین سے ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہوتا تھا، اب یکجا جمع نظر آتے تھے اور شیر و شکر ہو کر ملتے تھے۔گویا بھائی بھائی ہین مسلمان بہ جبر مکہ سے نکالے گئے تھے لیکن یہ خیال ان کے دل سے نہین گیا تھا اور نہ جاسکتا تھا کہ کعبہ پر ان کا بھی کم از کم اسی قدر حق ہے جس قدر اور قبائل کا ہے۔ اس کے ساتھ مکہ سے مسلمانون کو گوناگون تعلقات تھے۔ وہ ان کا قدیم اور محبوب وطن تھا۔ مکہ کی یاد ایک پھانس تھی جو ہر وقت اُن کے کلیجے مین کھٹکتی رہتی تھی، حضرت بلال مکہ مین اس قدر ستائے گئے تھے تاہم ان کو جب مکہ یاد آتا تو روتے تھے اور پکار کر یہ اشعار[1] پڑھتے تھے۔

اَلَا لَیْتَ شِعْرِیْ هَلْ اَبِیْتَنَّ لَیْلَةً	آہ! کیا پھر کبھی وہ دن آسکتا ہے کہ مین مکہ کے
بِوَادٍ وَحَوْلِیْ اِذْخِرٌ وَجَلِیْلُ	وادی مین ایک رات بسر کرون اور میرے پاس
وَهَلْ اَرِدَنْ یَوْمًا مِیَاهَ مَجَنَّةٍ	اذخر اور جلیل ہون۔ اور کیا وہ دن بھی ہوگا کہ مین مجنہ
وَهَلْ یَبْدُوَنْ لِیْ شَامَةٌ وَّطَفِیْلُ	کے چشمہ پر اترون اور شامہ و طفیل مجھکو دکھائی دین۔

اکثر مہاجرین جان بچا کر نکل آئے تھے لیکن خاندان اور بال بچے وہین رہ گئے تھے۔

اسلام کے فرائض چہارگانہ مین حج کعبہ ایک رکنِ اعظم ہے غرض مختلف اسباب سے

[1] یہ اشعار صحیح بخاری مین بھی مذکور ہین۔

سے آنحضرت صلعم نے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو کوئی اور احتمال نہ ہو، عمرہ[1] کا احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لیے۔ یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص ہتیار باندھکر نہ آئے۔ صرف تلوار جو عرب مین سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی۔ پاس رکھ لی جائے اس مین بھی یہ شرط ہے کہ نیام مین بند ہو،

چونکہ مہاجرین عموماً اور اکثر انصار اس سعادت کے منتظر تھے۔ ۱۴۰۰ شخص اس سفر مین ہمرکاب ہوئے مقام **ذوالحلیفہ** پہونچکر قربانی کی ابتدائی رسمین ادا ہوگئین یعنی قربانی کے اونٹ ساتھ تھے انکی گردنون مین قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کے نعل لگادیے گئے

احتیاط کے لیے قبیلۂ خزاعہ کا ایک شخص جسکے اسلام لانے کا حال قریش کو معلوم نہ تھا پہلے بھیجدیا گیا کہ قریش کے ارادہ کی خبر لائے جب قافلہ **عسفان** کے قریب پہنچا اس نے آکر خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل (احابیش) کو یکجا کرکے کہدیا ہے کہ محمدؐ مکہ مین کبھی نہین آسکتے۔

غرض قریش نے بڑے زور و شور سے مقابلہ کی طیاری کی۔ قبائل متحدہ کے پاس پیغام بھیجا وہ جمعیت عظیم لیکر آئے، مکہ سے باہر بلدح ایک مقام پر فوجین فراہم ہوئین، خالد بن ولید جو اب تک اسلام نہین لائے تھے دو سو سوار لیکر جن مین ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بڑھے اور غمیم تک پہونچگئے جو رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قریش نے خالد کو طلیعہ بناکر بھیجا ہے اور وہ مقام غمیم تک آگئے ہین اس لیے کترا کر داہنی طرف سے چلو، فوج اسلام جب غمیم کے قریب پہنچگئی تو خالد کو گھوڑون کی گرد اڑتی نظر آئی وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے گئے اور قریش کو خبر کی کہ لشکر اسلام غمیم تک آگیا آنحضرت صلعم

---

[1] وساق معہ الھدی واحرم بالعمرۃ لیامن الناس من حربہ (ابن ہشام)

آگے بڑھے اور حدیبیہ مین پہنچکر مقام کیا یہان پانی کی قلت تھی۔ ایک کنوان تھا وہ پہلے ہی آدمین خالی ہوگیا لیکن اعجاز نبوی سے اس مین اسقدر پانی آگیا کہ سب سیراب ہوگئے۔

قبیلۂ خزاعہ نے اب تک اسلام نہین قبول کیا تھا لیکن اسلام کے حلیف اور رازدار تھے۔ قریش اور عام کفار جو منصوبے اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے وہ ہمیشہ آنحضرت صلعم کو اُس سے مُطلع کردیا کرتے تھے۔ اس قبیلہ کے رئیس اعظم بدیل بن ورقا تھے (فتح مکہ مین اسلام لائے) انکو آنحضرت صلعم کا تشریف لانا معلوم ہوا تو چند آدمی ساتھ لیکر بارگاہِ نبوی مین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ قریش کی فوجون کا سیلاب آرہا ہے، وہ آپ کو کعبہ مین نہ جانے دین گے، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قریش سے جاکر کہدو کہ ہم عمرۂ[1] کی غرض سے آئے ہین لڑنا مقصود نہین، جنگ نے قریش کی حالت زار کردی ہے اور ان کو سخت نقصان پہنچایا ہے اُن کے لیے یہ بہتر ہے کہ ایک مدت معین کے لیے معاہدہ صلح کرلین اور مجھکو عرب کے ہاتھ مین چھوڑ دین۔ اس پر بھی اگر وہ راضی نہین تو اس خدا کی قسم جس کے ہات مین میری جان ہے مین یہانتک لڑونگا کہ میری گردن الگ ہوجاے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کردے"۔ بدیل نے جاکر قریش سے کہا کہ مین محمدؐ کے پاس سے پیغام لے کر آیا ہون اجازت دو تو کہون"۔ چند شریر بول اُٹھے کہ ہم کو محمدؐ کے پیغام سُننے کی ضرورت نہین لیکن سنجیدہ لوگون نے اجازت دی۔ بدیل نے آنحضرت صلعم کی شرطین پیش کین۔ عروۃ بن مسعود ثقفی نے اُٹھکر کہا "کیون قریش! کیا مین تمھارا باپ اور تم میرے بچے نہین"۔ بولے ہان، عروۃ نے کہا میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہین سب نے کہا نہین۔ عروۃ نے کہا، اچھا تو مجھکو اجازت دو کہ مین خود جاکر معاملہ طے

---

[1] عمرۃ گویا ایک چھوٹا سا حج ہے جس مین حج کی اکثر رسمین ادا کی جاتی ہین۔

گردن، محمدؐ نے معقول شرطین پیش کی ہین" غرض آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے قریش کا پیغام سنایا اور کہا، محمد فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کردیا تو کیا اسکی اور بھی کوئی مثال ہی کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کردیا ہو۔ اس کے سوا اگر لڑائی کا رُخ بدلا تو تمھارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح اُڑ جائیگی۔ حضرت ابوبکر کو اس بدگمانی پر اسقدر غصّہ آیا کہ گالی دیکر کہا کہ کیا ہم محمد صلعم کو چھوڑ کر بھاگ جائینگے؟ عروۃ نے آنحضرت صلعم سے پوچھا یہ کون ہین؟ آپ نے فرمایا ابوبکر، عروۃ نے کہا مین ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا۔ لیکن انکا ایک احسان میری گردن پر ہے جس کا بدلا ابھی تک مین ادا نہین کرسکا۔

عروۃ آنحضرت صلعم سے بے تکلفانہ طریقہ سے گفتگو کر رہا تھا اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی ڈاڑھی پکڑ لیتے ہین وہ ریش مبارک پر بار بار ہات ڈالتا تھا، مغیرہ بن شعبہ جو ہتیار لگائے آنحضرت صلعم کی پشت پر کھڑے تھے اس جرات کو گوارا نہ کرسکے، عروۃ سے کہا "اپنا ہات ہٹالے ورنہ یہ ہات بڑھ کر واپس نہ جاسکے گا" عروۃ نے مغیرۃ کو پہچانا اور کہا "او دغاباز! کیا مین تیری دغابازی کے معاملہ مین تیرا کام نہین کر رہا ہون"۔ (مغیرہ نے چند آدمی قتل کردیے تھے۔ جن کا خون بہا عروۃ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا۔)

عروۃ نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اُس نے اس کے دل پر عجیب اثر کیا۔ قریش سے جاکر کہا کہ مین نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہین۔ یہ عقیدت اور وارفتگی کہین نہین دیکھی۔ محمد (صلعم) بات کرتے ہین تو سناٹا چھا جاتا ہے کوئی شخص اُنکی طرف نظر بھر کر نہین دیکھ سکتا۔ وہ وضو کرتے ہین تو پانی جو گرتا ہے اُس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھون ہاتھ لیتے ہین اور چہرہ اور ہاتون مین مل لیتے ہین۔

چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا آنحضرت صلعم نے خراش بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا لیکن قریش نے اُن کی سواری کے اونٹ کو جو خاص رسول اللہ صلعم کی سواری کا تھا مار ڈالا اور خود اُن پر بھی یہی گزرنے والی تھی لیکن قبائل متحدہ کے لوگوں نے بچا لیا اور وہ کسی طرح جان بچا کر چلے آئے۔

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو لیکن یہ لوگ گرفتار کر لیے گئے، گو یہ سخت شرارت تھی لیکن رحمتِ عالم کا دامنِ عفو اس سے زیادہ وسیع تھا آپ نے سب کو چھوڑ دیا اور معافی دیدی۔ قرآن مجید کی اس آیت مین اسی واقعہ کی طرف اشارہ[۱] ہے۔

هُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَ	وہ وہی خدا ہے جس نے مکہ مین ان لوگون کا ہاتھ تسے
أَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ	اور تمہارا ہاتھ اُن سے روک دیا۔ بعد اس کے
أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ،	کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا۔

بیعت رضوان

بالآخر آپ نے گفتگوے صلح کے لیے حضرت عمر کو انتخاب کیا لیکن انھون نے معذرت کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہین اور مکہ مین میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہین کہ مجکو بچا سکے۔ آپنے حضرت عثمان کو بھیجا وہ اپنے ایک عزیز (ابان بن سعید) کی حمایت مین مکہ گئے اور آنحضرت صلعم کا پیغام سنایا، قریش نے ان کو نظربند کر لیا لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ قتل کر ڈالے گئے۔ یہ خبر آنحضرت کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا قصاص لینا فرض ہے یہ کہکر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی تمام صحابہ نے جن مین زن و مرد دونون شامل تھے۔ ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دستِ مبارک پر جان نثاری کا عہد کیا، یہ تاریخ اسلام کا

[۱] ان آیتون کی شان نزول مین سخت اختلاف ہے لیکن زیادہ معتبر یہی روایت ہے۔

ایک مہتم بالشان واقعہ ہی۔ اس بیعت کا نام **بیعۃ الرضوان** ہی۔ سورۂ فتح مین اس واقعہ کا اور درخت کا ذکر ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ	خدا مسلمانون سے راضی تھا جبکہ وہ تیرے ہات
إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ	پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ سو خدا نے
فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا	جان لیا جو کچھ ان لوگون کے دلون مین تھا۔ تو خدا نے
قَرِيْبًا۔	اُن پر تسلّی نازل کی اور عاجلانہ فتح دی۔

لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی۔

قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ چنانچہ لوگون نے ان کو خطیب قریش کا خطاب دیا تھا، قریش نے ان سے کہدیا صلح صرف اس شرط پر ہوسکتی ہے کہ محمد اس سال واپس چلے جائین۔

سہیل آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور دیر تک صلح کے شرائط پر گفتگو رہی بالآخر چند شرطون پر **اتفاق** ہوا، اور آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ قلمبند کرین۔ حضرت علی نے عنوان پر "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم" لکھا۔

عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتدا مین "باسمک اللّٰھم" لکھتے تھے۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے وہ آشنا نہ تھے۔ اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائین۔ آنحضرت صلعم نے منظور فرمایا۔ آگے کا فقرہ تھا ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ

---

[1] زرقانی۔

یعنی "وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلعم نے تسلیم کیا"۔ سہیل نے کہا "اگر ہم آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا تھا۔ آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں"۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ گو تم تکذیب کرتے ہو لیکن "خدا کی قسم میں خدا کا پیغمبر ہوں"۔ یہ کہکر آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ اچھا خالی میرا نام لکھو۔ حضرت علی سے زیادہ کون فرمان گزار ہوسکتا تھا لیکن عالم محبت میں ایسے مقام بھی پیش آتے ہیں جہاں فرمان بری سے انکار کرنا پڑتا ہے، حضرت علی نے کہا میں ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤں گا، آپنے فرمایا اچھا مجھکو دکھاؤ میرا نام کہاں ہے۔ حضرت علی نے اُس جگہ پر انگلی رکھدی، آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا[1]۔

آنحضرت صلعم کو لکھنا نہیں آتا تھا۔ اسی بنا پر آپ کو "اُمّی" کہتے ہیں۔ یہ واقعہ مسلم میں جہاں منقول ہے لکھا ہے کہ آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا کر ابن عبد اللہ لکھدیا۔ بخاری میں چونکہ یہ واقعہ عام روایت کے خلاف ہے اس لیے ایک معرکۃ الآرا مباحثہ بن گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کا کام روز مرہ جب نظر سے گزرتا رہتا ہے تو ناخواندہ شخص بھی اپنے نام سے حرف آشنا ہو جاتا ہے۔ اس سے اُمّیت میں فرق نہیں آتا۔ بے شبہ اُمّی ہونا آپکا فخر ہے اور خود قرآن مجید میں یہ وصف، شرف وعزت کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ۔

شرائط صلح یہ تھے۔

۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

[1] صحیح بخاری کی اس روایت میں حضرت علی کا نام اور ان کی گفتگو مذکور نہیں۔ یہ تصریح بخاری کی اُس روایت میں ہے جو کہ کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء میں مذکور ہے، صحیح مسلم میں بھی یہ واقعہ منقول ہے۔

۲۔ اگلے سال آئین اور صرف تین دن قیام کرکے چلے جائین۔

۳۔ ہتیار لگاکر نہ آئین، صرف تلوار ساتھ لائین۔ وہ بھی نیام مین اور نیام بھی جلبان (تھیلا وغیرہ) مین۔

۴۔ مکہ مین جو مسلمان پہلے سے مقیم ہین ان مین سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائین، اور مسلمانون مین سے کوئی مکہ مین رہ جانا چاہے تو اُس کو نہ روکین۔

۵۔ کافرون یا مسلمانون مین سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کردیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ مین جائیگا تو وہ واپس نہین کیا جائے گا۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین مین سے جس کے ساتھ چاہین معاہدہ مین شریک ہوجائین۔

یہ شرطین بظاہر مسلمانون کے سخت خلاف تھین، اتفاق یہ کہ عین اس وقت جبکہ معاہدہ لکھا جارہا تھا، سُہیل کے صاحبزادے (ابوجندل) جو اسلام لاچکے تھے اور مکہ مین کافرون نے اُن کو قید کررکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتین دیتے تھے کسی طرح بھاگ کر پانون مین بیڑیان پہنے ہوئے آئے اور سب کے سامنے گرپڑے۔ سُہیل نے کہا "محمدؐ! (صلعم) صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے: اس (ابوجندل) کو شرائط صلح کے مطابق مجھکو واپس دیدو"۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا "ابھی معاہدہ قلمبند نہین ہوچکا"، سہیل نے کہا "تو ہمکو صلح بھی منظور نہین"۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا اچھا ان کو یہین رہنے دو، سہیل نے نامنظور کیا، آپ نے چند دفعہ اصرار کیا لیکن سہیل کسی طرح راضی نہوا

لے یہ تمام شرائط کتب سیر کے علاوہ صحیح مسلم مین بھی ہین۔

مجبوراً آنحضرت صلعم کو تسلیم کرنا پڑا۔ ابوجندل کو کافرون نے اِس قدر مارا تھا کہ اُن کے جسم پر نشان تھے مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے اور کہا "برادران اسلام! کیا پھر مجھکو اسی حالت مین دیکھنا چاہتے ہو؟ مین اسلام لاچکا ہون، کیا پھر مجھکو کافرون کے ہات مین دیتے ہو" تمام مسلمان تڑپ اُٹھے حضرت عمرؓ ضبط نہ کرسکے، آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے اور کہا "یا رسول اللہ! کیا آپ پیغمبر برحق نہین ہین؟ آپ نے ارشاد فرمایا "ہان ہون" حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر نہین؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہان ہم حق پر ہین۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو ہم دین مین یہ ذلت کیون گوارا کرین۔ آپ نے فرمایا "مین خدا کا پیغمبر ہون اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہین کرسکتا خدا میری مدد کریگا" حضرت عمرؓ نے کہا کیا آپنے یہ نہین فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کرین گے؟ آپ نے فرمایا لیکن یہ تو نہین کہا تھا کہ اسی سال کرین گے" حضرت عمرؓ اُٹھکر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے۔ اور وہی گفتگو کی حضرت ابوبکرؓ نے کہا، وہ پیغمبر خدا ہین جو کچھ کرتے ہین خدا کے حکم سے کرتے ہین۔

حضرت عمرؓ کو اپنی ان گستاخانہ معروضات کا جو بے اختیاری مین اُن سے سرزد ہوئین تمام عمر سخت رنج رہا اور اس کے کفارہ کے لیے اُنھون نے نمازین پڑھین، روزے رکھے، خیرات کی غلام آزاد کیے، بخاری مین اگرچہ ان اعمال کا ذکر اجمالاً ہی لیکن ابن اسحاق نے تفصیل سے یہ تمام باتین گنائی ہین۔

اس حالت کا گوارا کرنا گو صحابہؓ کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا۔ ایک طرف (ظاہر مین) اسلام کی توہین ہے، ابوجندل بیڑیان پہنے ہ۱سوجان نثاران اسلام سے استغاثہ کرتے ہین سب کے دل جوش سے لبریز ہین اور اگر رسول اللہ صلعم کا ذرہ ایما ہو جائے تو تلوار فیصلۂ قطع

کے لیے موجود ہے۔ دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہین اور ایفاے عہد کی ذمہ داری ہے
رسول اللہؐ نے ابوجندل کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

یا اباجندل اصبر واحتسب فانّ اللہ	ابوجندل! صبر اور ضبط سے کام لو۔ خدا تمھارے
جاعل لک ولمن معک من المستضعفین	لیئے اور مظلومون کے لیے کوئی راہ نکالے گا۔
فرجًا ومخرجًا انّا قد عقدنا صلحًا وانا	صلح اب ہو چکی اور ہم اِن لوگون سے بدعہدی
لا نغدر بہم۔	نہین کر سکتے۔

غرض ابوجندل کو اسیطرح پابہ زنجیر واپس جانا پڑا،

آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ لوگ یہین قربانی کرین لیکن لوگ اسقدر دلشکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اُٹھا یہانتک کہ جیسا کہ صحیح بخاری مین ہے تین دفعہ باربار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہوا آنحضرت صلعم گھر مین تشریف لے گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہ سے شکایت کی۔ انھون نے کہا آپ کسی سے کچھ نہ فرمائین۔ بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کرین اور احرام اُتارنے کے لیے بال منڈوائین آپ نے باہر آکر خود قربانی کی اور بال منڈوائے۔ اب جب لوگون کو یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ مین تبدیلی نہین ہو سکتی تو سب نے قربانیان کین اور احرام اُتارا۔

صلح کے بعد تین دن تک آپ نے حدیبیہ مین قیام فرمایا، پھر روانہ ہوئے تو راہ مین یہ سورہ اُتری۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا	ہم نے تجھکو کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔

تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے، خدا نے اس کو فتح کہا آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کو بلاکر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے، انھون نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ

"ہان"، صحیح مسلم مین ہے کہ حضرت عمر کو تسکین ہوگئی اور مطمئن ہوگئے، نتائج مابعد نے اس رازِ سربستہ کی عقدہ کشائی کی۔

اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے۔ اب صلح کی وجہ سے آمد و رفت شروع ہوئی خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ مین آتے، مہینون قیام کرتے اور مسلمانون سے ملتے جلتے تھے۔ باتون باتون مین اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص حُسنِ عمل، نیکوکاری۔ پاکیزہ اخلاقی کی ایک زندہ تصویر تھا۔ جو مسلمان مکہ جاتے تھے انکی صورتین یہی مناظر پیش کرتی تھین اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے مورخین کا بیان ہے کہ اس معاہدۂ صلح سے لیکر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہین لائے تھے۔ حضرت **خالد** (فاتح شام) اور عمرو بن عاص (فاتح مصر) کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے۔

معاہدۂ صلح مین یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے چلا آئے گا وہ پھر مکہ کو واپس کر دیا جائے گا اس مین صرف مرد داخل تھے عورتین نہ تھین، عورتون کے متعلق خاص یہ آیت اتری

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ	مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتین ہجرت کرکے آئین
مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ	تو انکو جانچ لو۔ خدا انکے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب
فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ	اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہین تو ان کو کافرون کے

[1] صلح حدیبیہ کے واقعات صحیح بخاری مین نہایت تفصیل سے مذکور ہین لیکن اصل موقع یعنی غزوات کے ذکر مین نہین۔ بلکہ کتاب الشروط مین۔ اس بنا پر اربابِ سیر کی نگاہ سے یہ واقعات رہ گئے غزوات مین جستہ جستہ واقعات ہین جنکو انکو بھی لیا ہے باقی جزئیات صحیح مسلم اور ابن ہشام سے ماخوذ ہین۔

اِلَى الْكُفَّارِ ط لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ	ہان واپس نہ بھیجو، نہ وہ عورتین کافرون کے قابل ہین اور نہ کافر
لَهُنَّ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ط وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	اُن عورتون کے قابل ہین اور ان عورتون نے ان لوگون نے جو خرچ کیا
اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ط	ہو وہ تم انکو دیدو۔ اور تم انسے شادی کرسکتے ہو بشرطیکہ انکے
وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (ممتحنہ)	مہرادا کردو۔ اور کافرہ عورتون کو اپنے نکاح مین نہ رکھو۔

جو مسلمان مکہ مین مجبوری سے رہ گئے تھے، چونکہ کفار اُن کو سخت تکلیفین دیتے تھے اس لیے وہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے۔ سب سے پہلے عتبہ بن اسید (ابوبصیر) بھاگ کر مدینہ آئے، قریش نے آنحضرت صلعم کے پاس دو شخص بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کردیجیے۔ آنحضرت صلعم نے عتبہ سے فرمایا کہ واپس جاؤ عتبہ نے عرض کی کہ کیا آپ مجھکو کافرون کے پاس بھیجتے ہین کہ مجھکو کفر پر مجبور کرین۔ آپنے ارشاد فرمایا "خدا اسکی کوئی تدبیر نکالے گا" عتبہ مجبوراً دو کافرون کی حراست مین واپس گئے لیکن مقام ذوالحلیفہ پہنچکر انھون نے ایک شخص کو قتل کرڈالا۔ دوسرا شخص جو بچ رہا اُسنے مدینہ آکر آنحضرت صلعم سے شکایت کی۔ ساتھ ہی ابوبصیر بھی پہنچے اور عرض کی کہ آپ نے عہد کے موافق اپنی طرف سے مجھکو واپس کردیا اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہین۔ یہ کہکر مدینہ سے چلے گئے۔ اور مقام عیص مین جو سمندر کے کنارے ذومرۃ کے پاس ہے رہنا اختیار کیا۔ مکہ کے بیکس اور ستم رسیدہ لوگون کو جب معلوم ہوا کہ جان بچانیکا ایک ٹھکانا پیدا ہوگیا ہے، تو چوری چھپے بھاگ بھاگ کر یہان آنے لگے چند روز کے بعد اچھی خاصی جمعیت ہوگئی اور اب ان لوگون نے اتنی قوت حاصل کرلی کہ قریش کا کاروانِ تجارت جو شام کو جایا کرتا تھا اس کو روک لیتے تھے۔ ان حملون مین جو مال غنیمت مل جاتا تھا، وہ اُن کی معاش کا سہارا تھا۔

قریش نے مجبور ہوکر آنحضرت صلعم کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہین، اب جو مسلمان چاہے مدینہ جاکر آباد ہوسکتا ہے۔ ہم اس سے تعرض نہ کرین گے؛ آپ نے آوارہ وطن مسلمانون کو لکھ بھیجا کہ یہان چلے آؤ۔ چنانچہ ابوجندل اور اُنکے ساتھی مدینہ مین آکر آباد ہوگئے اور کاروانِ قریش کا راستہ[1] بدستور کھل گیا۔

مستورات مین سے اُم کلثوم جو رئیسِ مکہ (عقبہ بن ابی معیط) کی صاحبزادی تھین اور مسلمان ہوچکی تھین مدینہ ہجرت کرکے آئین لیکن ان کے ساتھ اُن کے دونون بھائی عمارۃ اور ولید بھی آئے اور آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ انکو واپس دیدیجیے۔ آپ نے منظور نہین فرمایا۔ صحابہ مین سے جن لوگون کی ازواج مکہ مین رہ گئین تھین، اور اب تک کافرہ تھین صحابہ نے انکو طلاق دیدی۔

---

[1] یہ تفصیل اکتفاء کلاعی سے خمیس نے نقل کی ہے۔

سلاطین کو اسلام کی دعوت

سنہ ۶ھ

ادع الیٰ سبیلِ ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ

حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانون مین پہنچا دیا جائے، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے (ایک دن تمام صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ دیا، ایہا الناس خدا نے مجھکو تمام دنیا کے لیے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہی۔ دیکھو حوارین عیسیٰ کی طرح اختلاف نکرنا۔ جاؤ میری طرف سے پیغامِ حق ادا کرو" اس کے بعد آپ نے) قیصرِ روم، شہنشاہ عجم، عزیزِ مصر، اور رؤسائے عرب کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال فرمائے، جو لوگ خطوط لے کر گئے، اور جن کے نام لے کر گئے اُن کی تفصیل یہ ہے[1]،

دحیۃ کلبی	قیصرِ روم
عبداللہ بن حذافہ سہمی	خسرو پرویز کجکلاہِ ایران
حاطب بن بلتعہ	عزیزِ مصر
عمرو بن امیۃ	نجاشی بادشاہِ حبش
سلیط بن عمر بن عبد شمس	رؤسائے یمامۃ
شجاع بن وہب الاسدی	رئیس حدود شام، حارث غسانی،

---

[1] طبری اور ابن ہشام،

ایرانیون نے چند برس پہلے بلادِ شام پر حملہ کرکے رومیون کو شکست دی تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت غُلِبَتِ الرُّوْمُ مین ہے، ہرقل نے اُس کے انتقام کے لیے بڑے سر و سامان سے فوجین طیار کین اور ایرانیون پر حملہ کرکے ان کو سخت شکست دی تھی۔ اس کا شکرانہ ادا کرنے کے لیے وہ حمص سے بیت المقدس آیا تھا اور اس شان سے آیا تھا کہ جہان چلتا تھا زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھاتے جاتے تھے[1]۔

شام مین عرب کا جو خاندان قیصر کے زیر حکومت رہا کرتا تھا وہ غسانی خاندان تھا اور اُس کا پایۂ تخت بصریٰ تھا جو دمشق کے علاقہ مین ہے اور آجکل حوران کہلاتا ہے، اُس زمانہ مین اس خاندان کا تخت نشین حارث غسانی تھا۔ دحیہ کلبی نے آنحضرت صلعم کا نامۂ مبارک یہین بصرے مین حارث غسانی کو لاکر دیا، اُس نے قیصر کے پاس بیت المقدس مین بھیجدیا، قیصر کو خط ملا تو اُس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص ملسکے تو لاؤ، اتفاق یہ کہ ابوسفیان تجارت کے ساتھ غزہ مین مقیم تھے قیصر کے آدمی انکو غزہ سے جاکر لائے۔

قیصر نے بڑے سامان سے دربار منعقد کیا، خود تاجِ شاہی پہنکر تخت پر بیٹھا، تخت کے چارون طرف بطارقہ قسیس اور رہبان کی صفین قائم کین، اہل عرب کی طرف مخاطب ہو کر کہا، تم مین سے اس مُدعیِ نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا "مین" پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی،

قیصر، مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

---

[1] ہرقل کا پورا واقعہ فتح الباری شرح صحیح بخاری سے لیا گیا ہے۔ اصل صحیح بخاری مین مجمل واقعہ ہے۔ زائد تفصیلین حافظ ابن حجر نے اور کتابون سے بڑھائی ہین۔

ابوسفیان، شریف ہے،

قیصر اِس خاندان مین کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان، نہین،

قیصر اس خاندان مین کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان نہین،

قیصر جن لوگون نے یہ مذہب قبول کیا ہو وہ کمزور لوگ ہین، یا صاحبِ اثر،

ابوسفیان کمزور لوگ ہین۔

قیصر اُس کے پیرو بڑھ رہے ہین یا گھٹتے جاتے ہین؟

ابوسفیان بڑھتے جاتے ہین،

قیصر کبھی تم لوگون کو اسکی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟

ابوسفیان نہین،

قیصر وہ کبھی عہد اور اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہو؟

ابوسفیان ابھی تک تو نہین کی لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح ہوا ہے دیکھین وہ عہد پر قایم رہتا ہو یا نہین،

قیصر تم لوگون نے اس سے کبھی جنگ بھی کی؟

ابوسفیان ہان۔

قیصر نتیجۂ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان کبھی ہم غالب آے اور کبھی وہ،

قیصر وہ کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحم کرو۔

اِس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النّسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں، تمنے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعوےٰ نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو مین سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان مین کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو مین سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے، تم مانتے ہو کہ اُسنے کبھی جھوٹ نہیں کہا، جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا، وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے پیروی کی ہے، پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں، تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے۔ سچّے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اُس نے کبھی فریب نہیں کیا، پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے، تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ وعفاف کی ہدایت کرتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری قدمگاہ تک اس کا قبضہ ہوجائے گا، مجھکو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب مین پیدا ہوگا، مین اگر وہان جاسکتا تو خود اُس کے پانون دھوتا۔[1]

اِس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ رسولؐ اللہ کا خط پڑھا جائے،

فرمانِ رسالت کے یہ الفاظ تھے۔

---

[1] یہ پوری گفتگو صحیح بخاری کے متعدد ابواب مین منقول ہے ابتداء کتاب مین بھی اور باب الجہاد مین بھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، من محمد عبد اللہ ورسولہ
الی ھرقل عظیم الروم، سلام علی من اتبع الھدیٰ
اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام،
اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان
تولیت فعلیک اثم الاریسین ویا اھل الکتاب
تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا
نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا
یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان
تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون ٥

بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد کیطرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے
یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے اس کو سلامتی ہو
جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد مین تجھکو اسلام کی دعوت
کی طرف بلاتا ہون۔ اسلام لا۔ تو سلامت رہیگا۔ خدا تجھکو
دگنا اجر دیگا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے
اوپر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم مین
اور تم مین یکسان ہے۔ وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجین اور
ہم مین سے کوئی کسیکو (خدا کو چھوڑکر) خدا نہ بنائے۔ اور تم نہین
مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہین۔

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اُس سے بطارقہ اور اہل دربار تخت برہم ہو چکے تھے
نامہ مبارک کے پڑھے جانے پر اور بھی برہم ہوئے۔ یہ حالت دیکھکر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اُٹھا دیا،
اور گو اس کے دل مین نور اسلام آچکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی مین وہ روشنی بجھکر رہ گئی۔[1]

خسرو پرویز (شہنشاہ ایران) کے نام جو نامہ مبارک عبد اللہ بن حذافہ لیکر گئے تھے یہ تھا۔

---

[1] مسند ابن حنبل صفحہ ۷۴، جلد ۴ مین ہے کہ دحیہ کے ساتھ قیصر نے اپنا ایک سفیر خط کا جواب دے کر خدمت نبوی مین بھیجا تھا
اور پیغمبر کو نبوت کے چند سوالات بتا دیے تھے۔ اُسنے سوالات پوچھے آپ نے جوابات دیے اور آخر بغیر اسلام لائے
وہ واپس گیا لیکن یہ حدیث صحیح نہین اس مین ہے کہ قیصر کا خط پڑھنے کے لیے آنحضرت صلعم نے معاویہ کو بلایا اور انھون نے
پڑھکر سنایا۔ حالانکہ وہ اُس وقت اسلام بھی نہین لائے تھے

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ	خدائے رحمن ورحیم کے نام سے، محمد پیغمبر کی طرف کسریٰ
الیٰ کسریٰ عظیم فارس سلام علی من اتبع	(رئیس فارس) کے نام سلام ہو اُس شخص پر جو ہدایت کا پیرو
الھدیٰ وآمن باللہ ورسولہ واشھد ان	ہو اور خدا اور پیغمبر خدا پر ایمان لائے اور یہ گواہی دے کہ خدا
لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ الی الناس	صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجکو تمام دنیا کا پیغمبر مقرر
کافۃ لینذر من کان حیا اسلم تسلم فان	کر کے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے تو اسلام
ابیت فعلیک اثم المجوس ،	قبول کر تو سلامت رہیگا، ورنہ مجوسیون کا وبال تیرے گردن پر ہوگا

خسرو پرویز بڑی شوکت وشان کا بادشاہ تھا، اسکی سلطنت مین دربار کو جو عظمت وجلال حاصل ہوا کبھی نہین ہوا تھا، عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے ان مین عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا، نامۂ مبارک مین پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ کا نام تھا، خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ "میرا غلام ہو کر مجھکو یون لکھتا ہے" پھر نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا لیکن چند روز کے بعد خود سلطنتِ عجم کے پرزے اُڑ گئے۔

نظامی نے شیرین خسرو مین یہ داستان مفصل لکھی ہے اور اسلامی جوش سے لکھی ہے ہم اس کے چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین۔

دران دوران کہ گیتی رام او بود[1]	ز شرق تا بمغرب نام او بود
رسولِ ما بہ حجت ہائے قاھر	نبوت در جہان مے کرد ظاھر
گے با سنگِ خارا رازمی گفت	گہے ریگش حکایت باز می گفت

[1] اس سے خسرو مراد ہے،

خلائق را ز دعوت جام در داد — بہ ہر کشور صلاے عام در داد

بفرمود از عطا عطرے سرشتند — بنامِ ہر یکے سطرے نوشتند

چو از نامِ نجاشی باز پرداخت — ز بہرِ نامِ خسرو نامۂ ساخت

چو قاصد عرضہ کرد آن نامۂ نو — بجوشید از غضب اندامِ خسرو

ز تیزی گشت ہر مویش سنانی — ز گرمی ہر رگش آتش فشانی

سوادے دید روشن ہیبت انگیز — نوشتہ از محمدؐ سوے پرویز

چو عنوان گاہِ عالم تاب را دید — تو گفتی سگ گزیدہ آب را دید

غرورِ بادشاہی بردش از راہ — کہ گستاخی کہ یارد با چو من شاہ

کرا زہرہ کہ با این احترامم — نویسد نامِ خود بالاے نامم

رخ از گرمی چو آتش گاہِ خود کرد — بجز اندیشۂ بد کرد و بد کرد

درید آن نامۂ گردن شکن را — نہ نامہ بلکہ نامِ خویشتن را

فرستادہ چو دید آن خشمناکی — بہ رجعت پاے خود را کرد خاکی

ازان آتش کہ آن دودِ تہی داشت — چراغِ آگہان[1] را آگہی داشت

ز گرمی آن چراغِ گردن افراز — دعا را داد چون پروانہ پرواز

عجم را زان دعا کسرے در افتاد — کلاہ از تارکِ کسرےٰ در افتاد

زہے شاہنشہے کز بیم و امید — قلم راندہ بر افریدون و جمشید

---

[1] آگہان یعنی ارباب علم چراغ آگہان سے "آنحضرت صلعم مراد ہیں" آگہی داشت یعنی خبر کی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نامہ مبارک پہنچنے کے بعد خسرو پرویز نے گورنر یمن کو جس کا نام باذان تھا فرمان بھیجا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ اس نئے مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے دربار مین لائے، باذان نے دو شخصون کو جن مین سے ایک کا نام بابویہ اور دوسرے کا خرخسرہ تھا، مدینہ منورہ روانہ کیا۔ ان دونون نے بارگاہ رسالت مین آکر عرض کی کہ شاہنشاہ عالم (کسریٰ) نے تمکو بلایا ہے، اگر تعمیل حکم نہ کروگے تو وہ تمکو اور تمھارے ملک کو برباد کردے گا۔ آپنے فرمایا کہ تم واپس جاؤ اور کہدینا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچے گی۔ یہ لوگ پیغام پہنچا کر یمن مین آئے تو خبر آئی کہ شیرویہ (خسرو پرویز کا بیٹا) نے خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا۔

نجاشی (بادشاہ حبش) کو آپ نے دعوت اسلام کا جو خط لکھا تھا اس کے جواب مین اُس نے عریضہ بھیجا کہ "مین گواہی دیتا ہون کہ آپ خدا کے سچے پیغمبر ہین" حضرت جعفر طیار جو ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے یہین موجود تھے نجاشی نے اُنکے ہاتھ پر بیعت اسلام کی۔ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبون کے ساتھ بارگاہ رسالت مین عرض نیاز کے لیے بھیجا لیکن جہاز سمندر مین ڈوب گیا اور یہ سفارت ہلاک ہوگئی[1]

عام ارباب سیر لکھتے ہین کہ نجاشی نے ۹ھ مین وفات پائی آنحضرت صلعم موتہ مین تشریف رکھتے تھے۔ اور یہ خبر سنکر آپ نے غائبانہ اُس کے جنازہ کی نماز پڑھائی لیکن یہ غلط ہے صحیح مسلم مین تصریح کی ہے کہ جس نجاشی کی نماز جنازہ آپ نے پڑھی وہ یہ نہ تھا (بلکہ سابق نجاشی تھا) جو لوگ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے ان مین حضرت ام حبیبہ (امیر معاویہ کی بہن)

[1] طبری صفحہ ۱۵۶۹

بھی تھین اُنکے شوہر کا انتقال ہوچکا تھا اس لیے آنحضرت صلعم نے نجاشی کو لکھ بھیجا کہ اُم حبیبہ کو شادی کا پیغام سنا دو، اور میرے پاس بھیجدو، نجاشی نے خالد بن سعید بن العاص کو مقرر کیا، اُنھون نے آنحضرت صلعم کی طرف سے ایجاب وقبول ادا کیا، نجاشی نے آنحضرت صلعم کی طرف سے مہر ادا کیا جسکی تعداد چار سو اشرفیان تھین، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہ جہاز مین بیٹھکر روانہ ہوئین، اور مدینہ کی بندرگاہ مین اترین، آنحضرت صلعم اُسوقت خیبر مین تشریف رکھتے تھے، آنحضرت صلعم اکثر نجاشی کے حالات ام حبیبہؓ سے پوچھا کرتے[۱] تھے۔

عزیز مصر (مقوقس) کو آپ نے جو خط لکھا تھا اُس کے جواب مین اُسنے عربی زبان مین یہ خط لکھا۔

لمحمد بن عبد الله من المقوقس عظیم القبط	محمد بن عبد اللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے
سلام علیک اما بعد فقد قرأت کتابک	سلام علیک کے بعد مین نے آپ کا خط پڑھا اور
وفهمت ما ذکرت فیه وما تدعوالیه	اس کا مضمون اور مطلب سمجھا مجھکو اسقدر معلوم تھا
وقد علمت اِنَّ نبیا بقی وکنتُ اظن انه	کہ ایک پیغمبر آنے والے ہین۔ لیکن مین یہ سمجھا تھا کہ وہ
یخرج بالشام وقد اکرمت رسولک و	شام مین ظہور کرین گے مین نے آپ کے قاصد کی
بعثت الیک بجاریتین لهما مکان فی	عزت کی اور دو لڑکیان[۲] بھیجتا ہون جن کی قبطیون
القبط عظیم وبکسوة واهدیت الیک	مین (مصر کی قوم) بہت عزت کی جاتی ہے۔ اور
بغلة لترکبها والسلام علیک،	مین آپ کے لیے کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہون۔

[۱] تاریخ طبری۔ [۲] ہم نے جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے۔ عربی مین جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہین اور لونڈی کو بھی ارباب سیرت ماریہ قبطیہ کو لونڈی کہتے ہین۔ لیکن مقوقس نے جو لفظ ان کی نسبت لکھا ہے یعنی کہ مصریون مین بڑی عزت ہے"، یہ لونڈیون کی شان مین استعمال نہین کیے جا سکتے۔

باایں ہمہ عزیز مصر اسلام نہین لایا۔ دو لڑکیان جو بھیجی تھین اُن مین ایک ماریہ قبطیہ تھین جو حرم نبوی مین داخل ہوئین، دوسری سیرین تھین جو حضرت حسان کے ملک مین آئین۔ خچر کا نام دلدل تھا جس کا ذکر اکثر حدیث کی کتابون مین آتا ہے، جنگ حنین مین آپ اسی پر سوار تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنین تھین اور حاطب بن بلتعہ جنکو آنحضرت ؐ نے مقوقس کے پاس خط دیکر بھیجا تھا انکی تعلیم سے دونون خاتونین خدمت نبوی مین پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھین اِس واقعہ کو اس حیثیت سے دیکھنا چاہیے کہ یہ خاتونین لونڈیان نہ تھین۔ اور اسلام قبول کر چکی تھین اس لیے آنحضرت صلعم نے ماریہ سے نکاح کیا ہوگا نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم مین آئین

(روساے عرب کو جو خط لکھے گئے تھے اُنکے بھی جواب مختلف آئے، ہوذہ بن علی رئیس یمامہ نے لکھا، تم جو باتین کہتے ہو وہ نہایت اچھی ہین اگر حکومت مین کچھ میرا بھی حصہ ہو تو مین تمہاری اقتدا کے لیے طیار ہون، اسلام ہوسِ ملک کے لیے نہین آیا تھا، آپ نے فرمایا "زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو مین نہ دونگا"

حارث غسانی جو حدود شام کا رئیس تھا اور رومیون کے ماتحت اطراف کے عربون مین حکومت کرتا تھا خط پڑھ کر برہم ہوا اور فوج کو طیاری کا حکم دیا مسلمان اس جرم کی پاداش مین ہر وقت اس کے حملہ کے منتظر رہتے تھے اور آخر موتہ اور تبوک وغیرہ کی لڑائیان پیش آئین)

واقعات متفرقہ ۸ھ
خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کا اسلام

(حدیبیہ کی صلح کو خدا نے فتح کہا ہے، لیکن اجسام کی نہین قلوب کی اسلام کو اپنی اشاعت کے لیے امن درکار تھا اور وہ اس صلح سے حاصل ہوگیا اِس صلح کو خود دشمن فتح سمجھتے تھے۔ قریش اور مسلمانون مین اب تک جو معرکے ہوئے فوجی حیثیت سے

قریش کی صف مین ہر جگہ خالد بن ولید کا نام ممتاز نظر آتا ہے، جاہلیت مین رسالہ کی افسری انھین کے سپرد تھی۔ اُحُد مین قریش کے اُکھڑے ہوئے پانون انھین کی کوشش سے سنبھلے تھے، حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش کا طلایہ انہی کی زیر افسری نظر آیا تھا لیکن قریش کا یہ سپہ سالار اعظم بھی آخر اسلام کے حملۂ کاری سے نہ بچ سکا،

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالد نے مکہ سے نکلکر مدینہ کا رُخ کیا، راستہ مین حضرت عمرو بن العاص ملے، پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ بولے اسلام لانے جاتا ہون، آخر کب تک؟ عمرو بن العاص نے کہا ہمارا بھی یہی ارادہ ہے۔ دونون صاحب ایک ساتھ بارگاہِ نبوی مین حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے[۱] اور اب وہ جوہر جو اسلام کی مخالفت مین صرف ہو رہا تھا اسلام کی محبت مین صرف ہونے لگا۔

فتح مکہ مین حضرت خالد جب ایک مسلمان دستہ کے افسر بنکر آنحضرت صلعم کے سامنے سے گزرے تو آپ نے پوچھا کون ہے؟ لوگون نے کہا خالد ہین آپ نے فرمایا "خدا کی تلوار ہے"[۲]

غزوۂ موتہ مین جب حضرت جعفرؓ، زید بن حارثہؓ، اور عبداللہ بن رواحہ کے بعد حضرت خالدؓ نے علم اپنے ہاتھ مین لیا تو مسلمان خطرہ سے باہر تھے۔

عہدِ خلافت مین ایک (خالد) نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا اور دوسرا (عمرو بن العاص) مصر کا فاتح ہوا۔

---

[۱] اصابہ ابن حجر بہ روایت ابن اسحاق۔ [۲] ترمذی، مناقب۔

سنہ ۷ھ

خیبر

آخر سنہ ۶ھ یا اوائل سنہ ۷ھ

خیبر غالباً عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہین، یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے یورپین سیاحون مین ڈاوتی کئی مہینہ تک یہان ۱۸۷۸ء مین مقیم رہا۔ اُس نے مدینہ سے اس مقام کا فاصلہ ۱۰۰ میل لکھا ہے[1]، وہ نخلستان جس کے کنارہ پر خیبر ہے، نہایت زرخیز ہے، یہان یہود نے نہایت مضبوط متعدد قلعہ بنائے تھے۔ جن مین سے بعض کے آثار اب تک باقی ہین۔

عرب مین یہودی قوت کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا، مدینہ سے جب روسائے بنو نضیر جلاوطن ہوکر خیبر مین آباد ہوئے تو انھون نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر برانگیختہ کر دیا، جس کا پہلا مظہر **احزاب** کا معرکہ تھا ان روسا مین سے حیی بن اخطب جنگِ قریظہ مین قتل ہوا جس کے بعد **ابورافع** سلام بن ابی الحقیق اُس کا جانشین ہوا۔ یہ بہت بڑا تاجر اور صاحب اثر تھا قبیلۂ غطفان جو عرب کا بہت بڑا صاحبِ اثر قبیلہ تھا، انکی آبادی خیبر سے متصل تھی۔ اور ہمیشہ سے یہودِ خیبر کے حلیف[2] اور ہم عہد تھے سنہ ۶ھ مین **سلام** نے خود جاکر قبیلۂ غطفان اور اُن کے آس پاس کے قبیلون کو اسلام کے مقابلہ کے لیے آمادہ کیا، یہان تک کہ ایک عظیم الشان فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی طیاریان کین[3] آنحضرت

[1] مارگولیس صفحہ ۳۵۶-[2] ابن خلدون جلد ۲ ذکر قبایل عرب [3] ابن سعد صفحہ ۶۶- اصلی الفاظ یہ ہین-

کان ابورافع بن ابی الحقیق قد اجلب فی غطفان ومن حوله من مشرکی العرب وجعل لهم الجعل العظیم (ابورافع نے غطفان اور آس پاس کے مشرکین عرب کو جنگ پر آمادہ کیا تھا اور ایک بہت (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر دیکھو)

صلعم کو یہ خبرین معلوم ہوئین تو آپ کے ایما سے (رمضان ستہ میں عبد اللہ بن عتیک ایک خزرجی انصاری کے ہات سے اپنے قلعۂ خیبر مین سوتا ہوا مارا گیا۔) اسلام کے بعد یہودیون نے اسیر بن زرام کو مسند ریاست پر بٹھایا اُس نے قبائل یہود کو جمع کرکے تقریر کی اور کہا کہ "میرے پیشروؤن نے محمد (صلعم) کے مقابلہ مین جو تدبیرین اختیار کین وہ غلط تھین، صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (صلعم) کی دار الریاست پر حملہ کیا جائے، اور مین یہی طریقہ اختیار کرونگا" اِس غرض سے اسیر نے غطفان اور دیگر قبائل مین دورہ کیا اور ایک فوج گران طیار کی۔ آنحضرت صلعم کو یہ خبرین پہنچین تو آپ نے اس افواہ پر اعتماد نہین کیا، بلکہ عبد اللہ بن رواحہ کو بھیجا کہ خود خیبر جاکر اصل واقعہ کی تحقیق کرین، چنانچہ وہ چند آدمیون کو لے کر خیبر گئے اور چھپ کر خود اسیر کی زبانی اُس کے مشورے اور تدبیرین سُنین۔ یہ حالات آکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین عرض کیے، آپ نے عبد اللہ بن رواحہ کو ۳۰ آدمی دے کر خیبر کو روانہ کیا، اِن لوگون نے اسیر سے کہا کہ آنحضرت صلعم نے ہمکو اس لیے بھیجا ہے کہ تم اگر حاضر ہو جاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دیدی جائے، چنانچہ وہ ۳۰ آدمی لے کر خیبر سے نکلا، اور احتیاط کی بنا پر یہ مخلوط قافلہ اس طرح چلا کہ دو دو شخص ہمرکاب چلتے تھے جن مین ایک یہودی اور دوسرا مسلمان ہوتا تھا، قرقرہ پہنچکر اسیر کے دل مین بدگمانی پیدا ہوئی اُس نے ہات بڑھا کر عبد اللہ بن انیس کی تلوار چھیننی چاہی انھون نے کہا او دشمن خدا! بدعہدی کرنی چاہتا ہے[۱]، یہ کہکر سواری بڑھائی اور جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لحرب رسول اللہ، بڑی بھیڑ آنحضرت صلعم سے لڑنے کے لیے جمع کی۔)

(صحیح بخاری باب قتل ابی رافع مین ہے وکان ابو رافع یعین علیہ صلعم یعنی ابو رافع آنحضرت صلعم کے مقابلہ مین مدد دیا کرتا تھا۔ اس امداد و اعانت کی تفصیل بروایت عروہ فتح الباری مین مفصل مذکور ہے۔

[۱] یہ تمام واقعہ طبقات ابن سعد سے منقول ہے بہت سی کتابون مین لکھا ہے کہ عبد اللہ بن انیس نے خود ابتدا کی اور اسلام کو قتل کر ڈالا لیکن صحیح واقعہ وہی ہے جو ابن سعد سے منقول ہے اور وہی اس معرکہ کی وجہ ہو سکتا ہے۔

اسیر زد پر آگیا تو تلوار ماری کہ اُسکی ران کٹ گئی، وہ گھوڑے سے گرا، گرتے گرتے اُس نے عبداللہ کو زخمی کیا، اب مسلمان پیشدستی کر کے یہود پر ٹوٹ پڑے، نتیجہ جنگ یہ تھا کہ یہود مین ایک کے سوا کوئی نہین بچا۔ یہ اخیر ۶ھ یا محرم ۷ھ کا واقعہ ہے،

خیبر اب اسلام کا سب سے بڑا حریف اور اسلام کے لیے سب سے زیادہ خطرناک تھا ان لوگون نے مکہ جاکر قریش کے ذریعہ سے تمام عرب مین بغاوت کی ایک عالمگیر جنبش پیدا کردی جس نے واقعۂ احزاب مین مرکز اسلام (مدینہ منورہ) کو متزلزل کردیا تھا۔ یہ کوشش اگرچہ ناکام رہی لیکن جو دست و بازو کام کر رہے تھے اب بھی موجود تھے۔

جن لوگون نے جنگ احزاب برپا کرائی تھی ان مین زیادہ بااثر ابن ابی الحقیق کا خاندان تھا جو قبیلۂ بنی نضیر سے تھا اور مدینہ سے جلاوطن ہوکر آیا تھا۔ اُس نے خیبر کے مشہور قلعہ قموص پر قبضہ کیا تھا، سلام بن ابی الحقیق جس کا ذکر ابھی اوپر گزر چکا ہے اسی خاندان کا رئیس تھا اس کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق خاندان کی ریاست پر ممتاز ہوا۔

خیبر کے یہود ادھر تو غطفان سے اسلام کے مقابلہ کے لیے سازش کر رہے تھے، ادھر مدینہ کے منافقین انکو مسلمانون کی خبرین پہنچاتے رہتے تھے اور ان کو ہمت دلاتے تھے کہ مسلمان تم سے سر بر نہین ہو سکتے۔

رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے چاہا کہ ان لوگون سے معاہدہ ہوجائے۔ اس بنا پر آپ نے عبداللہ بن رواحہ کو بھیجا تھا لیکن ادھر تو یہود خود سخت دل اور ایک بدگمان قوم تھی اُدھر منافقین انکو اُبھارتے تھے۔ اسی زمانہ مین راس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول نے اہل خیبر

کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد صلعم تم پر حملہ کرنا چاہتے ہین لیکن تم ان سے نہ ڈرنا انکی ہستی کیا ہی مٹھی بھر آدمی ہین جن کے پاس ہتیار تک نہین، یہود نے یہ سنکر کنانہ اور ہودہ بن قیس کو غطفان کے پاس بھیجا کہ ہمارے ساتھ ملکر مدینہ پر حملہ کرو تو ہم نخلستان کی نصف پیدا وار تم کو دین گے غطفان نے اسکو منظور کیا[1]

غطفان کا ایک قوت ور قبیلہ بنو فزارہ تھا اُن کو جب یہ معلوم ہوا کہ خیبر والے آنحضرت صلعم پر حملہ کرنا چاہتے ہین تو وہ خود خیبر مین آئے کہ ہم تمھارے شریک ہوکر لڑین گے آنحضرت کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے بنو فزارہ کو خط لکھا کہ "تم خیبر والون کی مدد سے باز آؤ، خیبر فتح ہوجائے گا تو تم کو بھی حصہ دیا جائے گا" لیکن بنو فزارہ نے انکار کیا[2]۔

غطفان کی شرکت جنگ کا دیباچہ | ذی قرد محرم سنہ ھ

یہ تھا کہ ذی قرد کی چراگاہ پر جو آنحضرت صلعم کی اونٹنیون کا چراگاہ تھا (اس قبیلہ کے چند آدمیون نے بہ سرداری عبدالرحمٰن بن عینیہ) چھاپہ مارا، اور ۲۰ اونٹنیان پکڑ کرلے گئے، حضرت ابو ذر کے صاحبزادے کو جو اونٹنیون کی حفاظت پر متعین تھے قتل کردیا اور ان کی بیوی کو گرفتار کرلے گئے (مسلمانون نے جب تعاقب کیا تو وہ درہ مین گھس گئے، وہان) عینیہ بن حصن جو قبائل غطفان کا سپہ سالار تھا (انکی امداد کو موجود تھا۔) مسلمانون مین سلمہ بن الاکوع ایک مشہور قدر انداز صحابی تھے سب سے پہلے ان کو اس غارت گری کی خبر معلوم ہوئی، انھون نے واصباحاہ کا نعرہ مارا اور دوڑ کر حملہ آورون کو جالیا وہ اونٹون کو پانی

---

[1] تاریخ خمیس [2] یہ واقعہ معجم البلدان لفظ حنفاء کی ذیل مین موسےٰ بن عقبہ کی مغازی سے بالفاظہا نقل کیا ہے۔ اصل الفاظ یہ ہین:۔

روی موسیٰ بن عقبۃ عن ابن شہاب قال کانت بنو فزارۃ ممن قدم علی اھل خیبر لیعینوھم فراسلھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یعینوھم وسأل لھم ان یخرجو عنھم الخ

پلارہے تھے، سلمہ نے تیر برسانے شروع کیے حملہ آور بھاگ نکلے اُنھون نے تعاقب کیا اور لڑبھڑ کر تمام اونٹنیان چھڑالائے، دربار نبوت مین آکر عرض کی کہ مین دشمنون کو پیاسا چھوڑ آیا ہون اگر سنو آدمی ملجائین تو ایک ایک کو گرفتار کرلاتا ہون۔ آپ نے رحمتِ عام کے لحاظ سے فرمایا،

اذا ملکت فاسجح جب قابو پاجاؤ تو عفو سے کام لو،

اِس واقعہ کے تین دن بعد خیبر کی جنگ پیش آئی،

خیبر کا آغاز اور غزوات کی بہ نسبت ایک امتیاز خاص رکھتا ہے اور اگرچہ اربابِ سیر کی نظر اس نکتہ پر نہین پڑی کہ اِس امتیاز کے اسباب کیا تھے ؟ تاہم واقعہ کی حیثیت سے امتیازی امور ان کی زبان سے بھی بلاقصد نکل گئے ہین۔ سب سے مقدم یہ کہ جب آپ نے خیبر کا قصد کیا تو اعلانِ عام کردیا کہ

---

۱ یہ واقعہ بخاری و مسلم مین بھی مذکور ہے لیکن زیادہ تفصیل ابن سعد و ابنِ اسحاق سے لی گئی ہے۔

۲ اربابِ سیر نے متفقاً اس واقعہ کو خیبر کے واقعہ سے ایک سال ماقبل بیان کیا ہے لیکن (طبری نے بہ روایت سلمہ جو اِس غزوہ کے ہیرو تھے اور نیز) امام بخاری نے صاف تصریح کی ہے کہ خیبر سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے اربابِ سیر کا بیان لکھکر لکھا ہے،

فعلی ھذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوۃ ذی قرد اصح مما ذکرہ اھل السیر، تو اس بناپر جو کچھ صحیح بخاری مین غزوہ ذی قرد کے متعلق مذکور ہے وہ اربابِ سیر کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔

حافظ ابن حجر نے دونون روایتون مین اس طرح تطبیق دی ہے کہ عینیہ بن حصن نے ذو قرد پر دو دفعہ حملہ کیا تھا عام اربابِ سیر جس کا ذکر کرتے ہین وہ پہلا حملہ تھا اور یہ بالکل قرینِ قیاس ہے عام اربابِ سیر کو غزوۂ خیبر (بلکہ تمام غزوات) کے متعلق چونکہ کسی سبب کی تلاش وجستجو نہین اس لیے اُنکو اس سے کچھ بحث نہین کہ واقعات کا تسلسل اور غزوات کے اسباب کیا ہین۔ لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیان ہین۔

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجہاد (ابن سعد) ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئین جو طالب جہاد ہون

اب تک جو لڑائیان وقوع مین آئین محض دفاعی تھین، یہ پہلا غزوہ ہے جس مین غیر مسلم رعایا بنائے گئے اور طرز حکومت کی بنیاد قایم ہوئی، اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے، اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سد راہ نہ ہو تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے، نہ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے۔ صرف معاہدۂ صلح کافی ہے جسکی بہت سی مثالین اسلام مین موجود ہین لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اس کو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لیے تلوار ہات مین لینا پڑتی ہے اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے، خیبر اس قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا۔

غزوات کے خاتمہ کے بعد یہ بحث بہ تفصیل آئے گی کہ ایک مدت تک لوگ جہاد کو عرب کے قدیم طریقہ کے موافق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے اس لڑائی (خیبر) تک بھی یہ غلط فہمی رہی۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس مین یہ پردہ اٹھا دیا گیا اور اس لیے آنحضرت صلعم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی مین صرف وہ لوگ شریک ہون جنکا مقصد محض جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو،

غرض آپ غطفان اور یہود کے حملہ کی مدافعت کے لیے مدینہ سے محرم[1] ۷ھ مین سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا افسر مقرر کر کے مدینہ سے روانہ ہوئے، ازواج مطہرات مین سے حضرت ام سلمہ ساتھ تھین، فوج کی تعداد ۱۶۰۰ تھی جن مین ۲۰۰ سوار اور باقی پیدل تھے، اس وقت تک لڑائیون مین علم کا رواج نہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی جھنڈیان ہوتی تھین۔ یہ پہلا مرتبہ تھا کہ آپ نے تین علم طیار کرائے

(۱) ابن سعد صفحہ ۷۷، امین جمادی الاولی ۷ھ ہے جو بہ تحقیق مذکورۂ بالا صحیح نہین۔

دو حباب بن منذر اور سعد بن عبادہ کو عنایت ہوئے اور خاص علم نبوی جس کا پھریرا حضرت عائشہ کی چادر سے طیار ہوا تھا جناب امیرؓ کو مرحمت ہوا، فوج جب روانہ ہوئی تو عامر بن الاکوع مشہور شاعر تھے یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے چلے،

اللھم لولا انت ما اھتدینا	اے خدا! اگر تو ہدایت نکرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
ولا تصدقنا ولا صلینا	نہ خیرات کرتے، نہ روزے رکھتے،
فاغفر فداء لک ما ابقینا	ہم تجھ پر فدا ہوں، ہم جو احکام نہیں بجالائے
والقین سکینۃ علینا	ان کو معاف کردے اور ہمپر تسلی نازل کر،
انا اذا صیح بنا اتینا	ہم جب فریاد میں پکارے جاتے ہیں تو پہنچ جاتے
وثبت الاقدام ان لاقینا	ہیں اور جب مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ
وبالصیاح عولوا علینا	لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے

یہ اشعار صحیح (مسلم و) بخاری میں نقل کیے ہیں۔ مسند ابن حنبل میں بعض اشعار زیادہ ہیں[1] (پہلے دو مصرع کسیقدر اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم (خیبر) میں بھی ہیں،

ان الذین قد بغوا علینا	جن لوگوں نے ہمپر دست درازی کی ہے
اذا ارادوا فتنۃ ابینا	جب وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو ہم اُنسے
ونحن عن فضلک ما استغنینا	دبتے نہیں۔ اور اے خدا ہم تیری عنایت سے بے نیاز نہیں۔

---

[1] ان اشعار میں صاف تصریح ہے کہ تعدی اور حملہ کی ابتدا دشمنوں کی طرف سے تھی اشعار کے بعض بعض الفاظ میں روایات کا اختلاف ہے۔

راہ مین ایک میدان آیا، صحابہؓ نے تکبیر کے نعرے بلند کیے، چونکہ تعلیم وتلقین کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا اور بات بات مین نکاتِ شریعت کی تعلیم ہوتی رہتی تھی، ارشاد ہوا کہ آہستہ، کیونکہ کسی بہرے اور دور از نظر کو نہین پکار رہے ہو، تم جسکو پکارتے ہو وہ تمہارے پاس ہی ہے[1]۔

اِس غزوہ مین چند خاتونین بھی اپنی خواہش سے فوج کے ساتھ ہولی تھین۔ آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو آپ نے اُن کو بلا بھیجا اور غضب کے لہجہ مین فرمایا "تم کس کے ساتھ آئین اور کس کے حکم سے آئین"۔ بولین کہ یا رسول اللہ ہم اس لیے آئے ہین کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کرین گے اور اِس کام مین مدد دین گے، ہمارے پاس زخمیون کے لیے دوائین بھی ہین۔ اس کے علاوہ ہم تیر اُٹھا کر لائین گے، آنحضرت صلعم نے فتح کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم کیا تو ان کا بھی حِصّہ لگایا، لیکن یہ حِصّہ کیا تھا؟ زر وجواہر نہ تھے، مال واسباب نہ تھا، درہم ودینار نہ تھے، بلکہ صرف کھجورین تھین۔ تمام مجاہدین کو یہی ملا تھا اور ان پردہ نشینون نے بھی یہی پایا تھا،

یہ واقعہ **ابوداؤد** (باب فی المرأۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ) مین مذکور ہے۔ حدیث اور سیرت کی تمام کتابون سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر غزوات مین مستورات ساتھ رہتی تھین، جو زخمیون کی مرہم پٹی کرتی اور پیاسون کو پانی پلاتی تھین، جنگِ اُحُد مین حضرت عائشہ کا مشک مین پانی بھر بھر کر لانا، اور زخمیون کو پلانا اوپر گزر چکا ہے لیکن یہ امر کہ عورتین میدان جنگ سے تیر اٹھا اٹھا کر بھی لاتین اور مجاہدین کو دیتی تھین۔ صرف ابوداؤد نے ذکر کیا ہے لیکن سند صحیح متصل سے ذکر کیا ہے اِسلیے شک کی گنجایش نہین، یون بھی عرب کی مستورات سے کم سے کم یہی توقع کی جاسکتی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری غزوہ خیبر۔

چونکہ معلوم تھا کہ غطفان اہلِ خیبر کی مدد کو آئین گے آنحضرت صلعم نے مقام رجیع مین فوجین اتارین جو غطفان اور خیبر کے بیچ مین ہے۔ اسباب باربرداری خیمہ و خرگاہ اور مستورات یہان چھوڑ دی گئین[1] اور فوجین خیبر کی طرف بڑھین۔ غطفان یہ سنکر کہ اسلامی فوجین خیبر کی طرف بڑھ رہی ہین، مسلح کر نکلے لیکن آگے بڑھ کر جب اُن کو معلوم ہوا کہ خود ان کا گھر خطرہ مین ہے تو واپس چلے گئے[2]،

خیبر مین چھ قلعے تھے، سالم، قموص، نطاۃ، قصارۃ، شق، مربطہ، اور جیسا کہ یعقوبی نے تصریح کی ہے ان مین بیس ہزار سپاہی موجود تھے۔ ان سب مین قموص نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا مرحب عرب کا مشہور پہلوان جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اِسی قلعہ کا رئیس[3] تھا، ابن ابی الحقیق کا خاندان جس نے مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر کی ریاست حاصل کر لی تھی یہین رہتا تھا۔

لشکرِ اسلام جب خیبر کے قریب یعنی مقام صہبا مین پہنچا تو نمازِ عصر کا وقت آچکا تھا آنحضرت صلعم نے یہان ٹھہر کر نمازِ عصر ادا کی۔ پھر کھانا طلب فرمایا۔ رسد کا ذخیرہ صرف ستو تھا وہی آپ نے بھی پانی مین گھول کر نوش فرمایا[4]۔ رات ہوتے ہوتے فوجِ اسلام خیبر کے سواد مین پہنچ گئی، عمارتین نظر آئین تو آپ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ پھر خدا کا نام لے کر یہ دعا مانگی۔

انا نسئلک خیر ھذہ القریہ وخیر اھلھا و	اے خدا! ہم تجھ سے اس گانون کی اور گانون والونکی
خیر ما فیھا ونعوذ بک من شرھا وشر اھلھا	اور گانون کی چیزون کی بھلائی چاہتے ہین اور ان

---

[1] یہ تفصیل معجم البلدان ذکر رجیع مین ہے [2] طبری صفحہ ۱۵۷۵، اصل عبارت یہ ہے فبلغنی ان غطفان لما سمعت بمنزل رسول اللہ صلعم خیبر جمعوا لہ ثم خرجوا لیظاھروا الیھود علیہ حتی اذا ساروا الخ [3] تاریخ یعقوبی [4] صحیح بخاری غزوہ خیبر۔

وشر ما فیھا (ابن ھشام) | سب کی برائیون سے پناہ مانگتے ہین۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ آپ کا معمول عام تھا یعنی جب کسی مقام مین داخل ہوتے تھے تو پہلے یہ دعا مانگ لیتے تھے، چونکہ سُنّتِ نبوی یہ تھی کہ رات کو کسی مقام پر حملہ[۱] نہین کیا جاتا تھا اِس لیے رات ہین بسر کی صبح کو خیبر مین داخلہ ہوا۔ یہودیون نے مستورات کو ایک محفوظ مقام مین پہنچا دیا رسد اور غلّہ قلعۂ ناعم مین یکجا کیا اور فوجین قلعۂ نطاط اور قموص مین فراہم کین۔ سلام بن مشکم نضری بیمار تھا تاہم اُس نے سب سے زیادہ حِصّہ لیا اور خود قلعۂ نطاۃ مین آکر فوج کی شرکت کی۔

آنحضرت صلعم کا مقصود جنگ نہ تھا لیکن جب یہود نے بڑے سروسامان کے ساتھ جنگ کی طیاری کی تو آپ نے صحابہ کو مخاطب کرکے وعظ فرمایا اور جہاد کی ترغیب دی، تاریخ خمیس مین اس موقع پر لکھا ہے،

ولما تیقن النبی صلعم ان الیھود تحارب	اور جب آنحضرت صلعم کو یقین ہوگیا کہ یہود لڑنے پر آمادہ
وعظ اصحابہ ونصحھم وحرضھم علی الجھاد ،	ہین تو آپ نے صحابہ کو نصیحت کی اور جہاد کی ترغیب دی

سب سے پہلے قلعۂ ناعم پر فوجین بڑھین، محمود بن مسلمہ نے بڑی دلیری سے حملہ کیا اور دیر تک لڑتے رہے لیکن چونکہ سخت گرمی تھی تھک کر دم لینے کے لیے قلعہ کی دیوار کے سایہ مین بیٹھ گئے کنانہ بن الربیع نے قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ اُن کے سر پر گرایا جس کے صدمہ سے وفات پائی لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہوگیا[۲]۔

[۱] صحیح بخاری مین اصل عبارت یہ ہے۔ اذا اتی قوما بلیل لم یغزھم حتی یصبح۔ [۲] ابن ہشام نے دو موقعون پر اس واقعہ کا الگ ٹکڑا لکھا ہے یہ تفصیل خمیس سے لی گئی ہے۔

تاہم کے بعد اور قلعے بہ آسانی فتح ہوتے گئے لیکن قلعۂ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا، اِس مہم پر آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھیجا لیکن دونون ناکام واپس آئے، طبری مین روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمرؓ کے پاؤن نہ جم سکے اور آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوکر شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے ان کی نسبت خود یہی شکایت کی۔

اِس روایت کو طبری نے جس سلسلۂ سند سے نقل کیا ہے اُس کے راوی عوف ہین انکو بہت سے لوگون نے ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب انکی روایت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ "وہ رافضی اور شیطان تھا" یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن ان کی شیعیت سبکو تسلیم ہے اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہین لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت مین حضرت عمرؓ کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے، شیعہ کی زبان سے اُس روایت کا رتبہ کیا رہ جاتا ہے، اس کے علاوہ اوپر کے راوی عبداللہ بن بریدہ ہین جو اپنے والد سے روایت کرتے ہین لیکن محدثین کو اس بات مین شبہ ہے کہ ان کی جو روایتین باپ کے سلسلہ سے منقول ہین صحیح بھی ہین یا نہین۔

تاہم اس قدر ضرور صحیح ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت مین تھا، جب مہم مین زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "کل مین اُس شخص کو علم دونگا جس کے ہات پر خدا فتح دیگا، اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسول بھی اُس کو چاہتے ہین[1]" یہ رات نہایت اُمید اور انتظار کی رات تھی، صحابہؓ نے تمام رات اِس بیقراری مین کاٹی کہ دیکھئے یہ تاج فخر کس کے ہات آتا ہے،

---

[1] یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہین۔

حضرت عمرؓ نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سروری کی تمنا نہین کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علی مین مذکور ہے اُن کو خود اعتراف ہے کہ اِس موقع کی تمنا مین ان کی خود داری بھی قائم نہ رہ سکی۔

صبح کو دفعتہ یہ آواز کانون مین آئی کہ علیؓ کہان ہین؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی۔ کیونکہ جناب موصوف کی آنکھون مین آشوب تھا۔ اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہین۔ غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے آنحضرت صلعم نے انکی آنکھون مین اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی جب اُن کو علم عنایت ہوا تو اُنھون نے عرض کی کہ "کیا یہود کو لڑکر مسلمان بنا لون" ارشاد ہوا کہ "بہ نرمی اُنپر اسلام کو پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمھاری ہدایت سے اسلام لائے تو سرخ اونٹون سے بہتر ہے"[1] لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہین ہو سکتے تھے۔ مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحبٌ	خیبر جانتا ہے کہ مین مرحب ہون
شاکی السلاح بطلٌ مجرّبٌ	دلیر ہون تجربہ کار ہون سلاح پوش ہون۔

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اُس کے اوپر سنگی خود تھا، قدیم زمانہ مین گول پتھر بیچ سے خالی کر لیتے تھے یہی خود کہلاتا تھا۔

مرحب کے جواب مین حضرت علی نے یہ رجز پڑھا

انا الذی سمتنی امی حیدرہ	مین وہ ہون کہ میری مان نے میرا نام شیر رکھا تھا

[1] یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور صحیح بخاری مین منقول ہے۔

کلیث غابات کریہ المنظرہ — مین شیر نیستان کی طرح مہیب و بدمنظر ہون

مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علی نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتون تک اُتر آئی، اور ضرب کی آواز فوج تک پہنچی[1]، پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا اس لیے عجائب پسندی نے اسکے متعلق نہایت مبالغہ آمیز افواہین پھیلا دین۔ معالم التنزیل مین ہی کہ حضرت علی نے جب تلوار ماری تو مرحب نے سپر پر روکا لیکن ذوالفقار، خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتون تک اُتر آئی۔ مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علی کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی، آپ نے قلعہ کا در جو سرتاپا پارۂ سنگ تھا اُکھاڑ کر اُس سے سپر کا کام لیا۔ اس واقعہ کے بعد ابورافع نے سات آدمیون کیساتھ ملکر اسکو اُٹھانا چاہا تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا؛ یہ روایتین ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہین لیکن بازاری قصے ہین۔ علامۂ سخاوی نے مقاصدِ حسنہ مین تصریح کی ہے کہ

"کلها واهیة" — سب لغو روایتین ہین

علامۂ ذہبی نے میزان الاعتدال مین علی بن احمد فرخ کے حال مین اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ "یہ روایت منکر ہے" ابن ہشام نے جن سلسلون سے یہ روایتین نقل کی ہین ان مین سے ایک روایت مین توضیح کے ایک راوی کا نام سرے سے چھوڑ دیا ہے اور دوسرے مین اس مشترک نقص کے ساتھ بریدہ بن سفیان بھی ایک راوی ہین جن کو امام بخاری اور ابوداؤد اور دارقطنی قابل اعتبار نہین[2] سمجھتے۔

---

[1] طبری صفحہ ۱۵۸۹ (یہ اشعار او مختصر واقعات صحیح مسلم غزوہ خیبر مین بھی ہین)۔ [2] میزان الاعتدال ترجمہ بریدہ بن سفیان۔

ابن اسحاق، موسے بن عقبہ، اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے مارا تھا، مسند ابن حنبل اور صحیح مسلم مین بھی ایک روایت ہے لیکن صحیح بخاری مین حضرت علیؓ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح الروایات ہے؛

غرض یہ قلعہ (قموص) ۲۰ دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہوگیا۔ ان معرکون مین ۹۳ یہود مارے گئے جن مین حارث مرحب، اسیر، یاسر، عامر زیادہ مشہور ہین صحابہ مین سے ۱۵ بزرگون نے شہادت حاصل کی جن کے نام ابن سعد نے بتفصیل لکھے ہین۔

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کرلیا گیا لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ مین رہنے دیجائے ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کرین گے۔ یہ درخواست منظور ہوئی، بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت صلعم عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے وہ غلہ کو دو حصون مین تقسیم کرکے یہود سے کہتے تھے کہ اس مین سے جو حصہ چاہو لیلو۔ یہود اس عدل پر متحیر ہوکر کہتے تھے کہ "زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہین"، خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اس جنگ مین شریک تھے تقسیم کردی گئی۔ اسی مین آنحضرت صلعم کا خمس بھی تھا۔

عام روایت ہے کہ مال غنیمت مین سے خمس کے علاوہ ایک حصہ رسول اللہ صلعم کے لیے خاص طور پر کرلیا جاتا تھا جس کو صفیہ کہتے ہین۔ اس بنا پر حضرت صفیہؓ (دختر کنانہ بن الربیع) کو آپ نے لے لیا، اور آزاد کرکے اُن سے نکاح کرلیا۔

حضرت صفیہ کے واقعہ کی تحقیق

حضرت صفیہ کی نسبت بعض کتب حدیث وسیر مین یہ واقعہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم

[1] فتوح البلدان بلاذری فتح خیبر وطبری صفحہ ۵۰۹ (اصل روایت ابو داؤد باب المساقات مین موجود ہے۔)

نے پہلے ان کو دحیہ کلبی کو دیا تھا، پھر کسی نے اُن کے حسن کی تعریف کی تو اُن سے مانگ لیا، اور اُسکے معاوضہ مین ان کو سات لونڈیان دین۔ مخالفین نے اس روایت کو نہایت بدنما پیرایہ مین ادا کیا ہی، اور جب اصل روایت مین اتنی بات موجود ہے تو ظاہر ہے کہ مخالف اس سے کہان تک کام لے سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہی کہ حضرت صفیہ کا یہ واقعہ حضرت انس سے منقول ہے لیکن خود حضرت انس سے متعدد روایتین ہین اور وہ باہم مختلف ہین بخاری کی جو روایت غزوۂ خیبر کے ذکر مین ہی اُسمین یہ تصریح ہے کہ جب قلعۂ خیبر فتح ہوا تو لوگون نے آپ کے سامنے حضرت صفیہؓ کے حُسن کا ذکر کیا۔ آپ نے اُن کو اپنے لیے لے لیا۔ اصلی الفاظ یہ ہین۔

فلما فتح الله عليه الحصن ذكر له جمال صفية بنت حيي بن اخطب وقد قتل زوجها وكانت عروسا فاصطفاها النبي صلى الله عليه وسلم لنفسه،	(جب خدا نے قلعہ فتح کرا دیا تو لوگون نے آپ سے صفیہ بنت حیی کے حسن و جمال کی تعریف کی۔ اُس کا شوہر اس جنگ مین مارا گیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے اس کو اپنے لیے پسند کر لیا۔)

لیکن بخاری کتاب الصلوٰۃ (باب مایذکر فی الفخذ) (صحیح مسلم باب فضل عتق الامۃ) مین خود حضرت انسؓ کی یہی روایت اس طریقہ سے منقول ہے کہ جب لڑائی کے بعد قیدی جمع کیے گئے تو حضرت دحیہ کلبی نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ اِن مین سے ایک لونڈی مجھکو عنایت ہو۔ آپ نے اُن کو اختیار دیا کہ خود جاکر کوئی لونڈی لے لو۔ اُنھون نے حضرت صفیہ کو انتخاب

(لہ صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۵۴۶۔ باب فضل عتق الامۃ ثم التزوج بہا)

کیا لیکن لوگون کو اعتراض ہوا۔ ایک شخص نے آکر آنحضرت صلعم سے کہا،

یا نبی اللہ اعطیت وحیہ صفیۃ بنت حیی — اے پیغمبر خدا! آپ نے صفیہ کو وحیہ کے حوالہ کیا۔ وہ قریظہ

سیدۃ قریظۃ والنضیر لا تصلح الا لک، — اور نضیر کی رئیسہ ہے اور آپکے سوا اور کوئی اُسکے لایق نہین۔

اس کے بعد آپ نے حضرت صفیہ کو آزاد کرکے اُن سے نکاح کرلیا[1] ابوداؤد مین یہ دونون

روایتین ہین اور دونون حضرت انس سے مروی ہین، ابو داؤد کی شرح مین **مازری** (مشہور محدث)

کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت صفیہ کو اس لیے وحیہ سے لیکر ان سے عقد کیا کہ

لما فیہ من انتھاکھا مع مرتبتھا وکونھا بنت سیدھم، — چونکہ وہ عالی رتبہ اور رئیس یہود کی صاحبزادی تھین اسلیے انکا کسی اور کے پاس جانا انکی توہین تھی

حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری مین اس کے قریب قریب لکھا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت صفیہ خاندان کے تباہ ہونے کے بعد خاندان سے باہر بیوی یا کنیز بنکر

رہتین، وہ رئیس خیبر کی بیٹی تھین، انکا شوہر بھی قبیلۂ نضیر کا رئیس تھا، باپ اور شوہر دونون قتل کئے

جاچکے تھے، اس حالت مین اُن کی پاس خاطر، حفظ مراتب اور رفع غم کے لیے اس کے سوا اور کوئی

تدبیر نہ تھی کہ آنحضرت صلعم اُن کو اپنے عقد مین لے لین، وہ کنیز ہوکر بھی رہ سکتی تھین لیکن آنحضرت صلعم نے

انکی خاندانی عزت کے لحاظ سے اُن کو آزاد کردیا اور پھر نکاح پڑھایا، حسن خلق، رحم اور مصیبت زدہ

کی چارہ نوازی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ کاروائی نہایت موزون اور بجا تھی

اس قسم کے طرز عمل سے عرب کو اسلام کی طرف رغبت اور کشش ہوتی تھی کہ اسلام اپنے دشمنون کے

---

[1] (ابو داؤد باب ماجاء فی سہم الصفی)

کے ورثہ کے ساتھ بھی کس قسم کا محسنانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتا ہی؛

غزوہ بنی المصطلق مین حضرت **جویریہ** کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا اور اس سلوک کا جو اثر ہوا وہ اوپر گزر چکا ہے۔

فتح کے بعد آنحضرت صلعم نے چند روز خیبر مین قیام کیا، اگرچہ یہود کو کامل امن وامان دیا گیا اور انکے ساتھ ہر طرح کی مراعات کی گئی تاہم انکا طرز عمل مفسدانہ اور باغیانہ رہا، پہلا دیباچہ یہ تھا کہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بھاوج تھی آنحضرت صلعم کی چند صحابہ کے ساتھ دعوت کی، آپ نے فرط کرم سے قبول فرمایا، زینب نے کھانے مین زہر ملا دیا تھا آپنے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا لیکن بشر بن براء نے پیٹ بھر کر کھایا اور زہر کے اثر سے بالآخر ہلاک ہوگئے آنحضرت صلعم نے زینب کو بلا کر پوچھا اس نے جرم کا اقبال کیا۔ یہود نے کہا ہمنے اس لیے زہر دیا کہ اگر آپ پیغمبر ہین تو زہر خود اثر نہ کرے گا اور پیغمبر نہین ہین تو ہمکو آپ کے ہاتھ سے نجات مل جائے گی،

آنحضرت صلعم کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہین لیتے تھے اس بنا پر آپ نے زینب سے تعرض نہین فرمایا لیکن جب دو تین دن کے بعد بشر زہر کے اثر سے انتقال کر گئے تو وہ قصاص مین قتل کردی گئی۔

ایک دفعہ صحابہ مین سے عبداللہ بن سہل اور محیصہ قحط سالی کے زمانہ مین خیبر گئے یہود نے عبداللہ کو دھوکے سے قتل کر کے ایک نہر مین ڈال دیا، محیصہ نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین آکر واقعہ بیان کیا آپنے فرمایا کہ تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیون نے قتل کیا؟ عرض کی کہ حضور وہ تو پچاس مسلمانون کو قتل کر کے

بھی جھوٹی قسم کھالین گے، غرض آنحضرت صلعم نے یہود سے تعرض نہین کیا اور بیت المال سے مقتول کا خون بہا دلا دیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت مین یہود نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو سوتے مین کوٹھے پر سے گرا دیا کہ اُن کا ہات اور پانون ٹوٹ گیا، اسطرح ہمیشہ فسا دانگیزیان کرتے رہتے تھے، مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے اُن کو شام کے اضلاع مین جلاؔ وطن کر دیا (یہ جملۂ معترضہ سلسلۂ کلام مین آگیا تھا۔)

خیبر کے واقعات مین ارباب سیر نے ایک سخت غلط روایت نقل کی ہے اور وہ اکثر کتابون مین منقول ہو کر متداول ہو گئی ہے یعنی یہ کہ اوّل آپ نے یہود کو اس شرط پر امن عام دیا تھا کہ کوئی چیز نہ چھپائین گے، لیکن جب کنانہ بن الربیع نے خزانہ کے بتانے سے انکار کیا تو آپ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ سختی کرکے اس سے خزانہ کا پتہ لگائین، حضرت زبیرؓ چقماق جلا کر اس کے سینے کو داغتے تھے یہانتک کہ اُسکی جان نکلنے کے قریب ہو گئی، بالآخر آپ نے کنانہ کو قتل کرا دیا اور تمام یہودی لونڈی غلام بنا لیے گئے،

اس روایت کا اس قدر حصہ صحیح ہے کہ کنانہ قتل کر دیا گیا لیکن اسکی وجہ یہ نہین کہ وہ خزانہ کے بتانے سے انکار کرتا تھا۔ بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا طبری مین تصریح ہے۔

ثم دفعہ رسول اللہ الی محمد بن مسلمہ	پھر آنحضرت صلعم نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ کے حوالہ کیا انھون نے
فضرب عنقہ باخیہ محمود بن مسلمۃ (صفحہ ۱۵۸۲)	اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے قصاص مین اسکو قتل کر دیا۔

---

[1] فتوح البلدان، بلاذری اور صحیح بخاری مطبوعہ مصطفائی جلد اول صفحہ ۳۷۰، [2] یہ پوری تفصیل تاریخ طبری مین مذکور ہے ابن ہشام مین بھی اس کے قریب قریب ہے۔ [3] فتوح البلدان بلاذری۔

باقی روایت کا یہ حال ہے کہ یہ روایت طبری اور ابن ہشام دونون نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے لیکن ابن اسحاق نے اوپر کے کسی راوی کا نام نہین بتایا۔ محدثین نے رجال کی کتابون مین تصریح کی ہے کہ ابن اسحاق یہودیون سے مغازی نبوی کے واقعات روایت کرتے تھے، اس روایت کو بھی انھی روایتون مین سمجھنا چاہیئے اور یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق ان راویون کا نام نہین لیتے

کسی شخص پر خزانہ بتانے کے لیے اس قدر سختی کرنا کہ اس کے سینہ پر چقماق سے آگ جھاڑی جائے رحمۃ للعالمین کی شان اس سے بہت ارفع ہے۔

وہی شخص جو اپنے زہر دینے والے سے مطلق تعرض نہین کرتا کیا چند سکون کے لیے کسی کو آگ سے جلانے کا حکم دے سکتا ہے؟

اصل واقعہ اس قدر تھا کہ کنانہ بن الحقیق کو اس شرط پر امان دی گئی تھی کہ کسی قسم کی بدعہدی اور خلاف بیانی نہ کرے گا، اُس نے یہ بھی منظور کیا تھا کہ اگر اس کے خلاف اُس نے کچھ کیا تو وہ قتل کا مستحق ہو گا۔[1]

کنانہ نے بدعہدی کی اور جو امن اسکو دیا گیا تھا ٹوٹ گیا۔ کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا اب اُس کے قصاص مین وہ قتل کر دیا گیا، جیسا کہ ابھی ہمنے طبری کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اب دیکھو اس روایت مین کیا کیا واقعات اضافہ ہو گئے۔

(۱) قتل کا واقعہ کنانہ کے ساتھ خاص تھا۔ خزانہ کے چُھپانے کا وہی مجرم تھا۔ محمود بن مسلمۃ کو اُسی نے قتل کیا تھا۔ اس لیے وہی قتل بھی کیا جاسکتا تھا۔ اضافہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ ابن سعد

---

[1] ابو داؤد باب حکم ارض خیبر و طبقات ابن سعد غزوہ خیبر صفحہ ۱۰۱ سطر ۲۴۔

نے بکر بن عبد الرحمن سے جو روایت متصل نقل کی ہے اس مین کنانہ کے ساتھ اُس کے بھائی کا بھی نام بڑھا دیا ہے یعنی دونون قتل کئے گئے،

فضرب اعناقہما و سبیٰ اہلیہما[1] | تو آنحضرت صلعم نے دونون کو قتل کرادیا انکی عورتون اور بچون کو لونڈی غلام بنایا۔

(۲) یہان تک بھی خیریت تھی لیکن ابن سعد نے عفان بن مسلم سے جو روایت نقل کی ہے وہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہوگئی ہے یعنی دونون بھائیون کے ساتھ تمام یہودی گرفتار اور لونڈی غلام بنا لیے گئے۔

فلما وجد المال الذی غیبوہ فی مسک الجمل سبی نساءھم[2]، | تو جب وہ خزانہ ملگیا جس کو انھون نے اونٹ کی کھال مین چھپا رکھا تھا، تو انکی عورتین گرفتار کین اور لونڈیان بنالین

لیکن جب یہ روایتین محدثانہ اصول تنقید سے جانچی جاتی ہین تو چھلکے اُترتے جاتے ہین اور اصل حقیقت رہ جاتی ہے۔ تمام یہود کا قتل اور زن و بچہ کا گرفتار ہونا ایک طرف، خود صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ کنانہ کا بھائی تک قتل نہین کیا گیا اور حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت تک موجود تھا۔

صحیح بخاری مین ہے

فلما اجمع عمر علی ذلک اتاہ احد بنی ابی الحقیق فقال یا امیر المؤمنین اتخرجنا | پھر جب حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کرلیا تو ابو الحقیق کا ایک بیٹا انکے پاس آیا اور کہا کہ امیر المؤمنین آپ ہم کو نکالتے ہین حالانکہ

---

[1] طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر صفحہ ۸۱ سطر ۲۔ [2] طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر صفحہ ۸۰۔

وقد اقرنا محمد وعاملنا على الاموال[۱] ہمکو محمد صلعم نے رہنے دیا تھا اور خراج پر معاملہ کیا تھا۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین تصریح کی ہے کہ یہ وہی کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا۔

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد مین عام روایتون کی وسعت کو گھٹا کر اس حد تک پہنچایا کہ

ولم یقتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الصلح الا ابنی ابی الحقیق۔ آنحضرت نے صلح کے بعد ابن ابی الحقیق کے دونون بیٹون کے سوا اور کسی کو قتل نہین کیا۔

لیکن حافظ موصوف کو اگر صحیح بخاری کی عبارت مذکورۂ بالا پیش نظر ہوتی تو غالباً یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی

ابوداؤد مین جہان ارض خیبر کا عنوان باندھا ہے صرف ابن ابی الحقیق کا قتل کیا جانا لکھا ہے۔ یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ابوداؤد مین لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے سعیۃ (حیی بن اخطب کے چچا) سے پوچھا تھا کہ وہ خزانہ کیا ہوا؟ اُس نے کہا لڑائیون مین صرف ہوگیا، باوجود اس کے آنحضرت صلعم نے صرف کنانہ کے قتل کا حکم دیا۔ یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ کنانہ کا قتل محمود بن مسلمۃ کے قصاص مین ہوا تھا، ورنہ اگر خزانہ کے چھپانے کا جرم قتل کا سبب ہوتا تو اس جرم کے مجرم اور بھی تھے۔

مؤرخین نے پہلی غلطی یہ کی کہ کنانہ کے قتل کا سبب اخفائے خزانہ سمجھے اور چونکہ اس جرم مین اور لوگ بھی شریک تھے اس لیے یہ تعمیم خود بخود پیدا ہوگئی کہ کنانہ کا تمام خاندان قتل کردیا گیا۔

ایک اور نکتہ اس قدر عموماً مُسلّم ہے کہ خیبر کا واقعہ محرّم مین پیش آیا یعنی آنحضرت صلعم جب اس ارادہ سے مدینہ سے نکلے تو محرم کی اخیر تاریخین تھین محرم مین لڑائی شرعاً ممنوع ہے اِس لیے محدثین اور فقہا مین اس کی توجیہ کے متعلق اختلاف پیدا ہوا۔ بہت سے فقہا کا یہ مذہب ہے کہ اوائل مین

---

[۱] صحیح بخاری جلد اوّل مطبوعہ مطبع مصطفائی صفحہ ۳۰۰۔ باب اذا اشرط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک۔

البتہ اِن مہینون مین لڑائی شرعاً ممنوع تھی لیکن پھر وہ حکم منسوخ ہوگیا۔ علامہ ابن القیم نے لکھا ہی کہ حرمت کا پہلا حکم جو نازل ہوا تھا وہ اِس آیت کی رُو سے تھا۔

قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ — کہدو کہ اس مہینہ مین لڑنا بڑا گناہ ہی اور خدا کی راہ سے روکنا ہی

پھر سورۂ مائدہ مین یہ آیت اُتری

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ، — مسلمانو! خدا کی حدبندیون کی اور ماہ حرام کی بے حرمتی نہ کرو۔

یہ پچھلی آیت پہلی آیت سے آٹھ برس بعد نازل ہوئی۔ اس وسیع زمانہ تک تو حرمت کا حکم باقی رہا اب وہ کونسی آیت یا حدیث ہے جس سے یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

وَلَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ وَلَا سُنَّةِ رَسُولِهِ نَاسِخٌ لِحُكْمِهَا، — اور خدا کی کتاب اور حدیث مین ان آیتون کے حکم کا کوئی ناسخ نہین۔

مُجَوِّزین نے یہ استدلال کیا ہے کہ فتح حرم، طائف کا محاصرہ، بیعۃ رضوان۔ یہ سب ماہِ حرام مین ہوئے تھے، اس لیے اگر ماہِ حرام مین لڑائی جائز نہ ہوتی تو آنحضرت صلعم انکو کیونکر جائز رکھتے حافظ ابن القیم نے جواب دیا ہے کہ ماہ حرام مین ابتدائً جنگ کرنا حرام ہے لیکن اگر دشمن کا مدافعہ مقصود ہے تو بالاتفاق جائز ہے، وہ سب واقعات دفاعی تھے۔ آنحضرت صلعم نے پیشدستی نہین کی تھی بلکہ دفاع کیا گیا تھا۔ بیعت رضوان اس لیے لیگئی تھی کہ یہ خبر مشہور ہوگئی تھی کہ کفار نے حضرت عثمان کو (جو سفیر ہوکر گئے تھے) قتل کردیا۔ طایف کا محاصرہ کوئی مستقل جنگ نہ تھی۔ بلکہ غزوۂ حنین کا بقیہ تھا جس مین خود کُفّار ہر طرف سے جمع ہوکر حملہ آور ہوئے تھے۔ فتح حرم کا واقعہ حدیبیہ کی شکست

کا نتیجہ تھا جسکی ابتدا قریش نے کی تھی[1]،

حافظ ابن القیم نے نہایت صحیح جواب دیا لیکن خاص خیبر کے معاملہ مین وہ اس گرہ کو نہ کھول سکے اور بحث نامنفصل رہ گئی، حافظ ابن القیم کے اُستاد علامۂ ابن تیمیہ کو بھی اس موقع پر اشتباہ ہوا۔ انھون نے الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح مین لکھا ہی کہ آنحضرت صلعم نے جس قدر لڑائیان کین سب دفاعی تھین صرف بدر اور خیبر اس سے مستثنیٰ ہین لیکن اگر علامۂ موصوف زیادہ استقصا کرتے تو ثابت ہوتا کہ بدر اور خیبر بھی مستثنیٰ نہین۔ بدر کا بیان اوپر گزر چکا ہی۔ خیبر کے ماسبق واقعات کو ترتیب دیکر دیکھو تو صاف نظر آئے گا کہ یہود اور غطفان مدینہ پر حملہ کی تیاریان کر چکے تھے

تقسیم زمین خیبر کی زمین دو برابر حصّون مین تقسیم کی گئی، نصف بیت المال، مہمانی اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لیے خاص کر لیا گیا، باقی نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ مین شریک تھے مساوی حصون مین تقسیم کیا گیا، کُل فوج کی تعداد چودہ ۱۴۰۰ سو تھی، دو ۲۰۰ سو سوار تھے، سوارون کو گھوڑون کے مصارف کے لیے پیدل سے دوگنا ملتا تھا اس بنا پر یہ تعداد اٹھارہ ۱۸۰۰ سو کے برابر تھی۔ اِس حساب سے کل جائداد کے اٹھارہ سو حصّے کئے گئے اور ہر مجاہد کے حصّہ مین ایک حصّہ آیا۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عام مجاہدین کے برابر ایک ہی حصّہ ملا[2]۔

ولرسول اللہ صلّی اللہ علیہٖ وسلّم مثل سہم واحدھم[2]،	اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عام لوگون کی طرح ایک حصّہ تھا۔

---

[1] زاد المعاد ذکر غزوۂ خیبر۔ [2] فتوح البلدان، بلاذری، ذکر غزوۂ خیبر (ابو داؤد حکم ارض خیبر مین ہی ملنبی صلعم معھم لہ سہم کسہم احدھم)

ملکی حالت اور احکام فقہی

خیبر کی فتح سے اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اسلام کے حقیقی دشمن صرف دو تھے، مشرکین اور یہود، عیسائی اگرچہ عرب مین موجود تھے لیکن وہ کچھ زور اور اثر نہین رکھتے تھے، مشرکین اور یہود اگرچہ مذہبًا باہم مختلف تھے لیکن سیاسی اسباب کی بنا پر اُن مین اتحاد پیدا ہوگیا تھا، مدینہ کے یہود عمومًا انصار کے حلیف تھے، اِسی طرح خیبر کے یہود غطفان کے حلیف تھے، اب آنحضرت صلعم کے مقابلہ کے لیے مکہ اور مدینہ کے مشرکین اور منافقین سب مِلکر کنفسٍ وّاحدۃ ہوگئے، خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور مشرکین کا ایک بازو جاتا رہا۔

ابتک اسلام چارون طرف سے نرغہ کی حالت مین تھا اِس بنا پر بجز عقائد اور ضروری عبادت کے شریعت کے اور احکام کی تاسیس و تعلیم کا موقع نہ تھا۔ شریعت کے احکام جیسا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا ہے حالات کے اقتضا سے بتدریج آئے ہین۔ چنانچہ اسکی تفصیل آگے آئیگی، خیبر کی فتح سے اِدھر تو یہود کی فتنہ انگیزیون سے نجات ملی اُدھر حدیبیہ کی صلح سے مشرکین کی طرف سے فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا، اِس بنا پر اب مسلمان جدید فقہی احکام کی تعمیل کے قابل ہو چکے تھے

اربابِ سیر نے غزوۂ خیبر کے تذکرہ مین عمومًا ذکر کیا ہے کہ اِس موقع پر متعدد جدید فقہی احکام نازل[1] ہوئے اور آنحضرت صلعم نے اُن کی تبلیغ کی۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) پنجہ دار پرند حرام ہوگئے۔

(۲) درندہ جانور حرام کردیے گئے۔

[1] یہان نزول سے وحی متلو یعنی قرآن مراد نہین ہے۔

(۳) گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا۔

(۴) اب تک معمول تھا کہ لونڈیون سے فوراً تمتع جائز سمجھا جاتا تھا، اب استبراء کی قید ہو گئی یعنی اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک، ورنہ تین مہینہ تک تمتع جائز نہین۔

(۵) چاندی سونے کا بہ تفاضل خریدنا حرام ہوا۔

(۶) بعض روایتون مین ہے کہ متعہ بھی اسی غزوہ مین حرام ہوا۔

وادی القرے اور فدک

تیما اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جس مین بہت سی بستیان آباد ہین، اس کو وادی القریٰ کہتے ہین۔ قدیم زمانہ مین عاد وثمود یہان آباد تھے۔ یاقوت نے معجم البلدان مین لکھا ہے کہ عاد وثمود کے آثارات اب بھی باقی ہین اسلام سے پہلے ان بستیون مین یہود آکر آباد ہوئے اور زراعت اور آب رسانی کو بہت ترقی دی اور اب یہ یہود کا مخصوص مرکز بنگیا تھا[۱]،

خیبر کے بعد آنحضرت صلعم نے وادی القریٰ کا رُخ کیا، لیکن لڑنا مقصود نہ تھا۔ مگر یہود پہلے سے طیار تھے۔ اُنھون نے فوراً تیراندازی شروع کردی، آنحضرت صلعم کا محمل آپ کے غلام (مدعم) اُتار رہے تھے، کہ ایک تیر آیا اور وہ جان بحق ہوئے، عام مورخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہین کیا ہے لیکن امام بیہقی نے صاف تصریح کی ہے۔

وقد استقبلتنا یھود بالرمے ولم نکن علی تعبئیة[۲]	یہود ہمارے مقابلہ کو تیر چلاتے ہوئے نکلے اور ہم طیار نہ تھے۔

[۱] معجم البلدان لفظ قریٰ۔ [۲] زرقانی۔ بر موطاء بہ حوالۂ بیہقی باب الجہاد ذکر غلول۔

بہرحال جنگ شروع ہوگئی لیکن تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈال دی اور خیبر کے شرائط کے موافق صلح ہوگئی۔

ادائے عمرہ

صلح حدیبیہ مین قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے سال آنحضرت صلعم مکہ مین آکر عمرہ ادا کرین گے اور تین دن قیام کرکے واپس چلے جائین گے اس بنا پر آنحضرت صلعم نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا۔ اور اعلان کرا دیا کہ جو لوگ واقعہ حدیبیہ مین شریک تھے ان مین سے کوئی رہ نہ جائے، چنانچہ بجز ان لوگون کے جو اس اثنا مین مرچکے تھے سب نے یہ سعادت حاصل کی۔

معاہدہ مین شرط تھی کہ مسلمان مکہ مین آئین تو ہتیار ساتھ نہ لائین۔ اِس لیے اسلحۂ جنگ بطن یاجج مین جو مکہ سے آٹھ میل ادھر ہے چھوڑ دیے گئے۔ اور دوسو سوارون کا ایک دستہ اسلحہ کی حفاظت کے لیے متعین کردیا گیا۔

آنحضرت صلعم لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے عبداللہ بن رواحہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے[1]

خلوا بنی الکفار عن سبیله	کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ،
الیوم نضربکم علی تنزیله	آج جو تمنے اُترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کرین گے۔
ضربا یزیل الهام عن مقیله	وہ وار جو سر کو خوابگاہ سر سے الگ کردے۔
ویذهل الخلیل عن خلیله	اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلادے

صحابہ کا جم غفیر ساتھ تھا اور برسون کی دیرینہ تمنا، اور فرض مذہبی بڑے جوش کے ساتھ ادا کررہا تھا۔

---

[1] یہ اشعار اور یہ واقعہ ترمذی نے شمائل مین نقل کیا ہے

اہل مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانون کو مدینہ کی آب وہوا نے کمزور کر دیا ہے، اِس بنا پر آپ نے حکم دیا کہ لوگ طواف کے تین پہلے پھیر دن مین اکڑتے ہوئے چلین۔ عربی زبان مین اس کو "رمل" کہتے ہین۔ چنانچہ آجتک یہ سُنّت باقی ہے۔

اہل مکہ نے اگرچہ چارناچار عمرہ کی اجازت دیدی تھی تاہم انکی آنکھین اس منظر کے دیکھنے کی تاب نہین لاسکتی تھین روساے قریش نے عموماً شہر خالی کردیا۔ اور پہاڑون پر چلے گئے، تین دن کے بعد حضرت علی کے پاس آئے اور کہا "محمدؐ سے کہدو کہ شرط پوری ہوچکی اب مکہ سے نکل جائین" حضرت علی نے آنحضرت صلعم سے عرض کی، آپ اُسی وقت روانہ ہوگئے۔ چلتے وقت حضرت حمزہ کی صغیر السن صاحبزادی امامۃ جو مکہ مین رہ گئی تھین آنحضرت صلعم کے پاس "چچا چچا[1]" کہتی دوڑی آئین حضرت علی نے ہاتون مین اُٹھالیا۔ لیکن حضرت جعفر (حضرت علی کے بھائی) اور زید بن حارثہ نے اپنے دعوے پیش کیے۔ حضرت جعفر کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے۔ زید کہتے تھے کہ حمزہ میرے مذہبی بھائی تھے اس رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے۔ حضرت علی کو دعویٰ تھا کہ میری ہمشیرہ بھی ہے اور پہلے میری ہی گود مین آئی ہے۔ آنحضرت صلعم نے سب کے دعوے مساوی الدرجہ دیکھکر ان کو اسماء کی گود مین دیا، وہ امامۃ کی خالہ تھین۔ پھر فرمایا کہ "خالہ مان کے برابر ہوتی ہے[2]"

---

[1] آنحضرت صلعم رشتہ مین اُن کے بھائی تھے لیکن اُنھون نے تعظیماً چچا کہا (یا اس لیے کہ آنحضرت صلعم اور حضرت حمزہ دونون رضاعی بھائی تھے) [2] اس واقعہ کا بڑا حصہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہی بعض زاید تفصیلین زرقانی سے لیگئی ہین جو کتب حدیث کے حوالے سے زرقانی نے نقل کی ہین۔

سنہ ۸ ھ

غزوۂ موتہ

جمادی الاولیٰ سنہ ۸ ھ

موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقاء سے اِس طرف ہے، عرب میں جو مشرفی تلواریں مشہور ہیں وہ یہیں بنتی تھیں[۱]، کثیر مشہور شاعر کہتا ہے۔

صوارم یجلوھا بموتۃ صیقل (وہ تلواریں جنکو موتہ میں صیقل گر جلا دیتا ہی)

سلاطین اور رؤسا کو دعوت اسلام کے جو خطوط بھیجے گئے تھے اُن میں ایک خط شرجیل بن عمرو کے نام تھا جو بصریٰ (حوران) کا بادشاہ اور قیصر کا ماتحت تھا، یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا، یہ خط حارث بن عمیر لیکر گئے تھے۔ شرجیل نے اُن کو قتل کر دیا، اس کے قصاص کے لیے آنحضرت صلعم نے تین ہزار فوج طیار کر کے شام کی طرف روانہ کی۔ زید بن حارثہ کو جو آنحضرت صلعم کے آزاد کردہ غلام تھے سپہ سالاری ملی اور ارشاد ہوا کہ اگر ان کو دولت شہادت نصیب ہو تو جعفر طیارؓ، اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں[۲]۔ حضرت زید غلام تھے گو آزاد ہو چکے تھے۔ حضرت جعفر طیار، حضرت علی کے حقیقی بھائی اور اور آنحضرت صلعم کے مقرب خاص تھے۔ عبد اللہ بن رواحہ معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے۔ اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ جعفر و عبد اللہ بن رواحہ کے ہوتے زید کو افسر کرنا کس بنا پر ہے۔ چنانچہ لوگوں

---

[۱] معجم البلدان لفظ موتہ [۲] صحیح بخاری غزوۂ موتہ۔

مین چرچے ہوئے، لیکن اسلام مساوات عام کے قایم کرنے کے لیے آیا تھا اُس کے لیے اِسی قسم کا ایثار درکا تھا، اسامہؓ کی مہم مین جس مین تمام مہاجرین کو شرکت کا حکم ہوا تھا آنحضرت صلعم نے انہی زید کے صاحبزادے حضرت اُسامہؓ کو فوج کا افسر مقرر کیا تھا، اُس وقت بھی لوگون مین چرچے ہوئے۔ آنحضرت صلعم نے سنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگون نے انکے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کیا تھا حالانکہ یقیناً وہ افسری کے قابل تھے" چنانچہ صحیح بخاری بعث اسامہ (باب المغازی) مین بہ تفصیل یہ واقعہ منقول ہے۔

گو یہ مہم قصاص لینے کی غرض سے تھی لیکن چونکہ تمام مہمات کا اصلی محور تبلیغِ اسلام تھا، ارشاد ہوا کہ پہلے اُن کو دعوتِ اسلام دیجائے، اگر وہ اسلام قبول کرین تو جنگ کی ضرورت نہین، یہ بھی حکم ہوا کہ اظہار ھمدردی کے لیے اُس مقام پر جانا جہان حارث بن عمیرؓ نے ادائے فرض مین جان دی ہے ثنیۃ الوداع تک آنحضرت صلعم خود فوج کی مشایعت کے لیے تشریف لے گئے۔ صحابہؓ نے پکار کر دعا کی کہ خدا سلامت اور کامیاب لائے،

فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسون نے شرحبیل کو خبر دی جس نے مقابلہ کے لیے کم وبیش ایک لاکھ فوج طیار کی،[۱] ادھر خود قیصر روم (ہرقل) قبائل عرب کی بے شمار فوج لیکر مآب مین خیمہ زن ہوا۔ جو بلقاء کے اضلاع مین ہے۔ حضرت زیدؓ نے یہ حالات سنکر چاہا کہ ان واقعات سے دربار رسالت کو اطلاع دیجاے اور حکم کا انتظار کیا جائے لیکن عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا ہمارا اصل مقصد فتح نہین بلکہ دولت شہادت ہے جو ہر وقت حاصل ہوسکتی ہے۔ غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر

---

[۱] طبقات ابن سعد۔ [۲] صحیح بخاری۔

حملہ آور ہوا، حضرت زید برچھیان کھاکر شہید ہوئے، ان کے بعد حضرت جعفر نے عَلَم ہات مین لیا، گھوڑے سے اُترکر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پانون پر تلوار ماری کہ اُس کی کونچین کٹ گیئن پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلوارون سے چوُر ہوکر گر پڑے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ مین نے انکی لاش دیکھی تھی، تلوارون اور برچھیون کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے۔ پشت نے یہ داغ نہین اُٹھایا تھا، حضرت جعفر کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے عَلَم ہات مین لیا اور وہ بھی داد شجاعت دے کر شہید ہوئے اب حضرت **خالد** سردار بنے اور نہایت بہادری سے لڑے، صحیح بخاری مین ہے کہ آٹھ تلوارین انکے ہات سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرین لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجون کو دشمن کی زد سے بچا لائے۔ جب یہ شکست خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہر ان کی مشایعت کو نکلے تو لوگ غمخواری کے بجائے اُن کے چہرون پر خاک پھینکتے تھے کہ اُو فرار یو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے۔

رسول اللہ صلعم کو اس واقعہ کا سخت صدمہ ہوا، حضرت جعفر سے آپ کو خاص محبت تھی، ان کی شہادت کا نہایت قلق تھا، آپ مسجد مین جاکر غمزدہ بیٹھے، اسی حالت مین ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفر کی مستورات ماتم کر رہی ہین اور رُو رہی ہین آپ نے منع کرا بھیجا، وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ مین نے منع کیا لیکن وہ باز نہین آتین، آپ نے دوبارہ بھیجا، وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگون کی نہین چلتی آپ نے ارشاد فرمایا کہ "تو انکے منھ مین خاک بھر دو" یہ واقعہ حضرت عائشہ سے صحیح بخاری مین منقول ہے صحیح بخاری مین یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ نے اس شخص سے کہا کہ خدا کی قسم تم یہ نکروگے (منھ مین خاک ڈالنا) اور آنحضرت صلعم کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی۔

لہ صحیح بخاری

فتح مکہ

رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا،

جانشینِ ابراہیم (علیہما الصّلوٰۃ والسّلام) کا سب سے مُقدّم فرض، توحیدِ خالص کا احیاء اور حرم کعبہ کا آلایش سے پاک کرنا تھا، لیکن قریش کے پے در پے حملون اور عرب کی مخالفت عام نے پورے اکیس[۲۱] برس تک اِس فرض کو روک رکھا، صلح حدیبیہ کی بدولت اتنا ہوا کہ چند روز کے لیے امن وامان قائم ہوگیا اور دلدادگانِ حرم ایک دفعہ یادگار ابراہیمی کو غلط انداز نظر سے دیکھ آئے، لیکن معاہدۂ حدیبیہ بھی قریش سے نہ نبھ سکا، حلم وعفو وتحمل کی حد ہوچکی، اب وقت آگیا کہ آفتاب حق، حجابہاے حائل کو چاک کرکے باہر نکل آئے۔

صلح حدیبیہ کی بنا پر قبائل عرب مین خزاعہ آنحضرت صلعم کے حلیف ہوگئے تھے اور اُن کے حریف بنو بکر نے قریش سے مخالفت کا معاہدہ کرلیا تھا، اِن دونون حریفون مین مدت سے لڑائیان چلی آتی تھین۔ اسلام کے ظہور نے عرب کو ادھر متوجہ کیا تو وہ لڑائیان رک گئین اور اب تک رکی رہین، کیونکہ قریش اور عرب کا سارا زور اسلام کے مقابلہ مین صرف ہو رہا تھا، صلح حدیبیہ نے لوگون کو مطمئن کیا تو بنو بکر سمجھے کہ اب انتقام کا وقت آگیا، دفعۃً وہ خزاعہ پر حملہ آور ہوئے اور روساے قریش نے علانیہ اُن کو مدد دی، عکرمۃ بن ابی جہل، صفوان بن اُمیہ، سہیل بن عمرو، وغیرہ نے راتون کو صورتین[۱] بدل

[۱] طبری صفحہ ۱۶۲۰۔

بدل کر بنوبکر کے ساتھ تلواریں چلائیں۔ خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی، بنوبکر رُک گئے کہ حرم کا احترام ضرور ہے، لیکن انکے رئیسِ اعظم **نوفل** نے کہا یہ موقع پھر کبھی ہات نہیں آسکتا، غرض میں حدود حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا،

آنحضرت صلعم مسجد میں تشریف فرماتھے کہ دفعةً یہ صدا بلند ہوئی،

لاھم اِنی ناشد محمدا	کچھ غم نہیں میں محمدؐ کو وہ معاہدہ یاد دلاؤنگا
حلف ابینا وابیہ الاتلدا	جو ہمارے اور اُنکے قدیم خاندان میں ہوا ہے
فانصر رسول اللہ نصرا اعتدا	اے پیغمبر خدا! ہماری اعانت کر اور خدا
وادع عباد اللہ یاتوا مددا	کے بندون کو بلا سب اعانت کے لیے حاضر ہونگے

معلوم ہوا کہ خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار جنکا پیشرو عمرو بن سالم ہے، فریاد لیکر آئے ہیں، آنحضرت صلعم نے واقعات سنے تو آپ کو سخت رنج ہوا تاہم آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے،

(۱) مقتولون کا خونبہا دیا جائے،

(۲) قریش، بنوبکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

(۳) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرطہ بن عمر نے قریش کی زبان سے کہا کہ "صرف تیسری شرط منظور ہے"[۱] لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی، اُنھون نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرالائیں

[۱] زرقانی نے یہ واقعہ مغازی ابن عائذ سے نقل کیا ہی، تعجب ہی کہ اور مورخین اور ارباب سیر ایسے ضروری واقعہ کو قلم انداز کر گئے

ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین درخواست کی، بارگاہ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا ابوسفیان نے حضرت ابوبکر و عمر کو بیچ مین ڈالنا چاہا، لیکن سب نے کانون پر ہاتھ رکھا، ہرطرف سے مجبور ہوکر جناب فاطمہ زہرا کے پاس آیا، امام حسن علیہ السلام پانچ برس کے بچے تھے، ابوسفیان نے ان کی طرف اشارہ کرکے کہا "اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہدے کہ مین نے دونون فریقون مین بیچ بچاؤ کرادیا۔ تو آج سے **عرب** کا سردار پکارا جائے گا" جناب سیدہ نے فرمایا "بچون کو ان معاملات مین کیا دخل" بالآخر ابوسفیان نے حضرت علی کے ایما سے مسجد نبوی مین جاکر اعلان کر دیا کہ "مین نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کردی"

ابوسفیان نے مکہ مین جاکر لوگون سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے کہا یہ نہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائین نہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے۔

آنحضرت صلعم نے مکہ کی تیاریان کین، اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ طیار ہوکر آئین احتیاط کی گئی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے۔

حاطب بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے انھون نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلعم مکہ کی طیاریان کررہے ہین آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی۔ حضرت علی کو بھیجا کہ قاصد سے خط چھین لائین۔ خط آنحضرت صلعم کی خدمت مین پیش ہوا۔ تو تمام لوگون کو حاطب کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمر بیتاب ہوگئے اور عرض کی کہ حکم ہو تو ان کی گردن اڑا دون؟" لیکن جبین رحمت پر شکن نہ تھی۔ ارشاد ہوا، عمر! تم کو کیا معلوم ہے؛ ممکن ہے کہ خدا نے اہل بدر کو مخاطب کرکے کہدیا ہو کہ تم سے کچھ مواخذہ نہین ہے۔

حاطب کے عزیز و اقارب ابتک مکہ مین تھے اور اُن کا کوئی حامی نہ تھا اس لیے اُنھون نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اس کے صلہ مین اُنکے عزیزون کو ضرر نہ پہنچائین گے، اُنھون نے آنحضرت صلعم کے سامنے یہی عذر پیش کیا اور آنحضرت صلعم نے قبول فرمایا۔

غرض ۱۰ رمضان ۸ھ ہجری کو کوکبۂ نبوی نہایت عظمت و شان سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا دس ہزار آراستہ فوجین رکاب مین تھین، قبائل عرب راہ مین آآکر ملتے جاتے تھے، مرّ الظہران پہنچکر لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور فوجین دور دور تک پھیل گئین، یہ مقام مکہ معظمہ سے ایک منزل، یا اس سے بھی کم فاصلہ پر ہے،

آنحضرت صلعم کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحرا وادی ایمن بنگیا، فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانون مین پڑچکی تھی، تحقیق کے لیے اُنھون نے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہ کے بھتیجے) ابوسفیان اور بدیل بن ورقا کو بھیجا، خیمۂ نبوی کی دربانی پر جو دستہ متعین تھا اسنے ابوسفیان کو دیکھ لیا[۱]، حضرت عمر جذبۂ انتقام کو ضبط نہ کرسکے، تیز قدمی سے آگے بڑھے اور بارگاہ رسالت مین آکر عرض کی کہ کفر کے استیصال کا وقت آگیا لیکن حضرت عباس رضہ نے جان بخشی کی درخواست کی، حضرت عمر نے دوبارہ عرض کیا، حضرت عباس نے کہا عمر! اگر یہ شخص تمھارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس قدر سخت دلی نہ کرتے" حضرت عمرؓ نے کہا آپ یہ نہ فرمائین آپ جس دن اسلام لائے تھے مجھکو جو مسرّت ہوئی تھی، خود میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھکو اس قدر

---

[۱] اصل واقعہ صحیح بخاری مین کافی تفصیل کے ساتھ موجود ہے لیکن مزید تفصیل اور جزئیات حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح مین موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ وغیرہ سے نقل کیے ہین مین نے ان کو بھی لے لیا ہے، بعض واقعات طبری سے ماخوذ ہین۔

خوشی نہ ہوتی،

ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے اب سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اُسکے قتل کی دعویدار تھی، اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرت صلعم کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان مین سے ہر چیز اُس کے خون کی قیمت ہوسکتی تھی لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبوی) تھی اُسنے ابوسفیان کے کان مین آہستہ سے کہا کہ "خوف کا مقام نہین"

صحیح بخاری مین ہو کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔ لیکن طبری وغیرہ مین اس اجمال کی تفصیل مین حسب ذیل مکالمہ لکھا ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیون ابوسفیان کیا اب بھی تمکو یقین نہین آیا کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہین؟

ابوسفیان، کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اس مین کچھ شک ہے کہ مین خدا کا پیغمبر ہون۔

ابوسفیان اس مین تو ذرا شبہہ ہی،

بہرحال، ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا اور اُسوقت گو اُن کا ایمان متزلزل تھا، لیکن مورخین لکھتے ہین کہ بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے، چنانچہ غزوۂ طائف مین انکی ایک آنکھ زخمی ہوئی، اور یرموک مین وہ بھی جاتی رہی،

لشکرِ اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت صلعم نے حضرت عباس سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لیجا کر کھڑا کردو کہ افواجِ الٰہی کا جلال آنکھون سے دیکھے۔ کچھ دیر کے بعد دریاے اسلام مین تلاطم شروع ہوا۔ قبائل عرب کی موجین جوش مارتی ہوئی بڑھین سب سے پہلے غفار کا پرچم نظر آیا

پھر جہینہ، ہذیم، سلیم، ہتیاروں مین ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے، ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہو ہو جاتا تھا، سب کے بعد انصار کا قبیلہ اِس سر و سامان سے آیا کہ آنکھین خیرہ ہو گئین، ابوسفیان نے متحیر ہوکر پوچھا یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عبّاس نے نام بتایا، دفعۃً سردارِ فوج حضرت سعد بن عبادۃ ہات مین علم لیے ہوے برابر سے گزرے اور ابوسفیان کو دیکھکر پکار اُٹھے،

الیوم یوم الملحمۃ الیوم	آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ حلال
تستحل الکعبۃ،	کردیا جائے گا۔

سب سے اخیر کوکبۂ نبوی نمایاں ہوا جس کے پرتو سے سطح خاک پر، نُور کا فرش بچھتا جاتا تھا، حضرت زبیر بن العوام علمبردار تھے، ابوسفیان کی نظر جمالِ مبارک پر پڑی تو پکار اُٹھے کہ "حضور نے سنا؟ عبادۃ کیا کہتے ہوئے گئے؟" ارشاد ہوا کہ "عبادۃ نے غلط کہا آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے" یہ کہکر حکم دیا کہ فوج کا عَلَم عبادۃ سے لیکر اُن کے بیٹے کو دیدیا جائے۔

مکہ پہنچکر آپ نے حکم دیا کہ علم نبوی مقام حجون پر نصب کیا جائے۔ حضرت خالد کو حکم ہوا کہ فوجوں کے ساتھ بالائی حصّہ کی طرف آئین۔

اعلان کردیا گیا کہ جو شخص ہتیار ڈال دے گا، یا ابوسفیان کے ہان پناہ لے گا، یا دروازہ بند کرلے گا اس کو امن دیا جائے گا۔ تاہم قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا۔ اور خالد کی فوج پر تیر برسائے، چنانچہ دو صاحب (یعنی کرز بن جابر فہری، اور حبیش بن اشعر) نے شہادت پائی، حضرت خالد نے مجبور ہوکر حملہ کیا، یہ لوگ ۱۳ لاشین چھوڑ کر بھاگ نکلے، آنحضرت صلعم نے تلوار دن کا چمکنا دیکھا تو خالد

[1] یہ خاص صحیح بخاری کی روایت ہے [2] انکی شہادت کا ذکر صحیح بخاری مین بھی ہے

سے بازپرس کی لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ابتدا مخالفین نے کی تو آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ قضائے الٰہی یہی تھی"

لوگون نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ حضور قیام کہان فرمائین گے؟ کیا اپنے قدیم مکان مین؟ شریعت مین مسلمان کافر کا وارث نہین ہوسکتا، ابوطالب (آنحضرت صلعم کے عم) نے جب انتقال کیا تھا تو اُنکے صاحبزادے عقیل اُس وقت کافر تھے، اِس لیے وہی وارث ہوئے، انھون نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہات بیچڈالے تھے۔ اس بناپر آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "عقیل نے گھر کہان چھوڑا کہ اُس مین اُترون، اپسلے مقام خیف[1] مین ٹھہرونگا" یہ وہ جگہ تھی جہان قریش نے ہجرت سے پہلے آنحضرت صلعم اور خاندان ہاشم کو مکہ سے نکال کر محصور کیا تھا۔

خدا کی شان، حرم محترم، جو خلیل بت شکن کی یادگار تھا اُس کے آغوش مین ۳۶۰ بت جاگزین تھے، آنحضرت صلعم ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکے دیتے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے تھے[2]۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا، | حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔

عین کعبہ کے اندر بہت سے بُت تھے جنکو قریش خدا مانتے تھے، آنحضرت صلعم نے کعبہ مین داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوا دیے جائین[3] حضرت عمر نے اندر جاکر جسقدر تصویرین تھین وہ بھی مٹادین حرم ان آلائشون سے پاک ہوچکا تو آپ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے۔ کنجی

---

[1] صحیح بخاری فتح مکہ و کرمانی شرح صحیح مسلم (ابن ماجہ باب دخول مکہ مین ہے کہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے لیکن امام بخاری اور محدثین نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔) [2] صحیح بخاری فتح مکہ [3] صحیح بخاری۔

طلب کی اور دروازہ کھلوایا، آپ حضرت بلال اور طلحہ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی، بخاری کی ایک روایت مین ہے کہ آپ نے کعبہ کے اندر تکبیرین کہین لیکن نماز نہین ادا کی۔

خطبۂ فتح | شاہنشاہی اسلام کا یہ پہلا دربار عام تھا، خطبۂ سلطنت یعنی بارگاہِ احدیت کی تقریر خلافت الٰہی کے منصب سے رسول اللہ صلعم نے ادا کی جس کا خطاب صرف اہلِ مکہ سے نہین، بلکہ تمام عالم سے تھا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اَلَا كُلُّ مَاْثُرَةٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ يُدْعٰى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ،	ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہین ہو اُس کا کوئی شریک نہین ہو اُسنے اپنا وعدہ سچا کیا اُسنے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھون کو تنہا توڑدیا، ہان تمام مفاخر تمام انتقامات خونہاے قدیم تمام خونبہا، سب میرے قدمون کے نیچے ہین صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہین۔
يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ۔ اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ،	اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا، تمام لوگ آدم کی نسل سے ہین۔ اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ	لوگو! ہمنے تمکو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپسمین ایک دوسرے سے پہچان لیے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہی جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ خدا دانا اور واقفکار ہے

إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ (بخاری) خدا نے شراب کی خرید و فروخت حرام کردی۔

تمام عقائد اور اعمال کا اصل الاصول اور دعوتِ اسلام کا اصلی پیغام توحید ہے اس لیے سب سے پہلے اسی سے ابتدا کی گئی۔

خطبہ کے اصولی مطالب

عرب مین دستور تھا، کوئی شخص کسی کو قتل کردیتا تھا تو اُس کے خون کا انتقام لینا خاندانی فرض قرار پاتا تھا، یعنی اگر اُس وقت قاتل نہ ہاتھ آسکا تو خاندانی دفتر مین مقتول کا نام لکھ جاتا اور سیکڑون برس گزرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا، قاتل اگر مرچکا ہے تو اُسکے خاندان یا قبیلے کے آدمی کو قتل کرتے تھے۔ اسیطرح خونبہا کا مطالبہ بھی اَبًا عَنْ جَدٍّ چلا آتا تھا، یہ خون کا انتقام عرب مین سب سے بڑے فخر کی بات تھی، اس طرح اور اور بہت سی لغو باتین مفاخر قومی مین داخل ہوگئین تھین، اسلام اِن سب کے مٹانے کے لیے آیا تھا؛ اور اِس بنا پر آپ نے انتقام، اور خونبہا اور نیز اور تمام غلط مفاخر کی نسبت فرمایا کہ "مین نے اُن کو پانون سے کچلدیا"

عرب اور تمام دنیا مین، نسل اور قوم و خاندان کے امتیاز کی بنا پر ہر قوم مین فرقِ مراتب قائم کئے گئے تھے، جسطرح ہندوؤن نے چار ذاتین قائم کین، اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانورون کا درجہ ہے، اور اس کے ساتھ یہ بندش کردی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ایک ذرّہ آگے نہ بڑھنے پائے۔

اسلام کا سب سے بڑا احسان، جو اُسنے تمام دنیا پر کیا، مساواتِ عام کا قائم کرنا تھا، یعنی عرب و عجم، شریف و رذیل، شاہ و گدا، سب برابر ہین، ہر شخص ترقی کرکے ہر انتہائی درجہ پر پہنچ سکتا ہے اس بنا پر آنحضرت صلعم نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ "تم سب اولادِ آدم ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے،

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کیطرف دیکھا تو جبّارانِ قریش سامنے تھے، اِن مین وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے مین سب کے پیشرو تھے، وہ بھی تھے جنکی زبانین رسول اللہ صلعم پر گالیون کے بادل برسایا کرتی تھین، وہ بھی تھے جن کی تیغ وسنان نے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیان کین تھین، وہ بھی تھے جنھون نے آنحضرت صلعم کے راستہ مین کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت صلعم کی ایڑیون کو لہولُہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جنکی تشنہ لبی، خونِ نبوت کے سوا کسی چیز سے بُجھ نہین سکتی تھی، وہ بھی تھے جنکے حملون کا سیلاب مدینہ کی دیوارون سے آآکر ٹکراتا تھا۔ وہ بھی تھے جو مسلمانون کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر اُن کے سینون پر آتشین مہرین لگایا کرتے تھے۔

رحمتِ عالم نے اُن کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ مین پوچھا "تم کو کچھ معلوم ہے؟ مین تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہون؟"

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بیرحم تھے لیکن مزاج شناس تھے، پکار اُٹھے، کہ

اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ — تو شریف بھائی ہے۔ اور شریف برادر زادہ ہے

ارشاد ہوا،

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ — تم پر کچھ الزام نہین جاؤ تم سب آزاد ہو،

کُفّارِ مکّہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا اب وقت تھا کہ اُن کو اُنکے حقوق دلائے جاتے۔ لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائین۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے بامِ کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔ وہی سرکش جو ابھی رام

ہو چکے تھے اُنکی آتشِ غیرت پھر مشتعل تھی، عتاب بن اسید نے کہا "خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اُس کو دنیا سے اُٹھا لیا[۱]" ایک اور سردارِ قریش نے کہا "اب جینا بے کار ہے[۲]"

مقامِ صفا مین آپ ایک بلند مقام پر بیٹھے، جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپ کے ہات پر بیعت کرتے تھے، مردون کی باری ہو چکی تو مستورات آئین، عورتون سے بیعت لینے کا یہ طریقہ تھا کہ اُن سے ارکانِ اسلام اور محاسنِ اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا۔ پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ مین آنحضرت صلعم دستِ مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے۔ آپ کے بعد عورتین اسی پیالہ مین ہات ڈالتی تھین اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا۔

ان مستورات مین **ہند** بھی آئی، یہ وہی ہند ہے جو رئیس العرب عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں تھی حضرت حمزہ کو اسی نے قتل کرایا تھا، اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبا گئی تھی، وہ نقاب پہنکر آئی، شریف عورتین عموماً نقاب پہنتی تھین لیکن اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی اس کو پہچاننے نپائے بیعت کے وقت اُسنے (نہایت دلیری بلکہ گستاخی سے) باتین کین جو حسب ذیل ہین۔

ہند یا رسول اللہ صلعم آپ ہمسے کن باتون کا اقرار لیتے ہین؟

رسول اللہ (صلعم) خدا کے ساتھ کسی کو شریک نکرنا۔

ہند یہ اقرار آپنے مردون سے تو نہین لیا لیکن بہرحال ہمکو منظور ہے۔

رسول اللہ (صلعم) چوری نہ کرنا۔

---

[۱] ابن ہشام، [۲] اصابہ تذکرہ عتاب بن اسید۔

ہند — مین اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال مین سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہون معلوم نہین یہ بھی جائز ہے یا نہین،

رسول اللہ (صلعم) اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند — رَبَّیْنَاهُمْ صِغَارًا وَّقَتَلْتَهُمْ کِبَارًا فَاَنْتَ وَهُمْ اَعْلَمْ،

ہمنے تو اپنے بچونکو پالا تھا، بڑے ہوے تو جنگ[1] بدر مین آپ نے اُنکو مار ڈالا۔ اب آپ اور وہ باہم سمجھ لین۔

روساے عرب مین دس شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے ان مین صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے، عمیر بن وہب نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین آکر عرض کی کہ رئیس عرب مکہ سے جلا وطن ہوا جاتا ہے، آپ نے علامت امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا، عمیر جدہ پہنچکر انکو واپس لائے حنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہین لائے[2]،

عبد اللہ بن زبعری عرب کا مشہور شاعر جو آنحضرت صلعم کی ہجوین کہا کرتا اور قرآن مجید پر نکتہ چینیان کرتا تھا، نجران بھاگ گیا لیکن پھر آکر اسلام لایا۔

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ یمن چلا گیا لیکن اسکی حرم (ام حکیم) نے آنحضرت صلعم سے امان لی، اور جاکر یمن سے لائین، یہ واقعہ ابوجہل سے کہنے کے قابل نہین کہ اُس کا جگر بند کفر کی گود سے نکلکر اسلام کے آغوش مین آگیا۔ اور اب ہم اس کو حضرت عکرمہ کہتے ہین۔

اشتہاریان قتل ارباب سیر کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم نے گو اہلِ مکہ کو امن عطا کیا تھا تاہم

---

[1] جنگ بدر مین ہند کے لڑکے کافرون کے ساتھ شریک ہوکر لڑے تھے اور لڑکر مارے گئے تھے۔

[2] طبری واصابہ ذکر صفوان بن امیۃ۔

دس شخصوں[1] کی نسبت حکم دیا کہ جہاں ملیں قتل کر دیے جائیں۔ ان میں سے بعض مثلاً عبداللہ بن خطل مقیس بن صبابہ، خونی مجرم تھے۔ اور قصاص میں قتل کئے گئے لیکن متعدد ایسے تھے کہ اُن کا صرف یہ جرم تھا کہ وہ آنحضرت صلعم کو مکہ میں ستایا کرتے تھے۔ یا آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک عورت اس جرم پر قتل کی گئی کہ وہ آپ کے ہجویہ اشعار گایا کرتی تھی۔

لیکن محدثانہ تنقید کی رُو سے یہ بیان صحیح نہیں۔ اِس جرم کا مجرم تو سارا مکہ تھا۔ کفارِ قریش میں سے (بجز دو چار کے) کون تھا جس نے آنحضرت صلعم کو سخت سے سخت ایذائیں نہیں دیں؟

[1] (حافظ مغلطائی نے پندرہ نام مختلف حوالوں سے جمع کیے ہیں، جو خود محدثین کے نزدیک غیر محتاطانہ ہیں۔ عام اربابِ سیرت نے دس شخصوں کے نام لیے ہیں۔ ابنِ اسحاق نے ۸ نام گنائے ہیں، ابوداؤد اور دارقطنی کی روایت میں صرف چھ ہیں، بخاری میں صرف ابن خطل کا واقعہ مذکور ہے، اِس سے ظاہر ہوگا کہ تحقیق کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے اُسی قدر تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔

عام روایت کے رو سے جن دس شخصوں کی سزاے موت کا اعلان کیا گیا تھا انکا حال یہ ہے کہ وہ شدید مجرم تھے تاہم سات اشخاص خلوص سے ایمان لائے اور اُن کو معافی دیدی گئی، صرف تین شخص قتل ہوئے۔ دو مرد اور ایک عورت۔ عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابۃ اور قریبہ ابن خطل کی لونڈی۔ ابن خطل اور ابن صبابۃ دونوں خونی مجرم تھے۔ ابن خطل نے جو اسلام لاچکا تھا اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کرکے مرتد ہوگیا تھا، مقیس بن صبابۃ کا واقعہ یہ ہے کہ اس کا ایک بھائی ایک انصاری کے ہات سے غلطی سے مارا گیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے اسکی دیت ادا کرادی تھی۔ تاہم مقیس منافقانہ اسلام لایا اور غدر سے اس انصاری کو قتل کر دیا۔

قریبہ جو ابن خطل کی لونڈی تھی مکہ کی ایک مغنیہ تھی جو آنحضرت صلعم کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھی[1]۔)

([1] دیکھو زرقانی اور ابن ہشام ذکر فتح مکہ)

بااینہمہ انہی لوگون کو یہ مژدہ سنادیا گیا کہ انتم الطلقاء، جن لوگون کا قتل بیان کیا جاتا ہے وہ تو نسبتہً کم درجہ کے مجرم تھے۔ حضرت عایشہ صدیقہ کی یہ روایت صحاح ستہ مین موجود ہے کہ آنحضرت صلعم نے کسی سے ذاتی انتقام نہین لیا، خیبر مین جس یہودی عورت نے آپ کو زہر دیا اسکی نسبت لوگون نے دریافت بھی کیا کہ اُس کے قتل کا حکم ہوگا۔ ارشاد ہوا کہ نہین، خیبر کے کفرستان مین ایک یہودیہ، زہر دیکر رحمتِ عالم کے طفیل سے جانبر ہوسکتی ہے۔ تو حرم مین اِس سے کم درجہ کے مجرم عفو نبوی سے کیونکر محروم رہ سکتے ہین،

اگر درایت پر قناعت نہ کی جائے تو روایت کے لحاظ سے بھی یہ واقعہ بالکل ناقابل اعتبار رہ جاتا ہے صحیح بخاری مین صرف ابن خطل کا قتل مذکور ہے اور یہ عموماً مُسلّم ہے کہ وہ قصاص مین قتل کیا گیا مقیس کا قتل بھی شرعی قصاص تھا۔ باقی جن لوگون کی نسبت حکم قتل کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کسی زمانہ مین آنحضرت صلعم کو ستایا کرتے تھے، وہ روایتین صرف ابن اسحاق تک پہنچکر ختم ہو جاتی ہین یعنی اصول حدیث کی رو سے وہ روایت منقطع ہے جو قابل اعتبار نہین۔ ابن اسحاق کا فی نفسہٖ جو درجہ ہے وہ ہم کتاب کے دیباچہ مین لکھ آئے ہین۔

سب سے زیادہ معتبر روایت جو اس بارہ مین پیش کیجا سکتی ہے وہ ابوداؤد کی روایت[1] ہے جس مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ چار شخصون کو کہین امن نہین دیا جاسکتا

[1] (یہ روایت دارقطنی اواخر کتاب الحج مین بھی مذکور ہے لیکن اوپر کے رواۃ دونون کے ہان ایک ہی ہین اگر اختلاف ہے تو یہ ہے کہ ابوداؤد مین اخیر راوی عمر بن عثمان اپنے دادا سے اور وہ اپنے باپ یعنی عمر کے پردادا سے روایت کرتا ہے اور دارقطنی مین عمر اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتا ہے۔ علمائے رجال جانتے ہین کہ دارقطنی نے غلطی کی ہو اسلیے اسکا پایہ اور بھی گر جاتا ہے۔ اس کے بعد متن حدیث بھی دونون کے ہان مختلف ہے)

لیکن ابو داؤد نے اِس حدیث کو نقل کرکے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند جیسی چاہیے مجکو نہین ملی، پھر اِس کے بعد ابن خطل کی روایت نقل[1] کی ہے، اس کا ایک راوی احمد بن المفضل ہے جس کو ازدی نے منکر الحدیث لکھا ہے اور ایک راوی اسباط بن نصر ہے جسکی نسبت نسائی کا قول ہے کہ "قوی نہین ہے"، اگرچہ صرف اس قدر جرح کسی روایت کے نامعتبر ہونے کے لیے کافی نہین[2] لیکن یہ واقعہ جس درجہ اہم ہے اس کے لحاظ سے راوی کی اس قدر جرح بھی روایت کے مشکوک ہونے کے لیے کافی ہے۔

اس مین شبہہ نہین کہ بعض سرداران قریش جو مخالفین اسلام کے پیشرو تھے، آنحضرت صلعم کی تشریف آوری کی خبر سنکر مکہ سے بھاگ گئے، لیکن یہ صرف ابن اسحاق کا قیاس ہے کہ وہ اِس وجہ سے بھاگے تھے کہ اُن کے قتل کا حکم دیا گیا تھا، ان اشتہاری مفرورین مین ابن اسحاق نے عکرمہ کو بھی شمار کیا ہے جو ابوجہل کے فرزند تھے، لیکن موطائے امام مالک مین جسکی نسبت امام شافعی کا قول ہے کہ آسمان کے نیچے (قرآن کے علاوہ) کوئی کتاب اس سے زیادہ صحیح نہین، یہ واقعہ جس طرح منقول ہے اُس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"حارث بن ہشام کی صاحبزادی، ام حکیم، عکرمہ بن ابی جہل کی زوجہ تھین۔ وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائین لیکن ان کے شوہر عکرمہ بن ابوجہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے

---

[1] ابوداؤد قتل الاسیر [2] (اس روایت کی نامعتبری کی شہادتین صرف اسی قدر نہین بلکہ اس سے بہت زیادہ ہین۔ اصل سلسلۂ روایت یہ ہے حدثنا عثمان بن ابی شیبة، حدثنا احمد بن المفضل، حدثنا اسباط بن نصر قال زعم السدی عن مصعب بن سعید، خیر راوی تابعی ہے جو شریک واقعہ نہ تھا اس کے بعد کا راوی سدی ہے جو مشہور دروغگو اور کاذب ہے اور لطف یہ ہے کہ اُس کے بعد کا راوی اسباط بن نصر اس کو "زعم" گمان سے تعبیر کرتا ہے۔ واقعہ کی قطعیت دعوے نہین کرتا اس لیے اس قدر جرح واقعۂ نامعتبری کے لیے بالکل کافی ہے۔)

ام حکیم یمن گئین اوران کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے اور مکہ مین آئے آنحضرت صلعم نے جب ان کو دیکھا تو فرط مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی۔ پھر ان سے بیعت لی۔ (کتاب النکاح)

یہ بات بھی اس موقع پر خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگون کو امن دیا جاتا تھا وہ اسلام پر مجبور نہین کیے جاتے تھے، تمام مورخین اور ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ حنین کی لڑائی مین جو فتح مکہ کے بعد پیش آئی لشکر اسلام مین مکہ کے بہت سے کفار بھی شامل تھے جو اُس وقت تک کافر تھے، اور شکست بھی زیادہ تر اسی وجہ سے ہوئی کہ پہلے حملہ مین انھین کافرون کے قدم اکھڑے اور اس ابتری کی وجہ سے مسلمانون کے قدم بھی نہ ٹھہر سکے۔

خزاین حرم حرم مین نذور و ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا وہ محفوظ رکھا گیا۔ لیکن مجسمہ جات اور تصویرین برباد کر دی گئین۔ ان مین حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے، حضرت عیسٰے علیہ السلام کی تصویر بھی تھی[1] جس سے لوگون نے قیاس کیا کہ کسی زمانہ مین عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہو گیا تھا۔ رنگین تصویرین جو دیوارون پر تھین مٹانے پر بھی اُن کے دھندلے نشان رہ گئے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعمیر تک باقی رہے[2]

مکہ معظمہ مین آنحضرت صلعم کا قیام پندرہ دن تک رہا۔ جب یہان سے روانہ ہوئے تو حضرت معاذ بن جبل کو اس خدمت پر مقرر کرتے گئے کہ لوگون کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائین۔

---

[1] فتح الباری ذکر فتح مکہ۔ [2] فتح الباری ذکر فتح مکہ۔ (اخبار مکہ ازرقی مین بتفصیل یہ واقعات مذکور ہین)۔

فتح مکہ اور بت شکنی

فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعتِ توحید اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا۔ کعبہ مین سیکڑون بت تھے جنمین **ہُبل** بھی تھا، جو بت پرستون کا خداے اعظم تھا، یہ انسان کی صورت کا تھا، اور یاقوتِ احمر سے بنا تھا۔ سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ مین لاکر رکھا تھا، خزیمۃ بن مدرکہ تھا جو مُضر کا پوتا۔ اور عدنان کا پرپوتا تھا۔ ہبل کے سامنے سات تیر رہتے تھے جن پر "لا" و "نعم" لکھا ہوتا تھا، عرب جب کوئی کام کرنا چاہتے تھے تو ان تیرون پر قرعہ ڈالتے اور "ہان" یا "نان" جو کچھ نکلتا اُس پر عمل کرتے[1]۔ جنگ اُحد مین ابوسفیان نے اِسی ہبل کی جے پکاری تھی، وہ عین کعبہ کے اندر تھا، چنانچہ جب آنحضرت صلعم کعبہ مین داخل ہوئے تو اور بتون کے ساتھ وہ بھی برباد کردیا گیا

مکہ کے اطراف مین اور بہت سے بڑے بڑے بُت تھے جنکے لیے حج کی رسمین ادا کی جاتی تھین۔ ان مین سب سے بڑے لات، مناۃ اور عزیٰ تھے عزیٰ قریش کا اور لات اہل طایف کا معبود تھا۔ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر نخلہ ایک مقام ہے۔ عزیٰ یہین منصوب تھا۔ بنوشیبان اسکے متولی تھے۔ اہل عرب کا اعتقاد تھا کہ خدا جاڑون مین "لات" کے ہان اور گرمیون مین "عزیٰ" کے ہان بسر کرتا ہے۔ عزیٰ کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجالاتے تھے جو کعبہ مین بجالاتے تھے، اُس کا طواف کرتے اور اُسپر قربانیان چڑھاتے[2]۔

مناۃ کا تخت گاہ مُشلّل تھا۔ جو قدید کے پاس مدینہ منورہ سے سات میل ادھر ہے۔ وہ ایک بن گھڑا پتھر تھا۔ ازد، غسان، اوس اور خزرج اُس کا حج کرتے تھے۔ عمرو بن لحی نے جو اصنام قائم کئے تھے یہ اُن سب مین بالاتر تھا۔ اوس اور خزرج جب کعبہ کا حج کرتے تو احرام اتارنے کی رسم (بال منڈانا)

---

[1] معجم البلدان ذکر ہبل بحوالہ ہشام بن محمد کلبی۔ [2] یہ تمام تفصیل زرقانی جلد دوم صفحہ ۴۰۰ مین ہے۔

اسی کے پاس آکر ادا کرتے تھے[1]،

قبیلۂ ہذیل کا بُت سُواع تھا، جو ینبع کے اطراف رہاط مین تھا، یہ ایک پتھر تھا۔ اس کے متولی بنو لحیان تھے۔

بت پرستی کے یہ وہ طلسم تھے جن مین سارا عرب گرفتار تھا۔ اب ان کی بربادی کا وقت آچکا تھا۔ اور دفعتہً ہر جگہ خاک اُڑنے لگی۔

[1] معجم البلدان، ذکر مناۃ۔

ہوازن وثقیف

غزوۂ حنین، اوطاس، وطائف

شوال ۸ھ ہجری

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

حنین حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، ذوالمجاز عرب کا مشہور بازار اور عرفہ سے تین میل ہے۔ یہ اس کے دامن میں ہے، اس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہیں، ہوازن ایک بڑے قبیلہ کا نام ہے جسکی بہت سی شاخیں ہیں۔

اسلام کی فتوحات کا دائرہ گو وسیع ہوتا جاتا تھا لیکن اہل عرب یہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کا قبلۂ اعظم یعنی مکہ اب تک محفوظ ہے ان کا خیال تھا کہ محمد صلعم اگر قریش پر غالب آگئے اور مکہ فتح ہوگیا، تو بے شبہہ وہ سچے پیغمبر ہیں مکہ جب فتح ہوا تو تمام قبائل نے خود عقیدت مندی کی اور اسلام قبول کرنا شروع کیا[1]

لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ یہ قبیلے نہایت جنگجو اور فنون جنگ سے واقف تھے۔ اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا۔ یہ زیادہ مضطر ہوتے تھے[2] کہ انکی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے اس بناپر فتح مکہ سے پہلے ہوازن کے روسا نے عرب کا دورہ کیا اور ہر جگہ مخالفت اسلام کا جوش

---

[1] صحیح بخاری ذکر فتح مکہ باب مقام النبی بمکۃ [2] مارگولیوس صاحب لکھتے ہیں "حکومت اسلامی کی وسعت اور استحکام سے بدوی قبائل جنکو ریگستان کی آزادی بہت عزیز تھی نہایت خائف تھے"۔

پھیلایا۔ پورے سال بھر تک اُن کی یہ کوشش جاری رہی[1] اور تمام قبائل عرب سے قرارداد ہوگئی کہ ایک عام حملہ کیا جائے۔ مکہ فتح ہوا تو ان کو یقین ہوگیا کہ اب جلد تدارک نہ کیا گیا تو پھر کوئی طاقت اسلام کو زیر نہ کرسکے گی۔

آنحضرت صلعم کی روانگی کے وقت ان کو یہ غلط خبر پہنچی تھی کہ حملہ کا رُخ انہی کی طرف ہے اس لیے اب انتظار کی حاجت بھی نہ تھی دفعۃً بڑے زور شور کے ساتھ خود حملہ کے لیے بڑھے جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنا تمام اہل و عیال لیکر آیا تھا کہ بچے اور عورتین ساتھ ہون گی تو ان کی حفاظت کی غرض سے لوگ جانین دیدین گے۔

اس معرکہ مین اگرچہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخین شریک تھین۔ تاہم کعب اور کلاب الگ رہے، فوج کی سرداری کے لیے دو شخص انتخاب کیے گئے، مالک بن عوف، اور درید بن الصمۃ، اوّل الذکر قبیلۂ ہوازن کا رئیس اعظم تھا، درید بن الصمۃ عرب کا مشہور شاعر اور قبیلۂ جشم کا سردار تھا اسکی شاعری اور بہادری کے معرکے ابتک عرب کی تاریخ مین یادگار ہین۔ لیکن اسکی عمر سو برس سے زیادہ ہوچکی تھی اور صرف ہڈیون کا ڈھانچہ رہ گیا تھا تاہم چونکہ عرب اس کو مانتا تھا اور اسکی راے و تدبیر پر تمام ملک کو اعتماد تھا، خود مالک بن عوف نے اس سے شرکت کی درخواست کی۔ پلنگ پر اٹھا کر اس کو میدان جنگ مین لائے۔ اُسنے پوچھا کہ یہ کونسا مقام ہے۔ لوگون نے کہا "اوطاس" بولا کہ ہان یہ مقام جنگ کے لیے موزون ہے اسکی زمین نہ بہت سخت ہے نہ اس قدر نرم کہ پانون دھنس جائین" پھر پوچھا کہ بچون کے رونے کی آوازین کیسی آرہی ہین" لوگون نے کہا کہ بچے اور عورتین

---

[1] زرقانی بر مواہب لدنیہ۔

ساتھ آئی ہین کہ کوئی شخص پانون پیچھے نہ ہٹائے" بولا کہ جب پانون اکھڑ جاتے ہین تو کوئی چیز روک نہین سکتی۔ میدان جنگ مین صرف تلوار کام دیتی ہے بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتون کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی"

پھر پوچھا کہ کعب اور کلاب بھی شریک ہین یا نہین" اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان معزز قبیلون کا ایک شخص بھی میدان جنگ مین نہین تو کہا "اگر آج کا دن عزت و شرف کا دن ہوتا تو کعب و کلاب غیر حاضر نہ ہوتے" اسکی رائے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام مین فوجین جمع کیجائین اور وہین اعلان جنگ کیا جائے لیکن مالک بن عوف نے جو تیس سالہ نوجوان تھا۔ جوش شباب مین اس رائے کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ خرف ہو چکے۔ آپ کی عقل بے کار ہو چکی[1]

رسول اللہ صلعم کو ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لیے عبد اللہ بن ابی حدرد کو بھیجا، وہ جاسوس بنکر حنین مین آئے اور کئی دن تک فوج مین رہ کر تمام حالات تحقیق کیے آنحضرت صلعم نے مجبوراً مقابلہ کی طیاریان کین۔ رسد اور سامان جنگ کے لیے قرض کی ضرورت پیش آئی۔ عبد اللہ بن ربیعہ جو ابوجہل کے بے مات بھائی تھے نہایت دولت مند تھے اُن سے تیس ہزار درہم قرض لیے[2]، صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس اعظم اور مہمان نوازی مین مشہور تھا۔ لیکن اب تک اسلام نہین لایا تھا۔ اُس سے آنحضرت صلعم نے اسلحۂ جنگ مستعار مانگے۔ اُس نے سو

---

[1] یہ تمام تفصیل طبری مین ہے۔

[2] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۶ ، اصابہ مین امام بخاری سے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ لیکن اُس مین دس ہزار کی تعداد ہے۔

زرہین اور اُن کے لوازمات پیش کیے۔

شوال سنہ ۸ھ مطابق جنوری فروری سنہ ۶۳۰ع اسلامی فوجین جنکی تعداد بارہ ہزار تھی، اس سروسامان سے حنین پر بڑھین کہ صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ آج ہمپر کون غالب آسکتا ہے" لیکن بارگاہ ایزدی مین یہ نازش پسند نہ تھی،

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ	اور حنین کا دن یاد کرو۔ جب تم اپنی کثرت پر نازان تھے
عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا	لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگی
رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ	کرنے لگی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنے
سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ	رسولؐ پر اور مسلمانون پر تسلّی نازل کی اور ایسی فوجین
جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا	بھیجین جو تمنے نہین دیکھین۔ اور کافرون کو عذاب
وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ (توبہ)	دیا اور کافرون کی یہی سزا ہے۔

فتح کے بجاے وہلۂ اوّل مین مطلع صاف تھا، رسول اللہ صلعم نے نظر اُٹھاکر دیکھا تو رفقائے خاص مین سے بھی کوئی پہلو مین نہ[2] تھا۔ حضرت ابوقتادہ جو شریک جنگ تھے ان کا بیان ہی کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو مین نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے۔ مین نے عقب سے اسکے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اُتر گئی اس نے مڑکر مجھکو اس زور سے دبوچا کہ

[1] موطا مین ہے کہ جب آپ نے اس سے ہتیار مانگے تو اُس نے کہا جبراً یا طوعاً (یعنی جبراً مانگتے ہو تو مین نہین دیتا) آپ نے فرمایا جبراً نہین طوعاً۔ (ابو داؤد باب الضمانۃ مین بھی اسی قسم کی روایت ہے)

[2] لیکن اور روایتون مین چند اصحاب کا ثابت قدم رہنا مذکور ہے۔ ان دونون روایتون کی تطبیق یہ ہے یہ دو مختلف وقتون کے حالات ہین۔ راوی نے اپنا مشاہدہ لکھا ہے تفصیل آگے آئے گی۔

میری جان پر بنگئی، لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہوکر گر پڑا۔ اسی اثناء میں میں نے عمرؓ کو دیکھا۔ پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے۔ بولے کہ قضاے الٰہی یہی تھی[1]۔

شکست کے مختلف اسباب تھے۔ مقدمۃ الجیش میں جو حضرت خالدؓ کی افسری میں تھا۔ زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے، وہ جوانی کے غرور میں اسلحۂ جنگ پہنکر بھی نہیں آئے[2] تھے۔ فوج میں دو ہزار طلقاء یعنی وہ لوگ تھے جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے، ہوازن قدراندازی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، میدان جنگ میں ان کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا[3]، کفار نے معرکہ گاہ میں پہلے پہنچکر مناسب مقامات پر قبضہ کرلیا تھا اور تیراندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں کھوؤں اور دروں میں جابجا جما دیے تھے۔ فوج اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اُجالا بھی نہیں ہوا تھا حملہ کیا۔ میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پانوں جم نہیں سکتے تھے۔ حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ اِدھر کمینگاہوں سے قدراندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینھ برسا دیا۔ مقدمۃ الجیش ابتری کے ساتھ بیتحاشا ہوکر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پانوں اُکھڑ گئے صحیح بخاری میں ہے فادبروا حتی بقی وحدہ، یعنی سب لوگ ہٹ گئے اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اکیلے رہ گئے۔

تیروں کا مینھ برس رہا تھا۔ بارہ ہزار فوجیں ہوا ہوگئیں تھیں لیکن ایک پیکر مقدس پا برجا تھا جو تنہا ایک فوج ایک ملک، ایک اقلیم۔ ایک عالم۔ بلکہ مجموعۂ کائنات تھا۔

آنحضرت صلعم نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا یا معشر الانصار! آواز کے ساتھ صدا

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ حنین۔ [2] بخاری باب الجہاد [3] بخاری باب الجہاد۔

آئی "ہم حاضر ہین" پھر آپ نے بائین جانب مڑ کر پکارا، اب بھی وہی آواز آئی۔ آپ سواری سے اُتر پڑے اور جلالِ نبوت کے لہجہ مین فرمایا "مین خدا کا بندہ اور اُس کا پیغمبر ہون[1]"

بخاری کی دوسری روایت مین ہے۔

انا النبی لا کذب	مین پیغمبر ہون۔ یہ جھوٹ نہین ہے
انا ابن عبد المطلب،	مین عبد المطلب کا بیٹا ہون۔

حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے آپ نے اُن کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو، انھون نے نعرہ مارا،

یا معشر الانصار	او گروہِ انصار
یا اصحاب الشجرۃ	او اصحاب الشجرۃ (بیعت رضوان والے)

اِس پُراثر آواز کا کانون مین پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعۃً پلٹ پڑی، جن لوگون کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے اُنھون نے زرہین پھینک دین اور گھوڑون سے کود پڑے دفعۃً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے اُن کے ہاتھون مین ہتکڑیان تھین، بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ تھی) جم کر لڑے لیکن اُنکے ستر آدمی مارے گئے۔ اور جب ان کا علمبردار، عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے،

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر (کچھ اوطاس مین جمع ہوئی اور کچھ) طائف مین جا کر پناہ گزین ہوئی جسکے ساتھ سپہ سالارِ لشکر (مالک بن عوف) بھی تھا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۲۱ غزوہ حنین۔

اوطاس درید بن الصمہ کئی ہزار کی جمعیت لیکر اوطاس مین آیا۔ آنحضرت صلعم نے (ابو عامر اشعری کے ماتحت) تھوڑی سی فوج اُسکے استیصال کے لیے بھیجدی (ابو عامر، درید کے بیٹے کے ہات سے مارے گئے، اور علم اسلام اسکے ہات مین تھا۔ یہ حالت دیکھکر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے آگے بڑھ کر حملہ کیا دشمن کو قتل کرکے علم اُس کے ہات سے چھین لیا۔) درید ایک شتر پر ہودج مین سوار تھا۔ ربیعہ بن رفیع نے اُس پر تلوار کا وار کیا لیکن اُچٹ کر رہ گئی، اُسنے کہا "تیری ماں نے تجھکو اچھے ہتیار نہین دیئے" پھر کہا کہ میرے محمل مین تلوار ہے نکال لو۔ اور جب اپنی ماں کے پاس واپس جانا تو کہنا کہ مین نے درید کو قتل کردیا" ربیعہ نے جاکر ماں کو اُس کے قتل کی خبر دی تو اُسنے کہا "خدا کی قسم درید نے تیری تین ماؤن کو آزاد کرایا تھا"[1]۔

اسیران جنگ کی تعداد ہزارون سے زیادہ تھی۔ ان مین حضرت شیما بھی تھین جو رسول اللہ صلعم کی رضاعی بہن تھین لوگون نے جب انکو گرفتار کیا تو اُنھون نے کہا "مین تمھارے پیغمبر کی بہن ہون" لوگ تصدیق کے لیے آنحضرت صلعم کے پاس لائے انھون نے پیٹھ کھولکر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن مین آپ نے دانت سے کاٹا تھا، یہ اس کا نشان ہے" فرط محبت سے آپ کی آنکھون مین آنسو بھر آئے انکے بیٹھنے کے لیے خود ردائے مبارک بچھائی محبت کی باتین کین۔ چند شتر اور بکریان عنایت فرمائین۔ اور ارشاد کیا کہ جی چاہے تو میرے گھر چلکر رہو۔ اور اگر گھر جانا چاہو تو وہان پہنچا دیا جائے[2] انھون نے خاندان کی محبت سے وطن جانا چاہا۔ چنانچہ عزت اور احترام کے ساتھ پہنچا دی گئین۔

---

[1] (مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۹۹) [2] طبری صفحہ ۱۶۶۷ مطبوعہ یورپ۔ [3] طبقات ابن سعد، واصابہ، وطبری۔

محاصرۂ طائف | حنین کی بقیۂ شکست خوردہ فوج طائف مین جاکر پناہ گزین ہوئی اور جنگ کی طیاریان شروع کین۔ طایف نہایت محفوظ مقام تھا۔ طائف اُسکو اس سے کہتے ہین کہ اُس کے گرد، شہرپناہ کے طور پر چار دیواری تھی۔ یہان ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا، نہایت شجاع، تمام عرب مین ممتاز اور قریش کا گویا ہمسر تھا۔ عروۃ بن مسعود جو یہان کا رئیس تھا، ابوسفیان (امیر معاویہ کے باپ) کی لڑکی اُس کو بیاہی تھی۔ کفارِ مکہ کہتے تھے کہ قرآن اگر اترتا تو مکہ یا طائف کے روسا پر اترتا۔ یہان کے لوگ فنِ جنگ سے بھی واقف تھے، طبری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عروۃ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ نے جرش (یمن کا ایک ضلع) مین جاکر قلعہ شکن آلات یعنی دَبّابہ، ضبّور، اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا[1]۔

یہان ایک محفوظ قلعہ تھا، اہل شہر اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اُسکی مرمّت کی سال بھر کا رسد کا سامان جمع کیا۔ چاروں طرف منجنیقین اور جابجا قدر اندازمتعین[2] کیے۔

آنحضرت صلعم نے حنین کے مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ کے متعلق حکم دیا کہ جعرانہ مین محفوظ رکھے جائین اور خود طائف کا عزم کیا۔ حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کردیے گئے تھے۔ غرض محاصرہ ہوا۔ اور اسلام مین یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق استعمال کئے گئے۔ دَبّابہ پر اہلِ قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخین برسائین۔ اور اس شدت کی تیر باری کی کہ حملہ آورون کو ہٹنا پڑا، بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ بیس دن تک محاصرہ رہا۔ لیکن شہر فتح نہ ہوسکا، آنحضرت صلعم نے نوفل بن معاویہ کو بلا کر پوچھا کہ تھاری کیا رائے ہے؟ اُنھون نے کہا، لومڑی بھٹ

[1] طبری صفحہ ۱۶۶۹ مطبوعہ یورپ۔ [2] تاریخ خمیس جلد دوم صفحہ ۱۲۲ و ابن سعد۔

مین گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑی جائیگی۔لیکن چھوڑ دیجاے تب بھی کچھ اندیشہ نہین۔
چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ محاصرہ اُٹھالیا جائے۔صحابہ نے
عرض کی آپ ان کو بد دعا دین۔آپ نے یہ دعا دی[1]۔

اَللّٰھُمَّ اھدِ ثقیفاً وائت بھم — اے خدا ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائین

تقسیم غنائم — محاصرہ چھوڑ کر آپ جعرانہ تشریف لائے غنیمت کا بیشمار ذخیرہ تھا، چھ ہزار اسیران جنگ
چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریان اور چار ہزار اوقیہ چاندی[2] تھی۔ اسیران جنگ کے متعلق آپ نے
انتظار کیا اُنکے عزیز و اقارب آئین تو اُن سے گفتگو کی جائے۔لیکن کئی دن گزرنے پر کوئی نہ آیا۔ مال
غنیمت کے پانچ حصّے کیے گئے۔ چار حصے حسب قاعدہ اہل فوج کو تقسیم کیے گئے۔خمس بیت المال
اور غربا و مساکین کے لیے رکھا گیا۔

مکہ کے اکثر روساء جنھون نے حال مین اسلام قبول کیا تھا، ابھی تک مذبذب الاعتقاد تھے
انہی کو قرآن مجید مین مولفتہ القلوب کہا ہے۔ قرآن مجید مین جہان غنیمت کے مصارف
بیان کیے ہین ان لوگون کا نام بھی ہے۔ آنحضرت صلعم نے ان لوگون کو نہایت فیاضانہ
انعامات دیے جنکی تفصیل یہ ہے۔

ابوسفیان، مع اولاد	۳۰۰	اونٹ اور ۱۲۰۔ اوقیہ چاندی
حکیم بن حزام	۲۰۰	اونٹ
نضر بن حارث بن کلدہ ثقفی	۱۰۰	اونٹ

[1] ابن سعد۔ [2] طبقات ابن سعد۔

صفوان بن امیہ	۱۰۰	اونٹ
قیس بن عدی	۱۰۰	اونٹ
سہیل بن عمرو	۱۰۰	اونٹ
حویطب بن عبد العزیٰ	۱۰۰	اونٹ
اقرع بن حابس	۱۰۰	اونٹ
عیینہ بن حصین	۱۰۰	اونٹ
مالک بن عوف	۱۰۰	اونٹ

ان کے سوا بہت سے لوگون کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے۔ عام تقسیم کی رو سے فوج کے حصہ مین جو آیا وہ فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریان تھین لیکن چونکہ سوارون کو تگنا حصہ ملتا تھا اس لیے ہر سوار کے حصہ مین بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریان آئین۔

جن لوگون پر انعام کی بارش ہوئی عموماً اہل مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے۔ اس پر انصار کو رنج ہوا۔ بعضون نے کہا رسول اللہ صلعم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا۔ حالانکہ ہماری تلوارون سے ابتک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہین[1]۔ بعض بولے کہ مشکلات مین ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت اورون کو ملتی ہے[2]۔

آنحضرت صلعم نے یہ چرچے سنے تو انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس مین لوگ جمع ہوئے۔ آپ نے انصار کی طرف خطاب کیا کہ کیا تمنے ایسا کہا؟ لوگون نے عرض کی

[1] صحیح بخاری غزوۂ طائف [2] صحیح بخاری مطبوعہ مطبع نظامی صفحہ ۶۲۱۔

کہ "حضور! ہمارے سربرآوردہ لوگون مین سے کسی نے یہ نہین کہا، نوخیز نوجوانون نے یہ فقرے کہے تھے[1]"، صحیح بخاری باب مناقب الانصار مین حضرت انس سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے انصار کو بلاکر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے تو چونکہ انصار جھوٹ نہین بولتے تھے، اُنھون نے کہا "آپ نے جو سنا صحیح ہے"

آپ نے ایک خطبہ دیا جسکی نظیر فنِ بلاغت مین نہین ملسکتی۔ انصار کی طرف خطاب فرماکر کہا

"کیا یہ سچ نہین ہی کہ تم پہلے گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت کی۔ تم منتشر اور پراگندہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم مین اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تمکو دولتمند کیا"۔

آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ "خدا اور رسولؐ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے[2]"۔

آپ نے فرمایا نہین تم یہ جواب دو کہ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھکو جب لوگون نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی۔ تجھکو جب لوگون نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی، تو مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح کی مدد کی۔

یہ کہکر آپ نے فرمایا کہ "تم یہ جواب دیتے جاؤ اور مین یہ کہتا جاؤن گا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے انصار! کیا تمکو یہ پسند نہین کہ لوگ اونٹ اور بکریان لیکر جائین اور تم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر اپنے گھر آؤ"۔

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ۶۲۰۔ [2] صحیح بخاری صفحہ ۶۲۰۔

انصار بے اختیار چیخ اُٹھے کہ "ہمکو صرف محمد صلعم درکار ہے" اکثرون کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیان تر ہوگئین۔ آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہین۔ مین نے انکو جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہین بلکہ تالیف قلب کے لیے دیا۔

حنین کے اسیرانِ جنگ ابتک جعرانہ مین محفوظ تھے۔ ایک معزز سفارت آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئی کہ اسیرانِ جنگ رہا کردیے جائین، یہ وہ قبیلہ تھا کہ آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ اسی قبیلہ کی تھین۔ رئیس قبیلہ (زہیر بن صرد) نے کھڑے ہوکر تقریر کی اور آنحضرت صلعم کی طرف مخاطب ہوکر کہا "جو عورتین چھپَّر دن مین محبوس ہین انہی مین تیری پھوپھیان اور تیری خالائین ہین خدا کی قسم اگر سلاطینِ عرب مین سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو اُن سے بہت کچھ امیدین ہوتین۔ اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہین"۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خاندانِ عبد المطلب کا جسقدر حِصّہ ہے وہ تمہارا ہے لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو" نماز ظہر کے بعد ان لوگون نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی۔ آپ نے فرمایا "مجکو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن مین تمام مسلمانون سے اُن کے لیے سفارش کرتا ہون"۔ مہاجرین اور انصار بول اُٹھے۔ ہمارا حِصّہ بھی حاضر ہے۔ اس طرح چھ ہزار دفعۃً آزاد تھے؛

واقعاتِ متفرقہ (حضرت ماریہ کے بطن سے اِسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آنحضرت صلعم نے ابراہیم رکھا۔ آن حضرت صلعم کو اِس بچہ سے نہایت محبت تھی۔ لیکن کم و بیش ایک سال

---

[1] صحیح بخاری و فتح الباری پوری تفصیل فتح الباری مین ہے؛

زندہ رہا، جس دن ابراہیم نے وفات پائی، سورج گرہن ہوا۔ عرب کا عقیدہ تھا کہ سورج گرہن کسی عظیم الشان انسان کی موت کی علامت ہے۔ لوگون نے سمجھا کہ یہ ابراہیم کی موت کا نتیجہ ہے آنحضرت صلعم نے لوگون کو جمع کرکے خطبہ دیا کہ "سورج اور چاند خدا کی قدرت ہین کسی کے مرنے اور جینے سے اُن مین گرہن نہین لگتا۔ اس کے بعد آپ نے کسوف کی نماز باجماعت ادا فرمائی[1]

آنحضرت صلعم کی صاحبزادی زینبؓ کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔)

---

[1] بخاری باب کسوف۔

سنہ ۹ھ

واقعۂ ایلاء وتخییر وغزوۂ تبوک

ایلاء اور تخییر
سنہ ۹ھ

رسول اللہ صلعم زاہدانہ اور تمام زخارفِ دنیوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دو دو مہینے گھر مین آگ نہین جلتی تھی آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے۔ مدۃ العمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہین ہوا۔

ازواج مطہرات اس جنس لطیف مین شامل تھین جنکی مرغوب ترین چیز عموماً زیب وزینت اور ناز ونعمت ہے۔ اور گو شرفِ صحبت نے ان کو تمام ابناے جنس سے ممتاز کر دیا تھا تاہم بشریت بالکل معدوم نہین ہوسکتی تھی خصوصاً وہ دیکھتی تھین کہ فتوحاتِ اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچگیا ہے کہ اس کا ادنے حصہ بھی ان کی راحت وآرام کے لیے کافی ہوسکتا ہے ان واقعات کا اقتضا تھا کہ ان کے صبر وقناعت کا جام لبریز ہو جاتا تھا۔

ازواج مُطہّرات مین بڑے بڑے گھرانون کی خاتونین تھین حضرت اُم حبیبہ تھین جو رئیس

(۱؎ بعض محدثین کی راے ہے کہ یہ ذوالحجہ سنہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ بعض روایتون مین یہ مذکور ہوا ہے کہ یہ نزول حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے لیکن آگے چل کر حضرت عمر کی روایت مین مذکور ہے کہ جب اس حادثہ کی مبہم خبر سے مسلمانون مین اضطراب دیکھا تو سمجھے کہ غسان کا بادشاہ حملہ آور ہوا جس کی اطلاع پہلے معلوم ہوچکی تھی۔ غسان کا حملہ سنہ ۹ھ مین ہونے والا تھا۔ حافظ ابن حجر اور محدث دمیاطی نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ یہ اوائل سنہ ۹ھ کا واقعہ ہے (دیکھو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵۰)

قریش کی صاحبزادی تھین، حضرت جویریہؓ تھین جو قبیلۂ بنی المصطلق کے رئیس کی بیٹی تھین، حضرت صفیہؓ تھین جنکا باپ خیبر کا رئیس اعظم تھا، حضرت عائشہ تھین جو حضرت ابوبکر کی صاحبزادی تھین، حضرت حفصہ تھین جنکے والد فاروقِ اعظم تھے۔ بشریت کی اقتضا سے ان مین منافست بھی تھی اور حریف کے مقابلہ مین اپنے رتبہ اور شان کا خیال رہتا تھا، آنحضرت صلعم سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی وہ ع با سایہ ترا نمی پسندم، کی حد تک تھی۔

ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلعم حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہین سے شہد آگیا تھا اُنھون نے آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپکو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ نے نوش فرمایا۔ اس مین وقت مقرّرہ سے دیر ہوگئی حضرت عائشہ کو رشک ہوا حضرت حفصہ سے کہا کہ رسول اللہ صلعم جب ہمارے یا تمھارے گھر مین آئین تو کہنا چاہیے کہ آپ کے مُنھ سے مغافیر کی بو آتی ہے (مغافیر کے پھولون سے شہد کی مکھیان رس چوستی ہین) آنحضرت صلعم نے قسم کھائی کہ مین شہد نہ کھاؤن گا۔ اس پر قرآنؑ مجید کی یہ آیت اتری۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ، — اے پیغمبر اپنی بیویون کی خوشی کے لیے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیون کرتے ہو۔

علامہ عینی نے بخاری کی شرح مین لکھا ہے۔

فان قلت کیف جاز لعایشہ وحفصة الکذب — اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عایشہ اور حفصہ کو جھوٹ بولنا

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ تحریم، اس واقعہ کو بخاری کتاب الطلاق مین زیادہ تفصیل سے لکھا ہے جسمین یہ بھی ہے کہ اس تدبیر مین اور ازواج مطہرات بھی شریک کر لی گئین اور سب سے اوّل اس کا اظہار کیا وہ حضرت سودہ تھین۔

والمواطاة التی فیہا ایذاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلت کانت عائشہ صغیرۃ مع انہا وقعت منہا من غیر قصد الایذاء بل علی ماھو من حیلۃ النساء فی الغیرۃ علی الضرات، (تفسیر سورۂ تحریم)	اور آنحضرت صلعم کے خلاف سازش کرنا کیونکر جائز تھا۔ تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کم سن تھین۔ اسکے علاوہ انکا مقصود آنحضرت کو ایذا دینا نہین تھا بلکہ جیسا کہ عورتین اپنی سوکنون کے مقابلہ مین رشک سے تدبیرین اختیار کرتی ہین۔ اسطرح کی ایک تدبیر تھی۔

لیکن علامۂ موصوف کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے، اوّل تو یہ واقعہ ایلاء کے واقعہ کے سلسلہ مین ہے جو سنہ ۹ھ مین واقعہ ہوا تھا۔ اس وقت حضرت عائشہ سترہ برس کی ہو چکی تھین، دوسرے حضرت عائشہ کمسن تھین لیکن اور ازواج مطہرات جو اس مین شریک ہوئین وہ تو پوری عمر کی تھین۔ خود حضرت حفصہ کی عمر آنحضرت صلعم کی شادی کے وقت ۳۵ برس کی تھی۔

ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کرنا، کوئی جھوٹ بات نہ تھی۔ تمام روایتون سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم لطیف المزاج تھے اور رائحہ کی ذراسی ناگواری کو برداشت نہین فرما سکتے تھے، مغافیر کے پھولون مین اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہین۔ البتہ ازواج کا ایکا کرنا بظاہر محل اعتراض ہو سکتا ہے لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہین کہ ازواج مطہرات معصوم تھین یا اپنے انجاح مقصد کے لیے جائز وسائل نہین اختیار کرتی تھین۔ اسی زمانہ مین یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت صلعم نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہ سے فرمائی اور تاکید کردی کہ کسی سے نہ کہنا۔ لیکن اُنھون نے حضرت عائشہ سے کہدیا اسپر یہ آیت اُتری۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا	اور جب کہ پیغمبر نے اپنی بعض بیویون سے راز کی

فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ (تحریم)

بات کہی اور انھون نے فاش کردی اور خدا نے پیغمبر کو اسکی خبر کردی تو پیغمبر نے اُسکا کچھ حصہ اُنسے کہا اور کچھ چھوڑ دیا پھر جب اُنسے کہا تو انھون نے کہا کہ آپکو کسنے خبر دی پیغمبر نے کہا مجکو خدائے عالم خبیر نے خبر دی۔

شکر رنجیان بڑھتی گئین اور حضرت عائشہ و حفصہ نے باہم مظاہرہ کیا۔ یعنی دونون نے اِس پر اتفاق کیا کہ دونون ملکر زور ڈالین۔ اِسپر حضرت عائشہ و حفصہ کی شان مین یہ آئتین اُترین۔

اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔ (سورہ تحریم)

اگر تم دونون خدا کی طرف رجوع کرو تو تمھارے دل مائل ہو چکے ہین اور اگر انکے (یعنی رسول اللہ) کے مقابلہ مین ایکا کرو تو خدا اور جبریل اور نیک مسلمان اور سب کے بعد فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہین۔

حضرت عایشہ اور حفصہ نے جن معاملات کیوجہ سے ایکا کیا تھا وہ خاص تھے لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے مین تمام ازواج مطہرات شریک تھین آنحضرت صلعم کے سکون خاطر مین یہ تنگ طلبی اِس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مُطہرات سے نہ ملین گے۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانہ مین آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا۔ آپ نے بالاخانہ[1] پر تنہا نشینی اختیار کی

[1] بالاخانہ کے لیے احادیث مین مشربہ کا لفظ آیا ہے مشربہ کے نام سے زیادہ تر مشربہ ام ابراہیم (ماریہ) مشہور ہے اسی لیے بعض لوگون کو یہ شبہہ ہوا ہے کہ یہ وہی بالاخانہ تھا۔ لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ مشربہ ام ابراہیم مدینہ سے باہر واقع تھا۔ حضرت عمر کی جو روایت تمام صحاح مین موجود ہے اور جسکو مصنف نے آگے نقل کیا ہے اس سے بھی متبادر ہوتا ہے کہ یہ وہ مقام تھا جو حضرت حفصہ کے گھر اور مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا کہ حضرت عمر دوڑ دوڑ کر جلدی جلدی کبھی ادھر کبھی اُدھر جاتے تھے۔ ابو داؤد مین تصریح ہے کہ یہ مشربہ حضرت عایشہ کے حجرہ کا بالاخانہ تھا جو مسجد نبوی ہی سے متصل دیگر ازواج مطہرات کے حجرون کے برابر تھا (ابو داؤد باب الامام یصلی من قعود)

واقعات کے قرینہ سے لوگون نے خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دی۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے اُن کو ہم حضرت عمر کی زبان سے نقل کرتے ہین۔ کہ انھون نے دلچسپ اور پُر اثر تفصیل کے ساتھ اِس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ اِس بیان مین کچھ ابتدائی واقعات بھی آگئے ہین جن سے اصل معاملہ پر زیادہ روشنی پڑتی ہے[1]۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہین کہ "مین اور ایک انصاری (اوس بن خولی یا عتبان بن مالک) ہمسایہ تھے۔ اور معمول تھا کہ باری باری سے ایک دن بیچ دیکر ہم دونون خدمتِ اقدس مین حاضر ہوا کرتے تھے قریش کے لوگ عورتون پر قابو رکھتے تھے۔ اور اُن پر غالب رہتے تھے لیکن جب مدینہ مین آئے تو یہان انصار کی عورتین مردون پر غالب تھین انکا انداز دیکھکر ہماری عورتون نے بھی انکی تقلید شروع کی۔ ایک دن مین نے کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا، اُنھون نے الٹ کر جواب دیا مین نے کہا تم میری بات کا جواب دیتی ہو۔ بولین تم کیا ہو۔ رسول اللہ کی بیویان انکو برابر کا جواب دیتی ہین۔ یہان تک کہ دن بھر آنحضرت صلعم سے روٹھی رہتی ہین۔ مین نے دل مین کہا، غضب ہوگیا اُٹھکر حفصہ (حضرت عمر کی صاحبزادی اور رسول اللہ کی زوجۂ مطہرہ) کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تو واقعی آنحضرت صلعم سے رات بھر روٹھی رہتی ہے۔ حفصہ نے اقرار کیا۔ مین نے کہا تجھکو یہ خیال نہین کہ رسول کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے، بخدا رسول اللہ میرا خیال فرماتے ہین ورنہ تجھکو طلاق دے چکے ہوتے۔ پھر ام سلمہ کے پاس گیا اور اُن سے بھی یہی شکایت کی بولین کہ عمر! تم ہر معاملہ

---

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب یعنی کتاب النکاح، طلاق، کتاب العلم مین باختلاف عبارت منقول ہے۔ صحیح مسلم باب النکاح مین بھی کئی طرق سے مذکور ہے۔ ان روایتون مین باہم جزئیات مین اختلاف ہے ہمنے تاامکان سب روایتون کو جمع کیا ہے۔

مین دخل دینے لگے۔ یہان تک کہ اب رسول اللہ اور انکی ازواج کے معاملات مین بھی دخل دیتے ہو۔ مین چپ رہ گیا اور اُٹھکر چلا آیا"

"کچھ رات گئی، میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے۔ اور بڑے زور سے دروازہ کھٹ کھٹایا۔ مین گھبرا کر اُٹھا اور دروازہ کھولکر پوچھا خیر ہے؟ انھون نے کہا غضب ہوگیا، مین نے کہا کیا غسانی[1] مدینہ پر چڑھ آئے، بولے کہ نہین۔ اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسول اللہ صلعم نے ازواج کو طلاق دیدی، مین صبح کو مدینہ مین آیا آنحضرت صلعم کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ آنحضرت صلعم نماز سے فارغ ہوکر بالاخانہ مین تنہا جاکر بیٹھ گئے۔ مین حفصہ کے پاس آیا تو وہ بیٹھی رو رہی ہے۔ مین نے کہا مین نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا حفصہ کے پاس سے اُٹھکر مسجد نبوی مین آیا۔ دیکھا تو صحابہ ممبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہین۔ مین اُنکے پاس بیٹھ گیا لیکن طبیعت کو سکون نہین ہوتا تھا۔ اُٹھکر بالاخانہ کے پاس آیا اور رباح (خادم خاص) سے کہا اطلاع کرو لیکن آنحضرت صلعم نے کچھ جواب نہین دیا۔ مین اُٹھکر پھر مسجد مین چلا آیا۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بیتاب ہوکر بالاخانہ کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی۔ جب کچھ جواب نہین ملا تو مین نے پکار کر کہا، رباح! میرے لیے اذن مانگ، شاید رسول اللہ صلعم کو یہ خیال ہے کہ مین حفصہ کی سفارش کرنے آیا ہون۔ خدا کی قسم، رسول اللہ فرمائین تو حفصہ کی گردن اڑادون، آنحضرت صلعم نے اجازت دی۔ اندر گیا تو دیکھا کہ آپ کھری چارپائی[2] پر لیٹے ہین اور جسم

[1] غسانی عرب کا ایک خاندان تھا جو شام مین رومیون کے ماتحت بادشاہی کرتا تھا۔ وہ رومیون کی تحریک سے مدینہ پر حملہ کرنے کی طیاریان کر رہا تھا۔

([2] بعض روایتون مین حصیر (چٹائی) کا لفظ آیا ہے اور بعض مین سریہ (چارپائی) ابن حجر نے یہ تطبیق دی ہے کہ وہ تھی چارپائی۔ لیکن چٹائی جس سے بنی جاتی ہے اس سے بنی ہوئی تھی۔ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵۱)

مبارک پر بانون کے نشان پڑ گئے ہین ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوے تھے ایک کونے مین کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی۔ میری آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے آنحضرت صلعم نے سبب پوچھا، مین نے عرض کی اس سے بڑھکر رونے کا اور کیا موقع ہوگا۔ قیصر وکسرے باغ وبہار کے مزے لوٹ رہے ہین۔ اور آپ پیغمبر ہوکر آپ کی یہ حالت ہے! آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اسپر راضی نہین کہ قیصر وکسرے دنیا لین، اور ہم آخرت"

مین نے عرض کی، کیا آپ نے ازواج کو طلاق دیدی؟ آپ نے فرمایا "نہین" مین اللہ اکبر پکار اٹھا۔ پھر عرض کی کہ مسجد مین تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہین اجازت ہو تو جاکر خبر کردون کہ واقعہ غلط ہے۔ چونکہ ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزرچکا تھا۔ آپ بالاخانہ سے اتر آئے[1] اور عام باریابی کی اجازت ہوگئی۔ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ	(اے پیغمبر اپنی بیویون سے کہدے کہ اگر تمکو دنیا وی زندگی
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَ	اور دنیا کا زیب وآرائش مطلوب ہے تو آؤ مین تمکو رخصتی

(1) آنحضرت صلعم بالاتفاق ۲۹ روز بالاخانہ پر تشریف فرما رہے حضرت عمر کا یہ مکالمہ پہلے روز کا واقعہ ہے یا آخر روز کا اس روایت کے جتنے طرق ہین ان کا ابتدائی ٹکڑہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ پہلے ہی دن کا واقعہ ہے اور آخر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انتیسوین روز کا واقعہ ہے مصنف مرحوم نے آخری فقرون کا لحاظ کیا ہے اور بظاہر اس کو انتیسوین روز کا واقعہ سمجھا ہے لیکن اس بنا پر لازم آتا ہے کہ ۲۸ دن تک گویا حضرت عمر اور عام صحابہ کو واقعۂ ایلاء کی اطلاع ہی نہ تھی۔ حالانکہ اس کو کوئی تسلیم نہین کرسکتا۔ اس بنا پر محدثین نے یہ تاویل کی ہے کہ اس مکالمہ کا اکثر حصہ پہلے روز کا واقعہ ہے لیکن صرف اترنے کا بیان آخر روز کا واقعہ ہے راوی نے بیچ کا سلسلہ چھوڑ دیا۔ بخاری کی اس روایت سے جو کتاب النکاح باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجھا اور کتاب اللباس باب ما کان یتجوز رسول اللہ صلعم من اللباس مین مذکور ہے یہ صاف تصریح موجود ہے اس بنا پر اس فقرہ کو یون پڑھنا چاہیے جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزرچکا،)

أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ	جوڑے دیکر بطریق احسن رخصت کردون اور اگر خدا، خدا کا
اللّٰہَ وَرَسُولَہُ وَالدَّارَ الْآخِرَۃَ فَإِنَّ اللّٰہَ	رسول اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے اپنے نیکوکار
أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا (احزاب)	بندون کے لیے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے)

اس آیت کی رو سے آنحضرت صلعم کو حکم دیا گیا کہ ازواج مُطہرات کو مطلع فرما دین کہ دو چیزین تمھارے سامنے ہین۔ دنیا، اور آخرت، اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ مین تم کو رخصتی جوڑے دیکر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دون۔ اور اگر تم خدا اور رسول اور زندگانی ابدی کی طلبگار ہو تو خدا نے نکوکارون کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

مہینہ ختم ہو چکا تھا۔ آپ بالاخانہ سے اُترے۔ اور چونکہ ان تمام معاملات مین حضرت عائشہ پیش پیش تھین اُن کے پاس تشریف لے گئے اور مطلع فرمایا۔ اُنھون نے کہا مین سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو لیتی ہون۔ تمام اور ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا۔

ایلاء، تخییر، مظاہرہٗ حفصہ و عایشہ۔ یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کیے گئے ہین کہ گویا مختلف زمانون کے واقعات ہین۔ اور ان سے ایک ظاہر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلعم ازواج مطہرات کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینون واقعے ہم زمان۔ اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیان ہین۔ صحیح بخاری باب النکاح (باب موعظۃ الرجل ابنتہ) مین حضرت ابن عباس کی زبانی جو نہایت تفصیلی روایت ہے اس مین صاف تصریح ہے کہ مظاہرہٗ ازواج مطہرات سے انعزال، افشاے راز، آیت تخییر کا نزول سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہین۔

حافظ ابن حجر انعزال کے متعدد اسباب لکھ کر لکھتے ہین۔

وهذا هو اللائق بمكارم اخلاقه صلی اللّٰہ علیہ وسعۃ صدرہ وکثرۃ صفحہ وان ذلک لم یقع منہ حتی تکرر موجبہ منهن (فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۵۴)	(آنحضرت صلعم کے مکارم اخلاق، کشادہ دلی اور کثرت عفو کے یہی مناسب ہے اور آپ نے اُسوقت تک ایسا نہین کیا ہوگا جب تک اُن سے اِس قسم کی حرکتین متعدد بار ظہور پذیر نہ ہوئین)

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اُس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضرر رسان سازش تھی جس کا اثر بہت پُرخطر تھا۔ آیت مذکور یہ ہے۔

وَاِن تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔	اور اگر تم دونون (حضرت عایشہ وحفصہ) رسول کے برخلاف ایکا کرو تو خدا اُس کا مولیٰ ہی اور جبریل اور نیک مسلمان اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہین۔

اِس آیت مین تصریح ہے کہ اگر ان دونون کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ صلعم کی مدد کو خدا، اور جبریل، اور نیک مسلمان موجود ہین۔ اور اسی پر بس نہین بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لیے تیار ہین۔

روایتون سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی کہ اس کے ذریعہ سے وہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھین، اور اگر ماریہ قبطیہ کی روایت تسلیم کرلیجائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کردی جائین لیکن یہ ایسی کیا اہم باتین ہین اور حضرت عائشہ وحفصہ کی کسی قسم کی سازش ایسی کیا پُرخطر ہوسکتی ہے جسکی مدافعت کے لیے ملاء اعلےٰ کی اعانت کی ضرورت ہو؛

اِس بنا پر بعضون نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا۔ مدینہ منورہ مین منافقین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا جنکی تعداد (۴۰۰) تک بیان کیگئی ہے۔ یہ شریر النفس ہمیشہ اس تاک مین رہتے تھے

کرکسی تدبیر سے خود آنحضرت صلعم کے خاندان اور رفقائے خاص مین پھوٹ ڈلوا دین۔ (ابن حجر نے اصابہ
مین ام جلدح کے حال مین لکھا ہے وکانت تحرش بین ازواج النبی صلعم وہ ازواج مطہرات کو
باہم بھڑا یا کرتی تھین) افک سے واقعہ مین انکو کامیابی کی جھلک نظر آچکی تھی، رسول اللہ صلعم پندرہ
دن تک حضرت عائشہ سے کبیدہ خاطر رہے حضرت حسان افک مین شریک ہوگئے تھے۔ آنحضرت
صلعم کی سالی حمنہ جو حضرت زینبؓ کی بہن تھین سازش مین آگئی تھین، چنانچہ اس روایت کو علانیہ
شہرت دیتی تھین۔ حضرت ابوبکر نے اپنے ایک قریبی عزیز (مسطح) کو جو شریک تہمت تھے مالی اعانت
سے محروم کردیا تھا، غرض اگر حضرت عائشہ کی برارت پر وحی نہ آجاتی تو ایک فتنۂ عظیم برپا ہو چکا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب ازواج مطہرات کی کشش خاطر اور کبیدگی و تنگ طلبی کا حال منافقون
کو معلوم ہوا تو ان بدنفسون نے اشتعال دیکر بھڑکانا چاہا ہو گا۔ چونکہ مظاہرہ کے ارکانِ اعظم حضرت
عائشہ وحفصہ تھین، ان کو خیال ہوا ہو گا کہ اُن کے ذریعہ سے اُن کے والدین (حضرت ابوبکر و
عمر) کو اس سازش مین شریک کر لینا ممکن ہے لیکن انکو یہ معلوم نہ تھا کہ ابوبکر و عمر حضرت عائشہ اور
حفصہ کو رسولؐ کی خاک پر قربان کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت عمر کو اذن نہ ملا تو اُنھون نے پکار کر
کہا کہ ارشاد ہو تو حفصہ کا سر لیکر آؤن،

آیت مین روئے سخن منافقین کی طرف ہے یعنی اگر عائشہ وحفصہ سازش بھی کرینگی، اور
منافقین اُس سے کام لین گے تو خدا پیغمبر کی اعانت کے لیے موجود ہے اور خدا کے ساتھ جبریل
و ملائکہ بلکہ تمام عالم ہے۔

| روایات کاذبہ | ان واقعات مین کذابین رواۃ نے اس قدر تلبیسات اور خدا عیان کی ہین کہ بڑے |

بڑے مورخین و ارباب سیر نے یہ روائتین اپنی تصانیف مین اسناداً درج کر دین، اس لیے ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہین۔

اس قدر عموماً مسلّم ہے اور خود قرآن مجید مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے ازواج مطہرات کی خاطر سے کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ اختلاف اس مین ہے کہ وہ کیا چیز تھی؟ بہت سی روایتون مین ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ ایک کنیز تھین جنکو عزیز مصر نے آنحضرت صلعم کیخدمت مین تحفۃً بھیجا تھا، ماریہ قبطیہ کی روایت تفصیل کے ساتھ مختلف طریقون سے بیان کی گئی ہے جن مین یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم کا راز جو حضرت حفصہ نے فاش کر دیا تھا ان ہی ماریہ قبطیہ کا راز تھا۔

اگرچہ یہ روایتین بالکل موضوع اور ناقابل ذکر ہین لیکن چونکہ یورپ کے اکثر مورخون نے آنحضرت صلعم کے معیار اخلاق پر جو حرف گیریان کی ہین، ان کا کُل سرسبد یہی ہین، اس لیے اُن سے تعرض کرنا ضروری ہے

ان روایتون مین واقعہ کی تفصیل کے متعلق اگرچہ نہایت اختلاف ہے لیکن اس قدر سب کا قدر مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت صلعم کی موطوءۃ کنیزون مین تھین اور آنحضرت صلعم نے حضرت حفصہ کی ناراضی کی وجہ سے اُن کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔

حافظ ابن حجر شرح صحیح بخاری تفسیر سورۂ التحریم مین لکھتے ہین

ووقع عند سعید بن منصور باسناد صحیح الی مسروق قال حلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحفصۃ لا یقرب	اور سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ جو مسروق تک منتہی ہوتی ہے۔ یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت حفصہ کے سامنے قسم کھائی کہ اپنی کنیز سے

امتہ الخ (صفحہ ۵۰۳) مقاربت نہ کرین گے۔

اس کے بعد حافظ موصوف نے مسند ہیثم اور طبرانی سے متعدد روایتین نقل کی ہین جن مین سے ایک یہ ہے۔

وللطبرانی من طریق الضحاک عن ابی عباس قال دخلت حفصة بیتھا فوجدہ یطاء ماریہ فعاتبتہ (فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۵۰۳)

اور طبرانی نے ضحاک کے سلسلہ سے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت حفصہ اپنے گھر مین گئین تو آنحضرت صلعم کو حضرت ماریہ کے ساتھ ہم بستر دیکھا اس پر انھون نے آنحضرتؐ کو معاتب کیا۔

ابن سعد اور واقدی نے اس روایت کو زیادہ بدنما پیرایون مین نقل کیا ہے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام روایتین محض افترا اور بہتان ہین۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری باب النکاح جلد ۹ صفحہ ۸۴ ۵ مین لکھتے ہین۔

والصحیح فی سبب نزول الایة انه فی قصة العسل لا فی قصة ماریة المروی فی غیر الصحیحین وقال النووی ولم یات قصة ماریہ من طریق صحیح،

اور آیت کی شان نزول کے باب مین صحیح روایت یہ ہے کہ وہ شہد کے واقعہ مین ہے ماریہ کے قصہ کے باب مین نہین ہے جو صحیحین کے سوا اور کتابون مین مذکور ہے۔ نووی نے کہا ہے کہ ماریہ کا واقعہ کسی صحیح طریقہ سے مروی نہین ہی

یہ حدیث تفسیر ابن جریر، طبرانی، مسند ہیثم مین مختلف طریقون سے مروی ہے۔ ان کتابون مین عموماً جس قسم کی رطب یابس روایتین مذکور ہین اُس کے لحاظ سے جب تک ان کی صحت کے متعلق کوئی خاص تصریح نہو لائق التفات نہین۔ حافظ ابن حجر نے ان مین ایک طریقہ کی توثیق کی ہے یعنی وہ

روایت جس کے راوی اخیر مسروق ہین[1]-

لیکن اوّلاً تو اِس روایت مین ماریہ قبطیہ کا نام مطلق نہین صرف اِس قدر ہی کہ آنحضرت صلعم نے حضرت حفصہ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ مین اپنی کنیز کے پاس نہ جاؤن گا اور وہ مجھپر حرام ہے اس کے علاوہ مسروق تابعی ہین یعنی آنحضرت کو نہین دیکھا تھا- اس لیے یہ روایت اصول حدیث کی روسے منقطع ہے یعنی اسکا سلسلہ سند صحابی تک نہین پہنچتا-

اس حدیث کے ایک اور طریقہ کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر مین صحیح کہا ہے لیکن اس طریقہ کے ایک اور راوی عبدالملک رقاشی ہین جن کی نسبت دارقطنی نے لکھا ہے

کثیر الخطاء فی الاسانید والمتون	سندون مین اور اصل الفاظ حدیث مین بہت
یحدث عن حفظہ ،	خطا کرتے ہین-

یہ امر مُسلّم ہے کہ ماریہ کی روایت صحاح ستہ کی کسی کتاب مین مذکور نہین ہے[2]- یہ بھی تسلیم ہے کہ سورۂ تحریم کا شان نزول جو صحیح بخاری اور مُسلم مین مذکور ہے (یعنی شہد کا واقعہ) قطعی طریقہ سے ثابت ہے ، امام نووی نے جو ائمہ محدثین مین سے ہین صاف تصریح کی ہے کہ ماریہ کے باب مین کوئی صحیح روایت موجود نہین- حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے جن طریقون کو صحیح کہا اُن مین سے ایک منقطع ، اور دوسرے کا راوی کثیر الخطا ہے- ان واقعات کے بعد کون کہسکتا ہی

---

[1] فتح الباری تفسیر سورۂ تحریم ، ([2] یعنی ماریہ کے نام سے اور مشہور لغو واقعات کے شمول کے ساتھ نہین ورنہ نسائی باب الغیرۃ مین اس قدر مذکور ہے کہ عائشہ اور حفصہ کے اصرار سے آنحضرت صلعم نے ایک لونڈی کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا- لیکن اس کا ایک راوی مجروح ہے ؛)

کہ یہ روایت استناد کے قابل ہے،

یہ بحث اصولِ روایت کی بنا پر تھی، درایت کا لحاظ کیا جائے تو مطلق کدّ وکاوش کی حاجت نہین، جو رکیک واقعہ اِن روایتون مین بیان کیا گیا ہے اور خصوصًا طبری وغیرہ مین جو جزئیات مذکور ہین وہ ایک معمولی آدمی کی طرف منسوب نہین کیے جا سکتے۔ نہ کہ اُس ذات پاک کی طرف جو تقدس ونزاہت کا پیکر تھا۔

غزوۂ تبوک

رجب سنہ ۹ مطابق نومبر سنہ ۶۳۵ ع
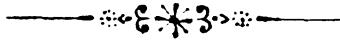
تبوک ایک مشہور مقام ہی: جو مدینہ اور دمشق کے وسط مین نصف راہ پر مدینہ سے چودہ منزل ہے

جنگ موتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا، غسانی خاندان جو شام مین رومیون کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا، مذہباً عیسائی تھا اس لیے قیصر روم نے اُسی کو اس مہم پر متعین کیا۔ مدینہ مین یہ خبرین اکثر مشہور ہوتی رہتی تھین۔ آنحضرت صلعم کے ایلاء کے واقعہ مین حضرت عمرؓ سے جب عتبان بن مالک نے دفعۃً آکر یہ کہا کہ "غضب ہوگیا" تو انھون نے کہا کیون خیر ہے؟ کیا غسانی آگئے۔[1]

شام کے نبطی سوداگر مدینہ مین روغنِ زیتون بیچنے آیا کرتے تھے۔ اُنھون نے خبر دی[2] کہ رومیون نے شام مین لشکر گران جمع کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہین تقسیم کردی ہین۔ اس فوج مین لخم جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہین، اور مقدمۃ الجیش بلقا تک آگیا ہے۔ مواہب لدنیہ مین طبرانی سے روایت نقل کی ہے کہ عرب کے عیسائیون نے ہرقل کو لکھ بھیجا تھا کہ محمد (صلعم) نے انتقال کیا اور عرب سخت قحط کی وجہ سے بھوکون مر رہے ہین" اس بنا پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجین روانہ کین

---

[1] (بخاری ذکر واقعہ ایلاء) [2] مواہب لدنیہ۔

بہرحال یہ خبرین تمام عرب مین پھیل گئین اور قرائن اس قدر قوی تھے کہ غلط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی، اِس بنا پر آنحضرت صلعم نے فوج کی تیاری کا حکم دیا، سو اتفاق یہ کہ سخت قحط اور شدت کی گرمیان تھین، اِن اسباب سے لوگون کو گھر سے نکلنا نہایت شاق[1] تھا۔ منافقین جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اُن کا پردہ فاش ہو چلا۔ وہ خود بھی جی[2] چراتے تھے اور دوسرون کو بھی منع کرتے تھے کہ

لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ ، گرمی مین نہ نکلو،

سویلم ایک یہودی تھا اُس کے گھر پر منافقین جمع ہوتے اور لوگون کو لڑائی پر جانے سے روکتے۔ چونکہ ملک پر رومیون کے حملہ کا اندیشہ تھا اِس لیے آنحضرت صلعم نے تمام قبائل عرب سے فوجین اور مالی امانت طلب کی۔ صحابہ مین سے حضرت عثمان نے تین سو اونٹ پیش کیے۔ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمین لاکر حاضر کین تاہم بہت سے مسلمان اس بنا پر جانے سے رہ گئے کہ سفر کا سامان نہین رکھتے تھے۔ یہ لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے اور اس درد سے روئے کہ آنحضرت صلعم کو انپر رحم آیا، تاہم اُن کے چلنے کا کچھ سامان نہ ہو سکا۔ انھی کی شان مین سورۂ توبہ کی یہ آیتین اُتری ہین۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ	اور نہ ان لوگون پر کچھ اعتراض ہو کہ جب تمھارے پاس آئے کہ ہمکو سواری
لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ	دیجیے اور تمنے کہا کہ میرے پاس سواری کہان ہے جسپر تمکو سوار کر سکون تو وہ
تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ؕ	واپس گئے اور انکی آنکھون سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہین ہے

[1] مارگولوس صاحب فرماتے ہین "کہ چونکہ حنین مین انصار مال غنیمت سے محروم رہے تھے اس لیے وہ بیدل ہو گئے تھے کہ ہم کیا لڑین جب فوائد جنگ دوسرون کو حاصل ہونگے" لیکن یہ مارگولوس صاحب کا حسن ظن ہے۔ (قرآن نے خود بتا دیا ہے تو قیاس کی کیا حاجت ہے) [2] ابن ہشام

آنحضرت صلعم کا معمول تھا، جب آپ مدینہ سے تشریف لیجاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے، چونکہ اس غزوہ مین بخلاف اور معرکون کے ازواج مطہرات ساتھ نہین گیئن تھین۔ اہل حرم کی حفاظت کے لیے کسی عزیز خاص کا رہنا ضرور تھا۔ اِس لیے اب کی یہ منصب جناب امیر کو مِلا لیکن اُنھون نے شکایت کی کہ "آپ مجھکو بچون اور عورتون مین چھوڑے جاتے ہین" آپ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اس پر راضی نہین ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی"[1]

غرض آپ تیس[2] ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے جسمین دس ہزار گھوڑے[2] تھے۔ راہ مین وہ عبرتناک مقامات تھے۔ جنکا ذکر قرآن مجید مین آیا ہے یعنی قوم ثمود کے مکانات جو پہاڑون مین تراش کر بنائے گئے تھے۔ چونکہ اس مقام پر عذاب الٰہی نازل ہو چکا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ کوئی شخص یہان نہ قیام کرے۔ نہ پانی پیے۔ نہ اور کسی کام مین لائے۔

تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی۔ لیکن اصلیت سے بالکل خالی بھی نہ تھی۔ غسّانی رئیس عرب مین ریشہ دوانیان کر رہا تھا۔ صحیح بخاری (غزوہ تبوک) مین جہان کعب بن مالک کا واقعہ مذکور ہے لکھا ہے کہ شام سے ایک قاصد آیا اور کعب بن مالک کو رئیس غسّان کا ایک خط دیا جس مین لکھا تھا کہ "مین نے سنا ہے کہ محمدؐ نے تمھاری قدر نہ کی۔ اِس لیے تم میرے پاس چلے آؤ۔ مین تمھاری شان کے موافق تم سے برتاؤ کرون گا" کعب گو معتوب نبوی تھے لیکن انھون نے اِس خط کو تنور مین ڈال دیا۔

تبوک پہنچکر آنحضرت صلعم نے بیس دن تک قیام کیا۔ ایلہ[3] کا سردار جسکا نام یوحنّا تھا، حاضر خدمت

---

[1] صحیح بخاری غزوہ تبوک، [2] طبقات ابن سعد [3] یہ مقام خلیج عقبہ کے پاس ہے (مارگولیس)

ہو کر جزیہ دینا منظور کیا۔ ایک سفید خچر بھی نذر میں پیش کیا۔ جسکے صلہ میں آنحضرت صلعم نے اُس کو ردائے مبارک عنایت فرمائی۔ جرباد اور اذرح کے عیسائی بھی حاضر ہوئے اور جزیہ پر رضامندی ظاہر کی۔ دومۃ الجندل جو دمشق سے پانچ منزل پر ہے وہان ایک عربی سردار جسکا نام اکیدر تھا قیصر کے زیر اثر تھا۔ آنحضرت صلعم نے خالدؓ کو چار سو کی جمعیت کے ساتھ اُس کے مقابلہ کے لیے بھیجا، خالدؓ نے اس کو گرفتار کیا اور اِس شرط پر رہائی دی کہ خود دربار رسالت مین حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ مین آیا۔ آپ نے اس کو امان دی۔

تبوک سے جب آپ واپس پھرے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو لوگ عالم شوق مین استقبال کو نکلے۔ یہان تک کہ پردہ نشینانِ حرم بھی جوش مین گھرون سے نکل پڑین۔ اور لڑکیان یہ اشعار گاتی نکلین[1]

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

وداع کی گھاٹیون سے ہم پر چاند طلوع ہوا

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

جب تک خدا کا پکارنیوالا دنیا مین کوئی باقی ہے۔ ہمپر خدا کا شکر فرض ہے

مسجد ضرار۔ منافقین ہمیشہ اس فکر مین رہتے تھے کہ مسلمانون مین کسی طرح پھوٹ ڈال دین۔ ایک مدت سے وہ اِس خیال مین تھے کہ مسجد قبا کے توڑ پر وہین ایک اور مسجد اس حیلہ سے بنائین کہ جو لوگ ضعف یا کسی اور وجہ سے مسجد نبوی مین نہ پہنچ سکین یہان آکر نماز ادا کر لیا کرین۔ ابو عامر جو انصار مین سے عیسائی ہو گیا تھا اُس نے منافقین سے کہا کہ تم سامان کرو مین قیصر کے پاس جا کر وہان سے

[1] زرقانی بحوالہ ابن ابی شیبہ۔

تو چین لاتا ہون کہ اس ملک کو اسلام سے پاک کردے[1]،

آنحضرت صلعم جب تبوک تشریف لیجانے لگے تو منافقین نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین آکر عرض کی کہ ہمنے بیمارون اور معذورون کیلیے ایک مسجد تیار کی ہے آپ چلکر اس مین ایک دفعہ نماز پڑھادین تو مقبول ہوجائے۔ آپ نے فرمایا اس وقت مین مہم پر جارہا ہون۔ جب تبوک سے واپس پھرے تو مالک اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ جاکر مسجد مین آگ لگا دین۔ اسی مسجد کی شان مین یہ آیتین اتری ہین۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝	وہ لوگ جنھون نے ایک مسجد ضرر اور پھوٹ ڈالنے اور کفر کی غرض سے طیار کی اور اس غرض سے کہ جو لوگ پہلے سے خدا اور رسول سے لڑتے ہین انکو ایک کمینگاہ ہات آئے، اور وہ قسم کھاتے ہین کہ ہمنے صرف بھلائی کے لحاظ سے ایسا کیا، اور خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹ کہتے ہین۔ محمدؐ! تو کبھی اس مسجد مین جاکر نہ کھڑا ہو وہ مسجد جسکی نبیاد پہلے ہی دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تو اس مین نماز پڑھے وہان ایسے لوگ ہین جنکو صفائی محبوب ہے اور خدا صفائی پسند کرنیوالونکو چاہتا ہے

حج اسلام اور اعلان برأت

(مکہ ۸ھ مین فتح ہوا لیکن چونکہ ابھی تک ملک مین اچھی طرح امن وامان نہین قائم ہوا تھا اس لیے اس سال مشرکین ہی کے اہتمام سے ارکان حج انجام پائے۔

---

[1] زرقانی بحوالہ ابن جریر۔

مسلمانون نے عتاب بن اسید کے ساتھ جو مکہ کے امیر مقرر ہوئے تھے۔ فریضہ حج ادا کیا۔ اب ۹ھ پہلا موقع ہے کہ کعبہ کفر وشرک کی ظلمت سے پاک ہوکر عبادت ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے۔ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ یا ذوالحجہ سنہ ۹ھ مین آنحضرت صلعم نے تین سو مسلمانون کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لیے روانہ فرمایا۔ ان مین حضرت ابوبکر قافلہ سالار حضرت علی نقیبِ اسلام، اور حضرت سعد بن وقاص۔ جابر۔ ابوہریرہ[۱] وغیرہ معلّم تھے۔ قربانی کے لیے بیس اونٹ ساتھ تھے۔

قرآن نے اس حج کو حجِ اکبر کہا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ رسم حج اصل ابراہیمی سنت مین جلوہ گر ہوئی اس حج کا مقصد یہ تھا کہ خانۂ خلیل مین عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومتِ اسلام کی ابتدا کا اعلان کیا جائے، مناسک و رسوم حج کی عام طور سے تعلیم دیجائے۔ زمانۂ جاہلیت کے رسوم و عادات کا ابطال کیا جائے۔

حضرت ابوبکر نے مناسک حج کی لوگون کو تعلیم دی۔ یوم النحر مین خطبہ دیا جس مین حج کے مسائل بیان کئے۔ اس کے بعد حضرت علی کھڑے ہوئے سورۂ براءت کی چالیس آیتین پڑھ کر سنائین۔ اور اعلان کردیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ مین نہ داخل ہوسکے گا۔ نہ کوئی برہنہ اب حج کرنے پائے گا۔ اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے۔ اُن کے نقض عہد کے سبب سے آج سے چار مہینے کے بعد ٹوٹ جائین گے حضرت ابوہریرہ وغیرہ نے اِس اعلان کی اس زور زور سے منادی کی کہ گلا پڑ پڑ گیا[۲]۔

(۱؎ بخاری کتاب المناسک باب لایطوف عریان۔ و باب حج ابی بکر بالناس وتفسیر سورۃ البراۃ ۲؎ ابن حنبل صفحہ ۲۹۹ جلد ۲۔ عام تفصیل زرقانی وغیرہ مین موجود ہے)

سورۂ برات کی ابتدائی آیتین جس مین خدا نے اِس اعلان کا حکم فرمایا[۱] یہ ہین۔

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ
وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ
مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ
اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ ؕ
فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ
عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ
شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا
فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ

اے مسلمانو! جن مشرکین سے تمنے معاہدہ کیا تھا (اور انھون نے
اپنا معاہدہ توڑ دیا) انکی خدا اور خدا کے رسول کی طرف کوئی
ذمہ داری نہین ہی، اب (اے معاہدہ شکن مشرکو!) چار مہینے کی
تمکو مہلت ہی۔ اسمین تم ملک مین چلو پھرو۔ اور جان لو کہ تم خدا
کو عاجز نہ کر سکوگے۔ حج اکبر کے دن لوگون کو اعلان عام ہی کہ خدا
اور اس کا رسول ان مشرکین کا اب ذمہ دار نہین، اگر تمنے اے مشرکین
توبہ کر لی تو یہ تمہارے لیے بہتر ہی۔ اور اگر اب بھی پھرے رہو تو یقین
کر لو کہ تم خدا کو ہرا نہ سکوگے۔ اے پیغمبر! تو کافرونکو دردناک عذاب
کی خوشخبری سنادے۔ لیکن وہ مشرکین جن سے تم نے معاہدہ کیا
اور اُنھون نے اس کی کچھ خلاف ورزی نہ کی۔
اور نہ تمھارے مقابلہ مین انھون نے تمہارے دشمنون
کی مدد کی تو زمانۂ معاہدہ کو تم پورا کرو۔ خدا پرہیزگارون کو

[۱] (ان آیات مین یہ بیان ہی کہ مسجد حرام کے پاس (صلح حدیبیہ مین) جو معاہدے ہوئے تھے وہ ٹوٹ گئے۔ لیکن وہ معاہدے
تو فتح مکہ سے پہلے ہی ٹوٹ گئے تھے۔ اور اس کے بعد کفار سے کوئی معاہدہ نہ ہوا۔ مصنف نے اس بنا پر اپنے ایک مکتوب
۲-۴-۷ مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ آیتین سنہ ۸ھ مین فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہون گی۔ اور شاید اسی لیے مصنف نے
یہ واقعات قلم انداز کر دیے ہین۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ ممکن ہے کہ معاہدہ کے متعلق یہ آیتین گو سنہ مین نازل ہوئی ہون
لیکن انکا عام اعلان مع دیگر ضروری احکام کے جیسا کہ صحاح کے مستند روایات مین مذکور ہی سنہ ۹ھ کے موسم حج مین ہوا)

يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (رکوع ۱) | دوست رکھتا ہے۔

يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ | اے مسلمانو! مشرکین تو ناپاک ہین۔ اب وہ اس سال

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (رکوع ۴) | کے بعد کعبہ کے قریب نہ آئین۔

طبری نے بواسطۂ سدی روایت کی ہے کہ اس اعلان کے بعد کفار عام طور سے مسلمان ہو گئے)

واقعات متفرقہ

(نو سال کے بعد اب ملک مین امن و امان کا دور شروع ہوا۔ اب حصول دولت کے مواقع حاصل تھے۔ اس بنا پر زکوٰۃ کا حکم اس سال نازل ہوا۔ اور تحصیل زکوٰۃ کے لیے عُمّال قبائل مین مقرر ہوئے؛

اسلام کے سایہ مین بعض غیر مسلم قومین بھی داخل ہو چکی تھین انکے لیے جزیہ کی یہ آیت اتری۔

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ | تا آنکہ چھوٹے بنکر وہ جزیہ نہ ادا کرین۔

سود کی تحریم بھی اسی سال نازل ہوئی اور اس کے ایک سال بعد سنہ ۱۰ھ حجۃ الوداع مین آنحضرت صلعم نے اس کا اعلان عام فرمایا۔

نجاشی جس کے ظلِ حمایت مین مسلمانون نے چند سال حبشہ مین بسر کیے۔ اس نے امسال انتقال کیا آنحضرت صلعم نے اس کی وفات کا خود اعلان فرمایا کہ "مسلمانو! آج تمھارے برادرِ صالح اصحمہ نے وفات پائی اس کے لیے دعائے مغفرت مانگو" اس کے بعد نجاشی کے لیے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔)

غزوات پر دوبارہ نظر

کتاب کا یہ حصّہ سادہ سوانح زندگی پر محدود ہے، بحث و تدقیقات اور رفع شکوک کے لیے دوسرے حصّے ہین اس بنا پر مناسب یہ تھا کہ غزوات کے متعلق جو مباحث ہین انہی حصّون مین لکھے جاتے لیکن کتب سیر مین کثرت اور اہمیت دونون حیثیتون سے جو واقعات زیادہ ترنمایان ہین صرف غزوات ہین۔ اگر صرف تصانیف سیرت کو پیش نظر رکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی تمامتر سوانح عمری غزوات ہی کا نام ہے، چنانچہ پہلے سیرت پر جو کتابین لکھی گئین وہ سیرت نہین بلکہ مغازی ہی کے نام سے مشہور ہین۔ مثلاً مغازی ابن عقبہ، مغازی ابن اسحاق، مغازی واقدی۔ یہ انداز تحریر آج تک چلا آیا۔ اس لیے اگر یہ طرز بالکل بدل دیا جائے تو جو شخص کوئی قدیم تصنیف پہلے پڑھ چکا ہوگا وہ اس جدید تصنیف کو پڑھ کر سمجھے گا کہ سیرت کے بجائے کوئی اور چیز پڑھ رہا ہے۔

اِن اسباب سے ہمکو بھی غزوات کو تفصیل سے لکھنا پڑا۔ لیکن غزوات کو پڑھ کر جو سوالات دلون مین پیدا ہوجاتے ہین ان کو دوسرے موقع کے لیے اُٹھا رکھنا ناظرین کے اضطراب کا باعث ہوگا

غیر مذہب والون نے غزوات کے مقاصد اور اسباب کے سمجھنے مین سخت غلطیان کی ہین نہ صرف بدنیتون نے، بلکہ نیک دلون نے بھی۔ لیکن یہ تعجب کی بات نہین۔ اسباب ایسے جمع ہین کہ اس قسم کی غلطیون پر نہ صرف دوستون کو بلکہ دشمنون کو بھی معذور رکھ سکتے ہین۔

عرب اور جنگ و غارتگری اس باب مین سب سے مقدم اور سب سے اہم اِس حقیقت کا معلوم کرنا ہے کہ عرب کی قومیت کو "جنگ و غارتگری" سے کیا تعلق ہے؟ ہر قوم کے اخلاق و عادات،

رسوم و معاملات، محاسن و اوصاف، معائب و مثالب۔ غرض اُسکی کل قومی زندگی کا ایک خاص اساس الامر ہوتا ہے کہ سب چیزین اُسی سے بنتی اور اُسی سے نشوونما پاتی ہین۔ عرب مین یہ چیز جنگ وغارتگری تھی۔ اسکی ابتدا یون ہوئی کہ عرب ایک ویران ملک تھا کسی قسم کی پیداوار وہان نہین ہوتی تھی۔ لوگ اَن پڑہ اور جاہل تھے۔ خورش اور پوشش کا قدرتی سامان صرف بھیڑ بکریان اور اونٹ تھے۔ کہ ان کا دودھ اور گوشت کھاتے۔ اور بالون کو بُن کر کمل بناتے تھے لیکن یہ جائداد بھی ہر شخص کو نصیب نہ تھی۔ یا تھی تو بقدر ضرورت نہ تھی۔ اس لیے حملہ اور غارت گری شروع ہوئی اور معاش کا سب سے بڑا بلکہ تنہا ذریعہ غارتگری قرار پایا۔ ابو علی قالی نے کتاب الامالی مین لکھا ہے۔

(وذلك انهم كانوا يكرهون ان تتوالى	(یہ اسلیے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ اُن پر تین ماہ متواتر
عليهم ثلاثة اشهر لا تمكنهم الاغارة	اسطرح گزر جائین کہ ان مین وہ غارت گری نہ کرسکین کیونکہ
فيها لان معاشهم كان من الاغارة[1])	انکی معاش کا ذریعہ یہی تھا۔)

چونکہ لوٹ مین زیادہ تر بکریان ہات آتی تھین۔ اور بکری کو عربی مین "غنم" کہتے ہین اس لیے لوٹ کے مال کو عربی مین "غنیمت" کہنے لگے۔ اس لفظ نے پھر یہ وسعت حاصل کی کہ قیصر و کسریٰ کا تاج و تخت لُٹ کر آیا تو اسی نام سے پکارا گیا۔

رفتہ رفتہ یہی لفظ عربی قوم، عربی زبان، عربی تاریخ کا سب سے زیادہ محبوب سب سے زیادہ نمایان سب سے زیادہ وسیع الاثر لفظ بن گیا۔ آج بھی ایک سلطان، ایک رئیس ایک شیخ القبائل اپنے عزیز و اقارب کو سفر کے وقت رخصت کرتا ہے تو کہتا ہے۔ سَالِمًا غَانِمًا

[1] کتاب الامالی جلد اول صفحہ ۶ مطبوعہ مصر۔

یعنی "سلامت آنا اور لوٹ کر لانا" ہماری زبان مین سب سے عزیز چیز کو جو "غنیمت" کہتے ہین (مثلاً آپ کا تشریف لانا نہایت غنیمت ہے) یہ وہی لفظ ہے اور عربی زبان سے آیا ہے

ضرورت معاش کی وجہ سے تمام عرب مین غارت گری اور جنگ عام ہوگئی تھی۔ تمام قبائل ایک دوسرے پر ڈاکہ ڈالتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ صرف حج کے زمانہ مین مذہبی خیال سے چار مہینے مخصوص کر دیے تھے جنکو "اشہرِ حرم" کہتے تھے۔ ان مہینون مین لڑائیان بند ہو جاتی تھین لیکن متصل تین تین مہینہ تک معاش کا معطل رہنا سخت گران تھا۔ اس لیے نسئی ایک رسم ایجاد کر لی تھی یعنی ان مہینون کو حسب ضرورت دوسرے مہینون سے بدل لیتے تھے۔

حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح (تفسیر سورۂ توبہ) مین لکھتے ہین۔

کانوا یجعلون المحرم صفراً ویجعلون	وہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم کر دیا کرتے تھے تاکہ پے در پے
صفراً المحرم لئلا یتوالی علیھم ثلاثۃ	تین مہینے تک لڑائی سے محروم نہ ہو
اشہر لا یتعاطون فیھا القتال لخ	جائین۔

ثار کا عقیدہ

لڑائی کا اصلی ابتدائی سبب یہ تھا لیکن جب یہ سلسلہ چھڑا تو اور اور اسباب بھی پیدا ہو گئے اور یہ اسباب اہمیت اور وسعت کے لحاظ سے اصلی سبب سے کم نہ تھے۔ ان مین سب سے مقدم اور شدید الاثر ثار کا قانون تھا یعنی جب کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی موقع پر قتل ہو جاتا تھا تو مقتول کے قبیلہ کو اُس کا انتقام لینا فرض ہو جاتا تھا۔ گو سینکڑون برس گزر جاتے تھے اور قاتل بلکہ اُس کے خاندان کا نام و نشان مٹ جاتا تھا تاہم جب تک قاتل کے قبیلے کے ایک آدمی کو قتل نہین کر لیتا تھا تو وہ فرض سے ادا نہین ہو سکتا تھا۔ اسی کو ثار کہتے ہین۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک معمولی قتل پر سیکڑون

بلکہ ہزاروں برس تک مسلسل لڑائیاں قائم ہوجاتی تھیں۔ اسی طریقہ کے ابطال کا آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع میں اعلان کیا تھا اور اپنے قبیلہ کے قاتلوں کا خون معاف کردیا تھا لیکن صحرانشین عربوں میں آج تک یہ طریقہ قائم اور اُن کے قومی خصائص کا جزو اعظم ہے۔

ثار کے متعلق عجیب عجیب قسم کے معتقدات پیدا ہوگئے تھے۔ مثلاً یہ کہ مقتول جب مرجاتا ہے تو اسکی روح پرند بنجاتی ہے اور جب تک اس کا انتقام نہیں لیا جاتا مقام قتل پر شور کرتی رہتی ہے کہ "مجھکو پلاؤ میں پیاسی ہوں" اس پرند کو صدیٰ یا ہامہ کہتے تھے۔

ابو دؤاد ایادی کہتا ہے۔

یاعمرُو ان لاتدع شتمی ومنقصتی　　اضربک حیث تقول الھامۃ اسقونی

اے عمر! اگر تو مجھکو گالی دینا اور میری تحقیر کرنا نہ چھوڑیگا　　تو میں تجھکو اسطرح مارونگا کہ ہامہ کہے گی کہ مجکو سیراب کرو

ایک یہ خیال تھا کہ جس مقتول کا انتقام نہیں لیا جاتا اس کی قبر میں ہمیشہ اندھیرا رہتا ہے عمرو بن معدی کرب کی بہن مقتول کی زبان سے کہتی ہے۔

واترک فی قبر بصعدۃ مُظلم　　خون بہالوگے تو میں اندھیری قبر میں پڑا رہونگا

اسی بنا پر خون بہا لینے کو عیب سمجھتے تھے، اسی شاعرہ کا مصرع ہے

ومشوا باذان النعام المصلّم　　اور خون بہا لینا ہی تو بوچے شترمرغ کا کان پکڑ کر لیجاؤ

غیرت اور حمیّت کی بنا پر اس بات کو عیب سمجھتے تھے کہ مقتول پر نوحہ کیا جائے۔

وَلا تراھم وان جلّت مصیبتھم　　مع البکاۃ علی من مات یبکُونا

گو کتنی ہی بڑی مصیبت ہو لیکن اُن کو مرنے والے پر روتا ہوا نہ دیکھوگے۔

عمرو بن کلثوم

معاذ الالہ ان ینوح نساءنا   علیٰ ھالکٍ او ان نضبح من القتل

خدا نہ کرے کہ ہماری عورتین مقتول پر نوحہ کرین یا ہم قتل سے گھبرا جائین

مقتول پر نوحہ کرتے تھے تو اسوقت کرتے تھے جب خون کا انتقام لے لیتے تھے۔

من کان مسرورا بمقتل مالکٍ   فلیات نسوتنا بوجہ نہار

جو شخص مالک کے قتل سے خوش تھا   وہ دن کو ہماری عورتون کے پاس آئے

یجد النساء حواسرا یندبنہ   یلطمن اوجھھن بالاسحار

وہ دیکھے گا کہ عورتین ننگے سر نوحہ کر رہی ہین   اور صبح کو اپنے چہرون پر دوہتڑ مار رہی ہین

ایک خیال یہ تھا کہ جو شخص زخم کھا کر مرتا ہے اسکی روح زخم کی راہ سے نکلتی ہے، ورنہ ناک کی راہ سے نکلتی ہے اور یہ نہایت عیب سمجھا جاتا تھا۔ اسی بنا پر بیماری سے مرنے کو "حتف انف" کہتے تھے یعنی "ناک کی موت" اور ایسے مرنے کو نہایت عار سمجھتے تھے۔

وما مات منّا سید حتف انفہ   ولا طُل منا حیث کان قتیل

رفتہ رفتہ عرب کے تمام قومی مفاخر اور اخلاق وعادات کا اصلی محور جنگ بنگیا تھا۔ یعنی ان کے اوصاف واخلاق مین جس چیز کا اصلی سبب تلاش کیا جائے یہی چیز نکلتی تھی۔ یہی چیز تھی جس نے ایک مُدت تک قبائل عرب کو اسلام لانے سے باز رکھا۔ عمرو بن مالک جب آنحضرت صلعم کی خدمت مین اسلام لاکر اپنے قبیلہ مین واپس گئے اور اسلام کی دعوت دی تو انھون نے کہا بنو عقیل پر ہمارا ثار باقی ہے وہ لے لین تو اسلام لائین"۔ چنانچہ اُسی وقت بنو عقیل پر جو اسلام لاچکے تھے حملہ آور ہوے

اور خود عمرو بن مالک نے اس مین شرکت کی گو پھر ان کو بہت ندامت ہوئی کہ اُن کے ہات سے ایک مسلمان[1] مارا گیا۔

لوٹ کا مال | چونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین لڑائیون کی اصلی بنیاد ضرورت معاش سے شروع ہوئی تھی اس لیے عرب کے نزدیک مال غنیمت سے زیادہ کوئی شے محبوب نہ تھی اور ذرائع معاش مین سب سے زیادہ حلال وطیب اسی کو سمجھتے تھے۔ یہ خیال اس قدر دلون مین راسخ اور رگ و پے مین سرایت کر گیا تھا کہ اسلام کے بعد بھی ایک مدت تک قائم رہا اور جس طرح شارع نے ممنوعات شرعیہ کو بتدریج حرام اور ممنوع کیا تھا غنیمت کے متعلق نہایت تدریج اور آہستگی سے کام لینا پڑا۔

شراب کو جب شارع نے حرام کرنا چاہا تو پہلے یہ آیت اتری۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ (بقرہ) — لوگ تجھ سے شراب اور قمار کی بابت پوچھتے ہین۔ کہدے کہ دونون مین بڑا گناہ ہے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا،

اللهم بين لنا في الخمر بيانا شافيا — اے خدا شراب کے متعلق ہم کو صاف احکام بتا۔

پھر یہ آیت اتری۔

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى — نشہ کی حالت مین نماز نہ پڑھو۔

چنانچہ نماز کا وقت آتا تو آنحضرت صلعم کے حکم سے ایک شخص منادی[2] پکارتا کہ کوئی شخص نشہ مین نماز کو نہ آئے پھر یہ آیت اتری۔

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عمرو بن مالک۔ [2] مسند امام احمد ابن حنبل مطبوعہ مصر صفحہ ۵۳ و ابو داؤد کتاب الاشربۃ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۔ (مائدہ)	مسلمانو! شراب، جوا، انصاب، فال کے تیر، یہ سب ناپاک اور شیطان کے کام ہین، تو ان سے بچو کہ غالباً تم فلاح پاؤگے، شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور قمار کے ذریعہ سے تم لوگون مین عداوت اور بغض ڈالے اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روکے تو تم باز آؤگے؟

باوجود اس کے آنحضرت صلعم نے شراب کی حرمت کے متعلق اس قدر تاکید و تصریح کی ضرورت خیال کی کہ جس قسم کے برتنون مین شراب پیتے تھے تڑوا دیے۔ لوگون نے عرض کی کہ شراب کا سرکہ بنالین، اِس سے بھی منع فرمایا، اِن سب باتون پر بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بعض لوگون نے شرابین پین اور جب اُن سے بازپرس کی گئی تو اُنھون نے نیک نیتی سے کہا کہ نیک اور اچھے آدمیون کے لیے شراب کہان حرام ہے؟ قرآن مجید مین خود شراب کی حرمت کے بعد یہ تصریح موجود ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا ۔ (مایدہ)	جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اُنھون نے جو کچھ کھایا (یعنی شراب پی) اُن پر کچھ الزام نہین۔

اس موقع پر بہت سے صحابہ موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباس کی طرف دیکھا کہ اس آیت سے کیا مراد ہے۔ اُنھون نے کہا کہ یہ اُن صحابہ کی نسبت ہے جو شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے مرگئے۔ حضرت عمرؓ نے تصدیق کی، اور اُن لوگون کو سزا دی۔ چنانچہ یہ واقعہ تفصیل

کے ساتھ تاریخ طبری مین مذکور ہے۔

اِس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ جب کوئی چیز زمانۂ دراز سے رسم و عادت مین داخل ہوجاتی ہے تو اس کے آثار اور مخفی نتائج مدتون تک قائم رہتے ہین۔ اور غنیمت کا بھی یہی حال ہے۔

سب سے پہلے جنگ بدر مین قبل اس کے کہ مال غنیمت یکجا جمع کیا جاتا، لوگ غنیمت مین مصروف ہوگئے اس پر یہ آیت اتری،

لَوْ لَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٥ — اگر خدا کی طرف سے پہلے سے حکم نہ ہوچکا ہوتا تو جو کچھ لیا اس پر تم کو عذاب ہوتا۔

چنانچہ صحیح ترمذی تفسیر انفال مین یہ واقعہ بہ تصریح مذکور ہے۔ آنحضرت صلعم نے اعلان فرمایا تھا کہ "جو شخص کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا مال واسباب قاتل کو ملے گا" اس بنا پر لوگون نے مسلوبہ مال کا دعویٰ کیا۔ جو صحابہ خود لڑے نہ تھے بلکہ علم اور رایت کے محافظ تھے ان کا دعویٰ تھا کہ اسمین ہمارا بھی حق ہے[1] اسپر یہ آیت اتری۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ ٥ - (انفال) — لوگ تجھ سے غنیمت کے متعلق پوچھتے ہین۔ کہدے غنیمت خدا اور رسول کی ہے۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مجاہدین مال غنیمت کا خود دعویٰ نہین کرسکتے۔ اسکی تقسیم آنحضرت صلعم کے اختیار مین ہے جسطرح آپ چاہین تقسیم فرمائین۔ اس سے اتنا ہوا کہ لڑائیون مین جو ہر شخص خود لوٹ کر جو چیز چاہتا تھا لیتا تھا، بند ہوگیا۔ لیکن میدان جنگ کے علاوہ اور موقعون پر لوٹنا مدتون

[1] سنن ابی داؤد باب النفل

موقوف نہین ہوا۔ سنن ابی[1] داؤد مین ایک انصاری سے روایت ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلعم کے ساتھ ایک سفر مین شریک تھے۔ بھوک کی سخت تکلیف ہوئی، اتفاقاً سامنے بکریان نظر پڑین اُن کو لوٹ لائے اور ذبح کرکے ہانڈیان چڑھا دین۔ آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو آپ تشریف لائے اور کمان جو ہاتھ مین تھی اس سے دیگچیان الٹ دین اور فرمایا کہ "لوٹ کی چیز مُردہ سے بڑھکر حلال نہین"

خیبر کی لڑائی ۷ھ مین ہوئی اس وقت تک یہ حال تھا کہ امن کے بعد لوگون نے یہودیون کے جانور اور پھل لوٹ لیے اس پر آنحضرت صلعم کو نہایت غصہ آیا۔ آپ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا۔

ان اللہ تعالیٰ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب الا باذن و لا ضرب نسائھم ولا اکل ثمارھم اذا اعطوکم الذی علیھم، (سنن ابی داؤد باب فی تعشیر الذمۃ اذا اختلفوا فی التجارۃ)	خدا نے تم لوگون کے لیے یہ نہین جائز کیا ہے کہ اہل کتاب کے گھرون مین گھس جاؤ (مگر باجازت) ورنہ یہ کہ ان کی عورتون کو مارو۔ نہ یہ کہ ان کے پھل کھا جاؤ جب کہ وہ تم کو وہ ادا کرین جو اُن پر فرض ہے۔

آنحضرت صلعم چاہتے تھے کہ غنیمت کے ساتھ لوگون کا جو شغف ہے کم ہو جائے لیکن مدت تک غنیمت کی محبت اور وارفتگی نہ گئی۔ غزوۂ احد مین صرف اس وجہ سے شکست ہوئی کہ آنحضرت صلعم نے اگرچہ تیراندازون کو سخت تاکید فرما دی تھی کہ گو لڑائی کی کچھ حالت ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ تاہم جب فتح ہوئی تو لوگ بے اختیار لوٹ مین مصروف ہو گئے۔ ان کا ہٹنا تھا کہ دشمن نے موقع پاکر پشت

[1] کتاب الجہاد باب فی النہی عن النہبی۔

کی طرف سے حملہ کر دیا، حنین مین بھی شکست کی اصلی وجہ یہی تھی کہ قبل از وقت لوگون نے غنیمت لوٹنی شروع کر دی تھی۔

"غنیمت" اس قدر محبوب تھی کہ بعض صاحبون کو کسی کافر کے مسلمان ہونے پر اس بنا پر رنج ہوا کہ اسلام لانے کی وجہ سے اس کا مال نہ ملسکا، سنن ابی داؤد مین ہے کہ ایک صحابی نے ایک سریہ مین حملہ کرنا چاہا، قبیلہ والے روتے ہوئے آئے، انھون نے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو تو تمھاری جان اور مال بچ جائے گا۔ انھون نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کو امن دیدیا گیا۔ جب یہ اپنے ساتھیون مین آئے تو لوگون نے ان کو ملامت کی کہ

احرمتنا الغنیمۃ[1] تم نے ہم کو غنیمت سے محروم کر دیا۔

آنحضرت صلعم کے پاس جب یہ لوگ گئے تو آپ نے ان صحابی کی تحسین کی اور فرمایا "کہ تمکو ایک ایک آدمی کے بدلے (جسکو تم نے چھوڑ دیا) اس اس قدر ثواب ملے گا"

سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ تھی کہ مدت تک لوگ یہ سمجھا کئے کہ غنیمت حاصل کرنا ثواب کا کام ہے۔ سنن ابی داؤد مین ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! ایک شخص جہاد پر جانا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کچھ مال ہات آئے" آپ نے فرمایا کہ "اُس کو کچھ ثواب نہین ملیگا" یہ جواب اُنھون نے آکر لوگون سے بیان کیا تو لوگون کو بہت تعجب ہوا۔ اور اُن سے کہا کہ تمنے آنحضرت صلعم کا مطلب نہین سمجھا پھر جا کر پوچھو۔ اُنھون نے دوبارہ پوچھا اور وہی جواب ملا۔ لوگون نے پھر ان کو بھیجا اور پھر آنحضرت صلعم نے یہی فرمایا کہ اس کو کچھ ثواب نہین[2] ملے گا۔

---

[1] ابو داؤد باب مایقول اذا اصبح، کتاب الادب۔ [2] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی من یغزو و یلتمس الدنیا۔

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہین۔

وحشیانہ افعال | عرب مین لڑائیون کی شدت اور وسعت نے نہایت وحشیانہ رسمین قائم کردی تھین جن مین سے چند کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اسیران جنگ کو جب قتل کرتے تھے تو چھوٹے چھوٹے بچون اور عورتون کو بھی قتل کرتے تھے بلکہ آگ مین جلا دیتے[۱] تھے۔

(۲) غفلت یا نیند کی حالت مین دفعۃً دشمن پر جا پڑتے تھے اور قتل و غارت گری شروع کر دیتے تھے، یہ طریقہ عام اور کثرت سے رائج تھا۔ بہت سے بہادر اس خاص طریقہ مین زیادہ ممتاز تھے اور ان کو فاتک یا فتّاک کہتے تھے۔ تابّط شرا سلیک بن السلکہ اسی قسم کے لوگ تھے۔

(۳) زندون کو آگ مین جلا دیتے تھے، عمرو بن ہند (عرب کا ایک بادشاہ تھا) کے بھائی کو جب بنوتمیم نے قتل کر دیا تو اس نے منّت مانی کہ ایک کے بدلے سو آدمیون کو قتل کرون گا۔ چنانچہ بنوتمیم پر حملہ کیا وہ لوگ بھاگ گئے صرف ایک بڑھیا رہ گئی تھی جس کا نام حمراء تھا۔ اس کو گرفتار کر کے زندہ آگ مین ڈال دیا۔ اتفاق یہ کہ ایک سوار جس کا نام عمّار تھا آنکلا۔ عمرو نے پوچھا تو کیون آیا، اُسنے کہا مین کئی دن کا بھوکا تھا۔ دھوان اُٹھتے دیکھا تو سمجھا کھانا ہوگا۔ عمرو نے حکم دیا کہ وہ بھی آگ مین ڈالدیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ جریر نے اپنے شعر مین اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وأخزاكم[۲] عمرو كما قد خزيتم | وادركت عمارًا الشقي البراجم

---

[۱] مجمع الامثال کرمانی مطبوعہ ایران صفحہ ۲۴۲۔ [۲] یہ پوری تفصیل مجمع الامثال کرمانی مین ہے۔ دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ ایران صفحہ ۳۴۲۔

(۴) بچون کو نشانہ بناکر تیرون سے مارتے تھے، داحس اور غبرا کی لڑائیون مین قیس نے بنو ذبیان کے پاس اپنے بچے ضمانت کے طور پر رکھے تھے۔ حذیفہ نے جو بنو ذبیان کا رئیس تھا، ان بچون کو لیجاکر ایک وادی مین کھڑا کیا اور ان کو نشانہ بناکر قدر اندازی کرتا تھا۔ اتفاق سے کوئی لڑکا نہ مرا تو دوسرے دن پر اُٹھا رکھا جاتا تھا، چنانچہ دوسرے دن یہ تفریح انگیز چاند ماری پھر شروع ہوتی تھی اور لوگ یہ تماشا دیکھتے تھے۔[1]

(۵) قتل کا ایک یہ طریقہ تھا کہ ہات پانون اور دیگر اعضا کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا، عطفان اور عامر کی لڑائی مین اسی خوف سے حکم بن الطفیل نے اپنے آپ کو خود گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا، جیسا کہ عقد الفرید مین بہ تفصیل مذکور ہے۔

عرینہ کے لوگ جو آنحضرت صلعم کی خدمت مین بظاہر اسلام لاکر آنحضرت صلعم کے غلام کو پکڑ لے گئے تو اس کے ہات پانون کاٹ ڈالے پھر ان کی آنکھون اور زبان مین کانٹے چبھوئے یہان تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے۔[2]

(۶) مرنے کے بعد بھی انتقام کا جوش طرح طرح کی نفرت انگیز صورتون مین ظاہر ہوتا تھا۔ مُردون کے ہاتھ پانون، کان، ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے۔ ہند نے جنگِ احد مین اسی رسم کے موافق حضرت حمزہ اور دیگر شہدا کے اعضا کاٹ کر ہار بنایا اور گلے مین پہنا تھا۔

(۷) منت مانتے تھے کہ دشمن پر قابو ہات آئے گا تو اس کی کھوپڑی مین شراب پئین گے سلافہ

---

[1] مجمع الامثال صفحہ ۲۷۴۔ [2] یہ واقعہ تمام کتب حدیث مین مذکور ہے لیکن یہ تفصیل طبقات ابن سعد صفحہ ۶۷ سے ماخوذ ہے مسلم مین صرف آنکھون کا اندھا کرنا مذکور ہے،

کے دو بیٹے جنگ اُحد مین عاصمؓ کے ہات سے مارے گئے تھے۔ اِس بنا پر سلافہ نے منّت مانی کہ عاصمؓ کی کھوپڑی مین شراب ڈال کر پیے گی[1]۔ یہ بھی معمول تھا کہ مقتول کا کلیجہ نکال کر کھا جاتے تھے ہند نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ جو نکال کر چبالیا تھا اس کا حال اوپر گزر چکا ہے۔

(۸) حاملہ عورتون کا پیٹ چاک کر ڈالتے اور اِس پر فخر کرتے تھے۔ عامر بن طفیل عرب کا مشہور بہادر اور رئیس ہوازن کہتا ہے۔

بقرنا الحبالی من شنوءة بعد ما   خبطن بغیف الرمح نهدا و خثعما

غزوات نبوی کے اسباب[2] اور انواع

تفصیل مذکورۂ بالا کے بعد اب ہم اس واقعہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہین کہ غزوات نبوی کن اسباب سے وجود مین آئے اور شارع علیہ السلام نے طریقۂ قدیم مین کیا اصلاحین فرمائین۔

مورخین نے "غزوہ" کے لفظ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ امن وامان قائم رکھنے کے لیے دو چار آدمی بھی کہین بھیجدیے گئے تو اس کو بھی اُنھون نے غزوہ مین شمار کرلیا۔ غزوہ کے علاوہ ایک اور لفظ ہے یعنی "سریّہ"، غزوہ اور سریہ مین لوگون کے نزدیک یہ فرق ہے کہ غزدہ مین کم سے کم آدمیون کی ایک خاص تعداد ضروری ہے۔ سریہ مین کوئی قید نہین۔ ایک آدمی بھی کہین لڑائی کی دیکھ بھال کو بھیجدیا گیا تو یہ بھی سریہ ہے۔ بعضون کے نزدیک غزوہ کے لیے یہ شرط ہے کہ آنحضرت صلعم نے خود بہ نفس نفیس اس مین شرکت کی ہو۔

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۰۔ [2] یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ بحث تمامتر تاریخی حیثیت سے ہے۔ جہاد کی اصل حقیقت پر بحث کتاب کی دوسری جلدون مین آئے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ جن واقعات کو مورخین سریہ کہتے ہین وہ چند قسمون پر منقسم ہے۔

(۱) محکمۂ تفتیش یعنی دشمنون کی نقل و حرکت کی خبر رسانی۔

(۲) دشمنون کے حملہ کی خبر سنکر مدافعت کے لیے پیشقدمی کرنا۔

(۳) قریش کی تجارت کی روک ٹوک تاکہ وہ مجبور ہوکر مسلمانون کو حج و عمرہ کی اجازت دین

(۴) امن و امان قائم کرنے کے لیے تعزیری فوجین بھیجنا۔

(۵) اشاعت اسلام کے لیے لوگ بھیجے گئے۔ اور حفاظت کے خیال سے کچھ فوج ساتھ کردی گئی۔ اس صورت مین تاکید کردی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے۔

غزوہ کی صرف دو صورتین تھین۔

(۱) دشمنون نے دارالاسلام پر حملہ کیا اور ان کا مقابلہ کیا گیا۔

(۲) یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی طیاری کررہے ہین اور پیشقدمی کی گئی۔

آنحضرت صلعم کے زمانہ مین جو لڑائیان واقع ہوئین یا اس قسم کے جو واقعات پیش آے انہی مختلف اغراض سے تھے۔

آنحضرت صلعم جب مکہ سے چلے آئے تو قریش نے فیصلہ کرلیا کہ اسلام کو مٹا دیا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر اسلامی تحریک قائم رہی تو ایک طرف اُن کے مذہب کو صدمہ پہنچیگا۔ دوسری طرف تمام عرب مین انکا جو تفوق اور اثر اور مرجعیت عام ہے سب جاتا رہے گا۔ اس بنا پر ایک طرف تو قریش نے خود مدینہ پر حملہ کی طیاریان شروع کین۔ دوسری طرف تمام قبائل عرب کو بھڑکایا کہ یہ نیا گروہ اگر کامیاب ہوگیا تو تمھاری آزادی بلکہ ہستی بھی فنا ہوجائیگی۔

بیعت عقبہ مین جب انصار آنحضرت صلعم کے ہات پر بیعت کر رہے تھے تو ایک انصاری نے کہا "برادرانِ من! جانتے ہو کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب وعجم سے اعلانِ جنگ ہے" اوپر ہم مسند دارمی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کر آئے ہین کہ آنحضرت صلعم جب مدینہ مین تشریف لائے تو تمام عرب مدینہ پر حملہ کے لیے طیار ہو گیا۔ نوبت یہان تک پہنچی کہ مدینہ مین مہاجرین اور انصار رات کو سوتے تھے تو ہتیار باندہ کر سوتے تھے۔ اوپر گزر چکا ہے (بحوالۂ ابوداؤد) کہ قریش نے عبداللہ بن ابی کو پیغام بھیجا تھا کہ "محمدؐ کو وہان سے نکال دو۔ ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمھارا اور محمدؐ دونون کا فیصلہ کر دین گے"۔

محکمۂ تفتیش ان واقعات کی بنا پر ضرور تھا کہ اسلام اور دارالاسلام کی حفاظت کے لیے ضروری تدبیرین اختیار کی جائین۔ اس سلسلہ کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ خبر رسانی اور جاسوسی کا انتظام وسیع پیمانہ پر کیا جائے چنانچہ ابتدا ہی سے آنحضرت صلعم نے اِس انتظام پر توجہ کی، وقتاً فوقتاً کثرت سے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان بنا کر مختلف مقامات پر بھیجتے رہتے تھے۔ یہ ٹکڑیان گو محض خبر رسانی کے لیے جاتی تھین لیکن حفاظت کی غرض سے مسلح اور جمعیت کی صورت مین جاتی تھین۔

یہی واقعات ہین جنکو مورخین "سرایا" سے تعبیر کرتے ہین اور اُن کے نزدیک اس کا مقصد کسی قافلہ کا لوٹنا یا کسی جماعت پر بیخبری کی حالت مین جا پڑنا ہوتا تھا۔

ایک بڑا قرینہ اس بات کا کہ ان دستون کے بھیجنے سے حملہ کرنا مقصود نہین ہوتا تھا یہ ہے کہ دستے اکثر دس دس بارہ بارہ آدمیون سے زیادہ نہین ہوتے تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اتنے تھوڑے سے آدمی لڑنے کے لیے نہین بھیجے جا سکتے تھے۔ مثلاً سنہ ۲ھ مین آنحضرت صلعم نے عبداللہ بن جحش کو

---

[1] باب فی خبر النضیر

بارہ آدمیون کے ساتھ مکہ کی طرف بھیجا اور ایک سربمہر تحریر دی کہ دو دن کے بعد اس خط کو کھولنا۔ دو دن کے بعد انھون نے کھولا تو اس مین یہ الفاظ تھے۔

فسر حتی تنزل نخلة بین مکة والطائف فترصد بها قریشاً وتعلم من اخبارهم (طبری صفحہ ۱۲۷۴)

برابر چلے جاؤ یہان تک کہ نخلہ مین جاکر ٹھہرو جو مکہ اور طائف کے بیچ مین ہے۔ اور قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو اور ان کی خبرین دریافت کرو۔

مدافعت

اس انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ جب کوئی مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تو فوراً خبر ہو جاتی اور پیش دستی کرکے فوجین بھیجدی جاتین۔ اکثر سرایا اسی قسم کے تھے اور چونکہ ہم سرایا کا ذکر زیادہ تر قلم انداز کرآئے ہین اس لیے مثال کے طور پر چند سرایا کا ذکر کرتے ہین اور قدمائے اہل سیر کی تصریحات سے ثابت کرتے ہین کہ یہ بھین مدافعت کی غرض سے تھین۔

سریۂ غطفان

سریۂ غطفان ۳ھ،

وذلك انه بلغ رسول الله صلعم ان جمعا من بنی ثعلبة ومحارب بذی امر قد تجمعوا یریدون ان یصیبوا من اطراف رسول صلعم جمعهم رجل منهم یقال له دعثور بن الحارث، الخ (طبقات صفحہ ۲۳)

اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلعم کو خبر پہنچی کہ قبیلۂ بنو ثعلبة اور محارب کی ایک فوج ذوامر مین اس غرض سے جمع ہوئی ہے کہ آنحضرت صلعم کیطرف حملہ کرے۔ اس فوج کو ایک شخص نے فراہم کیا جسکا نام دعثور ہے۔

سریۂ ابوسلمة

سریۂ ابوسلمہ ۴ھ،

وذلك بلغ رسول الله ان طلحة وسلمة

اس سریہ کی یہ وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم کو خبر لگی کہ طلحة

ابنی خویلد قد سارا فی قومهما و من اطاعهما یدعونهم الی حرب رسول اللہ الخ
(ابن سعد صفحہ ۳۵)

اور سلمۃ (پسران خویلد) دونون اپنی قوم اور اپنے پیرؤن کو لے کر آنحضرت صلعم سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے ہین۔

(سریۂ عبد اللہ بن انیس بغرض قتل سفیان بن خالد ۳ھ)

سریۂ عبد اللہ بن انیس

و ذلک انہ بلغ رسول اللہ صلعم ان سفیان بن خالد فی ناس من قومہ وغیرھم قد جمع الجموع لرسول اللہ،

ابن انیس اسلیے بھیجے گئے تھے کہ آنحضرت صلعم کو خبر لگی کہ سفیان بن خالد اپنے قبیلہ کو اور باہر کے لوگون کو آنحضرت صلعم سے لڑنے کے لیے جمع کر رہا ہے۔

غزوۂ ذات الرقاع

غزوۂ ذات الرقاع ۵ھ۔

فاخبر اصحاب رسول اللہ صلعم ان انمارا و ثعلبۃ قد جمعوا لهم الجموع ... فمضیٰ،)

ایک جاسوس نے آکر صحابہ کو اطلاع کی کہ انمار اور ثعلبہ وغیرہ مسلمانون سے لڑنے کے لیے فوجین جمع کر رہے ہین آپ چل کھڑے ہوئے

غزوۂ دومۃ الجندل

غزوۂ دومۃ الجندل ۵ھ

قالوا بلغ رسول اللہ صلعم ان بدومۃ الجندل جمعا کثیرا ..... وانهم یریدون ان یدنوا من المدینۃ، (ابن سعد صفحہ ۴۴)

رواۃ بیان کرتے ہین کہ آنحضرت صلعم کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل مین ایک گروہ کثیر جمع ہے اور وہ مدینہ پر بڑھنا چاہتا ہے۔

غزوۂ مریسیع

غزوۂ مریسیع ۵ھ

ان بلمصطلق من خزاعۃ وهم حلفاء بنی مدلج وکان راسهم و سیدهم الحارث

قبیلہ بنو مصطلق خزاعہ کی شاخ ہے اور یہ لوگ بنو مدلج کے حلیف ہین اور ان کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا

بن ابی ضرار فسار فی قومہ ومن قدر علیہ من العرب فدعاھم الی حرب رسول اللہ فاجابوالا۔ (ابن سعد صفحہ ۴۵)	وہ اپنی قوم کو اور نیز اور لوگون کو جو اُسکے قابو مین تھے لیکر چلا۔ اور لوگون کو رسول اللہ سے لڑنے کی دعوت دی اور لوگون نے منظور کی۔

سریۂ فدک

سریۂ علی ابن ابی طالب، بطرف فدک، ۶ھ

بلغ رسول اللہ صلعم ان لھم جمعًا یریدون ان یمدوا یھود خیبر	آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا کہ بنو سعد فدک مین یہود خیبر کی کمک کے لیے فوج جمع کر رہے ہین۔

سریۂ بشیر بن سعد

سریۂ بشیر بن سعد شوال ۷ھ

بلغ رسول اللہ صلعم ان جمعًا من غطفان بالجناب قد واعدھم عیینۃ بن حصن لیکون معھم لیزحفوا الی رسول اللہ	آنحضرت صلعم کو خبر پہنچی کہ غطفان کا ایک گروہ مقام جناب مین جمع ہے اور اُن سے عیینہ بن حصن نے وعدہ کیا ہے کہ انکے ساتھ ملکر رسول اللہ پر حملہ آور ہوگا۔

سریۂ عمرو بن العاص

سریۂ عمرو بن العاص، ذات سلاسل ۸ھ، یہ مقام مدینہ سے ۱۰ منزل ہے۔

بلغ رسول اللہ صلعم ان جمعا من قضاعۃ قد تجمعوا یریدون ان یدنوا من اطراف رسول اللہ صلعم	آنحضرت صلعم کو خبر پہنچی کہ قضاعۃ کا ایک گروہ جمع ہوا ہے کہ آن حضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف بڑھے۔

قریش کی تجارت کی روک ٹوک

بخاری کے حوالہ سے ہم اوپر نقل کر آئے ہین کہ (قریش اور مسلمانون مین جنگ چھڑنے سے پہلے) ابوجہل نے حضرت معاذ انصاری سے کعبہ مین یہ کہا تھا کہ اگر تم لوگ محمدؐ کو نکال نہ دوگے تو تم کعبہ کا طواف نہین کرسکتے"۔ انھون نے جواب دیا تھا کہ "تم نے اگر ہمکو کعبہ مین

آنے سے روکا تو ہم تمھاری شام کی تجارت روک دین گے" (مکہ سے شام کو جو قافلہ جاتا تھا مدینہ اسکی راہ مین پڑتا تھا) کعبہ مسلمانون کی خاص چیز تھی۔ کیونکہ کعبہ جس نے تعمیر کیا تھا مسلمان اُسی کے دین (ابراہیمی) کے پیرو تھے، باوجود اس کے قریش نے مسلمانون کو عموماً حج اور عمرہ سے روک دیا اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا کاروانِ تجارت روک دیا جائے کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانون کو کعبہ کے اندر جانے کی اجازت دے دین۔

بعض سرایا قبل حدیبیہ

سرایا کے ذکر مین اکثر جگہ اہل سیر لکھتے ہین کہ "یتعرض لعیر قریش" یعنی "اس لیے فوجین بھیجی گئین، یا خود آنحضرت صلعم تشریف لے گئے کہ کاروان قریش کی روک ٹوک کی جائے" یہ تمام مہمات اِسی غرض کے لیے تھین۔ لیکن چونکہ قریش تجارت کے لیے بھی ہتیار بند ہو کر نکلتے تھے اور کم از کم سو دو سو کی جمعیت ساتھ لے کر جاتے تھے اِس لیے روک ٹوک مین کبھی کبھی مقابلہ پیش آجاتا تھا اور جب قریش شکست کھا کر بھاگ جاتے تھے تو مال تجارت غنیمت مین ہات آتا تھا۔ اہلِ سیر غلطی سے اِن واقعات کو اس پیرایہ مین لکھتے ہین کہ قافلہ کا لوٹنا ہی اصلی مقصد تھا۔

یہی روک ٹوک تھی جسکی بنا پر قریش نے بالآخر حدیبیہ کی صلح کر لی جسکے رو سے مسلمانون کو چند خاص پابندیون کے ساتھ حج کی اجازت ملگئی، قریش پر کاروانِ تجارت کی روک ٹوک کا اس قدر اثر پڑتا تھا کہ (حضرت ابو ذر غفاری نے مکہ مین جب اپنے اسلام کا اعلان کیا اور قریش نے اس جرم مین انکو مارنا پیٹنا شروع کیا اور حضرت عباس نے کہا کہ غفار کا قبیلہ تمھارے کاروانِ تجارت کے سر راہ واقع ہے تمھاری اس حرکت سے برہم ہو کر وہ راستہ نہ روک دے۔ تو یہ تدبیر پوری کارگر ہوئی اور انھون نے ڈر کر حضرت ابو ذر کو چھوڑ دیا) صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی خواہش سے کے

مطابق جب یہ طے ہوا کہ آنحضرت صلعم مکہ کے نومسلمون کو واپس دیدین گے، اور ان نومسلمون نے مکہ سے بھاگ کر شام کی راہ مین اپنا ایک مستقر قائم کرلیا (اور قریش کی تجارت کی راہ کو غیر مامون کر دیا) تو قریش نے بالآخر اجازت دیدی کہ جو مسلمان چاہے مکہ سے مدینہ چلا جائے، انکی طرف سے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔ (پھر آیندہ سال اُنھون نے مسلمانون کو حج و عمرہ کی بھی اجازت دیدی۔ اس کے بعد پھر کبھی مسلمانون نے قریش کے کاروان تجارت سے تعرض نہین کیا، بلکہ خود اسکی حفاظت کے لیے فوج بھیجتے تھے[1])

امن وامان قائم کرنا اوپر گذر چکا ہے کہ عرب مین اس سرے سے اُس سرے تک مطلق امن وامان نہ تھا تمام قبائل باہم لڑتے رہتے تھے، یہان تک کہ محترم مہینون مین بھی بہانے نکال کر مہینون کے نام بدل دیتے تھے اور لڑتے تھے، تجارت بالکل غیر محفوظ تھی۔ قافلون کا لوٹ لینا عام بات تھی۔ جیسا کہ بدقسمتی سے آج بھی بدو قافلون کو لوٹتے رہتے ہین۔

رسول اللہ صلعم کو خدا نے اسلیے بھیجا تھا کہ نہ صرف وعظ و پند بلکہ دست و بازو سے بھی تمام عرب بلکہ تمام دنیا مین امن وامان قائم کرین۔ کیونکہ خونریزی اور قتل سے زیادہ کوئی چیز خدا کو ناپسند نہین۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ	اِسی لیے ہمنے بنی اسرائیل کو لکھدیا تھا کہ جس شخص نے
مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ	ایک جان کو بغیر معاوضہ (یا زمین مین فساد) کے قتل کردیا
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (مائدہ)	اُس نے تمام عالم کو قتل کردیا
وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا	اور جب وہ پھر کر جاتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین
وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ	مین فساد برپا کرے اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے

[1] فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۲۶۱۔

اَلْفَسَادَ (سیقول) | اور اللہ فساد کو پسند نہین کرتا۔

اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (مائدہ-۴)

جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہین اور زمین مین فساد پھیلاتے ہین انکی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کر دیے جائین، یا پھانسی دیے جائین۔ یا ان کا ایک ہاتھ اور دوسرے طرف کا پانون کاٹ ڈالا جائے یا جلاوطن کر دیے جائین

احادیث مین ہے کہ جب عدی (حاتم طائی کے بیٹے) اسلام لائے تو آنحضرت صلعم نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ "خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک شترسوار صنعا سے لیکر حضرموت تک سفر کرے گا اور اس کو خدا کے سوا یا بھیڑیے کے سوا (کہ اسکی بکریان نہ اُٹھا لیجائے) اور کسی کا ڈر نہ ہوگا" یہ ابوداؤد کے الفاظ ہین صحیح بخاری[1] مین ہے کہ "خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک عورت قادسیہ سے چلیگی اور آکر کعبہ کی زیارت کرے گی۔ اور اُسکو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا" عدی کہتے ہین کہ مین نے اپنی آنکھون سے دیکھ لیا کہ ایک عورت قادسیہ سے سفر کر کے حرم تک آتی ہے اور اس کو کسی کا ڈر نہین ہوتا۔

بہت سے واقعات ہین جنکو اہل سیر سرایا مین شمار کرتے ہین۔ وہ محض تجارت کی آزادی اور عام امن وامان قائم کرنے کی غرض سے تھے۔ دو تین مثالین ہم درج کرتے ہین۔

سریۂ زید بن حارثہ

سنہ ۶ھ مین حضرت زیدؓ مال تجارت لیکر شام گئے۔ واپس آتے ہوئے جب وادی قریٰ کے قریب پہنچے تو بنو فزارہ کے لوگون نے آکر اُنکو مارا پیٹا اور تمام مال واسباب چھین لے گئے۔ آنحضرت صلعم نے اُس کے تدارک کے لیے تھوڑی سی فوج بھیجی جسنے ان لوگون کو سزا دی[2]۔

---

[1] باب علامات النبوۃ [2] طبقات ابن سعد صفحہ ۶۵۔ جلد غزوات۔

اسی سنہ مین اس سے پہلے دحیہ کلبی جنکو آنحضرت صلعم نے خط دیکر قیصر کے پاس بھیجا تھا، شام سے واپس آرہے تھے، جب حمی پہنچے تو ہنید نے چند آدمیون کے ساتھ اُن پر ڈاکہ ڈالا اور جو کچھ اُنکے پاس تھا سب چھین لیا۔ یہان تک کہ بدن کے کپڑے (وہ بھی جو پُرانے اور پھٹے تھے) چھوڑ دیے آنحضرت صلعم نے اس کے تدارک کے لیے زید کو بھیجا[1]۔

سریہ دومۃ الجندل

سنہ ۵ھ مین آنحضرت صلعم کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل مین جو مدینہ منورہ سے شام کی جانب پندرہ منزل پر ہے ایک بڑا گروہ جمع ہوگیا ہے جو تاجرون کو ستاتا ہے، اس کے تدارک کے لیے آپ خود تشریف لے گئے، مجمع منتشر ہو چکا تھا لیکن آپ نے چند روز تک وہان قیام کیا اور انتظام کے لیے تمام اطراف مین فوج کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان بھیجدین۔

سریہ خبط یا سیف البحر

(یہ حالت کچھ مسلمان تاجرون کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد کفار قریش کے کاروان تجارت کی بھی اسیطرح حفاظت کی جاتی تھی۔ سنہ ۸ھ مین قریش کا کاروان تجارت شام سے واپس آرہا تھا۔ قبیلہ جہینہ کی طرف سے اطمینان نہ تھا، آنحضرت صلعم نے عبیدہ بن جراح کی سرداری مین تین سو مسلمانون کی جمعیت جس مین حضرت عمر بھی داخل تھے، مدینہ سے ۵ دن کی مسافت پر روانہ فرمایا۔ مسلمانون نے اس فرض کو اس طرح انجام دیا کہ کھانے کو کچھ نہ رہا تو ایک ایک چھوہارے پر دن دن بھر گذار دیا[2]۔

صحیح مسلم[3] مین یہ واقعہ مفصل مذکور ہے۔ لیکن اس سریہ کی غرض مختلف راویون نے مختلف

---

[1] ابن سعد صفحہ ۶۴۔ [2] ابن سعد جزء مغازی سریہ خبط [3] صحیح مسلم باب اصابۃ میتۃ البحر، صحیح بخاری باب غزوہ سیف البحر مین بھی یہ روایتین ہین۔)

بیان کی ہے، اصل راوی حضرت جابر ہین جو اس واقعہ مین شریک تھے، ایک روایت مین ہے کہ جہینہ سے لڑنے کو یہ مہم بھیجی گئی تھی کتب مغازی مین بھی یہی مذکور ہے۔ دوسری روایتون کے الفاظ یہ ہین

۱۔ نتلقی عیر قریش قافلۂ قریش سے ملنے کے لیے، ۲۔ نرصد عیر قریش قافلہ قریش کی دیکھ بھال کیلیے

اس سے مقصود عام طور سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ قافلۂ قریش کے لوٹنے کے لیے۔ لیکن یہ صریح غلطی ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ تو صلح حدیبیہ کا تھا، اس بنا پر ان الفاظ کے صاف معنی یہ ہین کہ یہ مہم قافلہ قریش کی حفاظت اور جہینہ کو روکنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ حافظ ابن حجر کی بھی یہی تحقیق [1] ہے)

غزوۂ غابہ

عرب کی جسارت اور رہزنی کی عادت کا یہ حال تھا کہ اگرچہ ہر دفعہ انکو سخت سے سخت سزائین ملتی تھین تاہم وہ کسی طرح جرائم سے باز نہین آتے تھے یہان تک کہ غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا ڈاکے ڈالتے تھے ۔سنہ ۴ھ مین قبیلہ فزارہ کی آبادی مین قحط پڑا، عیینہ بن حصن جو یہان کا رئیس تھا آنحضرت صلعم نے فرط کرم سے اس کو اجازت دی کہ اسلامی حدود مین جو سیراب تھے مویشی چرائے۔ لیکن سنہ ۶ھ مین اُسی عیینہ نے غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا حملہ کیا اور آنحضرت صلعم کی بیس اونٹنیاں لوٹ لین حضرت ابوذر کے بیٹے جو چراگاہ کے محافظ تھے ان کو قتل کردیا۔ چنانچہ ارباب سیر اس واقعہ کو غزوۂ غابہ سے تعبیر کرتے ہین۔

عرب کا تمام ملک جو اسلام کا دشمن ہوگیا اور اخیر فتح مکہ تک کفار سے جو لڑائیان جاری رہین اسکی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ عرب کی معاش کا بڑا ذریعہ رہزنی، قُطّاعُ الطریق اور قتل و تاراج تھا۔ اسلام ان چیزون کو مٹاتا تھا اس لیے عرب اسلام سے بڑھکر کسی کو اپنا دشمن نہین سمجھ سکتے تھے

ہجری مین حملہ کرنے کا سبب عرب کے قبائل دو قسم کے تھے ایک وہ جو کسی خاص مقام پر مستقل سکونت

[1] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۶۱ و ۶۲۔

رکھتے تھے، دوسرے وہ جو خیمہ نشین اور بادیہ گرد تھے، ان کا کوئی خاص مستقر نہ تھا، جہان چشمہ یا سبزہ زار دیکھا خیمے ڈال دیے۔ جب وہان بھی پانی نہ رہا تو خبر رسان کسی اور مقام کی خبر لائے اور وہان چلے گئے۔ ان قبائل کو عربی مین اصحاب الوبر کہتے ہین، زیادہ تر جو قبائل ڈاکے ڈالا کرتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ اسی قسم کے قبائل تھے۔ اُن کا انتظام اور انکی روک ٹوک سخت مشکل تھی ان کی تعزیر کے لیے فوجین جاتی تھین تو یہ پہاڑون پر بھاگ جاتے تھے اور قابو مین نہین آتے تھے اسلیے مجبوراً جو فوجین اُن پر بھیجی جاتی تھین غفلت مین بھیجی جاتی تھین کہ وہ بھاگ نہ جانے پائین۔

اکثر سرایا کے بیان مین اہل سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کچھ فوجین بھیجین جو راتون کو چلتی تھین اور بیخبری کی حالت مین موقع پر پہنچکر حملہ کرتی تھین اور قبائل کو لوٹ لیتی تھین اس قسم کے واقعات تمام کتابون مین کثرت سے منقول ہین اور انہی واقعات سے یورپ کے لوگون نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ اسلام نے دشمن پر ڈاکہ ڈالنا اور لوٹ مار کرنا جائز رکھا ہے اسی بنا پر مارگولیوس نے یہ استدلال کیا ہے کہ "چونکہ بہت دنون تک مسلمانون کے پاس معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا اسلیے آنحضرت صلعم نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ قبائل پر بیخبری مین حملہ کر کے مال و اسباب لوٹ لایا کرتے تھے"

لیکن جب زیادہ تفحص اور استقرا اور کد و کاوش سے تمام واقعات بہم پہنچائے جائین تو ثابت ہوگا کہ اچانک حملہ اُنہی قومون پر کیا جاتا تھا جنکی نسبت یہ احتمال ہوتا تھا کہ ان کو خبر ہوگی تو پہاڑون کی چوٹیون پر یا کسی اور مقام پر بھاگ جائین گے چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ ان لوگون کو خبر ہوئی اور وہ کسی طرف چلدیے۔ اس قسم کے چند واقعات ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین، ان مین سے بعض مین آپ خود تشریف لے گئے اور بعض مین کچھ دستے بھیجدیے۔

غزوۂ بنو سلیم

غزوۂ بنو سلیم ۳ھ (ابن سعد صفحہ ۲۴)

واغذ السیر...... فوجدھم قد تفرقوا فی میاھھم فرجع،	اور بہت تیزی سے بگ ٹٹ گئے لیکن وہ لوگ اپنے چشمون کی طرف چلدیے تھے (اسلیے لوٹ آئے)

غزوہ ذات الرقاع

غزوۂ ذات الرقاع ۵ھ۔

وھربت الاعراب الی رؤس الجبال،	اور اعراب پہاڑون کی چوٹیون پر بھاگ گئے۔

سریہ عکاشہ

سریۂ عکاشہ ۶ھ۔

وجہ رسول اللہ صلعم عکاشۃ بن محصن الی الغمر فی اربعین رجلا فخرج سریعا یغذ السیر.... فھربوا،	آنحضرت صلعم نے عکاشہ بن محصن کو ۴۰ آدمیون کے ساتھ بھیجا۔ وہ بگ ٹٹ گئے..... لیکن وہ لوگ بھاگ گئے۔

سریہ علی ابن ابی طالب

سریۂ علی ابن ابی طالب، الی بنی سعد ۶ھ،

فبعث الیھم علی ابن ابی طالب فی مائۃ رجل فسار اللیل وکمن النھار حتیٰ انتھی الی الھجیج فاغاروا علیھم فاخذوا خمس مئۃ بعیر والفی شاۃ وھربت بنو سعد بالظُّعن،	آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو سَو آدمیون کے ساتھ بھیجا وہ راتون کو چلتے تھے اور دن کو چھپ رہتے تھے یہانتک کہ مقام ہجیج پہنچگئے۔ پھر ان لوگون پر حملہ کیا اور پانسو اونٹ اور دو ہزار بکریان لوٹین اور بنو سعد مستورات کو لے کر بھاگ گئے۔

غزوۂ بنو لحیان

(غزوۂ بنو لحیان، ۶ھ،

فسمعت بھم بنو لحیان فھربوا فی رؤس الجبال،	بنو لحیان نے انکی آہٹ سنی تو پہاڑونکی چوٹیونپر بھاگ گئے،

سریہ عمرؓ بن خطاب بطرف تربہ ۷ھ؎

سریہ عمر بن خطاب

فکان یسیر اللیل ویکمن النھار فاتی الخبر ھوازن فھربوا، وجاء عمر بن الخطاب محالھم فلم یلق منھم احدا)

راتون کو چلتے تھے اور دن کو چھپ جاتے تھے۔ خبر لگ گئی تو وہ فرار ہو گئے۔ حضرت عمر ان کے پڑاو پر پہنچے تو کسی کو نہ پایا۔)

سریہ کعب بن عمیر، ربیع الاول، ۸ھ

سریہ کعب بن عمیر

اِس سریہ کا یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے پندرہ شخصون کو شام کی طرف بھیجا۔ ذات اطلاح پہنچکر ان لوگون کو ایک بڑی جماعت نظر آئی۔ ان لوگون نے انکو اسلام کی دعوت دی، اُنھون نے انکار کیا اور ان پر تیر اندازی شروع کی مجبور ہو کر یہ لوگ بھی لڑے، اور بالآخر سب شہید ہوے۔ صرف ایک صاحب بچے، اُنھون نے آکر خبر کی، آنحضرت صلعم نے اُن سے انتقام لینا چاہا لیکن وہ لوگ یہ مقام چھوڑ کہین اور چلے گئے۔ ابن سعد مین یہ الفاظ ہین۔

وھمّ بالبعث الیھم فبلغہ انھم قد ساروا الی موضع آخر،

ان پر فوج بھیجنے کا ارادہ کیا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ اور کہین چلے گئے

اشاعت اسلام

(ان اغراض کے علاوہ اور جو سرایا بھیجے گئے ان کی غرض اشاعت اسلام ہوتی تھی۔ لیکن چونکہ ملک مین امن وامان نہ تھا اور نیز دشمنون نے اِس سرے سے اُس سرے تک آگ لگا رکھی تھی دعوت اسلام کے لیے جو سرایا جاتے تھے ان کی زندگی ہمیشہ معرض خطر مین رہتی تھی۔

سریہ بئر معونہ

صفر ۴ھ مین ستر داعیانِ اسلام کی جماعت قبیلۂ کلاب مین رئیس قبیلہ کی دعوت پر اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجی گئی۔ لیکن بئر معونہ کے قریب قبائل رعل وذکوان کے ہاتھ سے کُل کی کل شہید

ہوئی۔ صرف ایک صاحب بچ گئے تھے جنھون نے مدینہ مین آکر خبر کی۔

سریہ مرثد

اسی زمانہ مین یعنی صفر سنہ ۳ھ مین قبیلۂ عضل وقارہ نے تعلیم وارشاد کے لیے دعاۃ اسلام کے بھیجنے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلعم نے عاصمؓ، خبیبؓ، مرثد بن ابی مرثدؓ وغیرہ دس صاحبون کو اس غرض کے لیے روانہ فرمایا، مقام رجیع مین پہنچکر بنو لحیان نے اُن پر حملہ کیا اور ایک کے سوا کل صاحب شہید کردیے گئے۔ سنہ ۶ھ مین بنو لحیان کی تعزیر کے لیے مہم گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ (وہ سُن گُن پاکر بھاگ گئے تھے۔)

غزوۂ بنی لحیان

سنہ مین آنحضرت صلعم نے داعیون کی ایک جماعت جس مین پچاس آدمی شامل تھے قبیلۂ بنی سلیم کے پاس بھیجی، اس گروہ کے سردار ابن ابی العوجا تھے۔ اُنھون نے بنو سلیم کو دعوت دی۔ لیکن ان لوگون نے انکار کیا، اور تیراندازی شروع کی، یہ لوگ بھی لڑے لیکن پچاس آدمی قبیلہ کے قبیلہ کا کیا مقابلہ کرسکتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ رئیس فوج یعنی ابن ابی العوجاء کے سوا سب شہید ہوئے۔

سریہ ابن ابی العوجاء

سریہ کعب بن عمیر

ربیع الاول سنہ مین آنحضرت صلعم نے کعب بن عمر غفاری کو پندرہ آدمیون کی جمعیت کے ساتھ دعوت اسلام کے لیے ذات اطلاح کی طرف روانہ کیا۔ یہ مقام شام کے حدود مین وادی القریٰ سے اس طرف ہے۔ ان لوگون نے اسلام کی تبلیغ کی لیکن جواب وہی تیغ وسنان تھا۔ یہان تک کہ یہ جماعت بھی کل کی کل شہید ہوئی صرف ایک صاحب بچ گئے جنھون نے آکر مدینہ مین خبر کی۔

اس بنا پر اکثر دعوتِ اسلام کے لیے جو سرایا بھیجے جاتے تھے اُن کے ساتھ حفاظت کی غرض سے کچھ فوج بھی ساتھ کردی جاتی تھی لیکن اس صورت مین بہ تصریح افسرون کو کہدیا جاتا تھا

کہ صرف اشاعت اسلام مقصود ہے لڑائی بھڑائی کی اجازت نہین۔ مثلاً فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت صلعم نے خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا اور ۳۰۰ آدمیون کی جمعیت) ساتھ کر دی تو صاف فرما دیا کہ صرف دعوت اسلام مقصود ہے۔ لڑائی مقصود نہین، چنانچہ ابن سعد لکھتے ہین۔

بعثہ الی بنی جذیمۃ داعیاً الی الاسلام ولم یبعثہ مقاتلا (صفحہ ۱۰۶)	آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خالد کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، دعوت اسلام کے لیے، نہ لڑنے کے لیے۔

علامہ طبری اس موقع پر لکھتے ہین۔

قد کان رسول اللہ صلعم بعث فیما حول مکۃ السرایا تدعو الی اللہ عزوجل ولم یامرھم بقتال،	آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کے اطراف مین سرایا بھیجے دعوت اسلام کے لیے اور ان کو لڑائی کا حکم نہین دیا۔

باوجود اس کے بھی حضرت خالد نے تلوار سے کام لیا اور آنحضرت صلعم نے سنا تو آپ کھڑے ہو گئے اور قبلہ رو ہو کر کہا "اے خدا خالد نے جو کچھ کیا مین اس سے بری ہون" تین دفعہ اسی طرح یہ الفاظ فرمائے پھر حضرت علی کو بھیجا کہ جنھون نے ایک ایک بچہ کا یہان تک کہ کتون کا خون بہا ادا کیا اور اس پر مزید رقم دی[1]، یہ واقعہ باختلاف الفاظ حدیث کی کتابون مین بھی مذکور ہے۔

(اسیطرح سنہ ھ مین آنحضرت صلعم نے حضرت علی کو جب ۳۰۰ سوارون کے ساتھ یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا۔

فاذا نزلت بساحتھم فلا تقاتلھم حتے	جب تم وہان پہنچ جاؤ تو جب تک تم پر کوئی حملہ

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۶۵۱۔

یقاتلوک (ابن سعد مغازی صفحہ ۱۲۲) نہ کرے تم نہ لڑنا۔

(اسی سلسلہ مین وہ سرایا بھی داخل ہین جو فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لیے اطراف ملک مین روانہ کئے گئے اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عرب مین مختلف قبیلون کے الگ الگ بتخانے تھے، فتح مکہ کے بعد جب عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کرلیا تو بتون کی عظمت اور جباری کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخیل بعض قبائل سے دفعۃً نہ مٹ سکا، اب گو وہ ان کو لائق پرستش نہین سمجھتے تھے، تاہم اُن کے دلوں پر ان اصنام کی وراثۃً ایک مدت سے جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اس سے یہ ہمت نہین پڑتی تھی کہ ان باطل پرستیون کے مرکز کو خود اپنے ہات سے مٹا دین۔ جاہلون کو یقین تھا کہ ان مقدس پتھرون کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا تو آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ زمین پھٹ جائے گی۔ مصائب اور بلاؤن کا ایک طوفان برپا ہو جائے گا۔

اہل طائف نے بیعت کرتے ہوئے شرط پیش کی تھی کہ ان کا بتخانہ ایک سال تک ڈھایا نہ جائے۔ اور جب آنحضرت صلعم نے یہ منظور نہ فرمایا تو دوسری شرط یہ پیش کی کہ ہم ان کو اپنے ہات سے نہ توڑین گے بعض اور نو مسلم قبائل بھی اس ادائے فرض مین جھجکتے تھے، اس بنا پر ان مقامات مین چند راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمان بھیجے گئے کہ وہ ان کی طرف سے اس فرض کو انجام دین۔ چنانچہ سریۂ خالد بن ولید، بتخانۂ عزیٰ۔ سریۂ عمرو بن العاص، بتخانۂ سواع۔ سریۂ سعد بن زید اشہلی، بتخانۂ مناۃ سریۂ ابوسفیان و مغیرہ بن شیبہ، بتخانہ لات سریۂ جریر، بتخانۂ ذی الخلصۃ[1]۔ سریۂ طفیل بن عمرو دوسی بتخانۂ ذی الکفین۔ اور سریۂ علی ابن ابی طالب، بتخانۂ فلس کے توڑنے کو روانہ کئے گئے[2])

---

[1] (صحیح بخاری غزوہ ذی الخلصۃ [2] اس باب مین تمام تر واقعات ابن سعد جزء مغازی سے ماخوذ ہین۔)۔

جنگی اصلاحات

جنگ افعال انسانی کا بدترین منظر ہے اور عرب کی جنگ تو ظلم، توحش، قساوت سفاکی بیدردی اور درندہ پن کا تماشا گاہ تھی، لیکن اعجاز نبوت سے یہی چیز تمام نقائص سے پاک ہو کر ایک مقدس فرض انسانی بن گئی،

کسی ملک مین جب ہزارون برس سے ظلم و غارت گری متوارث چلی آتی ہے تو شروع شروع مین مہذب سے مہذب حکومت کو بھی چندروز قدیم اصول اور طرز عمل کو اختیار کرنا پڑتا ہے جسکو طبی اصطلاح مین علاج بالمثل کہہ سکتے ہین، آغاز اسلام مین حملہ اور جنگ کے متعلق بعض واقعات اس قسم کے ملتے ہین جو پہلے سے رائج تھے۔ مثلاً جاہلیت مین دستور تھا کہ دشمن پر بیخبری کی حالت مین جا پڑتے تھے۔ اور قتل و قید کرتے تھے اسلام نے اس طریقہ کو مٹایا لیکن ابتدا ہی مین اگر اسپر عمل کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ دشمن ہمیشہ دفعۃً حملہ آور ہو کر مسلمانون کو قتل کیا کرتے اور مسلمان اس کے مقابلہ مین کچھ نہ کر سکتے۔ یا کرتے تو پہلے ان کو خبر کرتے جس کے بعد وہ کہین ٹلجاتے۔ یا اپنی حفاظت کا سامان کر لیتے لیکن جسقدر اسلام کو زور و قوت حاصل ہوتی گئی اسی قدر وہ قدیم طریقے مٹتے گئے یہان تک کہ ایک ایک کرکے سب کا خاتمہ ہو گیا۔

اسلام سے پہلے جنگ کا جو طریقہ تھا اور جس قسم کے وحشیانہ افعال عمل مین آتے تھے اُن کو ہم تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہین۔ ان صفحات کو دوبارہ سامنے رکھ لو اور اس کے مقابلہ مین دیکھو اسلام نے کیا کیا اصلاحین کین؟

اِس بات کو قطعاً روک دیا کہ عورتین، بوڑھے، بچے، صغیر السن، نوکر، خادم، لڑائیون مین قتل کئے جائین۔

آنحضرت صلعم کا دستور تھا جب کسی مہم پر فوج بھیجی جاتی تو سردار فوج کو جو احکام دیے جاتے اُنمین

ایک یہ لازمی حکم بھی ہوتا۔[1] ابو داؤد مین یہ حکم ان الفاظ مین مذکور ہے۔

لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا امرأة، — کسی کہن سال کو۔ بچے کو۔ کمسن کو۔ عورت کو قتل نہ کرو۔

غزوات مین کبھی کسی عورت کی لاش آپ کی نظر سے گزرتی تو آپ نہایت سختی سے منع فرماتے صحیح مسلم مین متعدد حدیثین اس کے متعلق مذکور ہین۔

اسلام سے پہلے معمول تھا کہ دشمن کو گرفتار کر لیتے تو کسی چیز سے باندھ کر اس کو تیرون کا نشانہ بناتے یا تلوار سے قتل کرتے۔ عربی مین اس طریقہ کو صبر کہتے تھے، آنحضرت صلعم نے نہایت سختی سے اس کو روک دیا۔

ایک دفعہ حضرت خالد کے صاحبزادے (عبد الرحمٰن) نے ایک لڑائی مین چند آدمیون کو گرفتار کر کے اسی طرح قتل کرا یا تھا حضرت ابو ایوب انصاری نے سنا تو کہا "مین نے رسول اللہ کو سنا وہ اس سے منع کرتے تھے، خدا کی قسم مین مرغ کو بھی اسطرح مارنا جائز نہین رکھتا" عبد الرحمٰن نے اُسی وقت کفارۂ گناہ کے طور پر چار غلام آزاد کئے۔[2]

لڑائیون مین عہد کی کچھ پابندی نہ تھی۔ جنگ موتہ وغیرہ مین کفار نے مسلمانون کے ساتھ یہی معاملہ کیا یعنی قول و قسم لیکر مسلمانون کو ساتھ لوائے اور گھر لیجا کر قتل کر ڈالا قرآن مجید مین انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً — کسی مسلمان کے متعلق وہ نہ قسم کا لحاظ رکھتے ہین نہ ذمہ داری کا۔

---

[1] صحیح مسلم باب الجہاد۔ [2] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۰۔

اِنَّھُمْ لَا اَیْمَانَ لَھُمْ، ان کی قسم قسم نہین۔

آنحضرت صلعم نے سخت تاکید کی کہ جو عہد کیا جائے، ہر حال مین اس کی پابندی کیجائے۔ قرآن مجید مین اس کے متعلق جابجا تاکیدی اور صاف احکام ہین۔ عہد نبوت اور خلفائے راشدین کے زمانہ مین پابندی عہد کی حیرت انگیز مثالین ملتی ہین۔

آنحضرت صلعم جب ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے تو بہت سے صحابہ مجبوریون کی وجہ سے مکہ ہی مین رہ گئے تھے۔ ان مین حذیفہ بن یمان اور ان کے والد بھی تھے۔ جنگ بدر سے کچھ پہلے وہ مکہ سے روانہ ہوئے کفار نے ان کو پکڑ لیا کہ تم مدینہ جاکر پھر ہمارے مقابلہ کو آؤگے۔ اُنھون نے کہا ہمارا مقصد صرف انتقال مکان ہے۔ کفار نے ان سے عہد لیکر چھوڑ دیا۔ یہ لوگ مقام بدر مین آنحضرت صلعم کی خدمت مین پہنچے اور یہ دیکھکر کہ رسول اللہ کفار سے مصروف جنگ ہین، خود بھی اس سعادت کی آرزو کی۔ لیکن آنحضرت صلعم نے ان کو باز رکھا کہ تم معاہدہ کر چکے ہو۔

ابو رافع کو قریش نے قاصد بنا کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین بھیجا تھا۔ بارگاہ نبوت مین آکر انپر یہ اثر ہوا کہ مسلمان ہوگئے اور عرض کی کہ اب مین کافرون مین واپس نہ جاؤن گا، آپ نے فرمایا تم قاصد ہو اور قاصد کو روک لینا عہد کے خلاف ہے۔ اس وقت واپس جاؤ۔ پھر آجانا۔[1]

صلح حدیبیہ مین جب **ابوجندل**رض پابہ زنجیر آئے اور بدن کے داغ دکھلے کہ قریش مجھکو قید کر کے اس طرح ستاتے ہین۔ آپ نے فرمایا ہان لیکن قریش سے معاہدہ ہوچکا ہے کہ کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ آئے گا تو ہم قریش کے پاس بھیجدین گے۔ اس پر ابوجندلرض نے رو کر تمام مسلمانون کو مخاطب

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۲۔

گیا۔ لوگ جوش رقت سے بیقرار ہو گئے۔ اور قریب تھا کہ قابو سے باہر ہو جائین۔ حضرت عمر بیتاب ہو گئے حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلعم کی خدمت مین بار بار جاتے تھے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن پابندی عہد کی قیمت ان سب خطرات سے زیادہ تھی۔ ابو جندل کو پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔

اسلام سے پہلے قاصدون کا قتل کر دینا ممنوع نہ تھا۔ صلح حدیبیہ سے پہلے آنحضرت صلعم نے قریش کے پاس جو قاصد بھیجا تھا۔ قریش نے اس کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا اور قاصد کو بھی قتل کر دینا چاہا۔ لیکن باہر والون نے بچا لیا۔

آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ قاصد کبھی قتل نہ کیے جائین مسیلمہ نے جب قاصد بھیجا اور اُس نے گستاخانہ گفتگو کی تو آپ نے فرمایا کہ "قاصد کا قتل کرنا دستور نہین ورنہ تو قتل کر دیا جاتا"۔ مؤرخین اس واقعہ کو لکھکر لکھتے ہین کہ اس دن سے یہ ایک قاعدہ بنگیا کہ قاصد قتل نہین کیے جاتے تھے۔

اسیران جنگ کے ساتھ عرب نہایت بُرا سلوک کرتے تھے اور تمام قومون مین بھی یہی طریقہ جاری تھا۔ جنگ صلیبی مین یورپین سلطنتین جب مسلمانون کو لڑائیون مین گرفتار کرتی تھین تو ان سے جانورون کی طرح کام لیتی تھین۔

علامۂ ابن جبیر، جب حروب صلیبیہ کے زمانہ مین سسلی مین گذرے ہین تو یہ حالت دیکھکر تڑپ گئے۔ چنانچہ لکھتے ہین۔

ومن الفجائع التی یعاینھا من حل بلادھم اسری المسلمین یرسفون فی القیود ویصرفون فی الخدمۃ الشاقۃ والاسیرات المسلمات

اور منجملہ ان دردانگیز حالات کے جو ان شہرون مین نظر آتے ہین اسیران اسلام ہین جو بیڑیان پہنے نظر آتے ہین اور جن سے سخت محنت شاقہ لی جاتی ہے۔ اور

کذلک فی اسواقھن خلاخیل الحدید — اسی طرح مسلمان عورتین پنڈلیون مین لوہے کے کڑے پہنے سخت

فتفطر لھم الافئدۃ[1] — محنت شاقہ سے کام کرتی ہین جنکو دیکھکر دل پھٹا جاتا ہے۔

آنحضرت صلعم نے اسیران جنگ کی نسبت تاکید کی کہ انکو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ اسیرانِ بدر کو جب آپ نے صحابہ کے حوالہ کیا تو تاکید کی کہ کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ صحابہ خود کھجور وغیرہ کھا کر بسر کر لیتے تھے اور قیدیون کو کھانا کھلاتے تھے۔ غزوۂ حنین مین چھ ہزار اسیر تھے سب چھوڑ دیے گئے اور آپ نے ان کے پہننے کے لیے چھ ہزار جوڑے (مصر کے کپڑے کے) عنایت فرمائے۔ چنانچہ ابن سعد نے اس واقعہ کی تصریح کی ہے۔

حاتم طائی کی بیٹی جب گرفتار ہوکر آئی تو آپ نے عزت وحرمت سے مسجد کے ایک گوشہ مین اُس کو مقیم کیا اور فرمایا کہ کوئی تمھارے شہر کا آجائے تو مین اس کے ساتھ تم کو رخصت کردون چنانچہ چند روز کے بعد سفر کا سامان کرکے ایک شخص کے ساتھ یمن بھجوا دیا،

قرآن مجید مین جہان خدا نے بندگانِ خاص کے اوصاف بتائے ہین۔ وہان فرمایا ہے

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا، — اور یہ لوگ خدا کی محبت مین مسکین کو، یتیم کو اور قیدیون کو کھانا کھلاتے ہین۔

معمول تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ ہوتا تو اہل فوج چارون طرف دور دور پھیل جاتے، جس سے راستے بند ہوجاتے، گھرون مین آنا جانا مشکل ہوجاتا۔ راہ گیرون کا مال ومتاع لٹ جاتا۔ یہ طریقہ ایک مدت سے چلا آتا تھا۔ ایک لڑائی مین قدیم دستور کے مطابق یہی حرکتین لوگون سے سرزد ہوئین

[1] رحلہ ابن جبیر مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۷ء صفحہ ۳۰۷۔

آپ نے منادی کرا دی کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کا جہاد جہاد نہین۔

ابو داؤد مین انس جہنی رضؓ سے روایت ہے۔

غزوت مع نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ کذا وکذا فضیق الناس المنازل وقطعوا الطریق فبعث نبی اللہ منادیا ینادی الناس ان من ضیق منزلا او قطع طریقا فلا جہاد لہ[1]	مین فلان غزوہ مین آپ کے ساتھ تھا لوگون نے دوسرون کے پڑاؤ پر جا کر انکو تنگ کیا۔ لوٹا مارا۔ آپ نے ایک شخص کو بھیجا جسنے منادی کی کہ جو دوسرون کو گھرون مین تنگ کرے یا لوٹے مارے اُس کا جہاد قبول نہین۔

ابو داؤد مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے جب یہ حکم دیا کہ لوگ اِدھر اُدھر پھیل نہ جایا کرین تو لوگ اس طرح سمٹ کر پڑاؤ ڈالتے تھے کہ ایک چادر تان دی جاتی تو سب اس کے نیچے آجاتے[2]۔

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مال غنیمت کے ساتھ لوگون کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیون کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا، اِسکی اصلاح مین نہایت تدریج سے کام لینا پڑا، جاہلیت مین تو غنیمت محبوب ترین چیز تھی۔ تعجب یہ ہے کہ اسلام مین بھی ایک مدت تک اس کو ثواب کی چیز سمجھتے تھے۔ ابو داؤد مین ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے پوچھا،

رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ وھو یبتغی عرضا من عرض الدنیا فقال النبی لا اجر لہ فاعظم ذلک الناس وقالوا للرجل	ایک شخص خدا کی راہ مین جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے آپ نے فرمایا اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ یہ امر لوگون کو بہت عجیب معلوم ہوا، اور

---

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد جلد اول صفحہ ۳۶۰ - [2] ابو داؤد کتاب الجہاد۔

عُدلرسول اللہ صلعم فلعلک لم تفھمہ — لوگون نے اس شخص سے کہا کہ پھر جاکر پوچھو۔ غالبًا تمنے آنحضرت صلعم کا مطلب نہین سمجھا۔
(ابوداؤد جلد ا صفحہ ۳۴۰)

بار بار لوگ دوبارہ دریافت کرنے کے لیے بھیجتے تھے اور انکو یقین نہین آتا کہ آنحضرت صلعم نے ایسا فرمایا ہوگا۔ بالآخر جب آپ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا کہ لا اجر لہ یعنی اس کو کچھ ثواب نہین ملے گا، تب لوگون کو یقین آیا۔

ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا ان مین سے ایک صاحب صف سے آگے نکل گئے۔ قبیلہ والے روتے ہوئے آئے۔ اُنھون نے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو تو بچ جاؤگے، لوگون نے اسلام قبول کرلیا اور حملہ سے بچ گئے۔ اس پر ساتھیون نے ان کو ملامت کی کہ تم نے ہم لوگون کو غنیمت سے محروم کردیا۔ ابوداؤد مین صحابی کا قول ان الفاظ مین مذکور ہے

فلامنی اصحابی وقالوا حرمتنا الغنیمۃ — مجھکو میرے ساتھیون نے ملامت کی تمنے ہملوگون کو غنیمت سے محروم کردیا۔
(ابوداؤد باب مایقول اذا اصبح کتاب الادب)

جب لوگون نے آنحضرت صلعم سے آکر ان کی شکایت کی توآپ نے ان کی تحسین کی اور فرمایا کہ تمکو ایک ایک آدمی (جو چھوڑ دیے گئے) کے بدلے اتنا اتنا ثواب ملیگا۔ (ابوداؤد)

قرآن مجید مین غنیمت کی نسبت "متاع دنیوی" کا لفظ آتا تھا اور اسکی طرف انہماک اور وارفتگی پر ملامت کیجاتی تھی۔ جنگ احد مین جب اس بناپر شکست ہوئی کہ کچھ لوگ کفار کا مقابلہ چھوڑکر غنیمت مین مصروف ہوگئے تو یہ آیت اتری۔

مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ، — تم مین سے کچھ لوگ دنیا کے طلبگار تھے۔ اور کچھ آخرت کے۔

جنگ بدر مین لوگون نے جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنی شروع کردی۔ (یا) بقول بعض مفسرین فدیہ کی خواہش سے لوگون کو گرفتار کیا تو یہ آیت اُتری۔

تُرِيۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡيَا وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ، — تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو۔ اور خدا آخرت چاہتا ہے۔

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوۂ حنین مین جو سنہ ۸ھ مین واقع ہوا تھا اِس وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے مین مصروف ہو گئے۔ صحیح بخاری غزوۂ حنین کے ذکر مین ہے۔

فاقبل المسلمون علی الغنائم واستقبلونا بالسھام ، — تو مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافرون نے ہم کو تیرون پر رکھ لیا۔

اس بنا پر موقع بہ موقع آنحضرت صلعم اس مسئلہ کو زیادہ تر تصریح سے بیان فرماتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ "کوئی شخص غنیمت کے لیے، کوئی نام کے لیے، کوئی اظہار شجاعت کے لیے جہاد کرتا ہے، کس کا جہاد خدا کی راہ مین سمجھا جائے گا؟" آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا

من قاتل لتکون کلمة اللّٰه ھی العلیا — جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو۔

بالآخر آپ نے یہ فرما دیا کہ گو جہاد کسی نیت سے کیا جائے لیکن اگر مجاہد مال غنیمت قبول کرتا ہے تو دو تہائی ثواب کم ہو جاتا ہے پورا ثواب اُسی وقت ملتا ہے جب غنیمت کو مطلق ہات

نہ لگائے، صحیح مسلم میں آنحضرت صلعم کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

مامن غازیۃ تغزو فی سبیل اللہ فیصیبون الغنیمۃ الا تعجلوا ثلثی اجرھم من الآخرۃ ویبقی لھم الثلث وان لم یصیبوا غنیمۃ تم لھم اجرھم،

جو غازی خدا کی راہ میں لڑتا ہے اور مال غنیمت لیتا ہے وہ آخرت کے ثواب کا دو ثلث یہیں لے لیتا ہے اور آخرت میں اس کا حصہ صرف ایک تہائی رہ جاتا ہے البتہ اگر غنیمت مطلق نہ لے تو اس کو آخرت میں پورا اجر ملے گا۔

ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ غنیمت جو سب سے محبوب چیز تھی دلوں سے اتر گئی، اور جہاد صرف اعلاے کلمۃ اللہ مقصود رہ گیا، واقعۂ ذیل سے اس کا اندازہ ہو سکیگا۔

واثلہ بن الاسقع ایک صحابی تھے۔ آنحضرت صلعم جب تبوک کی مہم پر روانہ ہوے تو ان کے پاس سامان نہ تھا۔ مدینہ میں آواز دیتے پھرے کہ "کوئی ہے جو ایسے شخص کو سواری دے کہ جو کچھ مال غنیمت ہات آے گا اس میں وہ برابر کا شریک ہوگا" ایک انصاری نے سواری اور خوراک سب اپنے ذمہ لی، اس مہم میں کئی اونٹ ہات آئے، واثلہ واپس آکر انصاری کے پاس سب اونٹ لے گئے اور کہا "یہ وہ اونٹ ہیں جنکی نسبت میں نے شرط کی تھی کہ آپ بھی اس میں حصہ دار ہوں گے" انھوں نے کہا "ان کو تم ہی لو، میرا شرکت سے کچھ اور ارادہ تھا" (یعنی اونٹ میں نہیں، بلکہ جہاد کے ثواب میں شرکت مقصود تھی)[1]

دوران جنگ میں دشمن کے مال اور جائداد کا لوٹنا بھی عام رواج تھا۔ خصوصاً جب کہ رسد ٹھہر جاتی تھی اور کھانے پینے کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا تو ہر حال میں یہ فعل جائز سمجھا جاتا تھا۔ آنحضرت

[1] ابو داود، کتاب الجہاد جلد ثانی۔

صلعم نے اسکی سخت ممانعت کی اور سرے سے اس طریقہ کو روک دیا، ابوداؤد مین ایک انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے اور غایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی اتفاق سے بکریون کا ریوڑ نظر آیا سب ٹوٹ پڑے اور بکریان لوٹ لین۔ آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی آپ موقع پر تشریف لائے تو گوشت پک رہا تھا اور ہانڈیان اُبال کھارہی تھین۔ آپ کے ہات مین کمان تھی۔ آپ نے اُس سے ہانڈیان اُلٹ دین اور سارا گوشت خاک مین ملگیا۔ پھر فرمایا "لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے[1]"۔

لڑائی عبادت بن گئی اسلام نے جہاد کو جو بظاہر ایک ظالمانہ کام ہے اس قدر پاک اور منزّہ کردیا کہ وہ افضل ترین عبادت بن گئی، جہاد کا مقصد یہ قرار دیا کہ مظلومون کو ظلم سے بچائے، جابر اور ظالم کمزور آدمیون پر دست ستم دراز نہ کرنے پائین۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ (حج)	جن لوگون سے لوگ لڑائی کرتے ہین انکو اس بنا پر لڑنے کی اجازت دیگئی کہ انپر ظلم کیا گیا۔ اور خدا انکی مدد پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھرون سے صرف اس بنا پر نکالدیے گئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب خدا ہے۔

ملک مین جو ہمیشہ فتنہ و فساد برپا رہتا تھا اور لوگ امن و امان سے بسر نہین کرسکتے تھے جہاد اس غرض سے تھا کہ فساد کو مٹا دے اور امن قائم کردے۔

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ (انفال)	اور ان سے لڑو تاکہ فتنہ نہ رہے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ثانی

جو لوگ خدا پر اور جزا و سزا پر اعتقاد نہین رکھتے اور اس وجہ سے اُن کے نزدیک ہر قسم کے ظلم وستم جائز تھے اور ان کو جائز و ناجائز کی کچھ تمیز نہ تھی، جہاد سے ان کا زیر کرنا اور ان لوگون کو ان کے ظلم سے بچانا مقصود قرار دیا گیا۔

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ، (براءۃ)

ان لوگون سے لڑو جو نہ خدا پر اعتقاد رکھتے ہین نہ قیامت پر اور جن کامون کو خدا اور رسول نے حرام قرار دیا ہے اس کو حرام نہین سمجھتے

جہاد مین فتح پانے اور زمین پر قبضہ حاصل کرنے کا مقصد یہ نہین قرار دیا گیا کہ فاتح دولت و مال اور حکومت کا لطف اُٹھائین بلکہ یہ غرض قرار دی گئی کہ لوگون کو عبادت و ریاضت اور فقرا کی دستگیری کی تلقین کرین اور اچھی باتین پھیلائین اور بُرے کامون سے لوگون کو روک دین۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ،

وہ لوگ کہ اگر ہم انکو زمین پر قبضہ دین تو وہ نماز کے پابند ہون گے زکوٰۃ ادا کرین گے اچھی باتون کا حکم دین گے اور بری باتون سے روکین گے۔

کسی ملک کی فتح سے جو دولت و مال ہات آتا تھا وہ فاتح کا خاص حصہ ہوتا تھا جسکو وہ اپنے مصارف عیش مین استعمال کرتا تھا اور دربار کے امراء درجہ بدرجہ اس سے مستفید ہوتے تھے لیکن اس کا مصرف یہ قرار دیا۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی

اور جان لو کہ تم کو جو کچھ مال غنیمت ملے تو اُس کا پانچوان[1] حصہ خدا ہے اور رسول کا اور رشتہ دارونکا او

[1] اس پانچوین حصہ کے سوا باقی تمام مال غنیمت مجاہدین کا حق تھا۔

وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (انفال) — یتیمون کا اور غریبون کا اور مسافرون کا۔

جہاد نہ صرف حقیقت کے لحاظ سے بلکہ صورۃً بھی عبادت بنا دیا گیا، مجاہدین کو تاکید تھی کہ عین جنگ کے وقت بھی خدا کا نام لیتے رہین۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (انفال) — مسلمانو! جب کسی گروہ سے مٹ بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو، اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ تم کامیاب ہوگے

نماز مین جسطرح اُٹھتے بیٹھتے تکبیر و تسبیح یعنی اللہ اکبر اور سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہین جہاد مین بھی یہی حکم تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہین کہ ہم جب کسی بلندی پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے اور جب نیچے اُترتے تو سبحان اللہ کہتے تھے۔ بخاری مین روایت ہے کہ آنحضرت صلعم جہاد مین جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تے تو تین دفعہ اللہ اکبر کہتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلعم جہاد پر جا رہے تھے صحابہ زور زور سے تہلیل و تکبیر کرتے تھے، آنحضرت صلعم نے فرمایا "اِس قدر شور سے نہین کہنا چاہیے کیونکہ خدا جسکو تم پکارتے ہو وہ بہرا نہین ہے"، بعینہٖ اسیطرح ایک دفعہ حضرت عمر کو نماز مین پکار کر قرآن پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔

نکتہ، ابوداؤد مین حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ جہاد[1] مین دستور تھا کہ چڑھائیان آتی تھین تو تکبیر کہتے تھے اور اُتار آتا تھا تو تسبیح پڑھتے تھے۔ نماز بھی اسی اصول پر قایم کی گئی۔ یعنی سر اُٹھاتے ہین تو اللہ اکبر اور سجدے مین جاتے ہین تو سبحان اللہ کہتے ہین۔ اس روایت مین ادائے

---

[1] کتاب الجہاد باب التکبیر عند الحرب ۔ ابوداؤد کتاب الجہاد جلد اصفحہ ۳۵۰ مطبوعہ مجتبائی اصل عبارت یہ ہے۔
النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجیوشہ اذا علوا الثنایا کبروا واذا ھبطوا سبحوا فوضعت الصلوٰۃ علی ذلک۔

مطالب مین ذرا فرق آگیا ہے، جہاد کے اصول پر نماز نہین قائم کی گئی۔ بلکہ جہاد مین نماز کا طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ نماز ابتداے اسلام سے وجود مین آئی اور جہاد کی تاریخ ہجرت کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ بہرحال اس روایت سے اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ نماز اور جہاد دونون مین ایسی مشابہت تھی کہ ایک کو اصل اور دوسرے کو اسکی نقل سمجھتے تھے۔

غرض وہی جنگ جو ہر طرح کے ظلم و ستم اور جہالت و وحشت کا مجموعہ تھی اسلام کی تعلیم ربانی نے اس کو اعلاے کلمۃ اللہ، قیام امن، رفع مفاسد، نصرتِ مظلوم اور تسبیح و تہلیل کی صورت مین بدلدیا۔

فاتح پیغمبر کا امتیاز جہاد کے معرکون مین آپ کے ہات مین گو تیغ و سپر اور جسم مبارک پر خود و مغفر ہوتا تھا لیکن اس وقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق صاف نظر آتا تھا۔

عین اس وقت جب کہ معرکۂ کارزار گرم ہے۔ تیرون کا مینہ برس رہا ہے۔ تمام میدان لالہ زار بنگیا ہے، ہات اور پانون اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہین جس طرح موسم خزان مین پتے جھڑتے ہین دشمن کی فوجین سیلاب کی طرح بڑہی آرہی ہین۔ عین اس حالت مین آنحضرت صلعم کا دست دعا آسمان کی طرف بلند ہے۔ جنگ آور باہم نبرد آزما ہین اور سر مبارک سجدۂ نیاز مین ہے۔ معرکۂ بدر مین حضرت علیؓ عین شدت جنگ مین تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے۔ فوجین تیرون کا مینہ برسا رہی ہین اور لڑائی کا فیصلہ نہین ہوتا۔ فاتح بے سلاح زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھا لیتا ہے اور دشمن کی طرف پھینکتا ہے۔ دفعۃً فوجون کا بادل پھٹ کر مطلع صاف ہو جاتا ہے۔

حنین مین دشمن نے دفعۃً اس زور سے حملہ کیا کہ تمام فوج کے پانون اکھڑ گئے ۱۲۰۰۰ ہزار آدمیون مین سے ایک بھی پہلو مین نہین۔ سامنے سے دس ہزار قدر انداز تیر برساتے آرہے ہین

لیکن مرکزِ حق اپنی جگہ پر قائم ہے، اور ایک پُرجلال آواز آرہی ہی،

انا النبی لا کذب،   مین پیغمبر ہون، اور جھوٹا پیغمبر نہین ہون،

عین اسوقت جبکہ صفین باہم معرکہ آرا ہین، ہرطرف تلوارین برس رہی ہین، ہات پاؤن کٹ کٹ کر زمین پر بچھے جاتے ہین، موت کی تصویرین ہرطرف نظر آرہی ہین، اتفاق سے نماز کا وقت آجاتا ہی، دفعۃً نماز کی صفین قائم ہوجاتی ہین، سپہ سالار، امام نماز ہی، فوجین صفوف نماز ہین، رجز کے بجائے اللہ اکبر کی صدائین بلند ہین، جوش و خروش، تہوّر و جانبازی، غیظ و غضب، اب عجز و نیاز، تضرع و زاری اور خضوع وخشوع بنجاتا ہی، صفین دو دو رکعتین ادا کرکے دشمن کے مقابلہ پر چلی جاتی ہین، انکے بجائے لڑنے والے نماز مین شامل ہوجاتے ہین، یہ دو رکعتین ادا کرکے پھر اپنی پہلی خدمت پر واپس چلے جاتے ہین، اور مشغولین جنگ آکر بقیہ نماز پوری کرلیتے ہین لیکن یہ تبدیلیان فوجون مین ہوتی ہین، امام (رسول) اول سے آخر تک عبادت الٰہی مین مصروف ہی،

تعلیم و ارشاد، ہدایت و تلقین، تہذیب و تزکیہ کا کام ہروقت جاری ہی، عین فتح کے وقت جبکہ مجاہدین فتح کے نشہ مین چور ہین، مالِ غنیمت فروخت ہورہاہے، ایک ایک کو ہزارون کی رقمین وصول ہورہی ہین، ایک صحابی خوش خوش آتے ہین اور جوشِ مسرت مین کہتے ہین، یارسول اللہ آج مین نے مالِ غنیمت سے جسقدر نفع اُٹھایا کبھی نہین اُٹھایا تھا، پورے تین سو اوقیہ ہات آئے" (اوقیہ دس روپیہ کے برابر ہوتاہے) آپ فرماتے ہین کہ "مین اس سے بھی زیادہ نفع بتاؤن؟" وہ بڑے شوق سے پوچھتے ہین کیا؟ ارشاد ہوتاہے" نماز فرض کے بعد دو رکعتین[1]"

تمّ المجلد الاوّل من السیرۃ النبویّۃ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیّۃ

[1] ابوداؤد باب فی التجارۃ فی الغزو